سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۱۱۳

بار اول ـــ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

قیمت ـــ پانچ روپے

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

تذکرۂ اُردو مخطوطات ادارۂ ادبیات اُردو جلد اول

فہرست مندرجات

ارشاد نامہ شاہ برہان الدین جانم ۔ تصنیف سنہ ۹۹۰ھ
قطب شاہی عہد کا نسخہ ۔ دیکھو صفحہ ۱۹

معراج نامہ سید بلاقی ۔ تصنیف سنہ ۱۰۸۰ھ
قطب شاہی عہد کا نسخہ ۔ دیکھو صفحہ ۲۷

فہرست مخطوطات بلحاظ موضوع

(۱) علوم قرآن و حدیث

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۲۲۶	تفسیر سورۂ اذا جاء	؟	قبل ۱۱۵۰	۲۰۴
۶۰	حاشیۂ من درپن	آگاہ	۱۲۰۶ / ۱۲۰۹	۹۶
۵۹	〃 〃	〃	〃	۱۱۱
۲۳۳	ترجمۂ چہل حدیث	؟	قبل ۱۱۲۲	۲۸۰

(۲) فقہ

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۹	فقۂ ہندی	عبدی	۱۰۷۴	۲۶
۱۱	ہدایات ہندی	ضعیفی	۱۱۰۱	۲۸
۱۳	〃 〃	〃	〃	۳۳
۱۷۱	ہدایت المومنین	؟	قبل ۱۱۰۰	۲۰۲
۴۸	توشۂ عاقبت	منور بیگم	〃 ۱۱۱۷	۷۵
۲۱۹	مرات المصلی	؟	۱۱۷۵	۲۹۲
۱۱۷	کفایت الاسلام	؟	قبل ۱۲۰۰	۱۵۲
۱۲۴	رسالۂ احوال میت	شمس الدین	۱۲۰۰	۱۵۹
۱۸۲	تحقیق الصلوٰۃ	سید محمود عبد الحی	۱۲۳۰	۲۲۰
۱۲۱	دین دیپک	محمد علی شاہ الفت	قبل ۱۲۴۴	۱۵۵
۱۳۱	ترتیب النکاح	شمس الدین	۱۲۵۰	۱۹۸
۱۳۲	ترتیب ماز	〃	〃	۱۶۸
۱۸۰	چہار کرسی	اشرف الدین	قریب ۱۲۵۰	۲۱۷
۱۳۹	کشف الخلاصہ	شجاع الدین	۱۲۶۲	۱۶۴
۲۶۷	〃	〃	〃	۳۲۵
۱۸۷	کشف الحاجۃ	نور الدین	〃	۲۲۷

(۳) تصوف

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۲	ارشاد نامہ	برہان الدین جانم	۹۹۰	۱۹
۲۷	کلمۃ الحقایق	〃 〃	قریب 〃	۵۳
۴۲	چکی نامہ	خواجہ بندہ نواز	قبل ۸۲۵ھ	۶۸
۳۸	〃 〃 عرفان	میران جی خدانما	〃 ۱۰۷۰	۹۴
۲۸	مقصود ابتدائی	؟	〃 ۱۰۰۰	۵۴
۲۰۹	رسالہ وجودیہ	میراں جی خدانما	〃 ۱۰۷۰	۲۵۰
۲۷۱	شمائل الاتقیا	میراں یعقوب	〃 ۱۰۷۸	۳۲۹

۲۵۰	گلزار السالکین	عابد شاہ	قبل ۱۰۹۲	۳۱۳
۲۱۸	درالاسرار	مرید سلطان	۱۱۰۰ "	۲۶۱
۱۰۰	"	"	" "	۲۰۱
۱۱۲	گنج مخفی	منظم	" "	۱۴۸
۱۱۳	چکی نامہ	فاروقی	" "	۱۵۰
۲۰۱	مثنوی علی	علی	" "	۲۴۳
۲۰۷	مناظرہ عقل و عشق	؟	" "	۲۴۸
۲۱۰	وصل نامہ	مرتضیٰ	" "	۲۵۱
۱۴	کسب محویت	صدرالدین	۸۷۶ "	۹۹
۲۵۹	کسب عروج	"	" "	۳۱۵
۲۹	من لگن	بحری	۱۱۱۳	۵۵
۴۳	اشارت الغافلین	عاشق	قبل ۱۱۰۳	۶۸
۳۳	پنچھی باچھا	وجدی	۱۱۴۶	۶۰
۳۴	"	"	"	۶۱
۳۵	"	"	"	۶۲
۹۱	"	"	"	۱۱۱
۲۳۸	گنج عرفاں	امام الدین خاں	۱۱۵۰ "	۲۸۶
۲۴۱	نظم شادی	عظیم الدین	۱۱۶۹ "	۲۹۱
۱۱۱	فقر نامہ	کامل	۱۱۹۵ "	۱۴۷
۱۸۱	مجذوب السالکین	امین	۱۲۰۰ "	۲۱۸
۱۶۳	اربع عناصر الوجود	؟	" "	۱۹۷
۱۶۴	رمزِ محل	؟	" "	۱۹۸
۱۶۵	معرفتِ حق	؟	" "	۱۹۸
۱۶۶	رسالہ وجودیہ	؟	" "	۱۹۹
۱۶۷	رسالہ چہل تن	؟	" "	۱۹۹
۱۵۸	چارکرسی طریقت	فقیر اللہ شاہ حیدر	قبل ۱۲۵۰	۱۹۳
۱۵۹	قطعہ	رمضان شاہ	۱۲۹۹ "	۲۰۱
۱۷۲	مراقبات سلوک	مسکین شاہ	۱۲۷۶	۲۰۴
۱۰۶	حبیب المریدین	حبیب علی	قبل ۱۲۸۱	۲۲۶
۱۶۰	نکات الواصلین	سلطان محی الدین	۱۲۷۹	۱۹۴
۱۶۱	وجدان الحق	"	۱۲۸۱	۱۹۶

(۴) پند و اصلاح و تبلیغ و مناجات

۲۲	پند دلبند	علی	درمیان ۱۰۲۰ / ۱۰۹۷	۴۵
۱۶	تحفۃ النصائح	قطب رازی	۱۰۴۵	۳۵
۴۷	"	"	"	۵۰
۱۹	نجات نامہ	ایاغی	۱۰۶۷	۴۱
۱۲۳	پند نامہ	؟	۱۰۸۶	۱۵۸
۷	مناجات	علی زحمتی	قبل ۱۱۰۰	۲۴
۲۰۳	"	غفار	" "	۲۴۴
۲۰۴	کشف المعراج	مواہب	" "	۲۴۵
۲۱۹	وصایائے نبی	؟	" "	۲۵۹
۱۲	پند نامہ لقمان	فتح شریف	۱۱۳۰	۳۱
۴۴	دعائے داؤد	سید	۱۱۴۵ "	۶۰
۴۹	عقاید نامہ	آگاہ	۱۱۸۵	۷۶
۱۳۴	تنبیہ النساء	رحمت اللہ	۱۱۹۵	۱۶۰
۱۳۵	"	"	"	۱۶۲
۱۳۶	"	"	"	۱۶۲
۱۳۷	"	"	"	۱۶۳

۱۳۹	تنبیہ النساء	رحمت اللہ	۱۱۹۵	۱۷۳
۱۹۰	مناقب	عادل	قبل ۱۲۰۰	۲۳۰
۱۵۰	کتاب ہدیٰ	مشتاق	〃 ۱۲۰۰	۱۸۳
۱۱۳	وصیت نامہ	مصطفیٰ	قریب ۱۲۰۴	۱۷۹
۱۸۴	تقویۃ الایمان	محمد اسمٰعیل	۱۲۳۵	۱۲۳
۱۰۳	رسالۂ جہاد	؟	۱۲۳۵	۲۲۲
۱۴۲	ایمان درپن	محمد علی شاہ نعمت	قبل ۱۲۴۲	۱۵۷
۱۴۴	نصیحت المسلمین	خرم علی	۱۲۳۸	۱۷۷
۱۴۵	قیامت نامہ	محمد عبداللہ	۱۲۳۹	۱۷۸
۴۹	سوانحات گذوین	محمد ہادی (؟)	۱۲۴۲	۱۰۳
۱۴۶	ہدایت المومنین	حسن قنوجی	۱۲۴۳	۱۷۹
۱۴۷	رسالۂ اعمال	؟	قریب ..	۱۸۰
۱۵۱	اصلاح مسلمانان	؟	قبل ۱۲۴۵	۱۸۳
۱۵۲	شرک و بدعت	خرم علی	〃 〃	۱۸۴
۱۵۳	قیامت نامہ	شیخ محمد	〃 ۱۲۵۰	۱۸۵
۱۶۲	رسالۂ بے نماز	؟	〃 〃	۱۹۶
۱۸۵	ردوہابیہ	ظہور علی	〃 〃	۲۲۵
۱۸۸	محرمات شرعیۃ و تعزیہ	محمدی و بحر	〃 〃	۲۲۹
۲۳۲	ترجمۂ کیمیا	؟	〃 〃	۲۶۹
۲۵۴	آب حیات	حیات	〃 〃	۳۰۹
۲۶۲	مجموعۂ مناجات	فقیر و ناقص	〃 ۱۲۷۵	۳۱۹
۱۶۳	مولود شریف	مسکین و دستگیر	〃 〃	۳۲۰
۶۶	احوال قیامت	غلام دستگیر	〃 〃	۹۳

(۵) تاریخ و سیر و مناقب

(ا) حالات و مناقب نبیؐ عربی

۹	مولود نامہ	عبدالملک	۱۰۰۹	۲۳
۱۰	معراج نامہ	سید طاقی	۱۰۸۰	۲۷
۲۰۲	قصہ ہرنی کا	؟	قبل ۱۱۰۰	۲۲۴
۱۴۸	〃 باز و فاختہ	؟	〃 〃	۱۸۱
۴	قصیدۂ معجزہ	بنوئی	۱۱۰۲	۲۱
۵	〃 〃 دیگر	〃	〃	۲۲
۳۰	نور نامہ	شاہ عنایت	۱۱۱۱	۴۳
۳۱	〃	〃	〃	۴۴
۱۵	وفات نامہ	دریا	〃	۳۴
۱۱۹	〃	〃	〃	۱۵۴
۱۲۰	〃	〃	〃	۱۵۷
۳	〃	امامی	قبل ۱۱۴۰	۲۰
۱۲	شمائل النبی	عبدالمجید	〃 ۱۱۵۰	۳۳
۵۱	ہشت بہشت	آگاہ	۱۱۸۵ / ۱۲۰۷	۷۸
۵۲	من دیپک	〃	۱۱۸۵	۸۰
۵۳	من ہرن	〃	〃	۸۱
۵۴	من موہن	〃	۱۱۸۶	۸۲
۵۵	جگ سوہن	〃	۱۱۸۵	۸۲
۵۶	آرام دل	〃	〃	۸۳
۵۷	راحت جاں	〃	۱۱۸۶	۸۳
۵۸	من درپن	〃	۱۲۰۶	۸۴
۵۹	من جیون	〃	۱۲۰۷	۸۵

۲۳۶	قصۂ دائی حلیمہ	؟	قبل ۱۲۵۰	۲۸۴

(ب) حالات و مناقب آل و اصحاب نبی

۱	نور ہار	اشرف	۹۰۹	۱۰
۲۱۱	مراثی	مرزا	قبل ۱۰۸۲	۲۵۲
۳۰	جنگ نامہ	سیوک	۱۰۹۲	۵۷
۱۴۲	معجزۂ خاتون جنت	؟	قریب ۱۱۰۰	۱۷۴
۲۱۳	بیاض مراثی	شاہی۔ کنز ” شفیع۔ اشرف برہان۔ یتیم احمد	”	۲۵۵
۲۳	نامۂ علی	عبدالعلی	۱۱۱۰	۴۸
۳۱	روضۃ الشہدا	ولی ویلوری	۱۱۳۵	۵۸
۳۲	”	”	”	۵۹
۹۲	”	”	”	۱۱۳
۱۰۰	”	”	”	۱۱۸
۲۱۴	مراثی	قادر	۱۱۴۰	۲۵۷
۱۴۳	گلشن نامۂ خاتون جنت	؟	قبل ۱۲۰۰	۱۷۷
۳۹	روضۃ الاطہار	شیدا	۱۱۷۳	۶۵
۴۰	”	”	”	۶۶
۵۰	تحفۃ النساء	آگاہ	۱۱۸۵	۷۸
۶۴	ضیافت نامہ	غوثی	۱۱۹۱ / ۱۲۲۵	۹۱
۶۲	ریاض الجنان	آگاہ	۱۲۰۷	۸۸
۶۳	”	”	”	۹۰
۹۰	مراثی	”	”	۱۱۲
۶۵	ظفر نامہ	محمود	۱۲۰۴	۹۱
۱۴۰	وفات نامۂ خاتون جنت	؟	۱۲۲۴	۱۷۵
۱۴۱	وفات نامۂ خاتون جنت	؟	۱۲۲۴	۱۷۶
۱۰۷	دہ مجلس	فاضل	۱۲۴۲	۱۴۲
۱۵۹	”	؟	قبل ۱۲۵۰	۱۹۳
۱۵۴	حملۂ حیدری	محمد مرزا مرزا	۱۲۶۰	۱۸۶
۲۴۲	وفات نامۂ زہرا	کثیر	۱۲۷۵	۲۹۱
۲۵۱	چار گلزار	فضل الرحمن	۱۲۸۰	۳۰۴

(ج) حالات و مناقب محبوب سبحانی

۱۱۰	توصیف نامہ	فیروز	قبل ۹۷۲	۱۴۴
۱۰۸	نامۂ حضرت سلطان	عبدالملک	قریب ۱۰۰۹	۱۴۳
۱۱۵	مدح میراں	شہ میر	قبل ۱۱۰۰	۱۵۰
۲۱۲	محی الدین نامہ	افضل	” ”	۲۵۳
۶۱	محبوب القلوب	آگاہ	۱۲۰۷	۸۷
۲۴۰	اسرار غوثیہ	؟	۱۲۶۰	۲۸۹

(د) دیگر بزرگان مذاہب کے حالات و مناقب

۲۵	قصص الانبیاء	غوثی	۱۱۹۱	۴۹
۱۰۹	مدح شاہ میرانجی	کریم	قبل ۱۰۵۰	۱۴۴
۱۷۴	” وجیہ الدین	ولی	” ۱۱۵۰	۲۰۶
۲۶۸	قصۂ شہیداں	ناطق	قریب ۱۲۴۰	۳۲۶
۲۵۰	روضۃ الاقطاب	رونق علی	” ۱۳۱۹	۳۰۳

(ہ) سلاطین و امرا کے حالات و واقعات

۲۲۱	ابراہیم نامہ	عبدل	۱۰۱۲	۲۶۷
۲۲۴	تاریخ ہندوستان	؟	قبل ۱۱۹۶	۲۷۰
۱۰۲	قصائد تاریخی	ہدایت	” ۱۱۹۸	۱۲۱
۱۰۳	منظومات ہجویہ	”	۱۲۰۰	۱۳۰
۱۰۴	ہجویہ نظمیں	افسق	۱۲۰۱	۱۳۵

نمبر	نام کتاب	مصنف	سنہ	صفحہ
۱۰۵	دیوانچہ	افسق	۱۲۰۳	۱۳۰
۱۰۶	سفرنامہ اعظم جاہ	نادر	۱۲۳۰	۱۴۱
۲۶۴	مسدس اکبر	شعلہ	۱۲۸۷	۳۲۲

(۶) نظم (دیوان، کلیات، بیاضیں)

نمبر	نام کتاب	مصنف	سنہ	صفحہ
۲۲۲	کلیات	محمد قلی قطب شاہ	قبل ۱۰۲۰	۲۶۸
۲۰۵	کلام	شغلی	۱۰۹۰	۲۴۵
۲۰۶	؍؍	سلطان	؍؍ ؍؍	۲۴۷
۲۷۵	کلیات	؍؍	؍؍ ؍؍	۳۳۶
۲۲۰	بیاض قدیم	شاہی۔ راجو	؍؍ ۱۱۰۰	۲۶۲
۱۱۶	بیاض دکنی	خوشنود۔ روحی۔ نصرتی۔ میراں جعفر محرمی	؍؍ ؍؍	۱۵۱
۲۱۵	دکنی منظومات	عبداللہ قطب شاہ۔ معجز۔ محی الدین	؍؍ ۱۱۵۰	۲۵۸
۲۰۸	کلام	اسمٰعیل	؍؍ ؍؍	۲۴۹
۳۶	دیوان	ولی	قریب ۱۱۱۵	۶۲
۳۷	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	۶۳
۸۲	منتخب دیوان	صاحب قران	قبل ۱۱۵۰	۱۰۵
۸۴	قصیدہ	صاحب	؍؍ ؍؍	۱۰۶
۱۳۳	منتخب دیوان	عاشق	؍؍ ۱۱۶۵	۱۶۹
۴۶	دیوان	داؤد	؍؍ ۱۱۶۸	۷۳
۷۱	؍؍	یقین	؍؍ ۱۱۹۱	۹۷
۷۵	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	۱۰۰
۸۳	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	۱۰۶
۲۴۹	دیوان	یقین	قبل ۱۱۹۱	۳۰۲
۰۵	؍؍	عاجز	؍؍ ۱۱۷۸	۲۰۶
۷۲	قصیدہ	فغاں	؍؍ ۱۱۸۹	۹۸
۲۴۵	کلام	میرک	؍؍ ۱۱۹۰	۲۹۴
۸۷	دیوان	میر	؍؍ ۱۱۹۲	۱۰۹
۶۳	؍؍	سودا	؍؍ ۱۱۹۴	۹۹
۷۸	کلیات		؍؍ ؍؍	۱۰۲
۷۹	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍	۱۰۳
۸۰	منتخب دیوان	؍؍	؍؍ ؍؍	۱۰۴
۷۷	دیوان	درد	؍؍ ۱۱۹۹	۱۰۱
۲۵۶	کلیات	کاظم	قریب ؍؍	۳۱۰
۱۷۷	بیاض اشعار	ولی۔ سراج۔ داؤد۔ مکھن۔ سودا۔ قائم۔ صاحب۔ اخلاص	قبل ۱۲۰۰	۲۱۰
۱۷۸	منتخب دیوان	مدینہ	؍؍ ؍؍	۲۱۶
۲۴۴	کلام	برہان	؍؍ ؍؍	۲۹۳
۲۵۵	؍؍	میرن و سید	؍؍ ؍؍	۳۰۹
۲۴۶	بیاض	حیدر۔ وفا۔ دبیر۔ سکندر۔ مولائی۔ غلامی۔ امیر۔ ناسخ	؍؍ ؍؍	۲۹۶
۸۸	کلیات	ایمان	۱۲۲۰	۱۱۰
۸۵	دیوان	انشا	؍؍ ۱۲۲۳	۱۰۷
۸۶	کلیات	؍؍	؍؍ ؍؍	۱۰۸
۱۹۳	چشمۂ فیض	فیض	۱۲۳۸	۲۳۳
۷۶	انتخاب کلام	منور	؍؍ ۱۲۵۰	۱۰۰

۱۹۱	دیوان اول	ناسخ	قبل ۱۲۵۰	۲۳۲
۱۹۲	〃 دوم	〃	〃 〃	۲۳۲
۴۱	منتخب دیوان	نصیر	〃 〃	۱۰۵
۲۳۹	بیاض غزلیات	آبرو۔میر۔سوز۔ یقین۔یکترۂ۔ن	〃 〃	۲۵۷
۲۵۳	انتخاب کلام	بیرو شاہی	〃 〃	۳۰۸
۱۹۶	دیوان اول	مزاج	〃 ۱۲۶۱	۲۳۷
۱۹۷	〃 دوم	〃	〃 ۱۲۷۶	۲۳۹
۱۹۸	〃 سوم	〃	〃 ۱۲۹۱	۲۳۹
۲۷۴	واسوخت	آباد	〃 ۱۲۹۸	۳۳۵
۲۴۳	بیاض اشعار	ادب امیر شکوہ	۱۲۷۵	۲۹۲
۲۵۲	دیوان	ناظم	〃 ۱۲۸۱	۳۰۵
۲۴۷	〃	شرف	قریب ۱۳۰۰	۲۹۹
۱۹۵	دیوان رباعیات	عصر	قبل ۱۳۱۳	۲۳۵

(۷) منظوم قصے

۸	سیف الملوک و بدیع الجمال	غواصی	۱۰۳۵	۲۵
۱۷	چندر بدن و ماہیار	مقیمی	قبل ۱۰۴۸	۳۷
۲۴	پھولبن	ابن نشاطی	۱۰۷۶	۴۹
۲۲۳	〃	〃	〃	۲۶۹
۲۶	رضوان شاہ و روح افزا	فائز	۱۰۹۴	۵۱
۱۸	چندر بدن و ماہیار	بلبل	قبل ۱۱۰۰	۳۹
۴۵	سرو و شمشاد	سامی	〃 ۱۱۷۵	۷۲
۷۴	سوز و گداز	سراج	〃 ۱۱۷۷	۹۹
۲۶۹	بوستان خیال	سراج	قبل ۱۱۷۷	۳۲۷
۲۷۰	لیلیٰ مجنوں	تجلی	قریب ۱۱۹۰	۳۲۸
۹۸	سحر البیان	میر حسن	۱۱۹۹	۹۵
۶۹	〃	〃	〃	۹۶
۷۰	〃	〃	〃	۹۷
۹۹	〃	〃	〃	۱۱۸
۲۲۷	〃	〃	〃	۲۷۵
۱۷۹	قصہ رسیا	؟	قریب ۱۲۰۰	۱۱۷
۱۹۹	قصہ ابو شحمہ	؟	〃 〃	۲۴۰
۶۷	نو بہار عشق	نامی	۱۲۱۱	۹۳
۱۵۵	پدماوت شمع و پروانہ	عبرت عشرت	۱۲۱۱ ۱۲۲۵	۱۸۸
۲۰۲	عشق نامہ	فگار	۱۲۱۲	۳۳۲
۱۰۱	چہار درویش	شوق	۱۲۲۵	۱۱۹
۱۸۹	کہانی و قصہ	مودب	قبل ۱۲۳۶	۲۲۹
۱۷۶	قصہ سیہ پوش	رحمٰن شاہ	〃 ۱۲۴۴	۲۰۸
۱۲۶	نظم انور	فقیر اللہ شاہ حیدر	۱۲۴۷	۱۶۳
۲۴۸	بہار گلشن	شوق	قریب ۱۲۵۰	۳۰۱
۱۵۶	اُتاولی	حسینی بادشاہ (؟)	۱۲۶۰	۱۹۱
۲۶۰	طلسم اعظم	فضل حسین	۱۲۶۳	۳۱۶
۱۶۸	قصہ بادشاہ روم	آدم	قبل ۱۲۶۹	۲۰۰

(۸) نثری قصے

۹۴	چہار درویش	میر امن	۱۲۱۵	۱۱۴

۹۵	چہار درویش	میر امن	۱۲۱۵	۱۱۴
۹۴	طوطی نامہ	حیدری	۱۲۱۵	۱۰۳
۹۶	مذہب عشق	نہال چند	۱۲۱۰	۱۱۵
۹۷	″	″	″	۱۱۶
۲۶۱	″	″	″	۳۱۸
۲۶۳	طوطا کہانی	؟	قریب ۱۲۲۰	۳۳۳
۱۲۵	تنہادلی	فیض اللہ شاہ جیو	۱۲۴۴	۱۶۰
۱۲۷	مرغوب الطبع	حسین علی خاں	۱۲۲۰	۱۴۴
۱۲۸	″	″	″	۱۴۵
۹۸	گل باصنوبر	نیم چند	قبل ۱۲۲۰	۱۰۷
۱۷۴	اگر گل	؟	″ ۱۲۵۰	۲۰۵
۱۲۹	چہار درویش	حسین علی خاں	″	۱۶۵
۱۳۰	ہفت سیر بہار	″	″	۱۶۶
۱۵۷	لاڑہ کپور اور قاضی	حسینی بادشاہ (؟)	″ ۱۲۶۰	۱۹۲

(۹) لغت وعروض وانشا

۲۳۷	واحد باری	اشرف	۹۰۹	۲۸۴
۲۶۶	ترجمۂ آمدنامہ	؟	قریب ۱۱۰۰	۳۲۴

۲۶۵	ریختہ ہندی کی صرف ونحو	؟	۱۲۲۵	۳۲۲
۲۳۱	مطبوع صبیان	مفتی	قبل ۱۲۰۰	۲۷۸
۱۹۴	فیض جاری	فیض	۱۲۵۶	۲۳۴
۲۳۴	تاریخ بدر	واجد علی شاہ	۱۲۷۶	۲۸۱

(۱۰) طب

۲۳۹	حکمت بزرجمہر	؟	قبل ۱۰۵۰	۲۸۳
۲۵۸	معالجات بندہ نواز	عابد شاہ	″ ۱۰۹۲	۳۱۴
۲۱۰	حکمت سلیمان	؟	″ ۱۱۵۰	۲۶۰
۱۱۸	خوان نعمت	نعمت اللہ (؟)	۱۲۱۷	۱۵۳
۲۲۸	کتاب ادویات	؟	قبل ۱۲۴۹	۲۷۵
۲۳۰	بیان زہر کا	؟	″ ″	۲۷۷

(۱۱) سائنس و دیگر علوم

۲۰۰	روپ سنگار	آگاہ	۱۲۱۵	۲۴۱
۲۲۹	مسائل طبیعی	؟	قبل ۱۲۴۹	۲۷۷
۲۲۵	ترجمۂ شرح چغمینی	شاہ علی	قریب ۱۲۵۰	۲۷۲

ادارۂ ادبیات اُردو ۱۹۳۱ء (م ۱۳۴۹ھ) میں قائم ہوا لیکن اس کے کتبخانہ کا آغاز صحیح معنوں میں ۱۹۳۲ء سے عمل میں آیا۔ اور گذشتہ دس گیارہ سال کے عرصہ میں اس نے پندرہ سو (۱۵۰۰) سے زیادہ قلمی نسخے اور بارہ ہزار کے قریب مطبوعہ کتب و رسائل جمع کئے۔ ادارے میں مخطوطات کے محفوظ کرنے کا خیال اُس وقت پیدا ہوا جب راقم الحروف کی جدِ ماجدہ اور مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی ممانی حضرت قادری بی زوجۂ نعمت اللہ مرحوم جاگیردار سکلی کے کتبخانہ کے عربی، فارسی اور اُردو مخطوطات کی فہرست راقم کے ایک شاگرد مولوی سید ابو الفضل صاحب ایم۔ اے لکچرار عربی سٹی کالج نے لکھنی شروع کی۔ اس وقت تک خود راقم الحروف مرحومۂ موصوفہ کے ذخیرۂ مخطوطات کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ جب اس کا علم ہوا تو ان کے مطبوعہ کتب کی طرح اس قلمی ذخیرے کو بھی ادارے میں بطور عطیہ داخل کرنے کا تہیہ کیا گیا۔ چند شفیق احباب مثلاً مولوی محمد حسین جعفری (سابق ناظم محکمۂ تعلیمات) اور نواب عنایت جنگ بہادر وغیرہ جب اس سے واقف ہوئے تو ان علم دوستوں نے راقم کے اس عزم کو راسخ بنانے کے لئے اپنے یہاں کے مخطوطات بھی ادارے کو عطا فرمائے۔ اور ان کے بعد ہی دیگر اصحاب نے بھی اعانت کی جن میں سے چند کے اسمائے گرامی اس تذکرے کے آخر میں معہ تفصیل عطایا شامل ہیں۔

اس طرح جب مخطوطات کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوگئی تو اسکی تفصیلی فہرست قلمبند کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ مولوی غلام رسول صاحب مرتب "فہرس کتب خانہ سٹی کالج" اور پروفیسر عبد القادر سروری مرتب "فہرست اُردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ" سے خواہش کی گئی۔ اول الذکر نے وعدہ فرمایا کہ وظیفہ پر ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اس کام کو انجام دیں گے اور موخر الذکر اس کو ہاتھ میں لینا چاہتے تھے کہ جامعہ میسور نے بہ حیثیت صدر شعبۂ اُردو ان کی خدمات حاصل کرلیں جب پروفیسر سروری کا میسور جانا طے پا گیا تو راقم الحروف نے جامعہ کے بعض طلبہ سے اس کام میں مدد لینی چاہی چنانچہ مولوی رحیم الدین صاحب ظہیر آبادی نے کچھ کام کیا لیکن طالب علمانہ مصروفیتوں کی وجہ سے جاری نہ رکھ سکے۔

ادھر مخطوطات کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا ہی رہا اور بڑھتا جا رہا ہے۔ محسوس ہونے لگا کہ یہ کام آئندہ بہت بوجھل ہو جائے گا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ راقم الحروف ہی اپنی فرصت کے اوقات میں اس طرف متوجہ ہو۔ لیکن دوسری مصروفیتوں کے باعث دو سال کے عرصے میں اس ذخیرۂ نوادر میں سے اُردو زبان کی صرف ۵۰۰ کتابوں ہی تک پہنچنے پایا تھا کہ ایک اہم کام (اُردو انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد کی اشاعت) کی تکمیل کی خاطر اسکو چھوڑنا پڑا۔

اس اثنا میں اس تذکرہ مخطوطات کے بعض اجزا "سب رس" میں (اوائل ۱۹۴۳ء) شائع ہوئے تھے۔ لیکن بعد کو کاغذ کی کم یابی کی وجہ سے اس سلسلہ کو منقطع کر دینا پڑا اور اب جب کہ یہ کام ہی منقطع ہو رہا ہے ضروری تھا کہ مسودے کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے فی الحال ۵۰۰ مخطوطات ہی کا تفصیلی تذکرہ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ اگر موقع ملے تو یہ کام پھر جاری ہو جائے گا اور اس تذکرہ کی مزید جلدیں اس سے بہتر شکل میں چھپ سکیں گی۔ کیونکہ کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے یہ جلد نہایت خفی قلم اور گنجان عبارت میں لکھوائی گئی ہے ورنہ ضخامت بہت بڑھ جاتی۔

ادارے میں جو قلمی کتب اس وقت تک جمع ہو چکی ہیں اُن کے پیش نظر توقع ہے کہ اسی طرح کی ایک اور جلد اُردو مخطوطات کی، دو جلدیں فارسی مخطوطات کی، ایک جلد عربی مخطوطات کی اور ایک جلد ہندی مخطوطات کی، غرض پانچ اور جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مخطوطات کے علاوہ مطبوعات کی فہرستیں بھی کئی جلدوں میں شائع ہو سکتی ہیں۔ اور اگرچہ فہرست مطبوعات کی تدوین کا کام نواب مرزا سیف علی خاں صاحب ناظم اعزازی کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو انجام دے رہے ہیں لیکن شاید اختتام جنگ سے قبل نواب صاحب موصوف کے مساعی منظر عام پر نہ آ سکیں!

نواب مرزا سیف علی خاں صاحب جو حیدرآباد کے ایک معزز اور قدیم جاگیردار ہیں ۱۹۳۰ء سے ادارے کے کتب خانہ کی اعزازی خدمت ذاتی خلوص اور جذبۂ عمل کے تحت انجام دے رہے ہیں اور اس کتب خانے نے ان کی پیہم کاوشوں کی وجہ سے گذشتہ چار پانچ سالوں میں نمایاں ترقی کی ہے۔ انکی ترتیب دی ہوئی کتب خانے کی کارڈ انڈکس بھی (مصنفوں اور کتابوں دونوں کے اسماء کے لحاظ سے) حروف تہجی کے مطابق مرتب ہو چکے ہیں جن کی بنا پر کتابوں کے تلاش کرنے میں بڑی سہولت حاصل ہو گئی ہے۔

اس تذکرۂ مخطوطات کی ترتیب کے سلسلہ میں مؤلف کو جو محنتیں اٹھانی پڑی ہیں اور جو وقت صرف ہوا ہے اس کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے ہیں جنھیں قلمی نسخوں سے کام لینے کا تجربہ ہوا ہو۔ اکثر مخطوطوں کے مصنفوں کے نام، سنہ یا زمانۂ تصنیف اور زمانہ کتابت وغیرہ کی تحقیق میں بیسیوں قلمی و مطبوعہ کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی اور بڑا وقت صرف ہوا۔ اس تمام دیدہ ریزی کے باوجود مؤلف کی کم بضاعتی کی وجہ سے ممکن ہے کہ کسی قلمی نسخے کی کما حقہٗ تذکرہ نگاری کا حق ادا نہ ہو سکا ہو یا کوئی سہو رہ گیا ہو۔ اگر کوئی صاحب ذوق زحمت گوارا کر کے اس قسم کی غلطی سے مطلع فرمائیں تو نہ صرف آئندہ اشاعت میں تصحیح کر دی جائے گی بلکہ ادارے کے ترجمان "ماہنامہ سب رس" کے ذریعہ سے بھی اس کا اعلان عمل میں آ سکے گا۔

اس تذکرہ میں مخطوطات کی ترتیب نہ تو سنہ وار قائم رہ سکی اور نہ بلحاظ موضوع۔ کیونکہ ایک ایک جلد میں ایک ہی کاتب اور ایک ہی زمانہ کی لکھی ہوئی دو دو تین تین کتابیں شامل ہیں اور اکثر جلدوں میں فارسی مخطوطات کے ساتھ اردو کتب بھی شریک ہیں۔ کاتب اور سنہ کتابت کی تحقیق نیز وقت ضرورت مخطوطوں تک آسان رسائی کے پیش نظر ایک جلد کی جملہ کتابوں کا تذکرہ ایک ہی سلسلہ میں لکھ دینا پڑا۔ لیکن موضوع اور سنہ تصنیف دونوں کے لحاظ سے جملہ مخطوطات کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں مرتب کر کے اس تذکرے میں شریک کر دی گئی ہیں۔

تاریخی ترتیب کی فہرست آخر میں شریک ہے اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ اس جلد میں ۸۲۵ھ سے ۱۳۱۹ھ کے درمیانی وسیع دور (یعنے تقریباً پانچ سو سال) کی کتابوں کا حال محفوظ ہو گیا ہے۔ ۱۳۰۰ھ کے بعد کی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ اس جلد میں عمداً شریک نہیں کیا گیا حالانکہ ان میں سے اکثروں کو خود مصنفوں کا مسودہ یا بیاض ہونے کی وجہ سے آئندہ بڑی اہمیت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن ان کے مقابلہ میں فی الحال ساٹھ ستر سال قبل ہی کی کتابوں کو ترجیح دی گئی ہے۔

تذکرہ اردو مخطوطات کی اس پہلی جلد سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جن ۲۰۵ اردو مخطوطات پر نظر ڈالی گئی ہے ان میں سے کم از کم پچیس کتابیں ایسی ہیں جو بالکل نادر ہیں یعنے کسی اور کتب خانے میں اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہیں۔ تقریباً پچاس مخطوطے ایسے ہیں جو خود مصنفوں کے مسودے یا ان کی دستخطی نقلیں ہیں۔ اور ان میں نصف کے قریب ایسی کتابیں ہیں جو اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں۔

یہ مخطوطات صرف جنوبی ہند کی تصنیفات و تالیفات نہیں ہیں بلکہ لاہور، دلی، آگرہ، لکھنؤ، رام پور، بریلی، قنوج اور کلکتہ جیسے دور دراز مقامات کے معروف اور غیر معروف اردو شاعروں اور ادیبوں کی کاوشیں بھی ان میں شامل ہیں۔ ان میں کی بعض کتابوں کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ فرماں رواؤں مثلاً محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ، علی عادل شاہ ثانی والی بیجاپور، عبداللہ قطب شاہ والی حیدرآباد، واجد علی شاہ والی لکھنؤ اور نواب یوسف علیخاں والی رامپور کے نتیجۂ قلم ہیں۔

اردو مخطوطات کے اس تذکرے کی اشاعت سے یقین ہے کہ تاریخ ادب اردو کے بہت سے پہلو روشن ہو جائیں گے اور ہندوستان کی ایک مقبول اور اہم زبان کی تاریخ نگاری کی تکمیل میں ادارے کے یہ مخزونہ مخطوطات اور ان کے متعلق اس تذکرے کی مندرجہ معلومات ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

رفعت منزل ۔۔۔ خیریت آباد

۱۶۔ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

م ۱۵۔ نومبر ۱۹۴۳ء

سید محی الدین قادری زور

تذکرہ اُردو مخطوطات

ادارۂ ادبیات اُردو

جلد اوّل

ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانے میں

اُردو مخطوطات

(۱) نوسرہار [۲۳]

اوراق ۷۰۔ ابتدائی ۸ اوراق میں ۱۵ سطور فی صفحہ۔ بقیہ میں ۱۳ سطور۔ تقطیع ۵½×۹ انچ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ سنہ تصنیف ۹۹۹ ہجری۔ مصنف شیخ اشرف۔ کاتب قاضی محمد جعفر ابن قاضی محمد حسین قاضی پرگنہ چاندور۔

اس مثنوی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب نو ابواب اور کئی عنوانوں کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ اُردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو غالباً احمدنگر میں لکھی گئی ہے۔ سلطنت احمدنگر کی کسی اور اُردو کتاب کا اب تک پتہ نہیں چلا اور نہ غالباً اس کتاب نوسرہار کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک نادر مخطوطہ ہے۔

مصنف کا نام شیخ اشرف تھا جیسا کہ ترقیمے سے پتہ چلتا ہے۔ (ورق ۷۰ ا) تخلص، کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات سے واضح ہوگا۔

ہجرت نبی نوسو نو — کہیا اشرف تو سر یو (ورق ۴ ب)
نوسرہار اس دھریا ناؤں — جانے دیکھ تو اب ہر ٹھاؤں (ورق ۵ ا)
اے نوباباں نوسرہار — قیمت اس کی لاکھ ہزار („ „ ب)
بازان جیوں کی تاریخ سال — بعد از ہجرت نبی سال ( )
نوسو ہوے اگلے نو — یہ دیکھ لکھیا اشرف تو („ ۶۹ ا)
ناؤں دھریا اس نوسرہار — لیکن یہ سب دکھ کا ہار („ „ „)

لکھیا اشرف یہ بکھان — توحید حق کے موزوں آن (ورق ۴)

اور بھی دو تین مقامات پر شاعر نے اپنے تخلص اور کتاب کا نام ظاہر کیا ہے۔

مصنف نے اپنے وطن کی طرف کہیں اشارہ نہیں کیا۔ البتہ سبب تالیف کتاب میں دنیائے فانی کے بیان میں جہاں پیمبروں کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں اولیاء اور مشائخ کی طرف اشارہ کرکے صرف ایک بزرگ شیخ ضیا کا اس طرح نام لیا ہے ؎

دیگر ذریں اولیا — ہور مشائخ شیخ ضیا (ورق ۵ ا)

اس تخصیص سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ان کا معتقد تھا۔ اولیاء کے تذکروں میں اس نام کے صرف دو بزرگوں کا پتہ چلتا ہے۔ یعنے شاہ ضیاء الدین بیابانی اور شیخ ضیاء الدین غزنوی۔ اول الذکر بزرگ حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قندھاری (متوفی ۹۸۴ھ) کے بھانجے اور خلیفہ اور کتاب مطلوب الطالبین کے مصنف تھے (دیکھو تاریخ قندھار دکن ص ۲۱۲) چونکہ یہ مصنف نوسرہار کے قریب العصر تھے اس لئے ممکن ہے کہ اشرف ان ہی کا مرید ہو۔ اس زمانہ میں قندھار احمدنگر ہی کی سلطنت میں شامل تھا اور یہ نسخہ احمدنگر ہی کے ایک پرگنہ چاندور میں لکھا گیا اور ادارہ کو اس کے قریب ضلع ناندیڑ ہی سے ملا ہے۔ اس لئے یہ امر قرین قیاس ہے کہ مصنف سلطنت احمدنگر ہی کا باشندہ تھا۔

شیخ ضیاء الدین نامی دوسرے بزرگ شیخ سراج جنیدی کے خلیفہ اور شیخ عین الدین گنج العلم کے معتقد تھے۔ بیجاپور میں [illegible] میں مدفون ہوئے (ترجمہ روضۃ الاولیائے بیجاپور ص ۳۲ ب)

اور تذکرہ اولیائے دکن حصہ اول عبدالجبار خان صفحہ ۴۷۲)
اگر مصنف کی مراد ان بزرگ سے ہے تو وہ غالباً بیجاپوری شعرا میں سے تھا۔ اس کی زبان تو قریب قریب وہی ہے جو قدیم بیجاپوری کتابوں ارشاد نامہ (۹۹۹ھ) اور ابراہیم نامہ (۱۰۱۲ھ) کی ہے۔ مثال کی طور پر نوسرہار کی چند بیتیں درج ہیں

نا ماں کتیا بول سنوار　　جانو ہتیوں کیرا ہار
سونے کی جیوں کھونٹی گھڑ　　مانک موتی ہیرے جڑ
ایک ایک بول یہ مانک ڈول　　سیم تراز دسیں تھیں تول
بند پرو سے سونے تار　　تھیں ہوا نوسرہار

اردو کے دوسرے قدیم مصنفوں کی طرح نوسرہار کا مصنف بھی اپنی زبان کو ہندوی کہتا ہے۔ مثلاً

بازاں کیتا ہندوی میں　　قصۂ مقتل شاہ حسین (ورق ۵ا)
نظم لکھی سب موزوں آن　　یوں میں ہندوی کر آسان (" ب)
یک یک بول یہ موزوں آن　　تقریر ہندوی سب بکھان (ورق ۶۹ب)

ابتداء میں ۴۵ ابیات حمد میں اور ۲۱ نعت میں لکھی ہیں اور اس کے بعد دوسرا باب شروع کیا ہے جس کی سرخی یہ ہے :-

"باب دوم در سبب ساختن و تالیف و اتمام مصنف، و انفراغ آن." (ورق ۴ ا)

اسی طرح ہر سرخی فارسی میں قلمبند کی ہے۔ اور ان عبارتوں کو کاتب نے سرخ روشنائی میں لکھا ہے۔

سبب تالیف میں شاعر لکھتا ہے کہ اب تک ہماری عمر بیکار صرف ہوئی اور ہم دنیا کے دھندوں میں گرفتار رہے ایسی زندگی میں، کیا نفع کہ آگے چل کر نام و نشان کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اس لئے اشرف تجھے چاہئے کہ کچھ ایسے شعر لکھے جو یادگار رہیں اور جن کو لوگ لکھیں اور پڑھیں اور اس طرح تجھے ثواب ملے۔ اس کے بعد دنیائے فانی کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اس میں آدم سے اب تک بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ اور بزرگ لوگ پیدا ہوئے مگر کوئی نہ بچا۔ غرض یہ حال دیکھ کر حضرت امام حسین کی شہادت کا قصہ ہندوی میں لکھا اور اس کا نام نوسرہار رکھا۔ آگے اپنی نظم کی خوبیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور آخر میں پڑھنے والوں سے معذرت بھی چاہی ہے کہ اگر کہیں چوک یا خطا ہو جائے تو اس کی وجہ سے کتاب کو عیب نہ لگائیں۔

تیسرے باب سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ اور وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ کس طرح جبرئیل نے آنحضرت[۴] کو امام حسن و امام حسین کی شہادتوں سے متعلق خبر دی تھی۔
چونکہ مصنف نے مصائب سید الشہداء نہایت اہتمام اور اعتقاد سے بیان کئے ہیں اور یہ اس موضوع پر اردو کی پہلی کتاب ہے اس لئے اس کے مصنف کے مذہب کے متعلق خیال قائم کرتے وقت اس کتاب کے دوسرے باب کی حسب ذیل ابیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نبی محمد حق رسول　　کیتا جن یہ فقر قبول
دونوں جگ کیر سرور میر　　جس کوں چاروں یار وزیر
بوبکر صدیق ایک سرا　　عمر خطاب ہم دوسرا
اے دو بزرگ پیر آزاد　　عثمان علی دوئے داماد
دوے نواسے اُن یل جانو　　حسن حسین جن کا ناؤں
علی کے او دوے فرزند　　بی بی فاطمہ کے دلبند
اللہ کیرے ستوارے　　پیغمبر کے پیارے
(ورق ۳ب و ۴ ا)

پوری مثنوی اٹھارہ سو ابیات پر مشتمل ہے۔

آغاز

اللہ واحد حق سبحان — جن یہ سرجیا جونیں اسمان
چندر سورج تارے دیکھو — بادل بجلی مینہ ایوک
دوزخ جنت عرش فلک — لوح قلم ہم حور ملک
حیوان انساں مادہ نراں — آتش سوزاں بادبراں

خاتمہ

سکیوں باہیں رحمت کر — جیتے بیٹھے علس بھیتر
پڑتیوں سنیتوں آمرزیں — آمین اللہ یا آمین

ترقیمہ

"تمت تمام شد این کتاب نوسرہار کہ
از گفتار شیخ اشرف مرحوم منقول است"

(اس کے بعد کچھ سطریں مٹی ہوئی ہیں پھر چند فارسی اشعار لکھے گئے ہیں)

"کاتبہ فقیر الحقیر تراب اقدام علماء و فضلا قاضی
محمد جعفر ابن غفران پناہ قاضی محمد حسین قاضی
پرگنہ چاندور نوشتہ باشد . . . .
دریک ماہ این مقتل نامۂ امام حسن و حسین
نوشتہ شد . . . . . . "

اگرچہ سنہ و مقام کتابت درج نہیں لیکن غالباً چاندور ہی میں گیارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے۔

---

(۲) ارشاد نامہ [۱۲۴]

اوراق ۶۹ - سطور ۱۷ - تقطیع ۹×۵½

خط ثلث پاکیزہ - سنہ تصنیف ۹۹۰ھ
مصنف شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری
زمانۂ کتابت گیارہویں صدی ہجری۔

اس مثنوی میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے پیرائے میں سمجھائے گئے ہیں۔ اس کے مصنف شاہ میرانجی شمس العشاق (۹۰۲ھ تا ۹۰۲ھ) بیجاپوری کے فرزند شاہ برہان ہیں جو ۹۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور اوائل گیارہویں صدی میں وفات پائی۔ ان کے تفصیلی حالات "کتاب ارشاد نامہ و دیگر رسائل شاہ برہان" میں چھپ چکے ہیں۔ یہ کتاب مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے شایع ہو رہی ہے۔

ارشاد نامہ اگرچہ نوسرہار کے ایک ہی سال بعد لکھا گیا ہے لیکن دونوں کی بحر ایک ہی ہے۔ البتہ زبان نسبتہ زیادہ صاف ہے۔ مصنف اپنی زبان کو ہندی کہتا ہے ؎

یہ سب بولوں ہندی بول — پن توں انبھو سیتی کھول
عیب نہ راکھیں ہندی بول — معنی تو چک دیکھیں کھول (ورق ۲و)
ہندی بولوں کیسا گیان — جے گرپرساد تھا سینہ گیان (ورق ۲ب)

مصنف نے اپنا اور کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات میں ظاہر کیا ہے۔

ا۔ نام کتاب اس آگھیا ہوکر — خاطر بیا اس راکھیا ہوکر
ارشاد نامہ اس کا نام — پوری فکراسی مدام (ورق ۴ب)

ب۔ یہ سب بولیا ہے انجان — عابد عاجز یہ برہان
ہجرت نہ صد نوّد مان — ارشاد نامہ لکھیا جان (ورق ۶۹ب)

حمد و نعت کے بعد اپنے والد و مرشد شاہ میرانجی کی مدح کی ہے جس کے چند ابیات یہ ہیں:-

منقبت کروں کچھ اپنا پیر — جس تھے روشن ہوئے ضمیر

جن منجہ متا کر ایدیس بایں اس چک بیوں گویس
دھوں جگ میں منجہ بیت ویہی سمروں لے من نیت وہی
تس کون سمر من تن من شاد جس کا ہے منجہ پر شاد
جگ میں امین تون پرین پردے میں لے کر وسجن
راکھیا کوندن کر اس ٹھاوں تل تل سمروں ہے اس ناوں
پیر پیراں جی شمس عشاق دھن جگ رتجہ کیا کتاف

(ورق ۳۰ ب)
کتاب کے موضوع اور سوال وجواب کے انداز سے متعلق حسب ذیل ابیات سے معلومات حاصل ہوتی ہیں :-

جے کوئی پڑ کر کریں سواد راہ حقیقت پر ہویں شاد
ین کی تو نا ہوسے بار پن غفلت پیرسے کھویں کوار
اس ین کیتا کر سک لاب لیا لیا جو رنج سوال وجواب
شریعت طریقت حقیقت سوں جمع لیا یا معرفت سوں

(ورق ب)
ارشاد نامے کے علاوہ شاہ برہان کی کئی اور کتابیں موجود ہیں جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں :-

سکھ سہیلا ۔ منفعت الایمان ۔ نکتہ واحد ۔ نسیم الکلام ۔ رموز الواصلین ۔ بشارت الذکر ۔ حجت البقا ۔ وصیت الہادی وغیرہ

ارشاد نامے کے علاوہ ان کی نظم سکھ سہیلا بھی شایع ہو چکی ہے ۔ موخر الذکر کو ڈاکٹر حفیظ سید ایم ۔ اے پی ایچ ڈی ڈی ۔ لٹ نے مرتب کیا ہے ۔ چونکہ شاہ برہان الدین جانم کے حالات کئی کتابوں مثلاً تاریخ ادبیات دکن ، روضۃ الاولیاے بیجاپور ، اردو شہ پارے ، دکن میں اردو ، اردوے قدیم ، رسالہ ہماری زبان اور خود دیباچہ ارشاد نامہ میں شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں اعادہ غیر ضروری ہے اس کتاب کے نسخے بھی متعدد کتب خانوں میں موجود ۔

زیر نظر نسخے میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ البتہ کاغذ اور خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی میں لکھا گیا ہے ۔ تعداد ابیات تقریباً دو ہزار ۔

اغاز ۔

اللہ سوروں پہلیں آج کیتا جن یہ دھوں جگ کاج
جگتر کیرا توں کرتار سبھوں کیرا سرجن ہار
استوت لوروں کرے چکہ فرصت پاؤں بولنے کہ
قدرت تو تجہ اتت نپار اگنت کیتا ہو پرکار ۔

خاتمہ

سن کر سیکہ یو گیان کرو اپنی پر پیہہ کیا شروع
تمت اس قصے کیا تمام جی میں لیا یا کیا کلام
دل کی میری تھی مقصود فرصت تیری لیسے سیوہ

---

(۳۱) وفات نامۂ سرور کائنات [۱۲۵]

اوراق ۲۱ ۔ سطور ۱۵ ۔ تقطیع ۵×۸
خط نستعلیق ۔ مصنف امامی ۔ تحریر ۱۲ ذی قعدہ
سنہ ۹ جلوس محمد شاہی (۱۱۴۰ھ)

یہ ۵۱۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کو (حمد اور نعت میں ایک ایک بیت لکھنے کے بعد) ساقی نامہ سے شروع کیا گیا ہے ۔ اور اس ساقی نامہ میں مصنف نے اپنے مرشد (شاہ عبد اللہ ہمشیرہ زادہ میر سید جلال) اور اپنے وطن (دکن) اور اپنے تخلص (امامی) کو ظاہر کر دیا ہے ۔ اس کو اپنے مرشد کے وطن دہلی اور اس کے علاوہ لاہور اور کابل کی سیاحت کا شوق دامنگیر تھا ۔

چنانچہ وہ ساقی سے کہتا ہے:-

بیا ساقیا ملک دلی لجا — ہمارا پرم کا دھن مین بجا
بیا ساقیا شہر لاہور کا — دکھانا نگر جج کون ماہور کا
بیا ساقیا محل کابل دکھا — طنبورا پرم شہر بابل بجا
(ورق ۲ب و ۳و)

اس سلسلہ میں آگے چل کر اپنے مرشد اور ان کے ماموں کی مدح کرتا ہے جو پرانی دلی میں رہتے تھے - چند ابیات ہیں:-

حقیقت کے میدان بیچ شہسوار — محل معرفت راز کے تاجدار
کہ ہیں دو نگینے سلیمان کے — مہر ہیں محمد کے فرمان کے
وہ مالک رسالت ولایت کے ہیں — وہ ہادی حقیقت ہدایت کے ہیں
مبارک وہ میرے سید جلال — کہ دلی پرانی میں ان کا محل
اوسی کے بہن کا جو فرزند ہے — کہ دل تو ٹیاں کا وو دابند ہے
مرا تن میرے پیر کے تن منیں — میرے پیر کا تن محمد منے
اچھا نام اس کو عبد الاحد — اتی بندا ہے اسی کا باشد
کہ حیدر صفدر کا ہے اس کا جمال — محمد کی خصلت ہے اس میں کمال
(ورق ۲و ب)

اس حصے کے علاوہ خود مثنوی کی آخری بیت میں بھی مصنف نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے مصنف کے مزید حالات کا پتہ نہ چل سکا اسی تخلص کا ایک مرثیہ گو برہان پور میں بعد کو گزرا ہے (اردو شہ پارے صفحہ ۱۶۷ اور دکن میں اردو صفحہ ۲۹۶) لیکن زیر نظر آنامی کیا ہوش صدی کا شاعر ہے۔

آغاز:

اول حمد عاشق کیا ہوں پکار — کہ عاشق سوں معشوق ہے آشکار
پیچھے نعت معشوق کا ہو بیاں — جنے ایک ہو کر کیا لکھ ایاں
[illegible] ابجد او صاف ساقی لکھوں — سدا مست ماہ ہمیم بیمار ہوں
۱۰۲

اختتام

کہ صانع کی قدرت نبی محترم — علیک الصلوٰۃ علیک السلام
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — محمد او پر آل یاراں تمام

ختم کرانامی تو خیر الکلام — وصال محمد علیہ السلام

ترقیمہ

" تمت تمام شد وفات نامہ سرور کائنات
تحریر فی التاریخ ۱۲ ذی قعدہ سنہ ۹ جلوس محمد شاہی "

---

(۴) قصیدۂ معجزہ [۱۲۶-ا]

اوراق ۳ - سطور ۱۵ - تقطیع "۵×۸

خط نستعلیق شکستہ مصنف جنونی (؟)

کاتب محمد عارف

یہ ۴۴ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں شاعر نے انحضرت کا ایک معجزہ بیان کیا ہے - خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ایک روز ایک مسلمان انحضرت کے یہاں آیا اور شکایت کی کہ فلاں یہودی کا کتا مجھے ہر روز بھونکتا اور حملہ کرکے کپڑے پھاڑتا ہے - اس کی خواہش پر انحضرت یہودی کو سمجھانے گئے کہ کتے کو گھر میں بند رکھا کرے - کتے نے کہا کہ میں ایک جن ہوں اور سب پر حملہ نہیں کرتا محض اس شخص پر اس لئے حملہ کرتا ہوں کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے دل میں بغض رکھتا ہے - وغیرہ

قصیدے میں کہیں شاعر نے اپنا تخلص نہیں لکھا ہے البتہ اس کے ختم ہوتے ہی اسی کے سلسلہ میں ایک ہی کاتب نے جو دوسرا قصیدہ لکھا ہے اس کا مصنف جنونی گجراتی تھا جس نے سنہ ۱۱۰۲ھ میں وہ قصیدہ لکھا تھا - قیاس غالب یہی ہے کہ دونوں قصیدے ایک ہی شاعر کے ہیں -

آغاز

زباں کہتی سکت ناہی جو اُس کے سوبنی اوپر
جنے نوری نبی کیتے اپس کے نورسیں اظہر
اونہو کے نورسیں کیتے ملائک جن سب حیواں
زمیں، نو آسماں، کرسی، عرش، شمس و قمر، اختر

اختتام

مسلماں ہوسے کراونیں کئے توبہ نجت سول
یہودی کتے کا صاحب مسلماں بھی ہویا آکر
گئے نیں پس تحیت کر کہا تم ہو رسول اللہ
سبھی یہ بات وہ کر کر گیا چپ ہو مکان اندر

ترقیمہ

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
تمت تمام شد ۔ کار من نظام شد ۔
نوشتہ محمد عارف ۔

---

(۵) قصیدۂ معجزہ [۱۲۶۔ ب]

اوراق ۵ ۔ سطور ۱۵ ۔ تقطیع ۵ × ۸"
خط نستعلیق شکستہ ۔ مصنف جنونی ۔ تاریخ تصنیف
۲۴ ربیع الاول ۱۱۰۲ھ ہجری ۔ کاتب محمد عمر

یہ ۲۷ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں شاعر نے مولانا روم کے اس فارسی کلام کا ترجمہ کیا جس میں ابوجہل اور انحضرت کے مکالمے کے ذریعہ سے انحضرت کے معجزے بیان کئے گئے ہیں۔

شاعر نعت کے سلسلہ میں سبب تالیف کتاب یوں لکھتا ہے :-

سب عاقلوں کے سدہ گئے ان کی صفت کہتے منیں
پس میں جنونیں (جنونی) کیا کہوں کیا آہر آگے اس اندر
اندر زبانِ فارسی یہ معجزہ ملائے روم
ہے گا جو کیا خوب نکو تم نے سنا ہے بیشتر
دنیاں منیں ہیں یہ زباں عربی و ترکی فارسی
باقی نہیں اندر حساب ہے قول اہل معتبر
بولی عرب کی ہے سری سب بولیوں کی بے سخن
ترکی شجاعت کارتی ہے فارسی باشد شکر
میں اس کوں در ہندی زبان اس واسطے کہنے لگا
جو فارسی سمجھے نہیں سمجھے اسے خوش دل ہو کر

(ورق ۲ و ب)

اس آخری شعر سے ظاہر ہوگا کہ جنونی بھی اپنی زبان کو دوسرے قدیم شعرائے اردو کی طرح ہندی کہتا ہے اوپر ایک شعر میں شاعر نے اپنا تخلص ظاہر کر دیا ہے لیکن قصیدے کے آخری حصہ میں بھی اس نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے :-

تو نے جنونی یہ سخن در معجزہ کیتا ختم
حق تجہ اوپر آخر کرے اپنے کرم سیتے نظر

اسی سلسلہ میں تاریخ تصنیف اور وطن کا بھی حال بیان کر دیا ہے :-

ماہِ ربیع الاولیں تاریخ تھی چوبیسویں
منگل کے دن گفتیم من از فضلِ رب دادگر
سنہ ایک ہزار اور ایک سو دو برس اوپر در حساب
بودست کرد ایں ختم در شہر گجرات ای پسر

(ورق ۵ و ب)

آغاز ۔

اول کہوں حمد خدا، یاراں سنو تم کان دھر
جس نے زمین و آسمان پیدا کیا شمس و قمر

ستّار وہ کرتار وہ غفار وہ جبّار وہ
قہار وہ داتار وہ اس بن نہیں کوئی دگر

اختتام

اس معجزے کوں گر کنے کوئی کہ کہتے بیت ہے
آوے گگن ولسے نئے تیں یہ سب بہتر در ثمر
میں مانگتا ہوں یہ ہوے اپنیں دلوں میں جا دام
یارب بحق مصطفیٰ بر خلق عالم کرم کر

ترقیمہ نہیں ہے۔ لیکن آغاز سے قبل "نوشتہ محمد عارف" لکھا ہے جو اگرچہ اس سے قبل کے قصیدہ کا ترقیمہ ہے لیکن دونوں قصیدے یکے بعد دیگرے مسلسل ایک ہی خط میں لکھے گئے ہیں اور دوسرا قصیدہ نئے صفحے سے بھی نہیں شروع کیا گیا اس لئے اس کا کاتب بھی یقیناً محمد عارف ہے۔

شاعر نے تعداد ابیات ۲۷ بتائی ہے لیکن اس نسخہ میں جملہ ۲۴ شعر ہیں۔

---

(۶) مولود نامہ عبدالملک [۱۲۷]

اوراق ۱۶ - سطور ۱۷ - تقطیع ۵×۹
خط نستعلیق شکستہ - مصنف عبدالملک بھروچی
سنہ تصنیف ۱۰۰۹ھ - کاتب محمد عارف۔

یہ ڈھائی سو اشعار کی ایک مثنوی ہے جس میں آنحضرت پیغمبر اسلام کی ولادت کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف کا بیان ہے کہ اس کا ماخذ احادیث نبوی ہیں چنانچہ وہ کہتا ہے:-

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سوں آثار
سن کر اسے کچھ خیر کر جو تجھ دیا پروردگار
(ورق ۱۶ ؤ)

شاعر نے خود اپنا نام، وطن، سنہ تصنیف اور کتاب کا نام آخری تین ابیات میں اس طرح واضح کردیا ہے

عاجز غریب عبدالملک دیا یا محمد سوں پناہ
بخشے الٰہی تو اُسے تیرے کرم سوں سب گناہ
میرا بھروچ ہے گا وطن جس جاگہ احمد کاٹ ہیں
بھولوں کے تئیں جنگل منیں اکثر ملیں دے باٹ میں
نواسے ہزار اوپر لکھی تاریخ ہجرت کی جداں
اِس سال اسے مولود میں لکھ کر سنائے جگ منیں
(ورق ۱۶ ب)

مصنف نے اپنے وطن کے تذکرے میں حضرت شیخ احمد کاٹ (کھٹو) کی طرف خصوصیت سے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہیں کے معتقدین یا ان کے سلسلہ کے مریدین میں سے تھا۔ اسی لئے ان کی یہ کرامت لکھتا ہے کہ وہ بھولے بھٹکوں کو جنگل میں مل کر راستہ دکھا دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات عجیب یہ ہے کہ مصنف نے اپنا وطن بھروچ لکھا ہے جو احمدآباد سے جانب جنوب ۵۷ کوس پر واقع ہے اور حضرت احمد کھٹو احمدآباد سے تقریباً چار کوس مغرب کی جانب قصبہ سرخس یا سرکھیج میں دفن ہیں۔ انہوں نے ۱۴ شوال ۸۴۹ھ میں وفات پائی۔ وہ اسی مقام پر رہتے تھے اور مسجد، تالاب اور مدرسہ وغیرہ بنوایا تھا ان کے بعد عالی شان گنبد اور خانقاہ وغیرہ کی تعمیر ہوئی (تاریخ اولیائے گجرات ترجمہ ابوظفر ندوی ص۱۵ و ص۲۳) ممکن ہے کہ عبدالملک کے زمانے میں سرخس کو ضلع بھروچ ہی میں شامل کرتے ہوں یا اُس وقت بھروچی لوگ ان ہی کے زیادہ تر معتقد ہوں۔ اس لئے ان کو بھروچ سے مختص کرلیا گیا ہو۔

مولود نامہ کی زبان پر گجراتی زبان کا اثر بہت نمایاں ہے

لطف یہ ہے کہ ایک جگہ شاعر نے لفظ "سوراج" اُن ہی معنوں میں استعمال کیا ہے جن معنوں میں آج ساڑھے تین سو سال بعد یہ لفظ اُردو میں دوبارہ داخل ہوا ہے۔

وہ کہتا ہے :-

ہور دیکھاؤ سب فرشتوں کو نبی کا نور آج
جس نبی کوں میں دیا جو دین دنیا کا سوراج
(ورق ۲ ا)

آغاز۔

یا الٰہی شکر تیرا کس زباں سوں ہوں کروں
توں خدا اطاحب سبھوں کا حکم تیرے میں ہوں

تیں کیا پیدا محمد جس نبی سوں سب ہوا
عرش، کرسی، لوح تینو اور قلم چوتھا کیا

توں خدا خالق زمیں اور آسماں کا بالیقیں
تیں فرشتے آدمی پیدا کیا دنیا و دیں
(ورق ۱ وب)

اختتام کی تین بیتیں اوپر مندرج ہو چکی ہیں۔

ترقیمہ صرف " تمت تمام شد کار من نظام شد " لکھا ہے۔ خط، کاغذ اور سلسلہ کی یکسانیت کی بنا پر اس کا کاتب بھی محمد عارف ہی ہے جس نے قصائد ہجو لکھے ہیں۔ زمانۂ کتابت گیارہویں صدی ہجری۔

اس کتاب کے سرورق پر ایک دلچسپ اُردو دعا فارسی عبارت کے درمیان لکھی ہے۔ اگر کسی کی آنکھ میں پھولا ہو جائے تو اس کے علاج کی ترکیب بتائی ہے جس کے سلسلہ میں بیمار کو یہ عمل پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

یا سجان یا سلطان شاہ شمس تبریز
جیسا تجھ میں تیز تیسا آنکھ میں تیز
شیخ فرید شکر گنج ذرا نہ رہے رنج

---

(۷) مناجات علی زحمتی [۱۲۶-ج]

اوراق ۲ - سطور ۱۵ - تقطیع ۵×۸"
خط نستعلیق شکستہ - مصنف علی زحمتی -
کاتب محمد عارف -

یہ ۲۳ ابیات کی مثنوی ہے جو بطور مناجات لکھی گئی ہے۔ شاعر نے آخر میں اپنا تخلص بیان کر دیا ہے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ خاتمہ کے ساتھ ہی فارسی نثر میں ایک طویل حدیث شریف کا ترجمہ ہے جو مُردوں کے کپڑوں کو گھر میں رکھنے کی مضرتوں سے متعلق ہے۔

خط کی یکسانیت اور قصیدۂ جنونی سے تسلسل ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کاتب بھی محمد عارف ہے۔

آغاز۔

الٰہی بحق محمد رسول دعا مجھ گنہگار کی کر قبول
تیرا نام قاضی جو حاجات ہے
کلیاں سب کے دل کی ترے ہاتھ ہے

اختتام۔

ہماری دعا ہیں اگر مستجاب
محمد کی برکت سوں کر مستجاب
ترے فیض رحمت سوا ے کردگار
علی زحمتی کو (ہے) تیرا امیدوار

(۸) **سیف الملوک و بدیع الجمال** [۸۳]

اوراق ۲۰۸ - سطر ۱۳ - تقطیع ۴/۱ ۸×۴/۳ ۴ انچ
خط نستعلیق - مصنف ملّا غواصی - سنہ تصنیف ۱۰۳۵ھ
کاتب زین العابدین حسینی - سنہ کتابت ۱۲۲۶ھ

یہ قدیم اُردو کی وہ مشہور مثنوی ہے جو گولکنڈے اور بعد کو حیدرآباد کے ایک بڑے شاعر ملّا غواصی نے لکھی ہے۔ اس میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کی عشق عاشقی کی داستان بیان کی گئی جو الف لیلیٰ سے ماخوذ ہے۔ اس شاعر کو عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اتنا عروج ہوا کہ وہ ۱۰۴۵ھ میں سفیر بنا کر بیجاپور بھیجا گیا تھا۔ اور وہاں بھی اس کی بڑی قدر و منزلت ہوئی تھی۔ اس کے تفصیلی حالات اُردوٗ شہ پارے اور دکن میں اُردوٗ جیسی کتابوں میں چھپ چکے ہیں اور خود اس کتاب کے مطبوعہ نسخے میں بھی (جو مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے میر سعادت علی صاحب رضوی ایم۔ اے نے شایع کیا ہے) درج ہیں اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

غواصی کے مرثیے اور غزلیں بھی موجود ہیں۔ اس کی ایک دوسری طویل مثنوی طوطی نامہ بھی مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے شایع ہو چکی ہے۔

غواصی نے یہ کتاب (سیف الملوک) غالباً سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں لکھی تھی۔ چنانچہ ایک نسخے میں اسی بادشاہ کی مدح درج ہے لیکن اکثر نسخوں میں سلطان عبداللہ کی مدح ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب سلطان محمد کے عہد میں لکھی جا چکی تھی لیکن جب اس نوجوان بادشاہ نے ۱۰۳۵ھ میں یکایک انتقال کیا اور کمسن شہزادہ عبداللہ مرزا تخت نشین ہوا تو شاعر نے مدحیہ ابیات میں نام بدل ڈالا۔

مدح سلطان عبداللہ قطب شاہ کی چند ابیات یہاں درج ہیں جن سے شاعر کی زبان اور قوت کلام کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔

چندر جیوں اچھو اس خسروی برج کا — امولک رتن جن کے درج کا
سو سلطان عبداللہ آفاق گیر — سو جن ہے شہنشاہ گردوں سریر
سکل بادشاہاں میں اس کا ہے ناؤں — ادھی قطب کا قطب تارا ہے چھاؤں
دلیراں سو ہیبت سوں بھتے دریں — گویاں میں۔ تے تیراں نکلتے دریں
تمہ اس شاہ کو کامرانی سبھے — عدالت میں نوشیروانی سبھے
خزانے جو ہیں شہ کے بھرپور ہو — جواہر کے ہیں عین سمدر ہو
جتا اس میں خرچتے تو سرتا نہیں — جتا لا کو بھرتے تو بھرتا نہیں
نہ شہ سار سورج کس اسمان میں — نہ شہ سار تن ہے کسی کان میں
اچھو دوست شہ کے جو شہ چھانوں تل — دندے ہور سب دشمناں پانوں تل
غواصی جو شاعر ہے شہ کا مدام — کرے یوں دعا شاہ کو صبح و شام
کہ شہ گھر سدا عیش کا کاج اچھو — بسے ملک دنیا شاہ کا راج اچھو

اس نسخے میں دو ہزار دو سو ابیات ہیں۔ چونکہ کاتب نے تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں اس کو نقل کیا ہے اس لئے بعض قدیم الفاظ کو رائج الوقت تلفظ کے مطابق لکھا ہے۔ اس کتاب کے نسخے انجمن ترقی اُردوٗ اور نواب سالار جنگ بہادر کے اور دوسرے کتب خانوں میں بھی محفوظ ہیں۔

آغاز :-

الٰہی جگت کا الٰہی سو توں — کرنہار جم بادشاہی سو توں
ترے حکم تل نو کر اسمان کے
رعیت ملک تیرے فرمان کے

اختتام :-

برس ایک ہزار اور پینتیس میں
گیا ختم یو نظم دن تیس میں
جو عارف وجوداں نزاکت شناس
صفا اوس تے حاصل کریں بے قیاس
بریاں کو تو سب آئے یو کام کوں
دیوے ذوق اوک خاص ہور عام کوں
کہن ہار یو لاب پہ لاب پائے
سدا سرخ روئی کر آب پائے
مبارک اچھو شاہ کو یو مدام
بحق محمد علیہ السلام

(و.ق ۸۷ ا)

ترقیمہ :-

"حصل فراغتاً من تسوید ہ
فی الیوم الاحد وسبع عن شہر
ربیع الثانی سنہ ۱۲۲۶ھ راقمہ زین العابدین الحسینی
ومالکہٗ "

دستخط کے نیچے ایک مستطیل مہر ہے جس پر سید زین العابدین خاں سنہ ۱۱۹۹ھ ثبت ہے۔ دوسری طرف ایک مدور مہر ہے جس کے حروف پڑھے نہیں جاتے۔ اس مہر کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ہیں جنھوں نے یہ نسخہ ادارہ کے کتب خانہ کو عطا فرمایا ہے۔

(۹) فقہ ہندی [۷۰]

اوراق ۷۴۔ سطور ۱۰۔ تقطیع ½۶ × ¾۸"
خط نستعلیق۔ مصنف عبدی امین ،
سنہ تصنیف ۱۰۷۴ھ۔ سنہ کتابت ۱۲۳۵ھ

یہ ۴۶۰ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام غالباً عبدالامین اور تخلص عبدی تھا۔ اس میں شرعی مسائل کو مختلف عنوانوں (مثلاً فرض ایمان، فرائض وضو، سنتہائے وضو مستحب ونوافل وضو، منہیات وضو، سنتہائے غسل، موجب غسل تیمم، حیض ونفاس، مسح موزہ، استنجا، صلوات، سجدہ سہو تراویح، زکوٰۃ، حج، وغیرہ) کے تحت واضح کیا گیا ہے۔

اس رسالہ کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں اس کا ایک ناقص نسخہ ہے جس میں سنہ تصنیف کا شعر موجود نہیں اور شاعر کا نام بھی غلط درج ہے (دیکھو فہرست اردو مخطوطات صفحات ۴۰۸ تا ۵۱۱)

جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں لکھا ہے :-

کتنے مسئلے دین کے عبد دکہے امین   فقہ ہندوی زبان پر بوجھو کر یقین

ادارے کے نسخے میں یہ شعر یوں ہے

کتنے مسئلے دین کے عبدی کہے امین   فقہ ہندی زبان پر بوجھو کر یقین

جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں سنہ تصنیف کی بیت نہیں ہے لیکن فہرست مخطوطات میں ایک خانگی نسخے سے تاریخ کی بیت یوں نقل کی گئی ہے :-

سن یک ہزار چوہتر میں بیچ رمضان
اورنگ زیب کے وقت میں نسخہ ہوا تمام

قافیہ غلط ہوگیا ہے اور اس طرح بیت غلط ہے۔

ادارے کے زیر نظر نسخے میں یہی بیت یوں درج ہے

سن ہزار چوہتر بیچ ماہ رمضاں تمام
اورنگ زیب کے دور میں نسخہ ہوا انظام

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادارہ کا نسخۂ فقہ ہندی نہایت صحیح اور مکمل ہے۔ نیز کتابت کے لحاظ سے بھی ستاسی سال قبل لکھا گیا ہے۔ کیونکہ جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ۱۲۶۲ھ کا مکتوبہ ہے اس نے جو تخلص عبدی اس میں درج ہے وہی صحیح ہے نہ کہ عبدو۔

مصنف کے وطن کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس نے بھی اپنی زبان کو ہندی لکھا ہے۔ خصوصیات زبان کے لحاظ سے عبدی احمد نگر یا گجرات کا شاعر ہوگا۔ ممکن ہے کہ عبدی کا دوسرا تخلص امین ہو کیونکہ اس نام کا ایک گجراتی شاعر تقریباً اسی زمانے میں گزرا ہے جس نے اورنگ آباد میں عرصہ تک قیام کیا تھا اور ۱۰۰۸ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا منظوم کی تھی جس کے نسخے پیرس اور لندن کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (دیکھو اُردو شہ پارے صہ ۱۳۶۔ دکن میں اُردو صہ ۱۴۲) ایک اور شاعر امین ابوالحسن تانا شاہ کا ملازم تھا جس نے ۱۰۹۸ھ میں ایک مثنوی قصۂ ابو شحمہ لکھی تھی (اُردو شہ پارے صہ ۱۱۵ دکن میں اُردو صہ ۸۸) ممکن ہے کہ یہ تینوں شاعر ایک ہی ہوں۔ زمانہ تینوں کا ایک ہے۔

آغاز:- حمد و ثنا سب ہے رب کوں خالق کل جہان
لائق حمد و ثنا کی اور نکوئی جان
علم شریعت کا رنے بھیجا پاک رسول
جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول
یا رب اپنے کرم سوں بے حد بیچ درود
نبی محمد مصطفےٰ تس سوں ہو خوشنود۔

اختتام:-

کہیں آوے نظر میں پڑھے درود و دعا
اور تہلیل تکبیر کہہ جو ہے امر خدا
فقہ ہندی کوں ہوئے سان آتو زباں پریاد
مسئلہ آوے دین کا مول نہ ہو فساد
سن ہزار چوہتر بیچ ماہ رمضاں تمام
اورنگ زیب کے دور میں نسخہ ہوا انظام

ترقیمہ:-

"کتاب فقہ ہندی تمام شد بروز یکشنبہ تاریخ شہر محرم الحرام ۱۲۳۵ھ ہجری"

---

(۱۰) معراج نامہ [۹۸]

اوراق ۱۰۶۔ سطور ۱۰۔ تقطیع ۳ × ۵
خط ثلث۔ مصنف سید بلاقی سنہ تصنیف ۱۰۸۰ھ سنہ کتابت ۱۱۶۵ ہجری
ابتدا کا ایک ورق غائب ہے۔

یہ تقریباً ۵۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جو غالباً حیدرآباد کے ایک شاعر سید بلاقی کی تصنیف ہے۔ اس کا موضوع معراج ہے۔ تمام واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ شاہانِ اودھ کے کتب خانوں میں اس کے تین نسخے موجود تھے (اسپرنگر صہ ۶۰۹) جامعہ عثمانیہ میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ وہاں کی فہرست اردو مخطوطات میں پروفیسر سروری نے اس کا خلاصہ درج کیا ہے (صہ ۹۱) جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ۱۲۱۵ھ کا مخطوطہ ہے۔ نواب سالار جنگ بہادر

کے کتب خانہ میں اس کے تین نسخے موجود ہیں جن میں
سب سے قدیم ۱۰۹۶ھ کا مکتوبہ ہے۔ اس طرح ادارہ
کا نسخہ ان سب سے قدیم ہے۔

جامعہ کے نسخے میں ابتدائی ابیات یہ ہیں:۔

اول نام اللہ سو بولوں احد ثنا و صفت اس کی ہے بے عدد
ثنا اس اپرنت سزاوار ہے کرنہار قدرت میں کرتار ہے

ادارے کے نسخے میں پہلا ورق غائب ہے۔ ان
ابیات سے شروع ہوتا ہے:۔

بیاباں جھاڑاں سو تسبیح کریں کہ تجہ یاد سوں حوض ندیاں بھریں
کیا آب آتش سو مائی کتسکر دگر باد کر ماو ڈونگر پتھر

جامعہ کے نسخے کی آخری بیت یہ ہے:۔

جو سید بلاقی نبی کا غلام قصہ یو کیا ہیں لطف سوں تمام

ادارے کا نسخہ زیادہ صحیح ہے اس میں یوں لکھا ہے:۔

جو سید بلاقی نبی کا غلام قصہ یو کھیا تجہ لطف سوں تمام
ہزاراں درود ہزاراں سلام بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ میں کئی فارسی اور یہ اردو بیت بھی شریک ہے:۔

الٰہی گنہ بخش لکھنہار کوں سدا لاب دے تو پڑہنہار کوں

"تحریر فی التاریخ غرہ شہر ذی حجہ ۱۱۶۵ھ
تحریر یافت"

ایک اور معراج نامہ ۱۰۹۴ھ میں لکھا گیا تھا جس کا
مصنف مختار تھا۔ اس کا ایک نسخہ آغا حیدر حسن صاحب
کے کتب خانہ میں موجود ہے جو ۱۲۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔

(۱۱) ہدایات ہندی [۳۰۱]

اوراق ۱۳۱۔ سطور ۱۵۔ تقطیع ۸ × ۵"
خط نستعلیق ابواب اور ذیلی عنوانات سرخ
روشنائی میں۔ مصنف شیخ داؤد ضعیفی۔
سنہ تصنیف ۱۱۰۱ھ۔

یہ طویل مثنوی ۳۶۳۸ ابیات پر مشتمل ہے۔
اس میں جملہ شرعی مسائل کو ۲۵ ابواب میں منقسم کرکے
بیان کیا ہے۔ ہر باب میں کئی کئی مضامین ہیں یہ کسی عربی
یا فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ اسی موضوع کی عربی و
فارسی کتب کو پیش نظر رکھ کر مصنف نے (جو بڑا عالم اور
فقیہ معلوم ہوتا ہے) خود ایک نئی کتاب دکنی میں مرتب کی
ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ یہ زبان آج کل اس حصہ ملک
میں بہت مقبول ہے اور شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

کتاب کے پچیسویں باب کی دوسری فصل "در ختم کتاب
و اسم مصنف گوید" کی چند منتخب ابیات یہاں نقل کی جاتی
ہیں جن سے کتاب اور اس کے مصنف کا نام اور موضوع
وغیرہ ظاہر ہوگا۔

مسائل یو نقصاں کے استاد سوں لگا کے کیا پڑ کہ استاد سوں
کہ اکثر زبان ہند کی اس طرف لگے خوش جو پڑتے ہیں دکھنی حرف
اسی واسطے ہدیہ یو ہند کوں جو لیایا دکھن سال کے سند سوں
ہدایات ہندی لکر اس کا ناؤں رکھیا ہو دیایا ہوں ہندیاں کے ٹھاؤں
کہ ہندی کیرے ہیں ہدایت تیں بس اسلام کی اس ہدایت میں تو (۱)
شفاعات رویت کا جو کاج ہے ضعیفی اسی کا چہ محتاج ہے
یہی احتیاج اپنے دل میں کر پڑیا ہوں ہیں اس بساطے کی لڑ

نعت اس ہوا شیخ داؤد نادل — ضعیفی ہوا اس نے تخلص کا داد
عربی میں ہور فارسی میں کتیک — مسائل ضروری لکھیا دیکھ دیک
عرب ہور عجم کا سخن پائیا — سو دکھنیاں کوں دکھنی کر بجلیا

شاعر نے اپنا تخلص ضعیفی کتاب کے آخری حصہ میں جگہ جگہ استعمال کیا ہے مثلاً :-

خدا کی عطا بن نہ ہو کس نصیب — ضعیفی توں یہاں اپنی گر دانجیب
اے ہادی ضعیفی کوں پیدا ہے — نبی کی شفاعت کا گل ہار دے

آخری باب کی تیسری فصل میں شاعر نے بادشاہِ وقت کی یوں مدح کی ہے :-

بہ دور جہاندار اورنگ زیب — کہ جس تے ہوا اس زمانے کوں زیب
شہنشاہ عادل اہے در امور — کہ بدعت ضلالت ہوا جس تے دور
دیا حق تعالیٰ نے یوں جس کو جس — جو دشمن ہوا اس انگے خوار و خس
دھریا سر پو جو پن شہی کا دو تاج — ولی ہور دکھن کا ہوا ایک راج
عجب فتح و نصرت ہے اس کے سنگات — جو کوئی نیں کیا اس سوں دعوی کی بات
کہ شاہاں بھی اول ہوئے ہیں تو کیا — نہ کوئی زہد و تقویٰ میں ایسا دسا
اہے اس سے بھی ولی کی صفات — کہ ہوا آئے جو ہوں سوں کاڑی سو بات
بڑا دین اسلام کا کارساز — الٰہی توں کر عمر اس کی دراز

اس مدح سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نہایت مذہبی شخص تھا اور اس مدح کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ ایک دکھنی شاعر نے اُسی فاتح دکھن کی پہلی بار تعریف کی ہے جس کی ہجو میں اس سے پہلے کے شعرا خاص کر نصرتی نے متعدد شعر لکھے ہیں۔ اسی مدح کے سلسلہ میں شاعر نے سنہ تصنیف وغیرہ اس طرح بیان کیا ہے :-

غرض اس زمانے تے شاہ کے — مسائل کیا دین کی راہ کے
جو تاریخ ہجرت ہزار ایک سو بیچ — ہدایات ہندی ہوا یو تو بیچ
اگیا اس سوا اس میں بھرتے تمام — اوہی بیچ نت کا دیکھیا مقام
عددی بارہ میں کا لگیا تھا برس — اسی بیچ باجا یو دکھنی جرس
ولیکن شہنشاہ کے دہر میں — مبارک او ذوالحجہ کے شہر میں
انتھی سات تاریخ اور دن مشتری — یو نسخہ مرتب ہوا خوش تری
مرتب یو نسخہ اچھو بر دوام — بحق محمد علیہ السلام

یہ اختتامی شعر ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے [illegible] میں لکھنا شروع کیا اور بروز جمعرات ۷ ذیحجہ [illegible] کو آخری بیت لکھ کر مکمل کیا۔ اس کتاب کے دو نسخے نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں بھی محفوظ ہیں۔

شیخ داؤد ضعیفی کی ایک اور کتاب انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے جس میں ۳۶۰ ابیات میں ایک عورت کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو حضور سرورِ کائنات کی محبت میں بے تاب ہو کر مر گئی۔ یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ ضعیفی کی دونوں کتابوں کا تفصیلی تذکرہ ، اردو شہ پارے (صفحات ۱۳۵ ۔ ۴۳۰) میں درج ہے۔ لیکن ہدایاتِ ہندی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۹ ہجری لکھا ہے جو ادارے کے اس نسخے کی معلومات کی بنا پر غلط معلوم ہوتا ہے۔

ہدایاتِ ہندی میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی، احادیث اور عربی اور فارسی کی مستند کتابوں کی عبارتیں بھی درج کرکے ان کی منظوم شرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی فرائض اور شریعت کے جملہ مسائل پر ایک مستند تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اس کے آخر میں ایک اور شاعر فتح شریف بلخی نے ایک فصل کا اضافہ کر کے پند نامۂ لقمان کا دکھنی میں ترجمہ کیا ہے چونکہ اس پند نامہ کا ذکر [illegible] ہدایت نامہ کتاب کی حیثیت

سے اس فہرست میں کیا جا رہا ہے۔ اس لئے یہاں اس کے دو ابتدائی اشعار درج کئے جاتے ہیں جن میں فتح شریف نے ہدایات ہندی کی ابیات کی تعداد وغیرہ بتائی ہے :-

ہدایات ہندی کا یو سب کلام
بیاں وار بولوں انگے بھی تمام
ہزار تین پر ہژدہ ہندی بیت (۳۰۱۸)
کہ علم سلوک ہور شریعت سمیت
مرتب کرے جب یو نسخہ تمام
دعا منگے شیخ داؤد نام (؟)
چھ سو کے اُپر بیس تیتاں نوی
جو مقصود کیں کیں نہ تھا سو ہوی
بھی بلیاں نویاں کی یو تاریخ سن
سو ہجرت سوں بولوں تجہ ای نیک گن
اگیارا سو پر بھی تھے تیس سال (۱۱۳۰)
سو داخل کیا میں یو نسخہ میں ڈال
مطالعہ کتاباں کا جب ہوے گا
زیادہ یو مفہوم تب ہوے گا
زیادہ کیا جن سو اس کا جو نام
کہ فتح دگر رہے والسلام
شریف زادہ ہے قوم بلخی وطن
کہ جد ہے براہیم گوڈر سخن
انگے بھی سو یہ پسند نقصان ہے
سمجھ کر کرے تجہ جو عرفان ہے

ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ داؤد ضعیفی کی اصل کتاب ہدایات ہندی کی تین ہزار اٹھارہ ابیات میں جگہ جگہ بعض مسائل کی وضاحت کے لئے فتح شریف نے ۱۱۳۰ھ میں مزید چھ سو بیس بیتوں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح یہ نسخہ ہدایات ہندی کے دیگر نسخوں کے مقابلہ میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔

فتح شریف اور اس کی تصنیفات کا ذکر آگے آئے گا اس لئے ہم یہاں اصل کتاب کے آغاز و اختتام کی بیتیں درج کر دیتے ہیں :-

آغاز :-

اول پاک ہادی کا لے ناؤں میں
ہدایت اُسی پاک تے پاؤں میں
بھی احمد نبی کی رسالت پہ آ
گواہ ہو کو گت پاؤں اسلام کا
اتا حق کی توحید سوں کر کلام
محمد پہ بولوں صلوٰۃ وسلام

اختتام :-

اتھی سات تاریخ دن مشتری
یو نسخہ مرتب ہوا خوشتری
مرتب یو نسخہ اچھو بر دوام
بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ :-

"این کتاب ہدایت ہندی در شہر ذیحجہ
بتاریخ نوزدہم یوم الاحد در قریہ ہلیلی
تحریر یافت"

تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ غالباً اوائل تیرہویں صدی ہجری میں لکھی گئی تھی۔ اوراق کے آخر میں کسی نے معمولی

خط میں حضرت محبوب سبحانی کی تعریف میں کچھ اُردو شعر لکھے ہیں جن کے نیچے ۵ رمضان سنہ ۱۳۰۱ ہجری لکھا ہوا ہے۔

ترقیمے میں نیز فہرست اُردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ میں اس کتاب کا نام "ہدایت ہندی" لکھا گیا ہے جو غلط ہے۔ صحیح نام ہدایات ہندی ہے جیسا کہ خود مصنف کی ان ابیات سے ظاہر ہوگا جو اوپر درج کی گئی ہیں۔

---

(۱۳) پند نامۂ لقمان [۳۰۲]

اوراق ۹ - سطور ۱۵ - تقطیع ۵×۸"

خط نستعلیق - مصنف فتح شریف بلخی -

سنہ تصنیف ۱۱۳۰ ہجری

۱۹۸ ابیات کی مثنوی ہے جس کو فتح شریف بلخی نبیرہ ابراہیم گوڈر نے ۱۱۳۰ھ میں ایک فارسی نثر کے رسالہ "پند نامۂ لقمان" سے دکنی میں منظوم کیا۔ اس پند نامہ کو مصنف نے اصل میں ہدایات ہندی کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ فتح شریف گوڈر کا رہنے والا ایک دکنی شاعر تھا جس نے ضعیفی کی ہدایت ہندی میں چھے سو بیس نئی ابیات کا اضافہ کرنے کے علاوہ اور بھی کلام لکھا تھا۔ چنانچہ اس کا ایک رسالہ "قصہ زلیخائے ثانی" جامعۂ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ بھی ایک مثنوی ہے جس کا سبب تالیف مصنف یہ بیان کرتا ہے کہ یہ قصہ پہلے فارسی میں تھا اور میں نے اس کو دکنی میں اس لئے منتقل کیا کہ ایک روز میں اپنے وطن شہر گوڈر کے مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک مسافر آیا اور اس نے زلیخا کا قصہ بیان کر کے لوگوں کو متوجہ کیا۔ یہ سن کر مصنف کے ایک نامور دوست محمد امین نے اس کو قسم دے کر کہا کہ تم بھی زلیخائے ثانی کا ایک ایسا قصہ لکھو جس کی وجہ سے شہر گوڈر کی شہرت ہو جائے کہ اس میں فتح جیسا شاعر رہتا ہے۔ غرض ایک سال کی مدت میں یہ قصہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کا خلاصہ پروفیسر سروری نے جامعہ عثمانیہ کی فہرست اردو مخطوطات میں قلمبند کیا ہے (دیکھو صفحات ۱۱۵-۱۱۶) اور اس سے کہ اس مخطوطہ میں لقمان کی وہ نصیحتیں منظوم کی گئی ہیں جو اس حکیم نے اپنے فرزند کو کی تھیں۔ مصنف کے نام اور تاریخ کی ابیات ہدایات ہندی کے تذکرے میں نقل ہو چکی ہیں۔ پند نامہ کی آخری بیت میں بھی مصنف نے اپنا نام لکھ دیا ہے۔ آغاز اور اختتام کی ابیات سے سبب تالیف اور دیگر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

آغاز :- اتھے بھی سو یو پند لقمان ہے

سمجھ کر کرے تجھ جو عرفان ہے

وہے نثر میں فارسی تھا اول

کیا نظم دکھنی سوں یو بے بدل

اسے جس منے فائدہ تجھ عظیم

کرے پند او دل سیتے مستقیم

سو بولے ہیں لقمان اس دھات سات

جو فرزند اپنے سو کھولے نکات

اختتام :- یو جتنا سنیا سو رکھے یاد توں

کہ تا ہوسے ہر دو جہاں شاد توں

جمع یو نصیحت سو یک صد ہوا

انٹھی دو اُپر بیت کا عد ہوا

کہ فتح شریف نے بولیا تمام

درود بر محمد علیہ السلام

مصنف نے ابیات کی تعداد ۲۰۸ لکھی ہے لیکن اس نسخے میں ۲۱۰ ابیات زیادہ ہیں۔ ترقیمہ دہی ہے جو بدایا ننہ مہدیا کے آخر میں نقل کیا گیا ہے

لقمان نے اپنے فرزند کو جو نصیحتیں کی تھیں ان میں سے چند یہ ہیں :-

(۱) کام ایسا کرو جس میں کوئی نقص نہ نکال سکے۔

(۲) ہر ایک کے مرتبہ کا لحاظ رکھو کر اپنے لائق بات کہو

(۳) اپنے راز کو آشکار نہ کرو غصہ اور غضب کے وقت اس کی آزمائش ہوتی ہے۔

(۴) دوست کو نفع و نقصان کے وقت آزماؤ۔

(۵) نادان اور احمق سے دُور رہو اور دانا دوست پیدا کرو۔

(۶) نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔

(۷) جوانی کو غنیمت سمجھو۔

(۸) دوست اور دشمن سے ابرو کشادہ ملو۔

(۹) ماں باپ کو خدمت سے خوش رکھو۔

(۱۰) خسر اور استاد کا حق ماں باپ سے کم نہ سمجھو۔

(۱۱) خرچ آمد کے موافق کرو۔

(۱۲) سخاوت اور مہمان داری کو پیشہ بناؤ۔

(۱۳) کسی کے گھر جاؤ تو اپنی زبان، ہاتھ اور آنکھوں سے خبردار رہو۔

(۱۴) کپڑے اور جسم پاک رکھو۔

(۱۵) دوستوں کے فدائی بنو۔

(۱۶) فرزند کو مستعد، عالم، تیرانداز، شہسوار اور ادب میں کامل بناؤ۔

(۱۷) جوتا، موزہ یا نعلین پہنو تو پہلے دایاں پاؤں ڈالو اور نکالتے وقت پہلے بایاں نکالو۔

(۱۸) رات میں آہستہ اور دن میں چاروں طرف نظر رکھ کر بات کرو۔

(۱۹) کم بولنے، کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔

(۲۰) بچوں اور عورتوں سے راز نہ بیان کرو۔

(۲۱) پرائی متاع کی اُمید نہ رکھو۔

(۲۲) بد اصلوں سے نیکی کی اُمید نہ رکھو۔

(۲۳) بغیر سوچے کام نہ کرو۔

(۲۴) جو کام نہیں کیا اس کا شمار کئے ہوئے کاموں میں نہ کرو۔

(۲۵) آج کا کام کل پر نہ ڈالو۔

(۲۶) بخیل آدمی اور ناگن سے خوبی کی اُمید نہ رکھو۔

(۲۷) بزرگوں کے روبرو لانبی بات نہ کرو۔

(۲۸) گزرے ہوؤں کو بُرائی سے یاد نہ کرو۔

(۲۹) اپنی چیزوں میں دوسروں کی چیزیں نہ ملاؤ۔

(۳۰) میاں اور بیوی میں پردہ نہ رکھو۔

(۳۱) جو کچھ مال خدا نے تم کو دیا ہے اس کو دوست دشمن کو نہ دکھاؤ۔

(۳۲) عزیزوں کو عزیزوں سے نہ توڑو۔

(۳۳) غیبت سے کسی کو یاد نہ کرو۔

(۳۴) ہر ایک سے قوت آزمائی نہ کرو۔

(۳۵) خود میں استطاعت پیدا کئے بغیر دوسروں کے دسترخوان پر روٹی نہ کھاؤ۔

(۳۶) ہر کام میں عجلت نہ کرو۔ وغیرہ

(۱۳) ہدایات ہندی [۹۵]

اوراق ۱۵۱۔ سطور ۱۱۔ تقطیع ۵½ × ۷½"

خط نستعلیق۔ مصنف شیخ داؤد ضعیفی۔

سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ۔ کاتب محمد امیرالدین۔

سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ۔ بمقام اورنگ آباد۔

مخطوطہ نمبر ۱۱ کا دوسرا نسخہ ہے جس میں فتح شریف کا لکھا ہوا اضافہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف ضعیفی کی اصل کتاب کی نقل ہے۔ اس کی بعض ابیات مذکورہ نسخے سے مختلف ہیں مثلاً

نسخۂ نمبر ۱۱	نسخۂ نمبر ۱۳
نعت تن ہوا شیخ داؤد ناؤں	شیخ دال الف واو ہور دال ناؤں
ضعیفی ہو اس کے تخلص کا ٹھاؤں	ضعیفی سو اس نے تخلص کا ٹھاؤں
دیا حق تعالیٰ نے یوں جس کوں جس	دیا یوں اسے حق تعالیٰ نے جس
جو دشمن ہوا اس انگے خوار و خس	جو دشمن ہوئی اوس انگے خار و خس
دھریا سر پو چوپن شہی کا وو تاج	دھریا سر پو پاؤں شہی کا وو تاج
دلی ہور دکھن کا ہوا ایک راج	دلی ہور دکھن کا ہوا ایک راج
ہمیں کن شہنشاہ کے دہر میں	دلی کے شہنشاہ کے دہر میں
مبارک او ذوالحجہ کے شہر میں	مبارک وو ذی الحجہ کے شہر میں

مصنف کا نام نسخہ ۱۳ میں جس طرح لکھا گیا ہے اصل میں اسی طرح مصنف نے لکھا ہوگا تب ہی تو فتح شریف نے بھی پندنامہ میں اسی طرح اپنا نام لکھا۔ یہ نسخہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن ناقص الاول ہے۔ ابتدائی پچھے ابیات نہیں ہیں۔

آغاز :-

تو البتہ او دین کی بات کر سنے کان دھر دل کے اخلاص سوں

یہ بولوں بیان دین ایمان کا کہ جس سوں شرف ہے مسلمان کا

اختتام :-

اتھی ساۃ تاریخ دن مشتری یو نسخہ مرتب ہوا خوشتری

مرتب یو نسخہ اچھو بدوام بحقِ محمد علیہ السلام

ترقیمہ

تاریخ ہفتم ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ ہجری روز جمعہ بعد از نماز مغرب وقت تمام شد۔ کاتب الحروف محمد امیرالدین ساکن اطراف اورنگ آباد، برائے حل ذی صاحب سو، اگر زبروی دام اقبالہٗ تحریر یافت بدست۔

امیرالدین ندارد توشۂ راہ بجز لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

یادگاری را نوشتہ این کتاب کمترین عاجز امیرالدین تراب

---

(۱۴) شمائل النبی [۱۰۹]

اوراق ۱۲۔ سطور ۸۔ تقطیع ۷½ × ۴"

خط ثلث۔ مصنف عبدالمجید ترین۔ کتابت اوائل بارہویں صدی ہجری۔

یہ ۷۰ ابیات کی مثنوی ہے جس کو ایک دکھنی شاعر عبدالمجید ترین نے پشتو زبان کے ایک مصنف اخوند رویزانی کے رسالہ سے ترجمہ کیا ہے اس میں حضرت رسول مقبولؐ کے شمائل (جس میں سراپا اور اخلاق وعادات شامل ہیں) نہایت خوبی سے قلمبند کئے گئے ہیں۔

اسی موضوع پر ایک اور رسالہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نام شمائل محمدی اور جس کا

مصنف عثمان ہے اور جس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں :-

الٰہی گلشن دیدار میں توں   نبی کے نور سوں کرتو جہاں کوں
لکھا عثمان عاشق ہو شمائل   ہمیشہ کر رکھو گل میں حمائل

فہرست اُردو مخطوطات صفحہ

عبدالمجد ترین کی شمائل نبوی زبان کے لحاظ سے اس رسالے سے بہت قدیم ہے۔ اس میں مصنف نے سبب تالیف یوں بیان کیا ہے :-

کیا قصد عبدالمجد ترین   شمائل نبی کا کہوں بہترین
اخوند ردیزانی جو شیتو سنی   کیا ہے سو منگتا ہوں میں بولنے
شمائل نبی کا منگوں بولنے   کریا کرم کر زباں کھولنے
قریب الفہم نظم دکھنی اچھو   ہریک کس کا دل اسکوں سکھنی اچھے

اختتامی ابیات میں شاعر نے اپنا نام عبدل زین لکھا ہے۔

آغاز :-

الٰہی سچا توں ہے پروردگار   دو نو جگ میں قدرت ترا آشکار
سچا توں ہے قادر سچا توں حکیم   سچا توں ہے صانع سچا توں رحیم

اختتام :-

شمائل نبی کا اسے بہترین   کیا نظم دکھنی میں عبدل ترین
اگر کوئی پڑھے یاد کر کوئی سنے   دعا نیک سوں یاد کرنا اونے
خدایا گنہ بخش ہور منج خطا   دئے کر توں ایمان کی منج عطا
بحق محمد ہے تیرا رسول   مناجات کر منج بندی کی قبول

ترقیمہ

الٰہی گنہ کو پڑھنہارکے   بخش تو گنہ کو لکھنہارکے

(۱۵) وفات نامۂ سرور کائنات [۹۸ب]

اوراق ۳۶ - سطور ۷ - تقطیع ۲ ۳/۴ × ۴ ۳/۴
خط ثلث - مصنف دریا - سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ
سنہ کتابت ۱۱۶۵ھ

یہ ۲۴۵ ابیات کی مثنوی ہے جس میں ایک شاعر دریا نے حضور سرور کائنات کی وفات کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ عربی اور فارسی میں تو اس موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ضرورت ہے کہ دکنی میں بھی لکھا جائے تاکہ لوگ خود پڑھ کر سمجھ سکیں۔

ہریک دکھنی زبان سوں پڑکو بوجے
نہ رہے محتاج کس سوں آپ سوجے

اس کتاب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے جس میں کتابت کی بے حد غلطیاں ہیں اور جس کو بہلول خاں نے ۱۲۲۴ھ میں (یعنی ادارے کے نسخے سے ۵۹ سال بعد) نقل کیا ہے۔ (فہرست مخطوطات صفحہ) ادارے کے نسخے میں آخری ورق محفوظ نہیں رہا۔ سنہ تصنیف جامعہ کے نسخے میں موجود ہے :-

ہوا نسخہ یو ہجرت بعد سارا   ہوا برس گیارہ پر گیارہ

آغاز :-

بنا اول کروں حمد خدا میں   زباں اسداد پر ایس کی ابتدا میں
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت   بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

اختتام :-

محب چار یاراں ہر دو عالم   ہمیشہ سرفرازی تاجدار م
کیا دریا رسالہ نظم سو سانچہ   یو بیتاں ہیں دو صد بیست و پانچہ

بقا نہیں ہے کسی کو آج دایم — بجز ذات خدا نہیں کوئی قائم
بقا شئی کو نہیں یو عمر فانی — فنا ہوگا جہاں فلک ہو پانی

جامعہ کے نسخے میں ابیات کی تعداد کی بیت غلط
نقل کی گئی ہے ۔ یوں لکھا ہے :-

یہ بیتاں ہیں دو صد بست و نو پر

یہ مصرع بحر میں بھی نہیں آتا ۔ ادارے کی بیاض میں صحیح
مصرع درج ہے جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے
وفات نامہ کا یہ نسخہ معراج نامۂ بلاقی (نمبر ۱۰)
کے ساتھ مسلسل ایک ہی قلم میں اور اسی کاغذ پر نقل کیا گیا ہے۔
اسی موضوع پر ایک اور شاعر امامی کی کتاب (دیکھو
فہرست ہذا سلسلہ نشان ۳) کا تذکرہ گزر چکا ہے ۔ اس کا
نام بھی وفات نامۂ سرور کائنات ہے۔
زیر نظر نسخے کے مصنف کے حالات معلوم نہ ہو سکے
اس کا تخلص دریا ہے ۔ اور یہ لفظ دکن کے دو بزرگوں
کا لقب تھا ۔ (۱) شاہ محمد قادری نور دریا (۲) بحر الدین قاضی دریا
۱۔ شاہ محمد قادری خلیفہ تھے شاہ امین الدین اعلیٰ کے
اور ۱۰۹۵ھ میں فوت ہوئے ۔ ایک کرامت کی وجہ سے
نور دریا لقب پایا ۔ رائچور میں مدفون ہیں (واقعات مملکت
بیجاپور حصہ سوم ص۳۵۲) تاریخ تصنیف کے لحاظ سے یہ رسالہ
ان کی تصنیف نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ ان کے کسی معتقد
یا مرید کا ہو۔
۲۔ بحر الدین گوگی کے قاضی اور محمود بحری مصنف من لگن
(متوفی ۱۱۳۰ھ) کے والد تھے ان کا لقب قاضی دریا تھا۔
(دیکھو فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ ص۵۸) یہ وفات نامہ
غالباً ان کی تصنیف بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ۱۱۱۱ھ سے قبل
فوت ہو چکے تھے ۔ ممکن ہے کہ اس رسالہ کی تاریخ تصنیف
جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں غلط مندرج ہو کیونکہ وہ نسخہ بہت
غلط لکھا گیا ہے ۔ ادارے کے اس نسخہ میں آخری ورق
محفوظ نہیں ہے جس میں سنہ تصنیف کی بیت شامل تھی۔
اگر سنہ تصنیف واقعی غلط ہو تو یہ رسالہ ان دونوں بزرگوں
میں سے کسی ایک کی تصنیف سمجھا جا سکتا ہے ۔

---

(۱۶) تحفۃ النصائح (۱۵۷)

اوراق ۴۴ ۔ سطور ۱۳ ۔ تقطیع ۷½ × ۵½
خط نستعلیق ۔ مصنف قطب رازی ۔ سنہ تصنیف
۱۰۳۵ھ

یہ ۸۶ اشعار کا قصیدہ ہے جو اصل میں اسی
نام کی ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے ۔ فارسی تحفہ کے
مصنف سید یوسف راجو حسینی تھے جنھوں نے ۷۹۵ھ ہجری
میں یہ رسالہ قلمبند کیا تھا ۔ انھوں نے حمد و نعت کے بعد
اپنے مرشد شیخ نصیر الدین محمود کی مدح کی ہے اور اس کے
بعد سبب تالیف کتاب بیان کیا ہے ۔ ترجمہ میں رازی نے
اصل کی پوری پابندی کی ہے اور ابتدائی حصہ میں اپنا کوئی
ذکر نہیں کیا ۔ بلکہ آخر میں پنتالیسویں باب میں بعنوان
"مناجات و خاتمہ" اصل کتاب اور ترجمہ دونوں
کی تاریخ اور تعداد ابیات و ابواب اور سبب تالیف وغیرہ
بیان کر دئے ہیں ۔ اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ بالعموم
مثنوی لکھنے کا رواج ہے لیکن میں نے تحفہ قصیدے کے
طور پہ لکھا ہے ۔ (ورق ۴۳ ب) اور اس قصیدے
کو ۴۵ ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں مذہب و اخلاق

وتمدن کے مختلف مسائل کے بارے میں نصیحتیں کی گئی ہیں۔

مترجم نے وجہ ترجمہ یوں بیان کیا ہے :۔

تحفہ اصل اے فارسی سب ترجمہ دکھنی کیا
صاحب سو دنیا دین کے شہ بوالحسن فرمانے پر
بندیاں میں سب کمترا ہے رازی تخلص قطب کا
تحفہ کیا دکھنی زبان شہ کی رضانے سیس پر
بندہ تو سب پُرعیب ہے جوں شاہ بخشے عیب توں
بندہ نوازی شاہ سوں اد عیب ہوئے سب ہنر
ہجرت تھے دس سو سال ہور چالیس پر بھی پانچ تھے
تب اے مرتب سب ہوا تحفہ سو دکھنی نامور

(ورق ۶۳ ب)

جس سے پتہ چلتا ہے کہ رازی کا نام قطب یا قطب الدین تھا اور اس نے اپنے مرشد شاہ ابوالحسن کی فرمائش پر ۱۰۴۵ھ میں فارسی سے دکھنی میں یہ رسالہ منتقل کیا۔ بعض کتابوں میں اس کا تخلص راضی (بہ ض) سے لکھا گیا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا (دکن میں اُردو ص ۵۲) کیونکہ اس نسخے میں ہر جگہ رازی لکھا ہے۔ ایک غلط فہمی یہ بھی ہوئی ہے کہ رازی اور قطبی دونوں کو ایک ہی مصنف مان لیا گیا ہے۔ حالانکہ دونوں جدا جدا شخص تھے اور اس نسخے میں یہ کہیں معلوم نہ ہوسکا کہ رازی کا تخلص قطبی بھی تھا۔ (اُردو شہ پارے ص ۸۱)

رازی کو قطب شاہی شاعر بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس نے جن بزرگ کی فرمائش پر یہ رسالہ لکھا ہے وہ بیجاپور کے تھے۔ گولکنڈہ یا حیدرآباد میں اس عہد میں اس نام کے کوئی مشہور بزرگ نہیں گزرے۔ البتہ بیجاپور میں اس نام کے دو بزرگ موجود تھے۔ شاہ ابوالحسن فخرآبادی اور شاہ ابوالحسن قادری۔

رازی جن کا معتقد تھا وہ شاہ ابوالحسن قادری بیدری ہیں جن کا سلسلۂ نسب حضرت محبوب سبحانی تک پہنچتا ہے وہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں بیجاپور گئے اور بڑی قدر و منزلت حاصل ہوئی۔ بادشاہ اور عوام بے حد معتقد ہوگئے۔ کئی کرامتیں مشہور اور منقول ہیں۔ بادشاہ نے معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا ۱۴؍ ربیع الثانی ۱۰۴۵ھ میں رحلت پائی اور اللہ پور دروازے کے باہر مدفون ہوئے۔ تاریخ اولیائے دکن میں عبدالجبار خاں نے شاہ ابوالحسن فخرآبادی کے علاوہ شاہ ابوالحسن قادری کا تذکرہ دو جگہ (ص ۱۱۴ اور ص ۱۹۲) اس غلط فہمی میں کیا ہے کہ یہ دو علیحدہ بزرگ ہیں۔

رازی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان کے کتنے معتقد تھے اور کیسا صاحب اقتدار سمجھتے تھے۔ یہ کتاب تحفہ ان کی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ہی لکھی گئی تھی۔

آغاز :۔

بولوں صفت میں بے گنت اُس خالق جن و بشر
تو دھار کر آسمان رکھیا چندان سورج تارے قمر
دسے یوں بزرگی عرش کوں پنکھی اُڑے یک پانتے
جیوں پنج برساں چار سوا نپڑے براں پائے دگر

اختتام :۔

ہجرت تھے دس سو سال ہوا چالیس پر بھی پانچ تھے
تب اے مرتب سب ہوا تحفہ سو دکھنی نامور

ترقیمہ نہیں ہے۔ بارہویں صدی ہجری کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

اس کے نسخے دفتر دیوانی و مال اور کتب خانہ نواب

سالار جنگ بہادر و جامعۂ عثمانیہ میں بھی موجود ہیں۔ نواب سالار جنگ بہادر
کے چار نسخوں میں سب سے قدیم ۱۱۳۳ھ کا مکتوبہ ہے۔
اس کتاب کا سنہ تصنیف بالعموم ۱۱۰۴ھ بیان کیا گیا
لیکن ادارے کے نسخے میں صاف طور پر ۱۰۸۴ھ درج ہے۔

---

(۱۷) چندر بدن و مہیار [۸۷]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۳۔ تقطیع ½۴ × ½۷
خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف مقیمی
سنہ تصنیف قبل ۱۰۴۸ھ سنہ کتابت ۱۱۲۸ھ

یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جس میں شاعر نے اپنے زمانے کے ایک مشہور واقعہ کو منظوم کیا ہے یعنے عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی میں ایک ہندو شہزادی چندر بدن اور مسلمان تاجر زادہ مہیار (محی الدین) کے آپس میں محبت ہوگئی اور دونوں نے ایک دوسرے کے لئے جان دے دی۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہوا اور کئی شاعروں نے فسانہ کے پیرایہ میں اس کو بیان کیا اس کی تاریخی صداقت کا ذکر تزک آصفیہ (ص۱۵۱) میں بھی کیا گیا ہے۔ اسی موضوع پر ایک اور شاعر کی مثنوی ادارے میں موجود ہے جس کا ذکر آئندہ درج ہوگا۔

مقیمی کا نام مرزا محمد مقیم تھا جو استرآباد (ایران) کے ایک سید خاندان کا فرد تھا۔ باپ کے ساتھ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے وطن سے نکلا۔ واپسی پر شیراز میں یتیم ہوگیا اور سرپرستی کی خاطر بیجاپور چلا آیا۔ جہاں اس کا ہم وطن فرشتہ استرآبادی موجود تھا اور تاریخ نگاری کا کام انجام دے رہا تھا۔ چنانچہ اس تاریخ (فتوحات عادل شاہی) میں اس نے اپنے اس نو وارد ہم وطن کا شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد ایک اور مورخ میر ابراہیم بن میر حسن نے بھی "احوال بادشاہان بیجاپور" میں اس کے فارسی دیوان اور اردو کلام کا تذکرہ کیا ہے۔ (دیکھو نسخہ برٹش میوزیم ورق ۳۰ ب)۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھو اردو شہ پارے ص۳۳ تا ص۳۹

شاعر نے اپنا تخلص مثنوی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے مثلاً :-

دنیا تو فنا ہے مقیمی سبھی رہے گی بچن کی نشانی یہی (ورق ۱۰ب)
مُہر دی مقیمی زباں پر صفا زنعت محمد نبی مصطفیٰ (ورق ۲ا)
مقیمی پرت بیچ انپڑیا ہوں میں
پرت کے کمند بیچ سنپڑیا ہوں میں (ورق ۲ب)
مقیمی بچن کا ترنگ ساز کر بسر کاں چلیا ہے توں مہیار کوں
(ورق ۱۱ب)
شروع سٹ مقیمی یہ بیت پیار کا قصہ کہہ توں پورا سو پیار کا
(ورق ۱۲ب)

شاعر اس مثنوی کا سبب تالیف یہ بیان کرتا ہے کہ "میں بندۂ محبت ہوں اور چاہتا تھا کہ محبت و وفاداری کا انتہائی ثبوت دوں۔ اس اثنا میں ایک دوست سے اتنا تعلق خاطر پیدا ہوا کہ میں اس کی محبت میں مدہوش ہوگیا اس نے مجھے گہری محبت کا ایک ایسا قصہ بیان کیا جس کو سُن کر ہر کوئی مجنوں اور لیلیٰ کی داستان بھول سکتا ہے۔ اس کا میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اشعار موتی کی طرح ڈھل ڈھل کر نکلنے لگے اور چونکہ میں زبان کا سچا جوہری ہوں اس لئے اپنی زبان سے گوہر گستری کر رہا ہوں اور اس قصۂ چندر بدن و مہیار میں غواصی کا تتبع کرکے اختصار سے بیان کر رہا ہوں

لیکن اس کے باوجود نہ میں اپنی تعریف کرتا اور نہ دوسرے کے شعروں کو مضمون بدل کر لکھتا ہوں۔ کیونکہ یہ خام شاعروں کا کام ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ مقیمی نے اس قصہ میں بہت اختصار سے کام لیا ہے اور گولکنڈہ کے ملک الشعراء غواصی پر چوٹ بھی کی ہے کہ اس نے مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال میں بہت خود سرائی کی ہے۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں۔

قصہ نیہ پرت کا کہا ایک اُن — جو بسرے تو لیلیٰ و مجنوں کو سُن
جو اول پہ یوں کر تفکر قریب — کہوں شعر موزوں حکایت عجیب
بچن دُر ہو دل تے اُبلنے لگی — نوی طرز خوش تب نکلنے لگی
زباں کا اتا ہوں سچا جوہری — کروں نت زباں سو گہر گستری
قصہ یک کہوں میں گہر بار کا — سو چندر بدن ہور مہیار کا
سُنے کوئی نیچ کو دھیا یاد کر — رہیں گے تعجب سوں دل شاد کر
تتبع غواصی کا باندیا ہوں میں — سخن مختصر کیا کے ساندیا ہوں میں
ولے میں اپس کوں سراہا نہیں — شعر میں کسی کا پھرایا نہیں
سراہا پھرانا نحص کام ہے — کرے اُن عمل یو کہ جو خام ہے

(ورق ۲ ب ۳۰ و)

عجیب بات یہ ہے کہ مقیمی نے غواصی کی طرح نہ بادشاہ کی مدح لکھی اور نہ سنہ تالیف ہی قلمبند کیا جس کے باعث یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے یہ کتاب کس سنہ میں لکھی ہے۔ البتہ غواصی کی تصنیف سیف الملوک (۱۰۳۵ھ) اور امین کی بہرام و بانو حسن (۱۰۴۰ھ) کے درمیانی زمانہ میں یہ کتاب لکھی گئی ہو کیونکہ اس موخر الذکر کتاب میں مقیمی کے اُردو کلام کا تذکرہ ہے۔

اس مثنوی کے نسخے انڈیا آفس (ملوم ہارٹ ۱۰۰) اور ایڈنبرا یونیورسٹی (۲۷۸) کے علاوہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں بھی موجود ہیں۔ موخر الذکر کا نسخہ ۱۱۵۵ھ کا مکتوبہ ہے۔

ادارے کے نسخے میں جملہ ۳۲۵ ابیات ہیں آخری صفحہ غائب تھا تو مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کے نسخے سے تکمیل کرائی گئی ہے ابتدائی ورق کی عبارت اور کاغذ اور خط سے ۱۲۲۸ھ کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

آغاز :-

مجھے فیض کچھ بخش تجھ دھیان کا
الٰہی تو حافظ ہے ایمان کا
مرا دین و ایماں سارا سو توں
مرے جیو میں کیتا ہے ٹھارا سو توں

اختتام :-

دنیا تو فنا ہے مقیمی سہی — رہے گی بچن کی نشانی یہی
تو ہر جا کہ بینی بہ سہو و خطا — مرا بہ تجوید زبہر خدا

ترقیمہ :-

منقول از مخطوطہ نصیر الدین ہاشمی۔ ۱۰ر مئی ۳۷ء

اس کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ہیں جنھوں نے ادارے کو یہ کتاب بطور عطیہ عنایت کی ہے

مخطوطہ جس ورق سے شروع ہوتا ہے اس پر کسی مثنوی کا یہ آخری شعر اور ترقیمہ درج ہے :-

توں مقبول کر جگ میں میرا کلام — بحق محمد علیہ السّلام

تمت بالخیر۔ تحریر فی التاریخ چہاردہم ماہ ذیحجہ ۱۲۲۸ھ

اس کے نیچے سرخ روشنائی سے نصرتی کی یہ رباعی لکھی ہے :-

ربامی نُصرتی :-

فرصت کی گھڑی کوئی بِل ترسے ہاتھ نہیں
پھیتا نہیں گردن کوں تو کیا رات نہیں
یک بوسہ نہ دے تلخ ہو چپ لڑکے پری
گو نیں ہے تو گوشہ سار کی کیا بات نہیں

---

۱۸ چندربدن و مہیار (۸۴)

اوراق ۴۳ - سطور ۱۳ - تقطیع $\frac{1}{4}$ ۴ × $\frac{1}{4}$ ۶
خط نستعلیق - مصنف بُلبُل -

یہ مثنوی مقیمی کی اسی موضوع کی مثنوی سے بڑی اور کچھ عرصہ بعد لکھی گئی ہے یہ دراصل آتشی کی فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے جو شاعرانہ تخیل اور لطافت زبان کے لحاظ سے مقیمی کی مثنوی سے بہتر ہے۔ شاعر نے اپنا تخلص کئی جگہ استعمال کیا ہے :-

کرے کیا وصفِ گل بلبل فدائی ‖ محمد ہور خدا میں نیں جدائی
(ورق ۵ ۹)
چمن آرا حیا اے سرو رفتار ‖ ہوا قمری کے تیوں بلبل گرفتار
(ورق ۵ ب)
توں بلبل خاص گلزار سخن ہے ‖ سخن تیرا چمن اندر چمن ہے
(ورق ۹ ۹)
او گل ہو طبع بلبل سوں ہو راضی ‖ کرے شیریں سخن سوں سرفرازی
(ورق ۹ ب)
دو شن بہر مہیار کیا دا آواز ‖ کیا بلبل اوچوں پروانہ پرواز
ہوا بُلبُل اوپر اس تے مروت ‖ دکھانا فرس کی ہندی میں صورت
(ورق ۱۲ ب)

چونکہ اس نسخے میں آخری اوراق محفوظ نہیں ہیں اور نہ کسی اور کتب خانے میں اس کا نسخہ موجود ہے اس لئے کتاب کا سنہ تالیف وغیرہ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ زبان اور اندازِ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب مقیمی کے بہت بعد لکھی گئی ہے۔

تقدیم و تاخیر اور دیگر امور کے اندازے کے لئے ایک ہی مقام سے متعلق دونوں کی ابیات بطور مقابلہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ جب مہیار، چندر بدن سے مل کر اظہار محبت کرتا ہے تو وہ اپنے ہندو ہونے اور مسلمان کے ساتھ محبت نہ کر سکنے پر مجبوری ظاہر کرتی ہے اس طعن و تشنیع کی گفتگو کو دونوں نے بیان کیا ہے جو یہ ہے :-

مقیمی	بُلبُل
ترک جاکے بولیا کہ سن ای پری	قدم پر جا کیا آداب سجدہ
مجھے تج لطافت دوانہ کری	بجا لایا او سر سیں داب سجدہ
دیوانہ ہوں تیرا دیوانے کے تیں	جنوں بیتاب ہو کل دعا میں
ایس تے نکر دور جانے کے تیں	نیاز عرض کیتا دعا میں
دھر یا آس تیری نراسی نہ کر	تو ہیں سلطان خوباں شہری ہے
جفا پر مجے توں کہ اسی نہ کر	تو صورت تجہ میدا نہ مجہ کری ہے
سو تج بن مجے کوئی ہونا نہیں	چھڑائی مجکوں میرے خانماں سیں
کہ بن جل مچھی کا سو جینا نہیں	کری تاراج مجکو دل و جاں سوں
سو یوں کہہ ادب سوں نوڑ کر ادنے	نثار تجہ قدم اب نیم جاں ہے
دھر یا سیس اوس کے چرن پر اونے	یہی ہے آرزو فرماں رواں ہے
لکد مار اوس کو اوٹھی بول یوں	اے سر میرا نثار خاک راہ ہے
سبج کچہ ایس کوں رہے بے ڈول یوں	دل پرخوں شہید جلوہ گاہ ہے
ہندو میں کہاں ہور ترک تو کہاں	مری اے زلف شکین گرہ گیسو ہوئے ہیں دام دل زنار و زنجیر
کہاں رام سیتا، ہور ترک تو کہاں	ترے بت کا صفا بت خانہ دل ہے
کہاں میں چندرماں کہاں تو دیا	ترے مہتاب کا دیوانہ دل ہے
کتا کیا ہوے توں دیوانہ ہوا	دیا سب آگ میں سامان طاقت
جھڑک بول اسکوں وہیں پھر چلی	فغاں ہے دل اوپر شور قیامت
اٹھی دل میں عاشق کے دیپ تھلی	قبولے نیں نازو باسیں نازی
(ورق ۱۵ ب)	کرے عاشق سوں ظاہر بے نیازی

یو سنکر آ غصے میں ہوئی غضب ریز
کری شب دیز کوں غمزی کے مہمیز
قدم سوں اُس کے سر کوں مار ٹھوکر
کہی بکتا ہے کیا دیوانہ ہو کر
کہاں میں چاند ہوں ہور توں دِوا ہے
موے دیوانہ بے ہودہ ہوا ہے
ہیں ہے تاب ذرہ وصل خورشید
کرے کیا قطرہ با دریاے امید
ہو دِبُت مسلمانی میں دشوار
ہنووے رشتۂ تسبیح زنار
نہ کر دیوانہ سودا بوالہوس خام
کہاں پروانہ ہوتا ہے مگس خام
یہ کہکر اُس کے سر کو مار ٹھوکر
کرشمہ ناز ہور غمزے سیں ہو کر
رواں ہوئی نونہال سرو بابال
کرے قمری نمن فریاد غلغال
پری پیکر رخ نیکو شمائل
کری مہیار کوں غمزے سوں گھائل
یو سن دلبر ستے یک آہ مارا
جگر سوں نعرۂ جانکاہ مارا
(ورق ۱۴ب، ۱۵الف)

اس سے ظاہر ہوا کہ مقیمی نے جس واقعہ کو ۹ ابیات میں بیان کیا تھا اُس کے لئے بلبل نے ۲۰ بیتیں لکھی ہیں۔ ساتھ ہی بعض بیتیں بیت یکساں ہیں مثلاً مقیمی کی بیت نمبر ۸ اور بلبل کی بیت نمبر ۲۳ مقیمی لکھتا ہے :-

کہاں میں چندرماں کہاں تو دیوا — کتا کیا موسے توں دیوانہ ہوا

بلبل کی بیت ہے :-

کہاں میں چاند ہوں ہور تو دیوا ہے — موے دیوانہ بے ہودہ ہوا ہے

یہی ایک بیت ظاہر کرتی ہے کہ بلبل نے یا تو مقیمی کی کتاب دیکھی ہی یا پھر یہ سمجھنا پڑے گا کہ مقیمی کی اُردوٗ مثنوی کا آتشی نے فارسی میں ترجمہ کیا اور اِس فارسی سے بلبل نے دوبارہ اُردو میں منتقل کیا۔ بلبل قصے کے آغاز میں صاف طور پر کہتا ہے کہ ع

کیا یوں آتشی قصے کی بنیاد (ورق ۹۰)

یعنی آتشی نے اس قصہ کا آغاز یوں کیا ہے۔ فارسی سے اُردوٗ میں ترجمہ کرنے کی طرف مُصنّف نے کئی ابیات میں اشارہ کیا ہے مثلاً

حریر ہندوی پر کر توں تصویر — لباس پارسی ہے یا زنجیر (ورق ۶)
تو ہو مجھ باغ میں ٹک نغمہ پرداز — ستار ہندوی دو دم نواساز (۶ب)
پڑا تھا عشق کا ہندی رسالہ — پیا نیں فارسی کا مے پیالہ (۷الف)
ہوا بلبل اوپر استے ضرورت — دکھانا فرس کی ہندی میں صورت (۷)

اس نے سبب تالیف یوں بیان کیا ہے :-

ایک رات میں باغ میں گیا جہاں گُل جلوہ دکھا رہا تھا اور میں قمری کی طرح اس کا گرفتار ہو گیا نسیم صبح نے غنچۂ لب کھول کر کہا کہ تو نے شعر کہنا کیوں چھوڑ دیا ہے سوسن نے بھی اپنی دس زبانوں سے میری تعریف کی اور کہا کہ بارے اب تو زبان کھول اور حریر ہندوی پر مصوری کر۔ کیونکہ تو گلزار سخن کا خاص بلبل ہے۔ اس کے بعد عقل نے مجھے مبارک باد دے کر کہا کہ فارسی قصہ اچھا ہے اس کا تو ترجمہ کر۔ اس نے اگرچہ عشق کا ہندی رسالہ پڑھا تھا لیکن فارسی کی مے دوسالہ سے واقف نہ تھا۔ اس لئے بلبل کے لئے ضروری ہوا کہ فارسی کو ہندی میں منتقل کرے۔

شاعر نے جس فارسی کتاب کا اُردوٗ ترجمہ کیا تھا وہ آتشی کی تھی۔ آتشی اس قصے کے اصل مصنف مقیمی کا ہم عصر ایرانی شاعر اور طبیب تھا۔ فتوحات عادل شاہی اور احوال سلاطین بیجاپور دونوں تاریخوں میں اس کا ذکر ہے یہ شیراز کا سید زادہ تھا اور آتشی اُس کے خاندان کا لقب تھا۔ کیونکہ اُس کے

اجداد میں سے کوئی اپنی سیادت کو ثابت کرنے کے لیے آگ میں کود گیا تھا۔ بیجاپور آیا تھا اور وہاں آتشی کے بعض علاج بہت مشہور اور زبان زد خلائق تھے۔ بیجاپور میں اس کی فارسی شاعری کا بھی بڑا چرچا تھا اور اُردو میں بھی اس نے شعر کہے ہیں۔ ممکن ہے کہ مقیمی کی اُردو مثنوی چندر بدن و مہیار کو پسند کر کے اس قصہ کو اس نے فارسی میں لکھ دیا ہو اور بعد میں فارسی قصہ کو مقبولیت حاصل ہوئی اور مقیمی نے اسی وجہ سے اس کا ترجمہ کیا۔

آغاز:-

بنام نقشبند نقش ایجاد — کیا قدرت کے نقشے کا دو بنیاد
بندا نقشہ زمین و آسماں کا — بہار گلشن و جان جہاں کا

اختتام:-

دو مل تن کا ہوا تن سات ہم دوش
وصل جاں کا ہوا جان سیں ہم آغوش
رواں ہوئی نقش تب مہیار بے تاب
پریدہ گود میں تھی دو شکر خواب۔

آخری ورق غائب ہیں۔ ابتدائی ورق پر نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر اور دستخط ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

۴۹ نجات نامہ ۵۰۷

اوراق ۸۔ سطور ۱۳ متن میں۔ ۱۲ حاشیہ پر۔
تقطیع ۶×۸۔ خط نستعلیق۔ مصنف محمد امین ایاغی
تصنیف درمیان ۱۰۶۷ھ و ۱۰۸۳ھ۔ کتابت ۱۲۲۱ھ

یہ ایک چھوٹی سی مثنوی ہے جس میں شریعت کی پابندی سے متعلق پند و نصائح بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف خاص مذہبی قسم کا آدمی ہے اور طریقۂ نقشبندیہ یا قادریہ میں منسلک معلوم ہوتا ہے اور وہ راگ سننے، گیت گانے، شطرنج کھیلنے، بھنگ پینے، نظربازی کرنے، مال گاڑ کر رکھنے، کافروں سے دوستی رکھنے اور راگ کے ذریعہ سے ذکر کرنے کو گناہ اور دوزخ میں جانے کے اسباب قرار دیتا ہے۔ اسی طرح پوری کتاب میں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے اور گناہوں کی مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں۔

حسب ذیل بیتوں میں مصنف نے اپنا نام محمد امین اور تخلص ایاغی ظاہر کر دیا ہے۔

ایاغی کدہر تو چلیا باٹ چھوڑ — سرشتے کو بنداں کے تو یوں نہ توڑ
(ورق ۵ ب)
محمد امین و ایاغی اوپر — الٰہی کرم کی نظر کر نظر
(ورق ۸ و)

مصنف کا ذکر "احوال سلاطین بیجاپور" میں نصرتی کے ہم عصر شعرا میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معروف شاعر تھا اور اس مثنوی کے علاوہ اور بھی کلام لکھا ہے۔ اردو میں اس کا ذکر پہلی بار کتاب "اُردو شہ پارے" (ص [illegible]) میں کیا گیا ہے۔

نصرتی علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا ملک الشعرا تھا اور اس بادشاہ کا ذکر خود ایاغی نے بھی نجات نامہ میں پند و نصائح کے درمیان کر دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنا سخت مذہبی آدمی تھا کہ مدح بادشاہ کے عنوان سے کچھ لکھنا بھی پسند نہ کیا۔ بلکہ دوسری نصیحتوں کے سلسلے میں جب اس موضوع پر آتا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ دنیا میں خوبی اور راستبازی سے عدل کرے تو دین میں اس کو بہاے بڑھ کر بادشاہی دی جائے گی تو اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ مجھے ہر گھڑی شکر پروردگار کرنا چاہئے کہ اس دور میں علی عادل شاہ

جیسا بادشاہ حکمران ہے جو نمازی، حق پرست، سنت کا پیرو اور دیندار ہے۔ اتنا لکھ کر نوڑا اپنے راستہ بھٹک کر مدح پر اتر آنے پر ٹوکتا ہے اور کہتا ہے کہ تونے نصائح کا سلسلہ کیوں توڑ دیا۔ اس کی بیتیں ہیں :۔

اگر راستی سو کیا عدل بیاں   تجہ اس تے بڑی بادشاہی ہوے ہاں
کروں ہر گھڑی شکر پروردگار   کہ اس دور میں ہیں علی شہریار
رہے شاہ عادل زہے بادشاہ   کہ سنت کو جوں فرض کرتا ادا
کدہیں ترک ہرگز کیا نیں نماز   کہ حق سات دھرتا ہے راز و نیاز
شب و روز ہے دین پر استوار   تو خوشنود ہے اوس پہ پروردگار
الٰہی اچھے جب تلک آسمان   شہنشاہ عادل کوں رکھ درجہاں
ایاغی کدہر تو چلیا باٹ چھوڑ   سر رشتے کو پنداں کے تو یوں نہ توڑ

(ورق ۵ ب)

آخر کتاب میں مناجات لکھی ہے اور توفیق نیک کے لئے دعا مانگی ہے اس سلسلہ میں ایک بیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "نجات نامہ" لکھتے وقت ایاغی بوڑھا ہو چکا تھا وہ کہتا ہے "میں اپنی حالت پر کتنا روؤں کہ اگرچہ بال سفید ہو گئے لیکن دل اب بھی سیاہ ہے"۔ اس کی بیت ہے :۔

کتا روؤں میرے پہ افسوس آہ   ہوے بال اجلے دلے دل سیاہ

(ورق ۷ ب)

اس مثنوی کا ایک نسخہ (جس میں ۲۷۰ ابیات تھیں) شاہانِ اودھ کے توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا۔ جس کا ذکر اسپرنگر نے اپنے کیٹلاگ میں کیا ہے۔ ایک اور نسخہ مبارز الدین احمد صاحب کو راجمندری میں ملا تھا جس کو انھوں نے رسالۂ ہندستانی (الہ آباد) بابتہ اپریل ۱۹۳۸ء میں چھپوا دیا ہے۔ اس میں ۲۶۳ ابیات ہیں۔ ادارے کے نسخے میں جملہ ۲۵۴ ابیات ہیں۔ ان دونوں کی اکثر ابیات میں الفاظ اور مصرعوں میں ایسا فرق ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادارہ کا نسخہ کسی قدیم اور صحیح نسخے کی نقل ہوگا

آغاز :۔

اول کچھ نہ تھا اور نہ نکھار تھا   دونو جگ کا پیدا کرنہار تھا
او قدرت تے پیدا کیا یک رتن   کہ جس تے دیا روپ دو تریبن

اختتام :۔

بصدیق و فاروق ذی احتشام   بعثمان و حیدر دوازدہ امام
دراں دم کہ باشم بہ زیر زمیں   رفیقم تو باشی جہاں آفریں

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد نجات نامہ بتاریخ بست و ششم
جمادی الآخر بوقت عصر سنہ ۱۲۳۱ھ"

یہ نسخہ کرم خوردہ ہے۔ ہندستانی میں جو نسخہ شایع ہوا ہے اس کے آخر میں حسب ذیل دو بیتیں زیادہ ہیں جو بعد کی الحاقی معلوم ہوتی ہیں :۔

الٰہی ہراں کس کہ این خط نوشت
عفو کن گناہش عطا دہ بہشت
نجات نامہ یہاں سو ہوا ہے تمام
بحق محمد علیہ السلام۔

(۳۰) **نور نامہ [۵۰۸]**

اوراق ۱۸ - سطور ۱۵ - تقطیع ۶×۹
خط نستعلیق - عنوانات سرخی میں - مصنف
شاہ عنایت - سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ -
کاتب سید محمد - سنہ کتابت ۱۲۱۲ھ -
مقام قلعہ مدگل -

یہ فارسی نثر کے ایک رسالہ کا منظوم ترجمہ ہے
جس کو ایک صوفی شاہ عنایت نے مثنوی کی شکل میں
دکنی زبان میں قلمبند کیا - تذکرۂ اولیائے دکن (جلد اول ص ۹۵)
اور گلزار آصفیہ (ص ۳۵۳) میں شاہ عنایت نام ایک بزرگ
کا تذکرہ درج ہے جو ۱۱۵۵ھ میں فوت ہوئے اور حیدرآباد
میں دفن ہوئے چونکہ ٹاٹ کا جبہ پہنتے تھے اس لئے
ٹاٹ شاہ مشہور ہوئے - اگر یہ کتاب انہی بزرگ کی
ہے تو انھوں نے اپنی وفات سے چوالیس سال قبل
لکھی ہوگی -

مصنف نے خود اپنی نسبت اس رسالہ میں جو
معلومات ضمناً لکھ دی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ حضرت
محبوب سبحانی کی اولاد سے تھے اور حضرت حسین شاہ ان کے
مرشد یا والد تھے - نور نامہ فارسی نثر میں تھا جس کو
اُنھوں نے دکھنی میں ۱۱۱۱ھ میں لکھا - وہ کوئی بڑے
شاعر نہ تھے تاہم بطور یادگار یہ مثنوی لکھی ہے -
یہ باتیں آخری ۱۵ ابیات سے ظاہر ہوتی ہیں -

اس کا جو نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے
میں ہے وہ اصل نور نامہ کے ترجمہ سے شروع ہوتا ہے
ادارے کے نسخہ میں ۷۵ ابیات ابتداء میں زائد ہیں
جن میں شاعر نے سبب تالیف اور نور نامہ کے فضائل
تفصیل سے بیان کئے ہیں - اسی طرح آخری ابیات
بھی اس نسخے میں بہت زیادہ ہیں - ان امور سے
پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ مکمل ہے اور جامعہ کا نسخہ ناقص -
(فہرست مخطوطات صفحہ ۹۲)

سبب تالیف میں شاعر حمد کے سلسلہ میں
لکھتا ہے کہ "اے خدا میں نور نامے کو دکھنی میں لکھنا
چاہتا ہوں اس لئے تو مجھے اس کام کی سکت دے
تاکہ میں ایسا لکھوں کہ عام لوگ اس کے معنے کو سمجھ سکیں
کیونکہ ان کی سمجھ بھی میری ہی طرح معمولی ہے - پہلے میں
نور نامہ کے فضائل بیان کرتا ہوں"

اس کے بعد علحدہ علحدہ عنوانوں کے تحت
اس رسالہ کے سات شروط بیان کئے ہیں اور آخر میں امام
محمد غزالی سے متعلق ایک روایت لکھی ہے -

سبب تالیف کی چند ابیات یہ ہیں :-

ترے نور کے نور نامہ کو راہیں الہی سنگوں لکھنے دکھنی سوں میں
سکت دے مجھے ای سکت کارتوں جو دکھنی سوں میں اس کو سارا لکھوں
کہ جیہ سار کے ہیں سو سب عام لوگ کریں اس کے معنی کوں سب فام لوگ
میں عاصی طفیل ان کے پاؤں تئیں کرم ہوے ترا مجھ پہ روز حساب
(ورق ۶ ب و ۷)

اس تمہید کو ان ابیات پر ختم کرتا ہے :-

کرم کر الہی گنہ گار پر گناہاں پہ میرے نکو کر نظر
شفاعت نبی کی مجے کر نصیب نکو پوچھ مجھ سے حساب اے حبیب

اصل نور نامہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے :-

الہی کرنہار کرتار توں سنواریا ہے قدرت سوں سینسار توں
زمیں کوں بھی ایسی توں خلعت دیا رنگ آمیز کر تس کو گلشن کیا
(ورق ۹ ب)

کتاب اصل میں حضور سرور کائنات کی نعت پر
مبنی ہے اور اس میں حضور کی افضلیت اور سراپا کے محاسن
شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن شاعر چونکہ مشاق اور
اعلیٰ پایہ کا نہیں ہے اس لئے اکثر بیتیں معمولی ہیں اور موضوع
کے شایانِ شان نہیں۔

آخر میں خود شاعر نے اپنی خامی طبع اور کلام کی روانی
وغیرہ کا ذکر ان ابیات میں کیا ہے:۔

شکستہ یو بتیاں کیا ہوں کتیک — جواہر رولیا ہوں زباں سوں کتیک
طبع دیکھتا ہوں تو رے خام ہے — نہ اس بات کا کچھ سرانجام ہے
پڑے کچھ دنیا میں مری یادگار — رہے کر کیا ہوں زامیدوار
اتھا فارسی نور نامہ نثر — سو دکھنی کیا شعر میں سربسر
طبیعت نہ تھا کچھ مجے شعر کا — شعر کر کو بولوں مجراں نظم کا

اس کے بعد اپنا تخلص اور خاندان بیان کیا ہے:۔

تخلص مرا ہے عنایت شاہ — مرا جد ہے مجہ کو محمد پناہ
دنیا بیچ حضرت حسین شاہ ہے — محی الدین کا خاص اولاد ہے

سنہ تالیف اس بیت میں لکھا ہے:۔

کہ ہجرت نبی تھے ہزار ایک صد — اگیارا اتھے سال ہوا ہے یو تد

اس نسخے میں ۵۷۰ ابیات ہیں:۔

آغاز:۔

الٰہی تہیں نور ہور تج تے نور — کیا نور تیرا نبی میں ظہور
تیرے نور کا کوئی صفت کیا کرے — ازل تے ابد گے تک نا سرے

اختتام:۔

مرتب کیا مختصر یو کلام — کہ عاجز ہوں بندا نبی کا غلام
ختم کر کہا فاتحہ نت مدام
بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ:۔

"بعون اللہ ہو المستعان کہ نور نامہ حضرت رسالت پناہ
صلی اللہ علیہ وسلم، حسب الفرمائش حضرت
بی بی صاحبہ قبلہ حضرت ماں صاحبہ نقلِ آن بعجلت
ترقیم رفت۔ ہنوز صحت نیافتہ۔ اگر سہوے و خطائے
رفتہ باشد خوردہ نگیرید۔۔۔۔ این کمترین الذنوب
احقر العباد سید محمد تراب القدمین نویسندگاں
از اقتضائے قلبی و بسیار رغبت ہائے دلی کتاب مسطورا
بتاریخ بست ہفتم ربیع الاول ۱۲۱۳ھ ہجریہ مقدسہ
نبویہ بروز دوشنبہ بوقت سہ پہری قلمی نمودہ شد
یعنے بوقت بے کاری در قلعہ مدگل ہیچ کارے خود
بجز نوشت و خواند۔ بقول شخصے کہ:۔
نوشتہ بماند سیہ بر سپید — نویسندہ را نیست فردا امید"

---

(۲۱) نور نامہ [۸۰]

اوراق ۲۳ - سطور ۹ - تقطیع ۶ × ۸ ۳/۴
خط نستعلیق۔ مصنف شاہ عنایت
سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ

یہ ۳۱۰ ابیات کی مثنوی ہے جو اصل میں کتاب
نمبر ۲۰ ہی کا دوسرا نسخہ ہے۔ لیکن اس میں تقریباً ۲۲۵
بیتیں کم ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں نور نامہ کا
جو نسخہ ہے وہ اور ادارے کا یہ نسخہ ابیات اور خصوصیات
کے لحاظ سے یکساں ہیں (فہرست اُردو مخطوطات جامعہ صفحہ ۹۲)

آغاز:۔

الٰہی کرنہار کرتار توں — سنوارا ہے قدرت سوں سنسار توں

تو قادر ہے قدرت سوں روشن کیا
زمیں آسماں کوں توں گلشن کیا

اختتام :-

کہ اسے تین سو بس ہے بیت یو
کیے نظم نامہ سو ایسا کہو

مرتب کیا نور نامہ تمام بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ نہیں ہے البتہ اس صفحہ ہی سے کردار علی شاہ قادری نے مختلف بلاؤں اور امراض کے لئے متعدد دعائیں اور عملیات قلمبند کی ہیں جن میں سے اکثر دکنی میں ہیں۔ مثال کے طور پر ابتدائی صفحات کے اقتباس درج ذیل ہیں :-

بو حنیفہ نے یہ مسند میں لکھا	ایک دن فرماتے تھے خیرالوریٰ
چڑھتے ہیں جبر و جم شیاطین چرخ پہ	مارتا ہے اون کو تارا دوڑ کر
بھاگتے ہیں اس سے سب مشعل ہوا	ہوتا ہے پیچھے وہ اون کے تیز پا
جو شیاطین متصل اس کے ہوا	سر سے پاؤں تک وہ دیتا ہے جلا
راکھ اس کی گر پڑے صحرا میں جا	اس سے پیدا ہوتے ہیں بت و بلا
اور دریا میں گری گر اس کی خاک	ہوتا ہے پیدا نہنگ ہولناک
اور گرے گر خاک اس کی شہر میں	دفعتہً آوے وبا اس شہر میں

فائدہ

حق بلا سے اوس کو رکھتا ہے بچا — جو کرے ترتیب ایسی برملا
شہر کے چاروں طرف بکری حلال — وہ کرے دل سے نیاز ذوالجلال
صاف کر پھر اس کی بھونے بوٹیاں
کھا دیں تکہ اوس کا اک اک مومناں
بعد اس کے یوں پھر قرآن کو — جمع ہو کر مومنانِ نیک خو
نیچے سے اوس کے وہ نکلیں سات بار — منہ طرف کعبے کے رکھیں آشکار
پھر پڑیں بعد اوس کے دو رکعت نماز — اور اذاں دیں ساتھ با عجز و نیاز
کہتے ہیں دیویں اذاں سب سات روز — سات بار ہر روز آگیتی فروز
ہے یہ تاثیر اذاں اے مومناں — اس سے ہوتے ہیں گریزاں جنیاں

---

(۲۲) پند دل بند [۵۰۹ھ]

اوراق ۲۔ سطور ۹، ۱۰۔ (متن میں ۱۳ حاشیہ پر)
تقطیع ۵½ × ۸½۔ خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف علی (؟)۔ سنہ تصنیف درمیان
۱۰۲۰ھ و ۱۰۶۶ھ۔
سنہ کتابت ۱۱۵۰ھ۔

یہ قدیم دکنی مثنوی چار فارسی مثنویوں کے آخر میں قلمبند کی گئی ہے جو ایک ہی جلد میں ہیں اور جن میں خلاصہ کیدانی مولفہ قاضی سید نعمت اللہ حسینی کے علاوہ بیجاپور کے ایک فارسی شاعر کی مثنوی "احکام فقہ" خاص کر قابل ذکر ہیں۔ ان سب کا تذکرہ ادارے کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا۔

زیر نظر اردو مثنوی ۱۹۵ ابیات پر مشتمل ہے ابتدا میں عام رواج کے مطابق حمد و نعت نہیں ہے بلکہ اصل نصیحت شروع کر دی گئی ہے۔ کتاب کا نام حسب ذیل بیت میں درج ہے :-

دنیا کا جتنا مال جن ہور گھر — بلا دور اس پند دل بند اگر

کتاب کا موضوع یہ ہے کہ خدا کو حاصل کرنے کے لئے تین چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک راستی دوسرا علم اور تیسرا عمل۔ راستی اور راستبازی کا بیان

مصنف نے چند ابیات ہی میں ختم کر دیا ہے۔ البتہ علم کی فضیلت وضاحت سے بیان کی ہے اور اس سلسلہ میں ایک بہت عجیب اور سبق آموز قصہ لکھا ہے جو یہ ہے :-

"ایک روز شیطان کے جملہ چیلے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اپنے کارنامے نمایاں بیان کرنے لگے کسی نے کہا میں نے دو دو دوستوں کو جدا کر دیا ہے۔ ایک نے کہا میں نے میاں بیوی میں جھگڑا ڈال دیا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے ایک شخص کو شراب کی عادت ڈال کر تباہ و برباد کیا۔ کسی نے بیٹے کو باپ سے منحرف کر دیا۔ غرض ہر چیلے نے اپنی اپنی کارگزاری بیان کی لیکن شیطان اپنے اُس چیلے سے بہت خوش ہوا اور اُس کو سب سے زیادہ انعام دیا جس نے ایک طالب علم کو مدرسہ جانے سے بھٹکایا تھا۔

شیطان کے دوسرے چیلوں کو رنج ہوا کہ ہم نے ایسے بڑے بڑے کام کئے تھے لیکن ان کی کوئی قدر نہیں کی گئی۔ ان سبھوں نے بگڑ کر شیطان سے شکایت کی کہ یہ انعام و سرفرازی عدل و انصاف کے خلاف ہے آخر اس نے ایسا کونسا بڑا کام کیا ہے

شیطان نے جواب دیا کہ تم لوگوں میں سمجھ کی کمی ہے۔ اگر یہ شخص اُس ہونہار کو مدرسہ جانے سے نہ روکتا تو وہ پڑھ لکھ کر اس قابل ہو جاتا کہ پھر ہمارے مکر اور دھوکے میں نہ آسکتا۔ جو علم سے باخبر ہوگا وہ جان بوجھ کر دھوکے میں کیوں آئے گا۔ جاہل کو آسانی سے دغا دی جا سکتی ہے۔ اگر تم کو اس پر یقین نہ ہو تو میرے ساتھ چلو اور ثبوت دیکھ لو۔

شیطان اپنے تمام چیلوں کو ساتھ لے کر نکلا اور ایک ایسے پرہیزگار مرشد کی طرف گیا جس نے عرصہ سے حرص و ہوس اور تعلقات دنیا کو چھوڑ کر پہاڑ کے ایک غار میں قیام کیا تھا اور دور دور کی مخلوق اس کی نیکی اور ریاضت اور پرہیزگاری کی شہرت سن کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی۔ وہ دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود اس میں علم کی کمی تھی۔ شیطان نے اپنے چیلوں سے کہا کہ دیکھو اس کم علم زاہد کو میں کس طرح دھوکہ دے لیتا ہوں۔ جبہ و عمامہ پہنکر ایک بلند مرتبہ شیخ جیسا بھیس بنا کر بڑے تزک و احتشام اور جاہ و حشم کے ساتھ مرصع تخت پر بیٹھ کر زاہد کے قریب پہنچا اور تمام غار اور پہاڑ کو روشن کر دیا۔

زاہد نے جو اس نور اور پیر و مرشد کو دیکھا فوراً تعظیم کے لئے کھڑا ہوا اور بعد سلام علیک پوچھا کہ حضرت کون ہیں اور اس غریب کے یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟ شیطان نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں اور خدا نے تمہارے یہاں مجھے بھیجا ہے تاکہ اس کی خوشنودی کا پیام پہنچاؤں۔ کیونکہ تمہاری عبادت و ریاضت بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور خدا نے تم کو اپنے محبوب ولی کا مرتبہ بخشا۔ زاہد مرتاض بہت خوش ہوا اور سجدۂ شکرانہ بجالایا کہ میری عمر بھر کی مشقت بیکار نہیں گئی اور خدا نے میرے حال پر رحم کیا۔

شیطان نے کہا جلدی تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ آج تمہیں معراج نصیب ہوگی خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں جلد لے آؤں۔ زاہد نے جلد جلد کپڑے پہنے اور شیطان نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور گدھے پر

سوار کیا اور اس کے چہرے کو رنگ کر شہر کے عین وسط میں چھوڑ دیا جہاں کے سب امیر و غریب اس زاہد و ناصح کے معتقد و مرید تھے۔

اس کے بعد شیطان شہر کے ایک بازار میں پہنچا جہاں قاضی کا لڑکا شراب پی کر دو روز سے مست و خوار پڑا ہوا تھا اور لوگ اس کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔ شیطان نے قریب پہنچ کر فرشتہ بن کر کہا کہ تو نے کیوں شراب پی۔ خدا نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ خیر اب اس دفعہ خدا نے تجھے بخش دیا اگر آئندہ ایسا جرم کرے گا تو اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

قاضی کے فرزند نے جواب دیا کہ بغیر توبہ کے بخشش کیسی؟ ابھی میں گناہ سے دور نہیں ہوا اور توبہ نہیں کی اور تو کہتا ہے کہ خدا نے بخش دیا ہے۔ تو کون ہے جو ایسے بُرے بول بولتا ہے؟

شیطان نے جواب دیا میں جبرئیل ہوں۔ قاضی کے فرزند نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ جبرئیل سوائے نبی کے کسی کے پاس نہیں آتے۔ تیرا مکر مجھ پر نہیں چل سکتا تو یقیناً شیطان لعین ہے۔ یہ کہہ کر لاحول پڑھی۔ شیطان گدھا بن کر وہاں سے بھاگ گیا اور اپنے چیلوں سے کہا کہ دیکھا وہ پرہیزگار جو پیر و مرشد بنا بیٹھا تھا جاہل تھا اس لئے میں اس کو تمام شہر میں ذلیل و خوار کر سکا اور قاضی کا یہ لڑکا چونکہ پڑھا لکھا ہے اس لئے میرا مکر اس پر نہ چل سکا۔

نصیحتوں کے اختتام پر مناجات لکھی ہے جو بہت پُر اثر معلوم ہوتی ہے۔

مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً اس کا تخلص علی تھا جیسا کہ اس بیت سے ظاہر ہوتا ہے:-

اگر علم دھرتا ہے کچھ اے علی ۔۔۔ توں اس پر عمل کر خفی ہور جلی

(ورق ۸۵ ب)

اس بیت سے مصنف نے تنبیہی نصیحت شروع کی کہ علم حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے۔ سنہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ آخری ابیات میں مصنف نے سلطان محمد کا ذکر کیا ہے کہ:-

بدوراں سلطان محمد جہاں ۔۔۔ بعون الٰہی اتم البیاں

معلوم نہیں اس سے مراد سلطان محمد قطب شاہ (سنہ ۱۰۲۰ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ) ہے یا سلطان محمد عادل شاہ (سنہ ۱۰۲۷ھ تا سنہ ۱۰۶۷ھ) ہے۔ بہرحال کتاب کی زبان بہت پُرانی ہے اس لئے یہ لازمی طور پر سنہ ۱۰۵۰ھ سے قبل لکھی گئی ہے۔ اس کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانے میں نظر سے نہیں گزرا۔ اس نام کے ایک شاعر کی مناجات کا تذکرہ اسی فہرست میں نشان (۷) پر کیا گیا ہے اور ایک اور علی کی کتاب کا ذکر اس کے بعد ہی درج ہے۔

آغاز:-

کہو سب کہ یہ بیت عجب خوب تر ۔۔۔ علی پند سن جیو کے کان دھر
بھلے کوں علی پند بھاتی اہے ۔۔۔ برائی منیں دل جلاتی اہے

اختتام:-

الٰہا خالق عالم خیر و شر ۔۔۔ توں اس مرد کی عاقبت خیر کر
جو دیکھے خبر اس کے اشعار کوں ۔۔۔ منگے ہیں دعا منج گنہ گار کوں

ترقیمہ:-

العافیت بالعافیہ۔

تمت بالخیر سنہ ۱۱۵۰ ہجری

(۲۳) نامۂ علی [۶۸]

اوراق ۱۰ - سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۸ ۔ خط نستعلیق معمولی
مصنف شاہ عبدالعلی۔ سنہ تصنیف
۱۱۱۰ھ۔

یہ ۲۰۲ ابیات کی مثنوی ہے جس میں شاہ عبدالعلی نے حضرت علی کا ایک دلچسپ معجزہ منظوم کیا ہے جو پہلے فارسی میں قلمبند ہوچکا تھا۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے اپنا نام اور سبب و سنہ تالیف وغیرہ ان ابیات میں بیان کیا ہے:۔

بندا شاہ عبدالعلی ہے ترا — گنہ بخش صاحب نبیؐ تو مرا
اول فارسی تھا سو دکھنی کیا — کرم کی نظر کر جو تیرا میا
یو بیتاں مرتب جو دو سو پہ دو — اتھا روز پنجشنبہ کا سعد او
سنہ ایک ہزار ایک سو دس برس — مرتب یو نامہ ہوا ہے ترس
الٰہی امیدوار ہوں رحم کا — عنایت تو سنجہ کر عقل فہم کا
صفائی مرے دل کوں دے یا اللہ — پریشان خاطر کو راحت دلا
ترے عشق لذت سوں مجہ پور کر — کرم کی نظر سوں نکو دور کر
ہوا حرص پر مجہ کو اٹکا نکو — عبث یاں وہاں مجکوں بھٹکا کر

چونکہ اس کتاب کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانے میں دریافت نہیں ہوا اس لئے اس کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

" ایک دن رسول خدا اور ان کے اصحاب جمع تھے کہ ایک فقیر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں سات ہزار کا قرضدار ہوں اور محنت مزدوری کرکے بھی اپنا قرض ادا نہیں کرسکتا قرض خواہ تکلیف دے رہا ہے اس لئے آپ میری مدد فرمائیے۔ رسول خدا اور اصحاب اس معاملہ میں سوچنے لگے تو حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے اجازت ہو تو میں اس شخص کی مدد کروں اور قرض ادا کردوں۔

غرض اجازت لے کر اس پریشان حال کو ساتھ لیا اور کہا کہ آنکھیں بند کرلے اور میری پیٹھ پر سوار ہوجا۔ جب فقیر نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک دور دراز کے ملک میں پایا اور حضرت علیؑ کی ولایت پر ایمان لایا۔ حضرت نے فرمایا اس شہر کا نام بربر ہے اور مدینہ یہاں سے ہزاروں کوس دور ہے۔ یہاں کا حکمراں بے دین ہے اور میری ہیبت یہاں کے لوگوں پر چھائی ہوئی ہے تو راجہ کے یہاں جا اور کہہ کہ میں ایک غلام مسمی کنشتشا کو فروخت کے لئے لایا ہوں جس میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں اور میرا اصلی نام ظاہر نہ کر۔ میں خدا کی راہ میں تیرا غلام بن جاتا ہوں اور تو مجھے فروخت کرکے اپنے قرض کی رقم حاصل کرلے۔ درویش حضرت کا اور بھی معتقد ہوگیا اور راجہ کے ہاتھ فروخت کرکے اپنی رقم حاصل کرلی اور مدینہ واپس ہوا

راجہ نے حضرت علی کو اپنے بڑے سے بڑے دشمنوں کے مقابلہ میں روانہ کیا اور فتح پائی۔ جب انھوں نے مشکل سے مشکل مہم فتح کرلی تو راجہ نے کہا کہ میرا ایک دشمن علی باقی رہ گیا تو اس کو بھی مار کر یا پکڑ کرلے آ۔ حضرت نے فرمایا میرا ہی نام علی ہے۔ یہ سنتے ہی سب ڈر کر بھاگنے لگے آخر کار راجہ کو حضرت نے اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگیا۔"

آغاز:۔
کہ یک دن محمد علیہ السلام — جو بیٹھے تھے اصحاب یاراں تمام
ابابکر ہور عمر عثمان تھے — علی مرتضیٰ شاہ مردان تھے

اختتام:۔
ہوا حرص پر مجکو اٹکا نکو — عبث یاں وہاں مجکو بھٹکا نکو

ترقیمہ نہیں ہے۔ البتہ پہلے ورق پر ایک عربی دعا کے نیچے لکھا ہے:۔
"این نامۂ علی علیہ السلام"
عنوان کے برابر عنایت حسین سنۃ لکھا ہے۔ یہ نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ہیں جنھوں نے ادارے کو یہ نسخہ عطا فرمایا ہے۔

(۲۴) پھولبن [۱۱۷]

اوراق ۹۱ - سطر ۱۱ - فی صفحہ -

تقطیع - ۶½ × ۸½ - خط نستعلیق -

عنوانات سرخی میں - مصنف ابن نشاطی -

سنہ تصنیف ۱۰۶۶ھ -

گولکنڈہ کے مشہور انشا پرداز اور شاعر ابن نشاطی کی مقبول عام مثنوی ہے جو غالباً اواخر بارھویں صدی ہجری میں نقل کی گئی ہے - کوئی ترقیمہ نہیں ہے - کاتب اور مقام کتابت کا پتہ نہ چل سکا - اس مثنوی کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں اور مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے پروفیسر عبدالقادر سروری نے اس مثنوی کو چھ مختلف نسخوں کے مقابلہ کے بعد مرتب کرکے ۱۳۵۷ھ میں شایع کردیا ہے - اس میں ابتدائی ۱۲۵ صفحات میں مصنف اور کتاب کے تفصیلی حالات بھی نہایت تحقیق و تفتیش کے ساتھ درج کرائے ہیں اس لئے یہاں وضاحت غیر ضروری ہے - البتہ مطبوعہ نسخے اور ادارے کے قلمی نسخے میں اکثر بیتوں میں اختلاف ہیں - مثال کے طور پر مدح عبداللہ قطب شاہ کی چند ابیات دونوں کتابوں سے بطور مقابلہ یہاں منقول ہیں :-

مدح عبداللہ قطب شاہ

قلمی نسخہ ادارہ	مطبوعہ نسخہ
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی	شہاں کا شاہ عبداللہ غازی
خدائی ہی تری جم پیش بازی	اچھو جم حق سوں اسکو پیش بازی
سعادت کی نین کا نور ہی توں	سعادت کے نین کا نور ہی توں
سخاوت کے گگن کا سورج ہے توں	شجاعت کے گگن کا سورج ہی توں
دیکھت تجہ شیر کی نوشیروانی	عجب نیں دیکھ تری نوشیروانی
کریں بکریاں کے تئیں گرگاں شبانی	کریں بکریاں کی گرگاں پاسبانی
اگر دیسے گا جو تیرا حکم حد باند	اگر دیگا جو تیرا عدل حد باند
سیہ سے گا پیرہن کتاں کی چاند	رکھے گا کرحتن کتاں کوں چاند
جداں لگ مہر دیں چرخ اخضری ہے	بداں لگ مہر دہر چرخ اختری ہے
جداں لگ شیشے میں زہرہ مشتری ہے	جداں لگ تھن پہ زہرا مشتری ہے

آغاز :-

دل میں حمد رب العالمین کا
دل و جان سوں کہوں جاں آفریں کا

خداوندا تجھے ہی جم خدائی
ہمیشہ تجکوں ساجے کبریائی

اختتام :-

مسلماناں سوں ہے امیدواری
سخنداناں سوں ہے امیدواری

کریں گے تو مرا یو پھولبن سیر
کہوں یکبارگی جو عاقبت خیر

(۲۵) قصص الانبیاء [۱۳۲]

ریاض مسعود

اوراق ۲۴۶ - سطور ۱۱ فی صفحہ -

تقطیع ۵ × ۸ - خط نستعلیق معمولی

سرخ حاشیہ اور منقش پیشانی مصنف غوثی سنہ تصنیف ۱۱۹۱ھ

کاتب محمد فرید ز محمد نواز - سنہ کتابت ۱۲۶۶ھ

مقام - بنگلور -

تقریباً ۵۷۰۰ ابیات کی طویل مثنوی ہے جس میں ایک ارکاٹی واعظ غوثی نے قصص الانبیاء فارسی سے ابتدائے آفرینش سے یوسف علیہ السلام تک کے حالات کا دکھنی اردو میں ترجمہ کیا ہے - یہ ایک نادر نایاب ہے اور اس کا کوئی نسخہ کسی کتب خانۂ عام میں اب تک

دریافت نہ ہوا۔

وجہ تالیف میں غوثی نے لکھا ہے کہ "میں اکثر انبیاء کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اہل محفل نے فرمائش کی کہ اس کو دکھنی میں منظوم کردوں تاکہ ہر شخص سمجھ سکے اس لئے میں فارسی کتاب قصص الانبیاء کو دکھنی میں منظوم کر رہا ہوں" ابیات ہیں :-

رکھ اپنی یاد میں غوثی کو یارب — رکھ اپنے امر میں مجھ کو عمر سب
تو غوثی انبیا کا ذکر اکثر — زباں سے اپنی کرتا تھا نکوتر
بجد مجکوں ہوئے سب اہل محفل — جو رکھتے تھے محبت دل سوں کامل
زباں دکھنی میں ادس کو نظم سوں بول — جو آئے فہم میں ہر اک کے تئیں بول
بمے تحریص سوں اُن کے ہوا شوق — رہا نیں چین یک تل بے ہوا ذوق
قصص جو انبیا کا فارسی ہے — نظر قران سوں جیوں آرسی ہے
سو اوس کا ترجمہ کرتا ہوں یہاں اب — مری تو طبع کر جولان یارب
اپس کے فضل سوں تو بخش الہام — کہوں تا نظم دکھنی میں خوش انجام

(ورق ۲ ب و ۳ ا)

مصنف کے حالات مدراس میں اردو صفحہ ۱۳۱ میں درج ہیں۔

کتاب سے اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ ایک صاحب اولاد، مذہبی عالم اور واعظ تھا اور جیسا کہ آخری ابیات سے ظاہر ہوتا ہے اس کے بھائی اور عزیز و اقربا اس سے دور تھے اور وہ بہت قرضدار تھا۔ اس کی ابیات ہیں :-

الٰہی میں نہایت ہوں گنہ گار — ہوا ہوں بہوت عالم کا قرضدار
مرے بھایاں پڑے ہیں مجھ ستے دور — اونو کے ہجر میں ہوں روز و شب چور
ملے ہیں جوں کہ یوسف ستی یعقوب — مرے بھایاں ملا ما صورت خوب
برکت سوں اونکی یا ...... — میرے بھایاں ملا ہور خویش پیوند
الٰہی گرچہ ہوں تیرا گنہ گار — ولے تیرا ہوں بندہ تو ہی غفار

بخش میرا گنہ رکھ .... ایماں — ادا کر قرض سب غوثی کا رحماں

(ورق ۲۲۶ ا)

حمد و نعت کے بعد ابتدائی چودہ اوراق میں آفرینش کائنات سے متعلق مختلف مذہبی روایتیں بیان کی گئی ہیں۔ پندرہویں ورق سے شیطان کا واقعہ اور ورق ۱۹ ب سے آدم کا قصہ بیان کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب لفظی ترجمہ نہیں بلکہ ایک طرح کی تالیف ہے۔ چنانچہ آدم کا قصہ جس بیت سے شروع کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غوثی نے فارسی قصص انبیا کا ترجمہ کرنے سے پہلے ہی آدم کا قصہ منظوم کر لیا تھا۔ لکھا ہے :-

بیان کرتا ہوں اب آدم کا قصہ — زباں دکھنی میں تھا میرا جو قصہ

اس طرح چار صفحوں کے بعد ورق ۲۲ ب سے فارسی کتاب کا ترجمہ یوں شروع کیا ہے :-

ہے عبداللہ بن عباس سوں یوں — قصص میں ہے روایت سو لکھا ہوں

اس مثنوی کے چند ابواب یہ ہیں :-

		ورق		
قصۂ	شیث	ورق	۵۳	ب
"	ادریس	"	۵۶	ا
"	نوح	"	۶۱	ا
"	ہود	"	۷۲	ب
"	صالح	"	۸۰	ا
"	شداد	"	۸۴	ب
"	ابراہیم	"	۸۹	ا
"	کعبۃ اللہ	"	۱۳۱	ا
"	لوط	"	۱۴۱	ب

اس کتاب کا تاریخی نام مصنف نے ریاض مسعود رکھا تھا جس سے ۱۱۹۱ھ نکلتا ہے۔

ہرباب کے آخر میں غوثی ایک اختتامی شعر میں
اپنے لئے دعا کرتا ہے مثلاً

دکھا غوثی کو یارب راہ تحقیق — مری اولاد میں دے نیک توفیق
(ورق ۸۵اب)

توں رکھ ایمان غوثی کا سلامت — ایس کی یاد میں رکھ تا قیامت
(ورق ۸۹ الف)

یہ غوثی کی پوری قصص الانبیاء نہیں ہے بلکہ صرف
دفتر اول ہے جیسا کہ ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے۔

آغاز:-

کروں حمد خدا اول بیاں میں — ثنا ہور صفت کو اوس کی عیاں میں
کیا ارض و فلک کوں جنے پیدا — جو کچھ مابین ہیں اوس کے ہویدا
دیا ہے روز کوں خورشید سوں نور — فلک کو شب کیا تاریاں سے معمور

اختتام:-

بخش میرا گنہ رکھ ..... ایمان — ادا کر قرض سب غوثی کا رحمان
یہ غوثی کوں ترے کن التجا ہے — ..... تو کوئی تجہ بن دوجا ہے

ترقیمہ

"تمت تمام شد دفتر اول قصص الانبیاء در شہر
رجب المرجب بتاریخ بست دنہم بروز دوشنبہ
بوقت ظہر در ۱۲۶۶ھ ہجری نبوی بمقام بنگلور
در دیوان خانۂ صوبدار میجر سید رحمن صاحب
سکنڈ رجمنٹ لیٹ کیوالری۔ کاتب الحروف
بندۂ گناہگار از بندگان پروردگار اضعف
من عباد اللہ الصمد مسمی محمد فرید و محمد نواز
ولد محمد برہان مرحوم نور اللہ مرقدہٗ۔
حسب الخواہش برادر دینی و دنیوی شیخ عبد القادر صاحب
عرف بھائی عبد القادر بھائی ولد شیخ احمد صاحب۔

من نوشتم صرف کردم روزگار — من نمانم خط بماند یادگار

---

(۲۶) رضوان شاہ و روح افزا [۱۳۳]

اوراق ۷۰۔ سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ۵½ × ۸۔ خط نستعلیق۔
مصنف فائض (فائز)۔ سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ
کتابت اواخر بارہویں صدی ہجری۔

یہ عہد قطب شاہیہ کی آخری اُردُو کتابوں میں سے ہے۔ ابوالحسن تاناشاہ کے عہد میں زوال سلطنت سے چار سال قبل لکھی گئی۔ اس کا مصنف کوئی مشہور اور کہنہ مشق شاعر نہ تھا۔ اس کا تخلص مثنوی کے بعض نسخوں میں فائز اور بعض میں فائض درج ہے۔

ادارے کی زیرِ نظر مثنوی میں کتب خانۂ شاہان اودھ کے نسخہ کی طرح ہر جگہ فائض لکھا ہے۔ مثلاً

تو میں بندہ فائض ہوس دھر کے تب
یو قصے کوں دکھنی کیا نظم سب (ورق ۶ ب)

تو فایض منگے یوں دعا حق کنے
نہ محتاج کر کس کا دنیا منے (ورق ۷۰ ب)

برٹش میوزم (اوزنبلی ۱۴۰۲) اور کتب خانۂ آصفیہ (قصص ۱۲۱) کے نسخوں میں فائز درج ہے۔
یہ دو ہزار سے زیادہ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جو ایک فارسی قصۂ نثر سے ماخوذ ہے اور جس میں حمد و نعت و منقبت کے بعد ترتیب کتاب کا عنوان قائم

کر کے مصنف نے سبب تالیف بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں تصنیف و تالیف کا ذوق اتنا عام تھا کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اس کے ذریعہ سے اپنا نام قیامت تک زندہ رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اس کی نظر میں دنیا کی ہر قوت اور ہر کام فانی تھا یہاں تک کہ بادشاہی جیسا اعزاز بھی تصنیف و تالیف کے مقابلہ میں لوگوں کو ہیچ نظر آتا تھا۔ اس حصے میں شاعر نے بعض دلچسپ اور پُر از معلومات بیتیں لکھی ہیں جن کا ضروری انتخاب یہ ہے:-

کیسے بادشاہی کرے نیں وفا کیسے مال و دھن میں دسیا نیں نفا
ہر اک بات کا ایک قصہ ہوا ہر یک نقل بھی یو نچہ پیدا ہوا
لذت بہوت نقل و روایات میں بہت وقت گمتا حکایات میں
دنیا میں جو خوشتر لگی یو نقل جو اس میں نہیں ٹھارتی ہے عقل
عجائب دسے اس میں ماں کام کہ جس میں پریاں ہو جناں کے کام
بہوت ہیں حکایات اس دھات کے کتیک تو کتاباں میں ہیں اس بات کے
کتیک نثر اس میں کتیک ہے نظم کئے ہیں جمع کوئی عرب کوئی عجم
کتیک فارسی کوں بھی دکھنی کئے او لوگاں قیامت تلک نیں موئے
دنیا میں اُن کا رہیا یادگار موئے نیں و جیتے ہیں برساں ہزار
پڑیں فاتحہ جب کریں انکو یاد تو ہوتی اچھے ان کی ارواح شاد
فکر میں پڑیا میں بھی اس آس سوں نہ تھی نیند مجکوں یو وسواس سوں
جو میری بھی کچھ یادگاری رہے مرے بعد کوئی بہشتی روزی کہے
نہ دیکھیا آپس کی طبیعت تاب جو کہنے سکوں نظم کر کوئی کتاب
کیا سیر اکثر حکایات کوں رکھیا دل میں اپنے ہر اک بات کوں
اتھا فارسی نثر میں یو نقل اسے نظم کوئی نیں کئے تھا اول
تو میں بندہ فائض ہوس کر کے تب یو قصے کوں دکھنی کیا نظم سب
منجے شاعری کی کدیں شق نیں کیا ہوں بزرگاں کی تقلید میں
کہ تقلید سوں سب جو قابل ہوئے پکڑ سنگ عاقل کا عاقل ہوئے
بندیا ہوں میں یاراں کی تکلیف پر نہیں ہے نظر مجکو تعریف پر
نہ شہرت منجے شاعری کی ہوس نہ انعام پانے کی دل میں آس
پرویاں ہوں آنیاں کوں یک رست میں
میں اول تے شاعر زبردست نیں۔

ابیات بالا سے اُس عہد کی عام ذہنیت اور مصنفین و شعرا کی ذہنی ایمانداری کا پتہ چلتا ہے۔

اس مثنوی میں چین کے بادشاہ "رضوان شاہ" کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو ایک پری "روح افزا" پر عاشق ہو گیا تھا اور اس کے حصول کے لئے بڑی بڑی سختیاں اٹھائی تھیں۔

آغاز:-

اول نام حق کا لے بولوں سخن بندوں اس کی توحید کھولوں بچن
ہے اللہ معبود برحق قدیم جو رحمان ہے خلق پر بعد رحیم

اختتام:-

الٰہی توں ہر یک مسلمان کوں نگہبان رکھ امن و آمان سوں
کہ جوں شہ کا حاصل ہوا مدعا یونہیں کرتوں حاصل مرا مدعا
ہوا اب یہاں سوں یو قصہ تمام درود اں نبیؐ پر ہزاراں سلام

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

برٹش میوزیم اور کتب خانہ آصفیہ کے نسخوں میں سنہ تالیف کی بیت درج ہے جو یہ ہے ؎

اتھا جس وقت سال ہجرت ہزار اوس اوپر نود اوسکے اوپر چہار

ادارے کے نسخے میں یہ بیت نہیں ہے۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کا نسخہ سنہ ۱۲۴۵ھ کا مخطوطہ ہے اس مثنوی کو [illegible] میں مدراس اشاعت کو رکھے

میجر ایم ڈبلیو کار نے مرتب کرکے حواشی کے ساتھ چھپوانا شروع کیا تھا کہ میجر مذکور ۱۳ جنوری ۱۸۶۱ء کو گوا کے قریب ڈوب مرے۔ اس لیئے طباعت موقوف ہوگئی۔ صرف ابتدائی دو مطبوعہ صفحات برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میجر اس کے علاوہ گلشن عشق اور پھولبن کو بھی شایع کرنا چاہتے تھے۔

(۲۷) کلمة الحقائق [۱۰۴]

اوراق ۴۴ ۔ سطور ۱۶ فی صفحہ۔
تقطیع ۴" × ۶½" ۔ خط ثلث ۔
مصنف شاہ برہان الدین جانم سنہ تصنیف قریب ۹۹۰ ھ ۔ کتابت اوائل گیارہویں صدی ہجری ۔ بمقام بیجاپور ۔

یہ رسالہ اُردوٗ کی قدیم ترین نثر کی کتابوں میں سے ہے۔ اس کے مصنف بیجاپور کے مشہور صوفی شاعر شاہ برہان الدین جانم ہیں جن کی ایک اُردوٗ مثنوی "ارشاد نامہ" (۹۹۰ھ) کا ایک قدیم نسخہ بھی ادارے کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (دیکھو فہرست ہٰذا مخطوطہ نمبر ۲)۔

کلمة الحقائق تصوف و عرفاں کے مسائل پر سوال وجواب کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اور زیر نظر نسخہ ان کے کسی مرید یا فرزند شاہ امین الدین اعلیٰ کا مرتب کردہ ہے کیونکہ اس میں اصل کتاب سے پہلے ایک تمہید ہے جس میں حمد و نعت کے بعد مصنف کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

" ھٰذا الکتاب قطب الاقطاب حضرت
شاہ برہان العارفین قدس اللہ سرہٗ العزیز
تصنیف کردہ اند ۔ اللہ کرے سو ہوے
کہ قادر توانا قوی کہ او قدیم القدیم
اس قدیمی کا بھی دیکھنہار سچ سچ سو تیرا ٹھار"
(ورق ۱)

اصل کتاب کے آغاز میں شاہ برہان نے اپنی زبان کو گجری کہا ہے جو اس واقعہ کو ظاہر کرتا ہے کہ بیجاپور میں زوال گجرات کے بعد وہاں کے اُردوٗ بولنے اور لکھنے والے اولیاء، حفاظ اور علماء وشعراء اس کثیر تعداد میں آئے کہ ان کے لب ولہجہ اور طرز کی تقلید فیشن میں داخل ہوگئی اور لوگوں نے اُردوٗ زبان کا نام ہی گجری رکھ دیا۔

کلمة الحقایق میں جگہ جگہ قدیم اُردوٗ نظم کے نمونے بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر دو مقامات کے اقتباس درج ذیل ہیں :-

توں نہ دیکھیا آپس آپ	جے گھڑیا یہ تج باپ
آرسے توں اس صفا میں نور	کہ جیسیا آکاس سور
آرسے توں اپسے آپس دیکھ	ظہور کوں کرتا لیکھا لیکھ
و خالی دستا ٹھاؤں	وہ کیسا اپنا ناؤں

(ورق ۱۳)

یو غفلت میری ٹوٹی	جے نظر ایسی پھوٹی
یہ صدقے مرشد چھوٹا	یہ گھور اندھارا پھوٹا
جیسا خالی پھول	یا دیکھیں جیسا ڈول
کہ میں منور روشن	کم ماہر تھا ہر فن

(ورق ۱۴)

چونکہ یہ اُردوٗ نثر کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے اس لئے زبان واسلوب کے اندازے کے لئے اس کے آغاز و اختتام سے ذرا طویل اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں :-

آغاز :-

"سبب یو گجری زبان نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق
خلاصہ بیان تجلی عیاں روشن شود۔ انشاءاللہ
تعالیٰ کہ خدائے تعالیٰ قدیم القدیم کیوں تھا۔
ذات وصفات و کل مخلوقات ابتدا وانتہا بانی
وفانی قدیم وجدید باہمہ و بے ہمہ بریں سبب
سوال وجواب روشن کر دکھایا ہے۔ انشاءاللہ
تعالیٰ کہ خدائے تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ
خدائے تعالیٰ کی نظر ادراک کرنہاری ہے
جملہ مخلوقات پر۔ ہماری نظر نہیں اپنی نہاری
ذات قدیم پر۔ اگر کوئی اس کی قدیمی پوچھے
تو شریک کھڑا رہیا۔ اسس سبب فرمایا..."

اختتام :-

"الٰہی اگر عشق دہی از من مرا صبر نیست
دگر دانائی می دہی تا من بندۂ تو دانم۔
دگر این دانائی ترا شرک رسد تا این
دانائی از من بردار۔ و نہ من ایں دانم
و نہ من آن۔ ہرچہ تو خواہی بکن یا الٰہی
یا الٰہی یا الٰہی۔"

(نوٹ) کتاب کے آخری ۷ صفحات فارسی میں ہیں۔ اُردوٗ عبارت اس جملہ کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

"ہر یک فعل کوں مدد جز دل نہیں۔ و دل
اُن فعل ہیں میں ویسا وستا لیکن دل
منزہ علاحدہ است۔ کسی فعل میں باندیا
نہیں۔"

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد بتاریخ بیست ونہم ماہ
ذوالحجہ روز دوشنبہ بوقت یک پہر
چہار گھڑی درگاہ میراں صاحب نوشتہ شد
ایں کتاب کلمۃ الحقائق بسرکار حضرت صاحب
است۔ ہر کسے دعویٰ کند کار شرع باشد۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خود شاہ برہان جانم کی درگاہ بیجاپور میں وہیں کے کسی معتبر اور مستند نسخے سے نقل کیا گیا۔ شاہ برہان اور اُن کے والد شاہ میراں ایک ہی جگہ دفن ہیں۔

---

(۲۸) مقصود ابتدائی [۴ / ۱۰ ب]

اوراق ۴۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۴ ۳/۴ × ۸ ۔ خط ثلث۔

یہ قدیم اُردوٗ نثر کا ایک رسالہ ہے جو کلمۃ الحقائق شاہ برہان (م ۹۹۰ھ) کے ساتھ اُسی کاغذ اور تقریباً اسی خط میں ادائل گیا رہویں صدی ہجری میں نقل کیا گیا ہے۔ مصنف اور کتاب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً شاہ برہان ہی کا ایک رسالہ ہے۔ اس میں خدا اور کائنات کی ماہیت اور آغاز وغیرہ سے متعلق تصوف کے مسائل سوال وجواب کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔

آغاز :-

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ
للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ
محمد وآلہ اجمعین۔

اے دوست عزیز من ابتدائی کا مقصود جے
کچھ بولیا جاتا ہے سو توں خوب سُن۔
سوال پوچھے۔ اول تھے اول کیا تھا۔
جواب بولیا۔ اول حقیقت تھا۔
سوال پوچھے۔ کیوں تھا۔
جواب بولیا۔ آپ میں آپ تھا۔
سوال پوچھے۔ جیسیں اپیں تھا تو زمین
ہور اسمان عرش کرسی لوح قلم اے سب
کہاں تھا۔
جواب بولیا۔ اپس میں کل موجودات تھا۔“

اختتام :-

وو منزل اس کا لاہوت جان اے دوست۔ بیت
یوں دیکھے آپ ڈھنڈول ست کر کیرے سانچے بول
نہیں تو کھانے بلا چیرے تیوں دین گنوایا سارا
لیے دھندے ہم جگ اندھے پھر بیٹے اپنے ٹھارا
چلنے کا تو نیم نہیں رے توشہ پھوکٹ کھایا
اس دھات عمر خرچ کیا سب آخر پھر پچتایا

ترقیمہ :-

تت کیا اے تمام حق تے بولیا حق کلام

---

(۲۹) من لگن [۵۱۰]

اوراق ۶۱۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۳½۔ خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی میں۔ مصنف قاضی محمود بحری
سنہ تصنیف ۱۱۱۲ھ۔

اس مثنوی کے مصنف محمود بحری سلطنت عادل شاہیہ کے پہلے پایۂ تخت گوگی کے رہنے والے تھے ان کے والد سجرالدین عرف قاضی دریا ایک مشہور صوفی تھے جن کا تذکرہ اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ بحری ۱۰۹۵ھ میں گوگی سے بیجاپور آئے اور سکندر عادل شاہ کو اپنے علم و اخلاق سے گرویدہ بنا لیا۔ دو سال بعد ہی جب اورنگ زیب نے یہ سلطنت اپنے قبضہ میں کر لی تو بحری نے حیدرآباد کا رخ کیا۔ راستہ میں چوروں نے ان کے مال و دولت کے ساتھ کتابیں بھی لوٹ لیں۔ حیدرآباد میں بھی دو سال رہنے پائے تھے کہ اورنگ زیب نے اس سلطنت کو بھی فتح کر لیا۔ اس طرح وہ جہاں جاتے تباہی اور بربادی اُن کا پیچھا کرتی رہی۔ اگرچہ عادل شاہی اور قطب شاہی خزانوں کے ساتھ بحری کی تصنیفات بھی ضائع ہوئیں لیکن علم کی دولت کبھی پوری طرح فنا نہیں ہونے پاتی۔ چنانچہ بحری کی بعض تصانیف باقی رہ گئیں اور ان کی نقلیں اقصائے ہندستان میں پھیل گئیں۔ ”من لگن“ اور ”کلیات بحری“ چھپ بھی چکے ہیں۔ ”من لگن“ کا فارسی ترجمہ ”عروس عرفان“ بھی موجود ہے جو ۱۱۱۶ھ میں خود بحری کے قلم سے تکمیل کو

پہنچا تھا۔

من لگن کی خصوصیات اور بحری کے متعلق تفصیل معلومات اُردو شہ پارے (۱۹۲۹ء) اور کلیات بحری مرتبہ ڈاکٹر حفیظ سید میں شایع ہو چکی ہیں اس لئے مزید وضاحت کی کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ دکن کے شعرائے اُردو نے اپنے سرپرست سلاطین قطبیہ و عادل شاہیہ کے زوال کے بعد بھی اپنے قدیم ذوق شعر و سخن کو جملہ لوازمات کے ساتھ عرصہ تک باقی رکھا تھا چنانچہ جس طرح وہ اپنے سرپرست بادشاہوں کی مدح ہر مثنوی میں حمد و نعت کے بعد کیا کرتے تھے اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی بھی انھوں نے مدح کی۔ اگرچہ موخرالذکر سے اُنھیں اس انعام و اکرام اور قدر و منزلت کی کوئی توقع نہ تھی جو سلاطین دکن سے حاصل ہوتی تھی بحری سے پہلے ضعیفی نے بھی اپنی مثنوی "ھدایات ھندی" (۱۱۱۰ھ) میں ایسا ہی کیا تھا۔ اس مدح کے منتخب اشعار اس فہرست مخطوطات میں نسخہ نمبر ۱۱ میں درج ہو چکے ہیں۔ یہاں بحری کی مدح اورنگ زیب کا اقتباس بھی درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ ضعیفی کی مدح سے مقابلہ ہو سکے۔ نیز بحری کے کلام کا کچھ نمونہ بھی پیش نظر ہو سکے۔

مدح پادشاہ دین پناہ سلطان اورنگ زیب غازی

اب بول تو مدح بادشاہ کا   اور اس کی کمالیت کلاہ کا
جس کی یہ ڈولپن کی عادت   عالمگیری ہے اور عبادت
یک ملک نہیں جو اُن لیا نیں   یک نفل نہیں جو اُن کیا نیں
ایسا ہوا کسی شہاں میں   نا بلکہ بڑے شالخاں میں
جس ناؤں اہے ابوالغازی   سلطان اورنگ زیب غازی
دیندار، دلیر اور دانا   یک علم نہ سب نے سیانا
اب لگ تو کسے نہ رائے پوچھا   بن آپ نہ کس بلائے پوچھا
جے فکر میں یعنی آپی آئے   بے فکر اُسے ظہور میں لائے
دیوے جو غنیم کے اوپر چل   اللہ کے بل نہ اور کے بل
اچھ عمر نو برس کی نوخیز   پاوک سے ترنگ پھیرتا تیز
یک جس کی دعا ہزار دعوات   دعوات بھی تس اوپر دعا تھا
پیچھے بھی ہوا نہ کوئی ایسا   آگے بھی تو سچ نہ ہوئے ایسا
اللہ کرے دل کو شاد شہ کے   بالا کرے بول بادشہ کے

واضح ہو کہ بحری نے یہ اُسی بادشاہ کی تعریف میں لکھا ہے جس کی معرکہ آرائیوں نے ان کو سالہا سال خانمان برباد اور پریشاں حال رکھا تھا۔

من لگن میں تصوّف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ادارے کے نسخہ میں تقریباً ۱۸۰۰ ابیات ہیں۔

آغاز:۔

اے روپ ترا رتی رتی ہے   پربت پربت بتی بتی ہے
پربت میں اوک نہ کم رتی ہیں   یکسار ہے راس ہو رتی میں

اختتام:۔

بوجیا ہے عبث ہوس کتش ہوش   کر ہوش ہوس سبھی فراموش
رکھ اصل پچنت نہ چھاؤں اوپر   کر ختم خدا کے ناؤں اوپر

ترقیمہ نہیں ہے۔ کاغذ اور کتابت کے لحاظ سے اواخر بارہویں صدی کا نسخہ ہے۔

(۳۰) [۶۶]

جنگ نامہ محمد حنیف

اوراق ۸۳ ۔ سطور ۱۷ فی صفحہ ۔
تقطیع ۵"×۹" ۔ خط نستعلیق ۔
عنوانات سرخی ہیں ۔ مصنف سیوک
سنہ تصنیف ۱۰۹۲ھ ۔ سنہ کتابت
۱۲۷۰ھ

یہ ڈھائی ہزار ابیات کی مثنوی ہے جس میں ایک غیر معروف شاعر سیوک نے ۱۰۹۲ھ میں محمد ابن حنفیہ کے یزید سے محاربات اور آخرکار ان کی شہادت بیان کی ہے ۔ کتاب کسی فارسی قصہ کا ترجمہ ہے اور تاریخ سے زیادہ خیالی اور فرضی قصوں پر مشتمل ہے ۔ سیوک دکنی تھا لیکن یہ پتہ نہ چل سکا کہ گولکنڈہ سے اس کا تعلق تھا یا بیجاپور سے ، بہرحال یہ کتاب زوال دکن کے پانچ سات سال قبل قلمبند کی گئی ہے ۔ مقام تصنیف کی طرح مصنف کے مذہب کا بھی پتہ نہیں چلتا ممکن ہے کہ وہ غیر مسلم ہو ۔ ادارے کے اس نسخے کے علاوہ اس کتاب کے دو اور نسخے اس وقت موجود ہیں :-

۱ ۔ نسخہ انڈیا آفس (بلوم ہارٹ نمبر ۱۰۸) ۔
۲ ۔ نسخہ جامعہ عثمانیہ (سروری فہرست مخطوطات صفحہ ۹۶) ۔

لیکن ان تینوں نسخوں میں حمد و نعت و منقبت کے اشعار موجود نہیں ہیں ۔ تینوں نسخے اسی بیت سے شروع ہوتے ہیں ۔

کہوں یک جنگ شاہ شیرزماں — حسین شاہ ابن علی بعدازاں

مصنف کا تخلص ہر نسخے میں واضح طور پر بار بار آیا ہے ۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ۔

جنگ نامہ کے قصہ کا خلاصہ کتاب " یورپ میں دکنی مخطوطات " کے صفحات ۱۴۲ و ۱۴۳ پر شایع ہو چکا ہے ۔ زبان و اسلوب دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف معمولی درجہ کا شاعر تھا ۔

آغاز :-

کہوں یک جنگ شاہ شیرزماں — حسین شاہ ابن علی بعدازاں
سو اس شاہ کا او عزب عالی تھا — ابا ایک ہور بھائی دو تائی تھا

اختتام :-

نیٹ تلملیا آہ مارن لگیا — اخی یا اخی کر پکارن لگیا
مرتب ہوا جنگ نامہ تمام — درود بر محمد ہزاراں سلام
ہوا جنگ یو مختصر سب تمام — کہ دکنی کرے نقد حسن الکلام

ترقیمہ :-

" تحریر فی التاریخ نوزدہم شہر شوال المکرم ۱۲۷۰ھ "
" محی ڈاکٹر زور کی خدمت میں تحفہ ۔ ہاشمی "

اس نسخہ کو مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے ۱۳۵۰ھ میں راقم الحروف کو بطور تحفہ عطا کیا تھا اور اب یہ ادارے کے کتب خانے میں داخل ہے ۔

اس نسخہ کے آخری حصہ میں جامعہ عثمانیہ کے نسخہ کی طرح چند ابیات نہیں ہیں کیونکہ انڈیا آفس میں جو نسخہ ہے اس کا اختتام ان ابیات پر ہوتا ہے جن میں تاریخ تالیف وغیرہ بھی درج ہے ۔

یہ جنگ عظما کیا سربسر — تھی تاریخ تداں جان خیر البشر

بوسیوک تو ہجری کیرے سال تھے ہزار یک نو دو کے ایراں تھے
اے سیوک بنام رسول مجسم محمد حنیف شہ کا کرجنگ ختم
ہے سیوک غلام نبی کا سچا شفا کر شفا کر شفا کر شفا
اتھا یوقصہ فارسی سوں اول کیا دکھنی میں ترجمہ ٹیچ بدل
ختم کرتوں سیوک دعا پر کلام بحق محمد علیہ السلام
ادارے کے نسخے میں شاعر کا تخلص اوراق ۸۱
اور ۶۲ ب کی ابیات میں درج ہے۔

(۳۱) روضۃ الشہداء [۱۴۰]

اوراق ۲۰۳ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۸½ × ۵½ - خط نستعلیق ۔عنوانات
اور حاشیہ سرخی میں ۔مصنف میر ولی فیاض
ویلوری سنہ تصنیف ۱۱۳۷ھ کاتب غیبی
سنہ کتابت ۱۱۷۰ھ ۔
یہ تقریباً ۵۵۰۰ ابیات کی طویل دکنی مثنوی ہے
جو ملاحسین واعظ الکاشفی کی فارسی روضۃ الشہداء
کا ترجمہ ہے ۔ فارسی کتاب نثر میں ہے ۔ ولی نے اس کا
بڑا کامیاب ترجمہ کیا ہے یہ مثنوی دس مجلسوں پر مشتمل ہے
اور اسی لئے وہ مجلس بھی کہلاتی ہے ۔
اس کا مصنف ویلور (علاقہ مدراس) کا متوطن
چٹ پیٹھ کا جاگیردار اور پختہ مشق شاعر تھا۔ پہلے
سات گڈھ میں حراست خاں صوبہ دار کا اور بعد کو
سدھوٹ میں عبدالمجید خاں قلعدار کا متوسل رہا۔ آخرکار
ارکاٹ میں شاید ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی ۔ روضۃ الشہداء
کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جن میں "رتن پدم"
(تقریباً ۴۰۰۰ ابیات میں) مشہور ہیں جو ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھی
روضۃ الشہداء (بمبئی میں ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۶ھ میں چھپ چکی ہے
لیکن مطبوعہ نسخے کم یاب ہیں۔ یورپ میں اس کے تین قلمی نسخے (دو انڈیا
آفس میں اور ایک رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں) موجود ہیں۔
نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں اس کے چھ نسخے (۱۱۳۷ھ
۱۱۵۵ھ - ۱۱۵۹ھ ۱۲۲۴ھ و ۱۲۳۲ھ کے مکتوبہ) ہیں۔
اس کتاب کے سنہ تصنیف میں اب تک غلط فہمی
رہی ۔ شمس اللہ قادری نے اُردوئے قدیم میں ۱۱۱۹ھ
پروفیسر سروری نے فہرست مخطوطات میں ۱۱۰۹ھ
اور نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اُردوئے قدیم میں ۱۱۳۰ھ
لکھا ہے ۔لیکن ادارے کے دونوں نسخوں میں ۱۱۳۷ھ
لکھا ہے جو بالکل صحیح ہے کیونکہ نواب سالار جنگ بہادر
کے یہاں اسی سنہ کا لکھا ہوا جو مخطوطہ موجود ہے اس
میں نہ صرف متن کتاب میں بلکہ ترقیمے میں بھی سنہ تصنیف
۱۱۳۷ھ صاف طور پر درج ہے ۔ نواب صاحب کا یہ
نسخہ نہایت اہم ہے کیونکہ اس سے نہ صرف سنہ
بلکہ مصنف کا صحیح نام بھی معلوم ہوجاتا ہے ۔ بعض لوگوں نے
غلطی سے ولی کا نام سید محمد فیاض لکھا
ہے (دیکھو اردوئے قدیم صفحہ ۱) لیکن سالار جنگ بہادر
کے اس اہم نسخے کے حسب ذیل ترقیمے سے یہ غلط فہمی
بھی رفع ہوجاتی ہے:-
" ۱۱۳۷ہجری کتاب دکھنی روضہ دربیان
امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام تصنیف
میر ولی فیاض صاحب سجاد منوچہر کردہ اند
واللہ اعلم بالصواب تمت تمام شد

کاتب الحروف سید وجہ اللہ حیدری
ولد سید بڑے منوچہری در مقام ویلور
روز یکشنبہ بوقت سہ پہر بتاریخ غرہ ذی حجہ
۱۱۳۵ھ مطابق ۱۱۲۶ فصلی "

اس عبارت کے درمیان ایک بیضوی مہر میں
" سید جاہ محمد خاں ۱۱۳۰ھ " کندہ ہے
اور اس کے نیچے لکھا ہے :-

" مالکہ سید جاہ محمد خاں ولد سید شاہ محمد خاں "

کتاب کے سرورق کی حسب ذیل عبارت سے معلوم
ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قلمی نسخے کتنے گراں بہا تھے

"جملہ اوراق کتاب روضۃ الشہداء
یکصد و نود بقیمت پنجم و نیم روپیہ
بمعرفت شیخ محمد غلام علی بیگ
تعمہ ویلور گرفتہ شد - مالکہ سید جاہ محمد خاں
ولد سید شاہ محمد خاں بتاریخ پانزدہم
شہر ذی حجہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۱۵۹ف
در سنہ احمد شاہی "

ادارے کا زیر نظر نسخہ بھی مکمل اور قدیم ہونے
کی وجہ سے بے حد اہم ہے۔

آغاز :-

کروں نامے کوں بسم اللہ سوں آغاز
اچھوں تا میں فصاحت سوں سرافراز
سراؤں کیا اسے جن یک سخن میں
بندیا جیو دم کے رشتے سوں بدن میں

اختتام :-

کیا ہوں ختم جب یو درد کا قال ۔۔۔ اگیارہ سو پہ تھا پینتیسواں سال
زمانہ مہدی آخر زماں کا ۔۔۔ اتھا اوس باعث امن داماں کا
ولی اب دکھو رقم ہور ختم کر بات ۔۔۔ نبی ہور آل پر نت بول صلوات

ترقیمہ :-

کیا ہوں نقل روضے کی تمامی ۔۔۔ یہ تصنیف ولی الفاظ نامی
گیارہ سو اوپر ستر تھی ہجری ۔۔۔ ہوا مرقوم روضہ وقت فجری
جمادی الاخر اس مہینے کے دنہا ۔۔۔ دوشنبہ ہی دن کوں ختم ہو جاں
لکھیا غیبی نے رکھ کر ہوش اور ساں ۔۔۔ دلے لکھتے و پڑتے ہوئے اوڑ جائے
کہ سر سوں پانوں لک درد شہیداں ۔۔۔ بھریا ہے غم ہمایں سب شہیداں
مرتب شد رقم سوں نامہ اکرام ۔۔۔ بحق سید والا عظام
جو مجلس کے سخن ہار ہور پڑہنار ۔۔۔ تحیت خواہ مخواہ بھیجیں بہ تکرار

نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کی چھوٹی سی مستطیل
مہر ہے جس پر " عنایت جنگ ۱۱۴۳ھ " کندہ ہے
یہ کتاب ان ہی کی عطیہ ہے۔

---

(۳۲) روضۃ الشہداء [۸]

اوراق ۲۲۱ - سطور ۱۳ فی صفحہ -
تقطیع ۵½ × ۸" - خط نستعلیق - عنوان
سرخی میں - مصنف میر ولی فیاض ویلوری
سنہ تصنیف ۱۱۳۵ھ

یہ مخطوطہ نمبر ۳۱ کا دوسرا نسخہ ہے جس میں
ابتدائی ایک ورق نہیں ہے اور جملہ ۲۳ ابیات کم ہیں
ان ابیات سے یہ نسخہ شروع ہوتا ہے :-

آغاز :-

نواجامہ حسین سرور کے تن میں ۔۔۔ بنائے سی کوں جیوں گل پیرہن میں
کہے حضرت کی تم خدمت میں جاؤ ۔۔۔ نواجامہ یو پہنے سو دکھاؤ

اختتام :-

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال — اگیارہ سو پہ تھا بین تیسواں سال
زمانہ مہدی آخر زماں کا — اتھا اس باعث امن و اماں کا
وؔلی اب رکھ قلم ہور ختم کر بات — نبی ہور آل اوپر بول صلوٰۃ

کوئی ترقیمہ نہیں - اواخر بارہویں یا اوائل تیرہویں صدی کی کتابت ہے۔ آخری صفحہ کے گوشے میں نصیرالدین ہاشمی صاحب کے دستخط ہیں کہ :-

"تحفہ بخدمت محبی ڈاکٹر زور صاحب ۔ ہاشمی -
۲۷ رمضان ۱۳۵۹ھ"

یہ نسخہ ہاشمی صاحب کا راقم الحروف کے لیے تحفہ تھا جس کو راقم نے اپنی دوسری کتابوں کے ساتھ ادارۂ ادبیات اُردوٗ کے کتب خانہ میں داخل کر دیا ہے ۔

---

(۲۳) پنچھی باچھا [۱۵۸]

ورق ۱۲۴ - سطور ۱۵ فی صفحہ -
تقطیع ۵½" × ۸" - خط نسخ - عنوانات سرخی میں - مصنف وجدی سنہ تصنیف ۱۱۴۶ھ
کاتب محمد قمرالدین - سنہ کتابت - ۱۲۶۳ھ

شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر کا دکنی ترجمہ ہے جس کو شیخ وجیہہ الدین وجدی نے ۱۱۴۶ھ میں مثنوی کی شکل میں قلمبند کیا - وجدی زوال سلاطین دکن کے بعد کے ایک مشہور صوفی شاعر تھے جنہوں نے قدیم ذوق سخن کو جاری رکھا - یہ بحیثیت دکنی طرز کے آخری

شعراء میں سے ہیں - انھوں نے شیخ فریدالدین عطار کی ایک اور فارسی مثنوی گل و ہرمز کا تحفۂ عاشقاں کے نام سے ۱۱۵۱ھ میں ترجمہ کیا تھا - اس کے علاوہ اور کتابیں باغ جاں فزا (۱۱۵۳ھ) وغیرہ بھی لکھی تھیں - ان کا ایک دیوان بھی تھا جو اب تک دستیاب نہ ہو سکا - البتہ ان کی کئی غزلیں بیاضوں میں ملتی ہیں جن میں سے منتخب اشعار یہ ہیں :-

چنچل کا آج بچھڑا مجہ اُپر بھاری ہوا یاراں
تو میں اُس وقت جگت سیتیں نرآدھاری ہوا یاراں
ہماری بت پرستی کوں نہیں سمجھے اجھوں زاہد
براے کفر ست دیں کو تو یو جاری ہوا یاراں
نکو کہہ وجدیا اپنیاں نپٹ سب وصل کیاں باتاں
کہتے ہیں لوگ سب تجہ کوں کہ زناری ہوا یاراں

کٹی ہے عمر سب میری سدا صورت پرستی میں
سیٹا ہے حسن کا مدمجہ سو ہشیاری تھے مستی میں
نکل جا وجدیا شیخی کے شیویاں کی جھنج سیتے
اگر مقصود خود حاصل کیا ہے بت پرستی میں

تِل دیکھ کر سکھی کا یک تِل میں بُھل گیا ہوں
اُس حسن کا سو مدپی مستی سوں جھل گیا ہوں
وجدی کوں آج حاجت کس کیف سوں نہیں ہے -
اڑیا بھونک پرت کا کیفاں میں گھل گیا ہوں

یہ تینوں غزلیں نواب نصیرالدین خاں صاحب ایم - اے ناظم دفتر دیوانی کی خاندانی بیاض کے صفحات ۲۹ و ۳۰ پر

درج ہیں ۔

"پنچھی باچھا" کے نسخے یورپ کے کتب خانوں کے علاوہ حیدرآباد میں کتب خانہ آصفیہ، جامعہ عثمانیہ و نواب سالار جنگ بہادر وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ فہرست اردو مخطوطات، دکن میں اردو، اردوئے قدیم وغیرہ میں اس کا ذکر درج ہے۔ یہ کتاب مدراس میں ۱۳۰۳ھ و ۱۳۱۴ھ اور بمبئی میں ۱۲۸۰ھ و ۱۳۱۹ھ میں چھپ چکی ہے۔ ادارے کے نسخے میں تقریباً ۲۵۰۰ ابیات ہیں

آغاز :-

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر — حمد سوں حق کے بلند آواز کر
شوق سوں نیبا اوچایا یک چھیا — جی رہی ترلوک کا عالم لوبھا

اختتام :-

اس تجارت کا مجھے بس یو نفا — ہے کریں مجکوں دعا دل سوں صفا
تا کہ بخشے جائیں میرے سب گناہ — ہوئے اجلا یو مرا نامہ سیاہ
اس منے ہوتا ہی یارب میرا کام — شکر ہے جے ہوئے پنچھی باچھا تمام
جب کیا تاریخ کا دل پر جواب — تب ہوا میزاں میں کیا خاصی کتاب

ترقیمہ :-

"تمام شد منطق الطیر فریدالدین عطار قدس اللہ سرہ در زبان دکنی معروف پنچھی باچھا تالیف شیخ وجیدالدین وجدی بوقت استوی روز سہ شنبہ تاریخ چہاردہم شہر رجب المرجب ۱۲۶۳ھ یکہزار دوصد وشصت و نہ ہجری بید فقیر الحقیر محمد قمرالدین ابن شاہ رحمت اللہ قادری نور اللہ قلبہ بنور الایمان والعرفان حسب الخواہش مجمع اشفاق یگانہ آفاق، صداقت پناہ، حداقت دستگاہ منبع فتوت واتحاد، مجمع مروت و وداد حسینی صاحب دام اشفاقہ بقلم آمد۔ بحق محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔"

ترقیمے کے نیچے معطی کتاب نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ۱۳۴۲ھ میں اور ایک بیضوی مہر بھی ثبت ہے جس سے ان کے نام کا سجع "مصدر الطاف و عنایت حسین" نکلتا ہے اس مہر میں ۱۳۳۶ھ کندہ ہے۔

---

(۳۴) پنچھی باچھا [۵۸]

اوراق ۱۵۸۔ سطور ۱۱ فی صفحہ۔ تقطیع $6\frac{1}{2}$" × $10\frac{1}{2}$"۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف وجدی۔ سنہ تصنیف ۱۱۴۹ھ۔ کاتب خواجہ امین الدین۔ سنہ کتابت ۱۲۶۳ھ۔ بمقام رسول آباد۔

کتاب نمبر ۳۱ کا دوسرا نسخہ ہے جس میں تقریباً ۲۳۴۰ ابیات ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ دونوں نسخے ایک ہی سال نقل کئے گئے ہیں۔ زیر نظر نسخہ چار ماہ ۱۶ دن قبل نقل ہوا ہے۔

ابتدائی ابیات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ آخر کی دو بیتوں میں خفیف سا فرق ہے۔

اختتام :-

اس منے یارب مرا ہونا ہی کام — شکر کر جو ہوی پنچھی باچھا تمام
جب کیا تاریخ کا دل نے حساب — تب ہوا میزان میں کیا خاصہ کتاب

ترقیمہ :-

"منطق الطیر عرف پنچھی باچھا بتاریخ غرہ شہر صفر روز شنبہ

بوقت ظہر بید اضعف العباد خواجہ زین الدین عرف خواجہ دبیر ساکن رسول آباد ۱۲۶۳ھ یہ''

---

(۳۵) پنچھی باچھا [۵۱۱]

اوراق ۸ - سطور ۱۲ متن میں - ۱۴ حاشیہ پر
تقطیع ۶" × ۱۰½" - خط نستعلیق -
مصنف وجدی - سنہ تصنیف ۱۱۴۶ھ
سنہ کتابت - ۱۲۸۶ھ

مخطوطات نمبر ۳۱ , ۳۲ کا ایک ناقص نسخہ ہے جس کے سرورق پر کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے۔

''پنچھی نامہ شیخ فریدالدین عطار کا
کہا ہوا یعنے جس کو من تیغ - کہتے ہیں''
اسی کے نیچے مالک کتاب شیخ حیدر اور ۱۲۸۶ھ
درج ہے۔

ابتدائی اشعار تینوں نسخوں میں وہی ہیں یہ مخطوطہ ان ابیات پر ختم ہوتا ہے۔

عشق نخل سوں بند ہے نت چت مرا
نیں ہے دوجے سات ہرگز ہت مرا
جگ منے غوغا ہے میرے عشق کا
کچھ عجب سودا ہے میرے عشق کا

---

(۳۶) دیوان ولی [۹۳]

اوراق ۱۳۸ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۴½" × ۸½" - خط نستعلیق پاکیزہ
ہر غزل کا مقطع سرخی میں۔ مصنف
ولی اورنگ آبادی۔ سنہ تصنیف
تقریباً ۱۱۱۵ھ - سنہ کتابت ۱۱۵۹ھ
بمقام حیدرآباد۔

یہ دکن کے معروف شاعر ولی اورنگ آبادی کا دیوان ہے جس میں غزل (۱۲۵ اوراق)۔ مستزاد (۳ اوراق) مخمس (۳ اوراق)۔ ترکیب بند (۲ اوراق) مثنوی (۴ اوراق) اور قصیدہ (۴ اوراق) غرض جملہ اصناف سخن موجود ہیں۔

یہ دیوان ولی کے قدیم ترین نسخوں میں سے ہے اور اس میں اندازاً چار ہزار ابیات ہیں۔ اس کی بعض غزلیں غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ درمیان میں جگہ جگہ بعض صفحات خالی چھوڑ دے گئے تھے جن پر دوسرے شعرا کا فارسی و اردو کلام نقل کیا گیا ہے۔ حاشیہ پر بھی اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے اور بعض جگہ اصلاح بھی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خاص اہتمام سے نقل کرایا گیا ہے۔ دیوان سے قبل نعمت خان عالی کے قطعات و نثر درج ہیں جس کو اسی کاتب نے نقل کیا ہے۔ دیوان کے اوراق ۱۲۶ تا ۱۲۸ کے حاشیہ پر ایک اور دکنی شاعر اور صوفی شاہ میرانجی خدانما کا چکی نامہ بھی نقل کیا ہے ان سب کا ذکر علحدہ درج ہوگا۔

دلی اور اس کے دیوان کے متعلق اُردو میں کافی
معلومات شایع ہو چکی ہیں اس لئے یہاں مزید وضاحت
کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس نسخے سے اس امر کا ثبوت
بہم پہنچتا ہے کہ دلی ۱۱۵۶ھ تک خود شہر حیدرآباد میں
بھی کافی مقبول و مشہور ہو چکا تھا اور بخشی بادشاہ
موسیٰ رضا خاں کی حویلی میں غالباً ان ہی کے حکم سے
یہ نسخہ لکھا گیا تھا۔

اس نسخہ کا آخری ایک ورق غائب ہے۔
اس لئے کوئی ترقیمہ نہیں ہے البتہ ورق ۱۲۸ و سے
ایک مستزاد شروع کرنے سے قبل کاتب نے حسب ذیل
جملہ سرخی میں لکھا ہے۔

"و این چند اشعار نیز از جملہ مصنفات
آں غواص سخنداں است چنانچہ مرقوم
گردد"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلی کے اس قدر
قریبی زمانہ میں بھی اس کے کیسے قدرداں پیدا ہو گئے
تھے۔

آغاز:-

کہتا ہوں ترے ناوکوں میں درد زباں کا
کہتا ہوں ترے شکر کوں عنوان بیاں کا
جس خاک اُوپر پانوں رکھیں تیرے رسولاں
اُس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

اختتام:-

دل جو تجھ زلف پیچ بند ہوا ۔ کون کھولے یہ عقدۂ لاحل
دل ہوا اسپند تب ستے جب سوں ۔ غم ترے میں ہوا ہی تن....

چونکہ یہ دیوان ناقص الآخر ہے اس لئے اس سے
قبل نعمت خان عالی کے قطعہ کے آخر میں دیوان کے کاتب
نے جو ترقیمہ لکھا ہے اس سے اس دیوان کا سنہ تکمیل
کتابت ظاہر ہوتا ہے۔

"قطعہ و شرح قطعہ بیست و پنجم شہر جمادی الاول ۱۱۵۶ھ
بروز پنجشنبہ وقت سہ پہر در بلدہ حیدرآباد
در حویلی موسیٰ رضا خاں کہ بخشی بادشاہ اند"

---

[۱۱۲] (۳۷) دیوان ولی

اوراق ۹۲ - سطور ۱۷ فی صفحہ۔
تقطیع ۴ ۳/۴ × ۸ ۳/۴ ۔ خط نستعلیق پاکیزہ
ہر غزل میں تخلص سرخی میں۔ مصنف
ولی اورنگ آبادی سنہ تصنیف ۱۱۱۵ھ
کاتب منوہر لال۔ سنہ کتابت ۱۱۹۱ ہجری
مقام حیدرآباد

دیوان ولی کا ایک اور نسخہ ہے جو نہایت اعلیٰ
کاغذ پر خوشخط لکھا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ دستور الامتیاز
(۱۱۹۰ھ) کا ایک نسخہ بھی مجلد ہے مگر اس کا کاغذ اور خط
اتنا پاکیزہ نہیں ہے۔ یہ نسخہ بھی دیوان ولی کے قدیم ترین
مخطوطوں میں شامل ہے اور اس میں بھی حاشیہ پر بعض
جگہ اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔

آغاز:-

کہتا ہوں ترے نام کوں میں درد زباں کا
کہتا ہوں ترے شکر کوں عنوان بیاں کا

جس گرد اوپر پانو رکھیں تیرے رسولاں
اُس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

اختتام :-

جو ہیں پیاسے سخن کے ان کے نزک   شعر میرا ہے آب سوں نرمل
گوش حاسد میں جب پڑی یو شعر   راکھ ہو جائے رشک سوں جل جل

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد دیوانِ ولی بتاریخ بیست وچہارم صفر ۱۱۹۱ھ درشہر نوشتہ بود باقی مال (۹) درلشکر نوشتہ شد بجہتہ کبیر چند بخط کمترین منوہر لعل تحریر یافت درخانہ لالہ درگاداس"

سرورق پر مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری سابق ناظم تعلیمات کے دستخط (سید محمد حسین ۱۳۴۴ھ) ثبت ہیں۔ یہ نسخہ اُن ہی کا عطیہ ہے۔

(۳۸) چکّی نامۂ عرفان [۹۳ب]

اوراق ۳ - سطور ۸: فی صفحہ - دیوان ولی
نسخہ ۳۶ نمبر ۹۳ کے حاشیہ پر - خط نستعلیق
مصنف سید شاہ میراں جی حسین خدانما - سنہ تصنیف
قبل ۱۰۸۰ھ - سنہ کتابت ۱۱۵۶ھ

یہ ایک ترکیب بند ہے جس میں تین تین اور دو دو مصرعوں کے سولہ (۱۶) بند ہیں اور ہر بند کے آخر میں ایک ہی شعر بطور ٹیپ کے لکھا گیا ہے۔ میراں جی خدانما نے اپنے مریدوں کے لیے چکی کے گیت کے طور پر قلمبند کیا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں تاکہ چکی پیستے وقت بھی مرید خدا کے خیال سے غافل نہ رہیں۔

سید میراں حسینی حیدرآباد میں عبداللہ قطب شاہ کے معتبر ملازمین میں سے غالباً کسی سررشتہ کے عہدیدار تھے بادشاہ نے ۱۰۶۱ھ میں ان کو کسی کام سے بیجاپور روانہ کیا تھا وہاں شاہ امین الدین اعلیٰ کے ایسے معتقد ہوئے کہ بادشاہ کی ملازمت ترک کر دی اور عمر بھر اہل حیدرآباد کو شاہ امین الدین سے حاصل کیا ہوا فیض پہنچاتے رہے۔ آخر کار ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کا گنبد حیدرآباد کے محلہ کارواں میں بہت مشہور ہے۔ انھوں نے اپنے مرشد کی طرح اُردو نظم و نثر میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ ان کے حالات تذکرۂ اولیائے دکن (جلد دوم ص ۹۶۵) پر تفصیل سے درج ہیں۔ میراں جی خدانما کی یہ نظم غالباً کسی اور کتب خانے میں موجود نہیں ہے۔ البتہ ان کی اُردو شرح شرح تمہیدات عین القضات بہت مشہور ہے۔

آغاز :- بسم اللہ ذاتی ناؤں
قران اوپر لیا ٹھاؤں
کل شئی اس کی چھاؤں
لا الہ کہنا اِلا اللہ میں رہنا   نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا

اول اللہ ناؤں صفت جس کا ٹھاوں

یاد ہے میرے جی میں ہر دم تیرا ناؤں
لا الہ کہنا الا اللہ میں رہنا   نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا
اللہ آپی گنجِ خفی ظاہر ہونے آیا -

نبی صاحب کے برقعہ میں اپس کوں دکھلایا
لا الہ کہنا الا اللہ میں رہنا   نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا

اختتام :-

عرفان کا چکی نامہ
بولے سید خداوند خدانما
پیر لے مرید یو سمجھانا
اللہ اللہ کہنا الا اللہ میں رہنا   نبی رسول سے من لانا اللہ اللہ کہنا

(۳۹) روضۃ الاطہار [۱۲۲ا]

اوراق ۲۱۶ - سطور کہیں ۱۸ اور کہیں
۱۶ فی صفحہ - تقطیع ۵" × ۹" - خط نستعلیق
مصنف نوازش علی خاں شیدا ۔
سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ -

شیدا نواب آصف جاہ ثانی کے میر بخشی سالار(؟)
تھے ۔ ان کے تفصیلی حالات راقم کی مرتبہ کتاب "مرقع سخن"
جلد اول میں شایع ہو چکے ہیں ۔ ان کی دو مثنویاں
اعجاز احمدی اور روضۃ الاطہار اور
متعدد مراثی مشہور ہیں ۔ نواب سالار جنگ بہادر اور
جامعہ عثمانیہ کے کتب خانوں میں بھی ان کے نسخے محفوظ
ہیں ۔

ادارے کے اس نسخے میں تقریباً سات ہزار تین
سو ابیات ہیں ۔ اس کے خاتمہ میں اگرچہ تمت تمام شد
لکھا ہے لیکن یہ نسخہ ناقص الآخر معلوم ہو رہا ہے ۔
شیدا نے حیدرآباد کے شیعہ آثار کی حفاظت میں خاص
حصہ لیا چنانچہ بادشاہی عاشور خانہ کی کمان پر بھی ان کا
کتبہ کندہ ہے ۔ زیر نظر مثنوی میں مختلف تاریخی کتابوں سے
معلومات اخذ کر کے بارہ مجلسیں لکھی ہیں جن میں شہدائے کربلا
کے مصائب بیان کئے گئے ہیں ۔ شیدا نے اس کی تصنیف
کے وقت میر ولی فیاض کی روضۃ الشہدا کو بھی
پیش نظر رکھا تھا ۔ مثنوی کا سنہ تصنیف ان ابیات سے
ظاہر ہوتا ہے :-

ہوا جب ختم یو مضمون ماتم   کہا تاریخ ہاتف مجلس غم
۱۱۷۳ھ

کیا چاہو تم آسانی سے ازبر   اگیارہ سو برس تھا تب تہتر

کتاب کا اور اپنا نام و سبب تالیف یوں بیان
کیا ہے ۔

کہ میں اس سعادت پر بندھا تب   کتابوں کو منگا تاریخ کی سب
لکھا احوال سارا بے کم و کاست   مددجینی سیتی کر کے درخواست
رکھا ہوں روضۃ الاطہار کر نام   کہ پڑھ کر اس کو رو ویں خاص ہور عام
بنایا اس کے ہوں بارا مجالس   کہ ہر مجلس میں اہل دل کی پارس
نوازش سیں علی کے ہوں میں ممتاز   اول مجلس کے تیں کرتا ہوں آغاز

ان اشعار سے قبل اپنی مرثیہ گوئی کی شہرت اس طرح
میں واضح کی ہے :-

پڑا تج مرثیوں کا جگ میں یو دھوم   محباں کے کلا یا دل کو جیوں موم

آغاز :-

اول حمد خدا میں ہو سر افراز   کروں میں روضۃ الاطہار آغاز
دو عالم نام پر اُس کے ہیں شیدا   شہادت کا کیا عالم وہ پیدا

اختتام :-

حرم یک دھر سبھی تھی سیہ پوش   تھا اون کا چاک ماتم سی بردوش
لے ان ماتم زدوں کو اپنے ہمراہ   چلے خیمے میں شہ کے مارتے آہ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن ابتداء کے
ایک ناتمام خط سے معلوم ہوتا ہے کہ
یہ کتاب مصنف کے قریبی زمانے میں
عہد آصف جاہ ثانی ہی میں نقل
کی گئی ہے کیونکہ یہ خط اس عہد کی مشہور
(اللہ رکھی بیگم) کے نام
لکھا جا رہا تھا ۔

(۴۰) روضۃ الاطہار [۵۱۲]

اوراق ۲۳۔ سطور کہیں ۱۷ کہیں ۱۳
فی صفحہ تقطیع ۶ۃ ۱/۲ × ۸ۃ۔ خط نستعلیق
عنوان سرخی میں اور ہر مجلس نئے صفحہ
سے۔ مصنف نوازش علی خاں شیدا
سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ۔

یہ روضۃ الاطہار کا دوسرا نسخہ ہے۔ ابتدا میں دو مجلسیں نہیں ہیں اور تیسری مجلس میں بھی ۱۷۷ ابیات کم ہیں۔ یہ نسخہ بھی تقریباً پہلے نسخے کا ہمعصر ہے۔ اس کے آخری چند اوراق بھی غائب ہیں۔

آغاز:۔

علی نے اوس طرح ستیں بچاوے بتول پاک نے جس طرح فرمائے
دیکھو یہ فاطمہ کی مہربانی تھی امت پر پدر کی جاودانی

اختتام:۔

ہمارے دل کے رہ گئے تم ہو آدھار
ہوا دل کئی دنوں سیں سخت بیمار
اگر اپنا کروگے حال اس طور بچو گے کس طرح کریونگہ غور

کوئی ترقیمہ نہیں بلکہ آخری اور ابتدائی ورق پر نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر:۔
(عنایت جنگ ۱۳۴۳ھ) ثبت ہے۔ یہ نسخہ اُن ہی کا عطیہ ہے۔

---

(۴۱) کسب محویت [۱۲۰]

اوراق ۹۔ سطور ۱۲ فی صفحہ تقطیع
۵ۃ ۱/۲ × ۹ ۱/۲ۃ۔ خط نستعلیق پاکیزہ
کاغذ اعلیٰ۔ مصنف شاہ صدرالدین۔
سنہ تصنیف غالباً قبل ۹۷۸ھ۔ کاتب
زمرد رقم سنہ کتابت ۱۲۲۲ھ۔

یہ ایک سو گیارہ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں شاہ صدرالدین نے روح، احدیت، محویت وغیرہ مسائل تصوف کو بیان کیا ہے۔ زبان نہایت قدیم ہے۔ مصنف نے اپنا نام ان ابیات میں لکھا ہے:۔

گوش جاں سوں اب سنو صاحب یقین
کیا کتا ہے نظم میں شہ صدرالدین
(ورق ۱ ب)
صدرالدین توکسب پر ثابت اچھے
صرف سوں صفتوں کے نت ثابت اچھے
(ورق ۵ ب)
صدرالدین پل پل میں یوں بیکل ہوا
وصل بھی یک پل نحی میں حل ہوا
(ورق ۷ ب)
بس کر اے شہ صدرالدین راز کو
دیہیں دیدار پا آپس کوں کھو
(ورق ۹)

کتاب سے مصنف کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ وہ قدیم زمانے کے کوئی صوفی منش بزرگ تھے۔ شاعری پیشہ نہ تھا بلکہ مریدوں اور معتقدوں کو سمجھانے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے۔ اولیا کے تذکروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صدرالدین حضرت بدرالدین چشتی (متوفی ۸۳۴ھ خلدآباد) کے مرید و خلیفہ تھے۔ مرشد نے

گلشن آباد ناسک میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا تو شاہ صدرالدین نے عرض کیا کہ ناسک کی ولایت تو سید محمد صادق شاہ مینی کے تفویض ہوئی ہے جو میرے بعد آئیں گے۔ اس لئے میں اہل ناسک کو ہدایت کر کے دوسری جگہ سکونت پذیر ہوں گا۔ چنانچہ قصبۂ پیپیڈی میں سکونت پذیر ہوئے اور ہدایت و تالیف قلوب کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ ۹۰۶ھ میں رحلت کی اور قصبۂ پیپری ہی آکت پوری سے ایک میل کے فاصلہ پر مدفون ہوئے۔ چونکہ مسلمانوں سے زیادہ ہندو معتقد ہیں اس لئے آپ کے عرس کی تاریخ ۲۰ ماہ بھادوں مقرر ہے (دیکھو تذکرہ اولیائے دکن حصہ اول ص۶۶۱ و برکات الاولیا ص۲۹)۔

شاہ صدرالدین نام کے کسی اور بزرگ کا تذکرہ بھی پتہ نہ چل سکا۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ مثنوی ان ہی بزرگ کی ہو۔ ان کا اس لئے بھی امکان ہے کہ اس کے ساتھ ہی ان کے ہمعصر حضرت خواجہ بندہ نواز (متوفی ۸۲۵ھ) کی کی ایک اردو نظم بھی نقل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے ساتھ دوسری جو کتابیں نقل کی گئی ہیں وہ بھی قدیم ہیں (دیکھو فارسی مخطوطہ نمبر ۳۵، ۲۵)۔

آغاز:-

نام لے اللہ محمد کا اول — کسب کا سب کو کہوں در ہر محل
گوش جاں سوں اپنے صاحب یقیں — کیا کتا ہے نظم میں شہ صدرالدین
اولاً بانفس و دل قلب شاں ل — خواہش دانائی کا تو بوجھ حال
کاسباں کوں بیان ہے یہ راہ وصل — راہ الاتصال ذوالفضل

اختتام:-

خواب بھی نیں ہو وہاں بیدار کر — نا اکیلا ہے نہ سنگت یار ہے
محویت کا حال سو ایسا ہی جان — اب وہاں کوئی کیا کرے حق کی پہچان
بس کرائے شہ صدرالدین ازکو — دید میں دیدار پا آپس کوں لکھو
شنو پو پندرہ نظم میں بیاں تمام — یاد رکھنا بزبان او خاص و علم

آخری بیت میں پندرہ کو کاٹ کر کسی صاحب نے بعد کو گیارہ بنا دیا ہے کیونکہ اس مثنوی میں ایک سو گیارہ ابیات ہی ہیں۔ ممکن ہے کہ اصل کتاب سے نقل کرتے وقت چار بیتیں چھوٹ گئی ہوں۔

اس کے نیچے کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ صرف تمت تمام شد لکھ کر خواجہ بندہ نواز کی ایک نظم شروع کر دی گئی ہے اسی سلسلہ میں دیگر رسائل (حق نما وغیرہ) بھی اسی کاتب نے نقل کئے ہیں جن کے آخر میں یہ ترقیمہ درج ہے۔ اس سے کتابت اور کاتب کا نام واضح ہوتا ہے:-

"کاتب الحروف فقیر احقر الانام الراجی
الی رحمۃ اللہ العزیز السلام نام ز مرد رقم
اللہم اغفر ذنوبہ واستر عیوبہ وارزقہ
متابعت نبیک قولا و فعلا و حالا بحرمت
جمیع انبیاء و اولیائک و اصفیائک
برحمتک یا ارحم الراحمین۔ با تمام شد
دہم ذی قعدہ ۱۲۲۲ھ"

(مخطوطہ فارسی ۳۵ ورق ۱۲۲ الف)

(۴۲) چکّی نامہ [۱۲۰ ب]

اوراق ۲ - سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ½۵" × ½۹" - خط نستعلیق پاکیزہ
مصنف خواجہ بندہ نواز - سنہ کتابت ۱۲۲۲ھ

اس نظم میں بارہ بند ہیں جو چکّی نامہ کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ ہر بند کے آخر میں مصرع " (کہہ) کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ " درج ہے۔ خواجہ بندہ نواز کی یہ اُردو نظم کسی اور کتب خانے میں اب تک دستیاب نہیں ہوئی اُن کی چند اُردو غزلیں اور ایک اردو نثر کی کتاب (معراج نامہ) شایع ہو چکی ہیں۔

آغاز :-

دیکھو واجب تن کی چکّی	پیو چاتر ہو کے سکّی
سو کن ابلیس کھنیچ تھکّی	کے یا بسم اللہ اللہ ہو
الف اللہ اس کا دستا	میانے محمد ہو کر بستا
پہنچی طلب یوں کو دستا	کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ

اختتام :-

بندہ نواز بندہ حسینی	سوا بندگی میں رہتے

کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس کے بعد اسی کاتب نے جو رسالہ حق نما وغیرہ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمرد رقم نے ۱۲۲۲ھ میں نقل کیا۔ (دیکھو مخطوطہ فارسی نمبر ۳۵ ورق ۲۲ و) - یہ ترقیمہ اُردو مخطوطہ کسب محویت (۱۴) کے آخر میں درج ہو چکا ہے۔

(۴۳) اشارت الغافلین [۵۱۳]

اوراق ۱۲۵ - سطور ۱۲ فی صفحہ۔
تقطیع ½۵" × ۹" - خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف عاشق۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۴۳ھ

یہ تین ہزار سے زیادہ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں مریدوں کے لئے اخلاق و تصوف کے مباحث (مختلف کتابوں مثلاً جواہر جلالی، زینت المریدین اور تذکرۃ الاصفیاء وغیرہ سے اخذ کر کے) قلمبند کئے گئے ہیں۔ مصنف نے جگہ جگہ قرآن، حدیث اور صوفیا و علمائے مختلف مثلاً رومی، حافظ، ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی وغیرہ کے اشعار و اقوال کو بھی سند و توضیح کے طور پر پیش کیا ہے۔ کتاب کا نام اور سبب تالیف ان ابیات سے واضح ہوگا :-

سو نام اس کا سوا سیلین	کتے اس کوں اشارت الغافلین
یو دکھنی میں بولیا ہوں اس واسطے	ہر اک شخص کی یو سمجھ واسطے
مسلماں کو اتتے ہوے فائدا	اگر بخت رہے یا ہووے گدا

مصنف نے اپنا تخلص اکثر ابیات میں لکھا ہے مثلاً :- (صہ)

اے عاشق توں توفیق منگ رب کے سات
دعا سوں اُچا اس کی درگاہ میں ہات (صہ)

اے عاشق وضو کوں سنایا تو بول
ہبی انگے نمازاں کا احوال کھول (صہ۶)

اے عاشق نمازاں کوں چھوڑا جنے
او ہے زرد رو دین دنیا بنے (صہ۱۵)

کرم کرتوں عاشق پو اے مہ نول
محو درمحو ہوے جوں جل میں جل (۵۲)

وسلے کونی یو عاشق گنہگار پر
رکھے سن شفقت کی مدح نظر (۵۸)

اے عاشق کہاں لگ لکھے گا بیاں
اوکمبخت رنڈوں کے تیں نیں ٹھکاں (۳۲)

عاشق نے اپنے مرشد شاہ نظام الدین ثانی کی مدح کتاب کے درمیانی حصے میں ایک خاص عنوان کے تحت لکھی ہے۔ اس کی چند ابیات یہ ہیں:-

درجناب مرشد ربانی حضرت شاہ نظام الدین ثانی

کیا پیر پیتیں ایس کوں خدا — ادہی بادشاہ ہیں تیں اتنا کا گدا
کیا پیر پریں ایس کوں نثار — ادہی مجہ نرآدھار کا سچ ادھار
مگر پیر میرا سو ایمان ہے — کہ ایمان کیا بلکہ رحمان ہے
نظام الدین ثانی ہے ثانی علی — بتایا مجے اون خفی ہور جلی
دلی چشت کے گھر کا ہی جسن بہار — کہ عالم ہے اس فیض کا انتظار
نظام الدین میرا خدا ہور رسول — کیا جید مخفی او مجہ پر حصول
وگرنیں تو اسرار پانا محال — اگر مجہ عمر ہوتی کئی لاکھ سال
تصدق ہوں بلہار اس پیر کے — نظام الدین ثانی سے اکسیر کے
تو کیوں نا ایس پیر کی یاد میں — رہتا رات دن اوسکے ارشاد میں
کرم کرتوں عاشق پو اے مہ نول — محو درمحو ہوے جوں جل میں جل

(ص۵۲)

ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق نے یہ کتاب شاہ نظام الدین ثانی کی زندگی ہی میں لکھی تھی۔ انھوں نے ۱۱۴۲ھ میں رحلت کی تھی ان کا قطعہ تاریخ رحلت تذکرۃ الانساب (ص۱۲) میں اس طرح درج ہے:-

آن نظام الدین ثانی شاہباز اوج عشق
در دہ و دوازمہ ذیقعدہ شد عرش آشیاں
درسنہ یک صد ہزار و چہل و سہ رفت زیں جہاں
بود بے شک رہنماے خلق و ہادی زماں

شاہ نظام الدین شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے تھے قصبہ نگراؤ صوبہ اودھ میں پیدا ہوئے اور دلی پہنچ کر شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے فیض حاصل کیا اور پھر اورنگ آباد آکر اقامت گزیں ہوئے۔ نواب نظام الملک آصفجاہ ان کے خاص معتقدوں میں سے تھے اور حضرت نظام الدین غریبوں اور مستحقوں کی امداد کے لئے ان سے اور دیگر امرا سے اکثر سفارش فرماتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کی شہرت اور مقبولیت میں بڑا اضافہ ہوا۔ یہ صاحب تصانیف بھی تھے اور ان کی ایک کتاب نظام القلوب بہت مشہور ہے۔ خود لکھنے کے علاوہ اپنے مریدوں کو بھی تصنیف و تالیف کا شوق دلاتے تھے چنانچہ محمد نجیب قادری ناگوری اجمیری نے انہی کے ارشاد کی بناء پر کتاب الاعراس ۱۱۲۸ھ سے لکھنی شروع کی تھی جو ۱۱۵۶ھ میں تکمیل کو پہنچی اس کا ذکر مصنف نے کتاب الاعراس میں اس طرح کیا ہے:-

"بست و چہارم ربیع الاول سال یکہزار و
یکصد و بست ہجری حسب الارشاد حضرت
شیخ نظام الدین ثانی قدس سرہ بہ ترقیم رسیدہ بود
و من بعد .... پنجم شہر
شوال المکرم ۱۱۵۶ھ جمع شد و با تمام
رسید" (ص۱۲)

محمد نجیب قادری کی طرح عاشق نے بھی زیر نظر کتاب مرشد کے حسب ارشاد لکھی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ نسخہ ناقص الاول والآخر ہے۔ اس لئے سنہ تالیف اور مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ شاہ نظام الدین کے ایک خلیفہ شاہ عشق اللہ تھے۔ عاشق شاید انہی کا تخلص تھا۔

شاہ نظام الدین کے فرزند شاہ فخر الدین دہلی گئے اور وہیں رہ پڑے۔ انہی کے پوتے شاہ نصیر الدین عرف میاں کالے تھے جن کے مکان میں مرزا غالب رہا کرتے تھے اور جو بہادر شاہ ظفر کے مرشد تھے۔ (شاہ نظام الدین کے حالات کے لئے دیکھو تذکرۃ الاعراس ص۲، ۱۲، ۱۹۵۔ تذکرۃ الانساب ص۱۲، برکات الاولیاء ص۱۴۲۔ تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ص۱۰۹۳)۔

دکنی شعراء کے تذکروں میں عاشق تخلص کا کوئی شاعر نہیں ہے۔ البتہ تذکرۃ الاولیائے بیجاپور (صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷) سے صرف اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ میاں عبدالفتاح عاشق ایک بزرگ تھے جنھوں نے ۱۰۹۶ھ سے قبل وفات پائی اور بیجاپور میں مدفون ہوئے۔ ان کا نام شاہ ابو الحسن ثانی قادری نے مشائخوں، اولیاء اور علماء وغیرہ کی اس فہرست میں لکھا تھا جو ۱۰۹۶ھ میں قلمبند کی گئی تھی۔ نام کے سوا عبدالفتاح عاشق کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔

ادارے کی زیر نظر کتاب "اشارت الغافلین" کے مصنف جن کا تخلص عاشق تھا غالباً نظام الدین اورنگ آبادی کے وہی خلیفہ تھے جن کا نام شاہ عشق اللہ تھا

اس مثنوی میں جن عنوانات پر بحث کی گئی ہے اُن میں سے چند یہ ہیں :-

۱۔ فضیلت وضو ص۵ ۲۔ نماز ص۹ ۔
۳۔ بدکرداری ص۱۵ ۴۔ سخاوت ص۲۵
۵۔ حرام ص۲۷ ۶۔ عورت ص۳۰
۷۔ قیامت ص۳۵ ۸۔ بہشت ص۴۸
۹۔ بیعت ص۵۸ ۱۰۔ تصور ص۱۲۰
۱۱۔ عقل و عشق ۔ وغیرہ ۔

آغاز :-

دلے دیکھ کیا ہے عجب نکات | تعجب نکر یو ہے دیسیچ بات
جو توں دیکھتا سو ہے اسرار رب | یو سنتا سو ہے اوس کے بھید سب
کہیں کچھ ہوا ہور کہیں کچھ ہے تو | بھی دیکھ تو ہے ایک کا ایک اد

اختتام :-

تو پھر اس کا کیا پوچھتا ہے اے یار
وہ دونو جہاں کا ہوا شہریار
دلے تمکوں یک داخلہ دیں گے ہم
کہتے ہیں سنو ل کے سب مرد و زن

---

(۴۴) دعائے داؤد سریانی [۱۰۱]

اوراق ۲۰ ۔ سطور ۹ فی صفحہ ۔
تقطیع ۶½ × ۴ ۔ خط نستعلیق ۔ حاشیہ زریں ۔
مصنف سید ابراہیم رشید ۔
کاتب سید محمد ۔ سنہ کتابت ۱۱۴۵ھ ۔

یہ تقریباً ۱۷۰ اشعار کی ایک نظم ہے جس میں بعض مثنوی کی ابیات ہیں اور بعض قطعے ہیں ۔ ابتدائی پچاس ابیات جن میں سبب تالیف بیان کیا گیا ہے قدیم طرز کی

مثنویوں کی شکل میں ہیں۔ ان ابیات میں مصنف حمد و نعت کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

"زبور میں سورۃ الرحمٰن کی طرح ایک دعا درج ہے جو حضرت داؤد پیغمبر کے ورد زبان تھی اور جس کے پڑھنے سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ دعا سریانی میں تھی اس کو حضرت عباس نے عربی نظم میں لکھا اور عربی سے ضیائے نخشبی نے فارسی نظم میں ترجمہ کیا۔ اب فارسی سے سید ابراہیم سید دکھنی نظم میں منتقل کر رہا ہے۔"

اس کے بعد اس دعا کی خاصیت اور اثرات مختلف روایتوں کے ذریعہ سے واضح کئے گئے ہیں اور پھر اصل دعا شروع کی گئی ہے۔ پہلے حضرت عباس کے عربی شعر ہیں پھر ضیائے نخشبی کے فارسی اور آخر میں دکھنی۔ عربی نظم بطور قصیدہ ایک ہی قافیہ و ردیف میں لکھی گئی ہے۔ نخشبی نے ہر شعر کا ترجمہ دو یا اس سے زیادہ ابیات یا ہم قافیہ اشعار میں کیا ہے اور اسی طرح سید دکھنی نے بھی۔

مصنف نے اپنا نام و تخلص اس طرح لکھا ہے:۔

بزبان ضیا پارسی سوں پا اشارت   نہیا سید نے یو دکھنی عبارت
جو ابراہیم سید تھے یو نظم دلکش   پسند آوے ہر ایک کے طبع کوں خوش

مثال کے طور پر دعائے سریانی کے عربی، فارسی اور دکھنی تراجم کا ایک بند درج ذیل ہے:۔

عباس
أَتَعْرِفُ مُنْقِذًا غَيْرِي سَرِيعًا
مِنَ الْهَلَكَاةِ فَاطْلُبْنِي تَجِدْنِي

ضیائے نخشبی
بجز من کس نگہبانی نیابی   بجز من غیر رحمانی نیابی
رہانم من ترا از جملہ آفات   بجز من ہیچ دربانی نیابی

سید ابراہیم
نہ مج بن کوئی ہے سارے جہاں کوں
نگہبانی کروں پیر و جواں کوں

سلامت میں رکھوں سب آفتاں تھے
تو تی ہیکل کوں بھی ہور ناتواں کوں
اگر ڈھونڈے تجھے فی الحال پاوے
کہ میں حافظ ہوں ہر اک انس و جاں کوں

مصنف کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور نہ اس کتاب کا سنہ کتابت خانہ میں پتہ چل سکا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اہم ہے اور زبان کے لحاظ سے غالباً گیارہویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔

آغاز:۔

خدا کوں سر بسر حمد و ثنا ہے   سزاوار اسکوں فضل و کبریا ہے
کیا احمد کوں تاج الانبیا وو   دو عالم کوں کیا اُن رہنما وو
دیا اُس آل ہور یاراں مکرم   ہمیشہ حق کی رحمت میں رہو تم
سنیا ہوں بعد ازاں استاد تھے میں   بزرگاں سوں صحیح اسناد تھے میں
کہ تھا اندر زبور از فضل معبود   یو سورت مثل الرحمٰن مسعود

اختتام:۔

خدا میں ہوں تجھے فضل و کرم ہے   نہ میں ظالم ہوں نا مج کن ستم ہے
جو میں عادل ہوں میرا عدل و احسان   اپس بندیاں پو شام و صبح دم ہے
اگر ڈھونڈے تجھے فی الحال پاوے   جو توں اس راہ میں ثابت قدم ہے

ترقیمہ:۔

"ایں دعائے سریانی بتاریخ ہفتم شہر ربیع الاول ۱۱۲۵ھ نوشتہ شد کاتب الحروف سید محمد در قلعۂ مذکور تمت تمام شد سنہ ۱۱۲۵ھ"

یہ کتاب صاحبزادہ میر محمد علی خاں صاحب میکش کا عطیہ ہے اور ۱۳۵۵ھ میں ادارہ کے کتب خانہ میں داخل ہوئی۔

---

(۴۵) سرو و شمشاد [۵۱۴]

اوراق ۱۸۷ - سطور ۱۱ فی صفحہ -
تقطیع ۹½ × ۵½" - خط نستعلیق - عنوانات
سرخی میں - مصنف سید غلام قادر سامی
(متوفی ۱۱۹۶ھ) - سنہ تصنیف ۱۱۷۵ھ

سامی کے دادا سید ہدایت اللہ خاں شاہجہانی، اورنگ زیب کے ساتھ دکن آئے اور اورنگ آباد میں قیام پذیر ہو گئے - سامی کے والد حضرت آصف جاہ کے عہد میں منصب پر سرفراز تھے - سامی اورنگ آباد ہی میں پیدا ہوئے اور اپنے جوانمرگ والد کے بعد دادا ہی کی سرپرستی میں علم و فضل اور شعر و سخن کا ذوق پیدا کیا - درویش صفت اور با اخلاق تھے - متعدد امراء ان کے معتقد اور شاگرد تھے - لچھمی نارائن شفیق بھی ان کے معتقدین اور احباء میں سے تھے اور ان کا ذکر تفصیل سے اپنے تذکرے میں کیا ہے - اس کے علاوہ "تذکرہ فتوت" اور "محبوب الزمن" میں بھی ان کے حالات درج ہیں - یہ صاحب دیوان بھی تھے - مثنوی سرو شمشاد کا پہلا مسودہ کھو گیا تھا اس لئے دوبارہ ۱۱۷۵ھ میں اس کو قلمبند کیا - عبد الجبار خاں نے لکھا ہے :-

"آپ کا دیوان و قصۂ سرو و شمشاد میرے کتب خانۂ نوادر میں موجود تھا - ۱۳۲۶ھ کی طغیانی میں .... کتب خانہ کے ساتھ تہ آب و تلف ہو گئے - چونکہ میں نے آپ کی سوانح عمری کے خاتمہ پر آپ کے اشعار انتخابی نہیں لکھے تھے - اس وقت اشعار کی بابت بہت کچھ پریشان ہو کے کتب خانۂ آصفیہ و کتب خانۂ مختاریہ (سالار جنگ) میں دیوان و قصہ کو تلاش کیا - نہیں پایا ....
لیکن دیوان و قصہ کی طرف ہمہ تن مصروف ہوں -" (محبوب الزمن جلد اول ص ۵۱۰)

حسن اتفاق سے ادارے کے کتب خانہ میں سرو شمشاد کا قصہ محفوظ ہو گیا ہے - یہ اگرچہ ناقص الاول و الآخر ہے تاہم اس میں ۲۲۵۰ ابیات ہیں -

اس مثنوی میں مصنف نے کوئی ۵۰ علوم و فنون کی معلومات بھی اثنائے قصہ میں درج کر دی ہیں - اس طرح یہ مثنوی دکن کی اہم کتابوں میں سے ہے جن علوم کی اس مثنوی میں وضاحت کی گئی ہے ان میں سے بعض کے عنوان یہ ہیں :-
کلام ، مذہب ، وصایا ، فرائض ، تفسیر ، فقہ ، احادیث امثال ، اخلاقیات ، جر اثقال ، طبیعیات ، طب ، طلسمات نیرنجات ، کیمیا ، سیمیا ، ریمیا ، جفر ، اعداد ، موسیقی معانی ، منطق ، معما ، بدیع الشعر ، قوافی ، عروض ، تواریخ مغازی ، برات ، ہندسہ ، مساحت ، علم الاخبار ، اسماء الرجال نحو ، قرأت و تجوید ، نجوم ، رمل ، مقولات عشر ،

یہ مسائل توضمناً آگئے ہیں اصل میں یہ مثنوی سرو و شمشاد کے معاشقہ کی داستان ہے - لیکن اس کی ترتیب میں مصنف نے اپنے زمانے کے رجحانات کو ملحوظ رکھا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گولکنڈہ اور بیجاپور کے زوال کے بعد اورنگ آباد علم و فضل کا کتنا بڑا مرکز بن گیا تھا -

مثنوی میں اکثر ابواب کے خاتمہ میں مصنف نے اپنا

تخلص لکھ دیا ہے۔ مثلاً عنوان "اظہار قواعد خطوط نیلگفی
کے خاتمہ میں لکھا ہے :-

اٹھ اے ساؔمی بغل میں یار آیا   بہار گلشن دیدار آیا (ورق ۶۳)

جشن طوے شہزادہ شمشاد کے آخری حصہ میں لکھا ہے :-

اٹھ اے ساؔمی کہ پھر عشق نو آموز
ہوا ہے مائل حسن گلوسوز (ورق ۶۹)

بیان خلوت، سیوم در حقیقت عشرت و مراد شمشاد کے
خاتمہ میں لکھتا ہے :-

اٹھ اے ساؔمی کرے اب عیش دل خواہ
دیکھا تا ہے بہار جعفری شاہ

اسی طرح اوراق ۷۷، ۹۹، ۱۳۱ ب، ۱۴۱ ب، ۱۴۸ ب، ۱۵۴، ۱۶۳ ب میں بھی تخلص کی ابیات
درج ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ساؔمی نے عیؔنی کی مثنوی سے استفادہ
کیا ہے۔ اس کی ایک بیت ہے :-

سناؤں ست نوعی کی قصیں اب
کہ کیا کہتا ہے وہ مضمون مطلب

سر فتنہ ہی سنجی ہمت نورداں   تمام زن بہ است از نیم مرداں (ورق ۱۸۴)

اگرچہ ساؔمی کی زبان گولکنڈہ و بیجاپور کے مثنوی
نگاروں کے مقابلہ میں صاف ہے تاہم دکنی زبان کا
اثر جگہ جگہ نمایاں ہے۔ حالانکہ ساؔمی کے دادا دہلی سے
آئے تھے لیکن وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں کا
روزمرہ سیکھا۔ ان کی چند بیتیں مثال کے طور پر درج ہیں :

زمانہ کا میں دیکھا ہوں عجب رنگ
کبھی ہے صلح اس میں اور کبھی جنگ (۱۶۸ ب)

کوئی عورت نہ کی دعویٰ خدائی
اُسے الفت میں افزوں ہے صفائی (۱۸۴)

جلائیں کوئی مرد عورت کی خاطر
ستی ہوتی ہے عورت سو ہے ظاہر (")

کرے کاں تک کوئی قبروں کا ساماں
ہوا وہ شہر سب گنج شہیداں (۱۸۵)

آغاز :-

کیا یک تازہ جشن بادشاہی   درخشاں شب کو نور صبح گاہی
ہزاروں شمع اور قندیل روشن   زمین و آسماں گلزار و گلشن
گل قندیل کھلتی تھی ہوا پر   یہ شمع سرو تھی ہر جا بجا پر
طلائی گل چراغوں سات گلہائیں   نہ دیکھی شمع کے بن سرو ہمیں

اختتام :-

مجازی عشق ہے گاہ جعفری شاہ   کہ ہے گا رات دن رعنا کے ہمراہ

یہ نسخہ مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب کا عطیہ ہے جس کو
۱۳۵۵ھ میں ادارے کے کتب خانہ میں داخل کیا گیا۔

---

(۴۶) دیوان داؤد [۵۱۵]

اوراق ۱۵ - سطور ۱۸ فی صفحہ۔
تقطیع ۶" × ۳/۴ ۷"۔ خط نستعلیق۔
مصنف مرزا داؤد اورنگ آبادی
سنہ تصنیف قبل ۱۱۶۸ھ۔ کاتب تمکین کاظمی
سنہ کتابت ۱۳۲۶ھ بمقام گلبرگہ

مرزا داؤد اورنگ آباد کے مشہور شاعر ولی کے جانشین
تھے۔ ان کے آبا و اجداد بلخ سے عہد اورنگ زیب میں
اورنگ آباد آئے اور منصب سے سرفراز ہوئے۔ داؤد

اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور وہاں کے ذوق علم و فضل سے بہرہ یاب - ولی اورنگ آبادی کا ذکر بعض اشعار میں کیا ہے مثلاً

کہتے ہیں سب اہل سخن اس شعر کو سُن کر
تجہ طبع میں داؤد ولی کا اثر آیا (۷)

سند یو بس ہے تجھے مصرع ولی داؤد
"کہ تجہ کو شور قیامت سے بے نیاز کیا" (۲)

راست اے داؤد کہتا ہے ولی
"عشق میں صبر و رضا درکار ہے" (۲۵)

بعد از ولی ہوسے ہیں کئی شاعراں ولیکن
داؤد شعر تیرا مشہور ہے دکن میں (۱۸)

حق نے بعد از ولی تجھے داؤد
صوبۂ شاعری بحال کیا (۳۱)

مرزا داؤد کا ذکر شفیق، فتوت، حمید، میر تقی میر اور عبدالجبار خاں آصفی نے اپنے اپنے تذکروں میں کیا ہے۔ مرقع سخن میں بھی ان کے حالات درج ہیں - ان کے فرزند جمال اللہ عشق (متوفی ۱۱۹۵ھ) بھی اُردو کے اچھے شاعر تھے۔

شفیق نے مرزا داؤد کی وفات کا قطعہ تاریخ یہ لکھا ہے :-

بلبل گلزار معنی طوطی رنگیں بیاں
از غم آباد جہاں بگذشت چوں تیر از کماں
مصرع تاریخ فوتش گفت با من ہاتفے
گو برفتہ میرزا داؤد از فانی جہاں
۱۱۹۶ھ

داؤد کے اس دیوان میں تقریباً ۱۶۰۰ اشعار ہیں

بعض شعر حُبِّ اہل بیت میں بھی کہے گئے ہیں جملہ ۴۷ غزلیں ہیں جن میں سے اکثر مختصر یعنی ۴ یا ۵ اشعار کی ہیں

آغاز :-

ہوا وہ فارغ التحصیل علم عشق بازی کا
مطالع جو کیا دل سوں کتاب بے نیازی کا
مثال شمع گلتا ہے اگن میں عشق کے جل جل
قلم تقدیر میں کھینچا ہے جس کی تن گدازی کا

اختتام :-

مثل آدم کے غرض مجہ کو نہیں جنت سوں
حسن اُس یار ستمگار کا گندم گوں ہے
سنگ رسوائی طفلاں سوں جنوں ہے ظاہر
سیر کر میر ایس دل میں عجب ہاموں ہے
دیکھ زنجیر تری زلف کی اے لیلیٔ حسن

. . . .

ترقیمہ :-

"حضرت والد ماجد کے کتب خانہ میں دیوان داؤد کا قلمی مُطلا مذہب نسخہ تھا اور اس کی ایک نقل خود حضرت قبلہ کی قلمی تھی ۱۹۱۲ء میں دیوان نذر دیمک ہوگیا البتہ نقل جو میرے ساتھ تھی محفوظ رہی - مولوی ابو عمر صاحب نے نقل مجہ سے لیکر ۱۹۲۴ء میں بہبود علی صاحب صفی اورنگ آبادی سے نقل النقل کرا لیا اور نقل دست بدست چلے گئی - میں نے اسی صفی صاحب کے نقل کردہ نسخہ سے یہ نقل کیا ہے - آخری غزل کے مقطع کا مصرع ثانی ضائع ہوگیا اور کلام مکمل ہے -

تمکین کاظمی - گلبرگہ ۶ ستمبر ۱۹۲۶ء"

جلد کے ابتدائی اوراق میں لکھا ہے :۔

"محبی مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کی خدمت میں
حقیر تحفہ فقط تمکین کاظمی ۔"

"محبی ڈاکٹر زور کی خدمت میں تحفہ
ہاشمی ۲۷ ر رمضان ۱۳۵۶ھ"

یہ نسخہ راقم نے دوسرے خانگی عطیوں اور تحفوں
کے ساتھ ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانۂ مخطوطات
میں داخل کردیا ہے ۔

(۴۷) تحفۃ النصائح [۵۱۵ ب]

اوراق ۲۸ - سطور فی صفحہ ۱۸ -
تقطیع - ۶" × ۳½" - خط نستعلیق -
مصنف قطب الدین رازی - سنہ تصنیف
۱۰۴۵ھ - کاتب تمکین کاظمی - سنہ کتابت
۱۹۲۶ء

یہ کتاب ادارے کے اُردو مخطوطے نمبر ۱۶۱ کا
دوسرا نسخہ ہے جو ناقص الآخر ہے ۔ اصل کتاب میں ۴۵
ابواب ہیں ۔ اس نسخے میں صرف ۲۹ ابواب نقل کئے
گئے ہیں ۔ تیسویں باب کی سرخی لکھ کر کتابت ختم کردی گئی
ہے ۔

آغاز :۔

بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
بن دھار کر اسماں رکھیں تارے سورج چندا قمر
دیتا بزرگی عرش کوں بخشی اوڑے یک پایہ تجھے
جوں بیچ برساں چارسو انپڑے بڑاں پایہ دگر

اختتام :۔

جوں پاس تجہ خادم اچھے خدمت تری دائم کرے
اس دی نوا پر کھڑے نہیں چال اپنا بن کر
باب سی در بیان نرمی و حلم نمودن باہمہ مرداں گوید۔

ترقیمہ :۔

اس کتاب کے شروع میں وہی ترقیمہ ہے جو
دیوان داؤد (نمبر ۴۶) کے ساتھ درج کیا گیا ہے ۔
ایک ہی کاغذ ، قلم اور جلد میں دونوں کتابیں شامل ہیں ۔

(۴۸) توشۂ عاقبت [۵۱۵ ج]

اوراق ۴ - سطور ۱۸ فی صفحہ
تقطیع ۶" × ۳¾" - خط نستعلیق -
مصنفہ منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں ۔
سنہ تصنیف قبل ۱۱۱۷ھ - کاتب تمکین کاظمی
سنہ کتابت ۱۹۲۶ء -

علم دین میں ایک ناقص الآخر رسالہ ہے جس کے
آغاز میں حمد و نعت قدیم مثنویوں کی شکل میں لکھی گئی ہے ۔
اور سبب تالیف کتاب اُردو نثر میں ہے ۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ مصنفہ نے بارہ ابواب نثر میں پوری کتاب کو
مرتب کیا تھا ۔ اس نسخے میں حمد و نعت و مناجات اور سبب
تالیف کتاب کے علاوہ اصل کتاب سے دو باب نقل کئے
گئے ہیں ۔

مصنفہ اور زمانہ تصنیف کی نسبت معلومات خود کتاب
میں اس طرح درج ہیں :۔

بعد اس کے کہتی ہے کمترینہ خادمان حضرت رسول اکرم

ضعیفہ خاکسار منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں ولد اللہ ویردی بیگ خاں جس وقت کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں نواب ذوالفقار خاں دکھن کا صاحب مقرر ہوا تھا اس وقت خان موصوف پائیں گھاٹ میں داخل ہو اور ترنا پلی سے صوبۂ کرنول تک کی حکومت کرتے تھے جب یہ کمینہ سمجھی کہ دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اس واسطے ضروری مسئلے اور احکام اور ارکانِ نماز اور روزہ اور حج اور زکات وغیرہ کے سب کتابوں سے چُن کے اس رسالے کے بارا باب میں جمع کئے اور سونے کے حل سے لکھ کر توشۂ عاقبت اس رسالے کا نام رکھی۔"

مزید معلومات کسی اور جگہ سے حاصل نہ ہوسکیں زبان بہت بعد کی ہے اس لئے یہ نسخہ مشتبہ ہے۔

آغاز :-

منور کروں دل زحمد کریم	کہ پیدا کیا جس نے عرشِ عظیم
کیا جس نے پیدا جہاں از عدم	اور پیدا کیا جس نے لوح و قلم

اختتام :-

بعضے روایت میں مبالغہ اس میں بہت کیا ہے
اور انگلی سے پانی ناک میں پراگندہ کرنا
تا پردۂ بینی کو پہنچے اور بعض روایت میں یہ
مبالغہ کو سنت کیا ہے۔

ترقیمہ :-

وہی ہے جو نسخہ نمبر ۴۸ کے بعد لکھا گیا ہے کیونکہ یہ تینوں نسخے (نمبر ۴۶، ۴۷، ۴۸) ایک ہی جلد میں اور ایک ہی قلم سے ہیں۔

(۴۹) عقاید نامہ [۶۰]

اوراق ۱۲۔ سطور ۱۳ متن میں اور ۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ۔ کاتب میر حسین کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ۔

محمد باقر آگاہ ویلور میں ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے ان کے والد محمد مرتضیٰ بیجاپور سے ویلور آکر متوطن ہو گئے تھے۔ آگاہ نے اپنے مرشد شاہ ابوالحسن قربی سے فیضِ باطنی حاصل کیا جس کا تقریباً ہر تالیف میں ذکر کیا ہے۔ آگاہ بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے ۱۵ سال کی عمر ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ عربی میں آگاہ اور اُردو میں باقر تخلص اختیار کیا۔ مشہور ہے کہ انھوں نے ۳۰ کتابیں لکھیں۔

آگاہ کے علم و فضل کی ایسی شہرت ہوئی کہ نواب والا جاہ نے اِن کی بڑی قدر و منزلت کی اور اپنے فرزندوں (امیر الامراء اور عمدۃ الامرا) کا اتالیق مقرر کیا الپود کی جاگیر عنایت کی اور آخر کار معتمد خاص کے عہدہ پر فائز کیا۔ آگاہ نے ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی اور مدراس میں مدفون ہیں۔

آگاہ اُردو کے بہت بڑے محسنوں میں سے ہیں۔ نثر اور نظم دونوں پر قابو تھا۔ غزل، قصیدہ، مثنوی ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ واقعہ یہ ہے کہ دکھنی علم و فضل اور شعر و سخن اُن پر ختم ہو گیا اُن کے بعد جنوبی ہند میں اتنا

بڑا ادیب اور شاعر پیدا نہ ہوسکا۔ وہ میرؔ اور سوداؔ کے ہم عصر تھے لیکن زبانِ قدیم استعمال کی ہے اس لئے شمالی ہند میں شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

آگاہؔ کی حسب ذیل اُردو کتابیں اس وقت تک دستیاب ہوئی ہیں:-

(۱) عقاید نامہ (۲) تحفۃ النساء (۳) ہشت بہشت (آٹھ حصوں میں) (۴) ریاض الجنان (۵) محبوب القلوب (۶) حاشیہ من دین (۷) تحفۂ احباب (۸) معراج نامہ (۹) ہدایت نامہ (۱۰) گلزارِ عشق (۱۱) روپ سنگار (۱۲) دیوانِ آگاہ (۱۳) روضۃ الاسلام (۱۴) فرائد در عقاید (۱۵) ریاض السیر (۱۶) خمسۂ متحیرہ (۱۷) فرقۂ اسلام

ان میں سے تقریباً نصف کتابوں کے نسخے ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ زیر نظر نسخہ آگاہؔ کی غالباً پہلی اُردو تصنیف ہے کیونکہ اس میں وہ لکھتے ہیں ؎

کہاں میں کبھی دکھنی میں اشعار   مجھے ہے شعر کہنے سے بہت عار
و لے یہ نظم بولیا بالضرورت   پڑے تا اوسکو ہر اُمّی عورت

اس مثنوی میں ۵۰۰ ابیات ہیں۔ حمد و نعت سے ابتدا کر کے سببِ تصنیف بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اہلِ سنت کے عقاید واضح کئے گئے ہیں۔ آخری حصہ میں رویتِ حق تعالیٰ کا بیان کر کے مناجات پر کتاب ختم کردی ہے۔ اس حصہ میں اپنا تخلص اس بیت میں لکھا ہے۔ ؎

تو رکھ باقرؔ اُپر نت پیار اپنا   عنایت کر اُسے دیدار اپنا

سنہ تصنیف نہیں لکھا لیکن 'ہشت بہشت' کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی ہے۔ (دیکھو ورق ۱۷ ب)

آغاز :-

ثنا ہور حمد ہے حق کوں سزاوار   کہ ہے قدرت کا جس کے سب پو بستار
کیا جب اپنی قدرت کوں ہویدا   کیا یک کن سے سب عالم کو پیدا
محمد کوں کیا سالار ہستی   طفیل اوس کے ہے سب بالا و پستی
کیا سب انبیا کا اوسکوں سرور   شرف اوسکوں دیا سب خلق اوپر

اختتام :-

بچا منج دلکوں ہر محنت سوں یارب   بچا منج تن سے ہر زحمت کوں یارب
منجے دے صحت و قوت خدایا   نگہہ رکھ آبرو حرمت خدایا
سدا رکھ منجہ کوں اپنے دھیان کے ساتھ
بچا آخر منجے ایمان کے ساتھ
بحمد اللہ ہوا یہ نامہ آخر   بحق مصطفیٰ سلطان فاخر

ترقیمہ نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد اُسی کاتب نے 'کتاب ہشت بہشت' شروع کردی ہے۔ جس کے ختم پر یہ ترقیمہ ہے :-

"تمت بالخیر تمت رسالۂ ہشت بہشت در سیر وشمایل سید موجودات وخلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ وسلم۔ من تصنیف مولوی محمد باقر آگاہ شافعی بیجاپوری ایلوری سلمہ اللہ تعالیٰ بتاریخ دویم شہر ربیع الثانی روز دوشنبہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری۔ کاتب میر حسین علی کرمانی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ آمین یا رب العالمین "

اعلیٰ کاغذ اور پاکیزہ خط کے علاوہ جس اہتمام سے باقر آگاہ کی یہ کتابیں نقل کی گئی ہیں۔ وہ ظاہر کرتا ہے کہ غالباً نواب والاجاہ نے یہ نسخہ نقل کرایا ہے اور اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ

آگاہ کی زندگی ہی میں اور رسالہ ہشت بہشت کی تصنیف
تکمیل کے دوسرے ہی سال لکھوایا گیا ہے۔

---

(۵۰) تحفۃ النساء [۶۱]

اوراق ۱۰۰۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۲ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ x ۹ ۔
خط نستعلیق پاکیزہ عنوانات سُرخی میں۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف
۱۱۸۵ھ۔ کاتب میر حسین علی کرمانی۔
سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ آٹھ سو ابیات کی مثنوی ہے۔ تعداد ابیات اور
سنہ تصنیف مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

ہیں آٹھ سو اوس کی جملہ ابیات	پڑھنے میں ہے اس کی عبادت برکات
گیارہ سو اوپر بھی پچ پچاسی	ہجرت سے بنا ہے تب یہ رکھ یاد

ابتدا میں حمد، نعت، منقبت محبوب سبحانی،
مدح سید ابوالحسن قادری، اور مناجات کے بعد سبب
تصنیف اور نام کتاب اس طرح بیان کیا ہے ؎

یہ نسخہ کہ ہے عجیب نادر	مخصوص ہے عورتاں کے خاطر
عورات کے واسطے بنیا ہے	نام اس کا بھی تحفۃ النسا ہے

اس کتاب میں آگاہ نے حسب ذیل مقدس
خواتین کے حالات لکھے ہیں:۔

فاطمہ زہرا۔ زینب۔ رقیہ۔ اُمّ کلثوم۔ خدیجہ۔
عائشہ۔ حفصہ۔ زینب بنت خزیمہ۔ سودہ۔ اُمّ سلمہ۔
زینب بنت جحش۔ جویریہ۔ ام حبیبہ۔ صفیہ۔ میمونہ۔
ماریہ۔ فاطمہ صغریٰ۔ نفیسہ۔ اُمّ الخیر فاطمہ۔ ام محمد عائشہ۔
رابعہ بصریہ۔ معاذہ۔ شعرانہ۔ فاطمہ خراسانیہ۔ اُمّ علی۔
ام محمد۔ رابعہ۔ حکیمہ۔

آغاز:۔

ہے حمد و ثنا اُسے سزاوار	بخشش کو نہیں ہے تیرے کچھ بار
لطف و کرم اس کا بے غرض ہے	دیتا ہے جو کچھ سو بے عوض ہے
نا پیار کوں اسکے کچھ ہے غایت	نا قہر کوں اوس کے ہے نہایت

اختتام:۔

اس نسخے کوں میرے کرتوں مقبول	برلا توں کرم سیتے یہ مامول
رکھ مجکوں ہمیشہ عافیت سات	نت مجکوں چلا تو راہ حسنات
دیں بیچ کر استمام میرا	ایمان پہ کر اختتام میرا

ترقیمہ:۔

در تمت تمام شد۔ کاتبہ میر حسین علی در سنہ ۱۲۰۹

---

(۵۱) ہشت بہشت [۶۲]

اوراق ۱۱۹۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۲ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ x ۹۔ خط نستعلیق
پاکیزہ عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر
آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ تا ۱۲۰۰ھ
کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ سیرت النبی کے موضوع پر آٹھ رسائل کا مجموعہ
ہے جن سے قبل آگاہ نے نثر (۵ صفحات) اور نظم (تقریباً
۱۰۰ ابیات) میں ایک بسیط دیباچہ علمی لکھا ہے جس میں
آٹھوں رسائل کے سبب تالیف، موضوع اور ماخذوں پر

تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ چونکہ ہر رسالہ بجائے خود ایک کتاب ہے اور علٰحدہ علٰحدہ کتابی شکل میں ان کے مخطوطے ملتے ہیں اس لئے ان کے موضوع اور تفصیلات کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ کیا جائے گا۔ البتہ ان رسائل کی تاریخ تصنیف وغیرہ سے متعلق آگاہ نے جو باتیں دیباچے میں بیان کی ہیں ان کا ضروری اقتباس یہاں درج ہے۔

"چھے رسالے اول کے مع رسالۂ عقاید وتحفۃ النسا، سنہ یکہزار ویک سو اور اسی اور پانچ میں اور ۱۱۸۶ھ میں بنے ہیں پیچھے اوس کے بہت ڈھیل ہوئی کیا واسطے کہ یک رفیق باتوفیق وجلیس انیس کہ ان رسالوں کا طالب اور اپنے خیر کے کاموں پر راغب تھا سو رحلت کیا۔ حق تعالے اس پر رحمت کرے اور اوسے اپنی مغفرت سے نوازے۔ اور بہت موانع بھی درپیش ہوئے۔ ہرچند اس اثنا میں بعض دوستاں واسطے دوسرے رسالوں کے بولے ہیں اتفاق اون کے بنانے کا نہیں ہوا۔ آخر ابتدا سنہ ایک ہزار اور دوسو اور چھے میں رسالہ من درپن اور رسالہ من جیون بنانے کا اتفاق ہوا۔ اور رسالۂ آرام دل میں بیان عادات شریف کا اور رسالۂ راحت جاں میں بیان اکثر خصائص امت کا اور رسالۂ جگ سوہن میں حضرت کی نبوت سے تا وفات اونکی صلی اللہ علیہ وسلم داخل کیا گیا۔ ان آٹھ رسائل میں تخمیناً آٹھ ہزار اور چھے سو اور پچاس بیت ہیں۔ اور سرخیوں کے ساتھ نو ہزار بیت ہوتے ہیں ... ... ان سب رسالوں میں شاعری نہیں کیا ہوں۔ بلکہ صاف وسادہ کہا ہوں اور اردو کی بھاکا میں نہیں کہا۔ کس واسطے کہ رہنے والے یہاں کے اوس بھاکا سے واقف نہیں ہیں۔ اے بھائی یہ رسالے دکھنی زبان میں ہیں کر کر سہل اور سرسری نجان۔ کیا واسطے کہ بڑے معتبر کتب سے تحقیق کر کے لکھا ہوں" (ورق ۱۷ب و ۱۸الف)

اس کے بعد ماخذوں کی تفصیل بیان کی ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:-

عربی | تفسیر بغوی۔ فتح الباری۔ کتاب شفا۔ عیون الاثر۔ شمائل ترمذی۔ شرح ملا عصام۔ شرح شیخ ابن حجر مکی۔ مواہب لدنیہ۔ بہجۃ المحافل۔ تاریخ ابن کثیر۔ رسائل مولود شریف سیوطی وسخاوی۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب۔ وفاء الوفا۔ جواہر العقدین۔ حسن التوسل۔ در منضود۔ وسیلہ حسنی۔ تحفۃ الغریب۔ تحفۃ الاخیار۔ فتح المتعال۔ حیاۃ الحیوان۔

فارسی | روضۃ الاحباب۔ معارج النبوۃ۔ شواہد النبوۃ۔ مدارج النبوہ۔ جذب القلوب۔

آخر میں وضاحت کی ہے کہ پوری کتاب کو بارہ حصوں میں اس لئے تقسیم کیا گیا ہے کہ ربیع الاول کے بارہ دنوں میں لوگ محفلوں اور مجلسوں میں پڑھیں۔ آخر

میں سیر و شمائل نبی کی برکات تقریباً سوابیات میں بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ ہر رسالہ بجائے خود مکمل ہے اور اپنے علٰحدہ نام سے مشہور ہے۔ اس لئے ہر ایک کو علٰحدہ علٰحدہ بیان کیا جائے گا۔ یہاں صرف دیباچہ کے آغاز و اختتام کو درج کیا جاتا ہے کیونکہ دیباچہ بجائے خود کلیات حالی کے مقدمہ "شعر و شاعری" کی طرح ایک کتاب ہے۔

آغاز :۔

"حمد و سپاس حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کتیں
سزاوار ہے کہ نعمتاں اوس کی گننے سے
بجار ہیں۔ اور درود و سلام اوپر جناب
سید عالم کے صلی اللہ علیہ وسلم کہ فضائل
و بزرگیاں اون کی بے شمار ہیں اور اوپر
آل و اصحاب اون کے کہ سب اولیائے
اُمت سے بہتر اور تمام امتوں کے سردار
و مہتر ہیں۔ اور اوپر تابعاں اون کے
کہ شریعت اور حقیقت کوں مدد کئے ہیں۔
اور دین کے احکام و اسرار کوں رواج
دیئے۔ خصوصاً اوپر حضرت غوث الاعظم
کے کہ مقرباں کی سند اور محبوباں کے
سید ہیں۔
بعد حمد و نعت منقبت کے محمد باقر
آگاہ شافعی قادری بیجاپوری الیلوری
توفیق دیوے اوسے حق سبحانہٗ تعالیٰ
کہتا ہے کہ :۔"

اختتام :۔ جس کے تیں سرور اوپر ایمان ہے
ہور وہ دل سے اوس اوپر قربان ہے۔
گر وہ خوش ہوئے شاہ کے مولود سے
نعمتاں کیا کیا ملیں گے گو اوسے
نعمتاں اوس کی ہیں بے حد اے خدا
دے تو یہ توفیق مومن کو سدا

ترقیمہ :۔

نسخہ نمبر ۹۴ میں درج ہے۔

---

(۵۲) من دیپک [۱۶۲ (۱)]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶″ × ۹″۔
خط نستعلیق پاکیزہ عنوانات سرخی میں
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔
سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ۔ کاتب میر حسین علی
کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ ہجری۔

یہ ہشت بہشت کا پہلا حصہ ہے۔ اس کے موضوع و ترتیب کے متعلق آگاہ نے ہشت بہشت کے دیباچہ میں یوں لکھا ہے :۔

"رسالہ اول کا نام من دیپک ہے۔ اس رسالہ میں حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مقدس کا ذکر ہے۔ یعنے حق سبحانہٗ تعالیٰ اوس نور اقدس کوں سب موجودات کے اول پیدا کیا اور اس کے طفیل سے سب علویات و سفلیات کوں ہویدا کیا اور اس نور اشرف کوں ہر پشت پاک سے ہر شکم پاک میں نقل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نور لطیف حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ میں آیا۔" (ورق ۱۷)

من دیپک ۲۰۶ ابیات کی مثنوی ہے۔
حمد و نعت و منقبت محبوب سبحانی و مدح سید الوالحسن قربی کے بعد سبب تصنیف بیان کیا گیا ہے۔ آگاہ نے اپنے ایک دوست کی فرمائش پر ۱۲۰۷ھ میں لکھی تھی۔ اپنا تخلص ہر جگہ باقر لکھا ہے۔ وہ اُردو کتابوں میں باقر ہی تخلص کرتے تھے۔

آغاز :-

جس حمد کو نہیں آخر اول | ہے خاص خدائے عز و جل
نا ذات کو اس کے غایت ہے | نا وصف کو اس کے نہایت ہے

اختتام :-

ہے تیرے پہ ظاہر سب حال | کر لطف سے اپنے مجکو بحال
نت بھیج تو اے رب اکبر | تسلیم ترے محبوب اُپر

ترقیمہ :-
چند رسالوں کے آخر میں ایک ہی جگہ درج ہے۔ جو نسخہ ۴۹ کے بیان میں نقل کیا جا چکا ہے۔

---

(۵۲) من ھرن [۲) ۶۲)]

اوراق ۱۴ - سطور ۱۳ متن میں اور ۲۲ حاشیہ پر - تقطیع "۶×"۹ - خط نستعلیق پاکیزہ، عنوان سرخی ہیں - مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری - سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ کاتب میر حسین علی کرمانی - سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

ہشت بہشت کا دوسرا حصہ ہے۔ ابیات کی تعداد رسالے کے آخر میں خود مصنف نے ۶۵۱ ظاہر کر دی ہے۔

بنگاسب ابیات کا اس کے عدد | شش صد و پنجاہ و یک ای باخرد

موضوع کے متعلق بھی مصنف نے دیباچہ عمومی (۴۷) میں وضاحت کر دی ہے۔ وہ کہتا ہے :-

"اس رسالے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کا بیان ہے یعنے وہ بشارات کہ حق تعالیٰ حضرت کے ظہور سے اپنی کتابوں میں دیا اور اون کے پیغمبران صلی اللہ علیہم وسلم اور نجومیاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے سے خبر دیئے ہیں۔"
(ورق ۱۷)

اس میں بھی اصل مطلب شروع کرنے سے قبل حمد، نعت، منقبت، مدح مرشد اور سبب تصنیف کی سرخیاں قایم کی گئی ہیں۔ کتاب کا نام اس بیت میں لکھا ہے :-

نام رکھا ہوں میں اسے من ہرن | ہے او سب عشاق کے تیں من لگن
(ورق ۳۵ ب)

آغاز :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم | گنج قدم کا ہے طلسم عظیم
بلکہ امانت ہے ہر حرف اسم | گنج حقایق کے ہزاراں طلسم

اختتام :-

تجہ سے میں ہر لحظہ ہوں امیدوار | کب تلک ای شاہ کروں انتظار
منتظراں را بلب آمد نفس | اے ز تو فریاد تو فریاد رس
حق سے تحیات و صلوٰۃ و سلام | روح مقدس پہ تری صبح و شام

(۵۴) من موہن [۶۲ (۳)]

اوراق ۱۷۔ سطور ۱۳ متن میں اور
۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق
پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف
محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ
کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

ہشت بہشت کا تیسرا حصہ ہے جو ۷۲۰ ابیات
پر مشتمل ہے۔ آخری حصے میں سنہ اور تعداد ان ابیات میں
بیان کی ہے۔

چار دہ کم اٹھے زبارا سو | سال ہجرت سے یو ہوا ہے تو
سب یہ ابیات اس کی بے تکرار | سات سو کے اوپر ہیں بیس اے یار

(ورق ۶۳ ب)

کتاب کا نام ابتدائی حصہ میں اس طرح واضح کیا ہے

رکھ یو نسخے کا ناؤں من موہن | کر وسیلہ اسے تو احمد کن

دیباچۂ عمومی میں موضوع کی یوں وضاحت کی ہے۔

"اس رسالے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حالات کا بیان ہے یعنے جو معجزات کہ مدت حمل
اور ولادت اور دودھ چھڑائی اور خرد سالی
میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے
اوس حد تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی آٹھ برس کی عمر ہوئی ہے۔"
(ورق ۱۷)

اس کی ترتیب بھی بالکل پہلے دو رسالوں جیسی ہے۔
البتہ خاتمہ ایک غزل پر کیا ہے۔

آغاز:-

اے تیری حمد میں بیاں حیراں | بوج میں تیری جسم و جاں حیراں
نہ تری ابتدا کوں غایت ہے | نا نہایت کوں کچھ بدایت ہے

اختتام:-

بیاں تلک قصہ مجہ اوپر نہ کرو | آخر اے ذوالعطا تمہارا ہوں
عفو باقر کی اب کرو تقصیر | از برائے خدا تمہارا ہوں

---

(۵۵) جگ سوہن [۶۲ (۴)]

اوراق ۱۷۔ سطور متن میں ۱۳ اور
۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق
پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر
آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ
کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

ہشت بہشت کا چوتھا حصہ جس میں ۸۱۷ ابیات
ہیں۔ نام، سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کے اظہار کے لئے
یہ بیتیں وقف کی گئی ہیں۔

رکھ یو نسخے کا لقب جگ سوہن | ہر دل پاک کا ہے من موہن

(ورق ۶۵)

کم اٹھے پانزدہ از بارہ سو | سال ہجرت سے بنا ہے یہ تو
اس کی بیتوں کا عدد سن تو اب | آٹھ سو کے ہیں اپر سترا سب

(۸۰ ب)

اس رسالے میں آٹھ سال کی عمر سے وفات تک کے
حالات سرور کائنات بطور اجمال قلمبند کئے گئے ہیں۔ ترتیب
دوسرے رسالوں کے مطابق ہے۔

آغاز:-

اے تیری ذات میں حیراں اصل | اے تیرے وصف میں ناداں عاقل
نا تجے اول و نا آخر ہے | نا تجے باطن و نا ظاہر ہے

اختتام :-

کر نہیے پوں ترے محبوب میں گم | کہ ہو پھر مری ہستی کوں اگم
خاتمہ کرتوں مرا ایمان پر | بحق ختم رسل خیر البشر

(۵۶) آرام دل [۶۲ (۵)]

اوراق ۲۷۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۱۲ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق
پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔ ۲ مطلا و مذہب
نقشے نعلین مبارک کے۔ مصنف محمد باقر
آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ۔
کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ ہشت بہشت کا پانچواں حصہ ہے جس میں
بارہ سو باون ۱۲۵۲ ابیات ہیں۔ تعداد ابیات اور سنہ تالیف
خود مصنف نے بھی خاتمہ کی ان ابیات میں لکھ دیا ہے :-

کیا اس کی بیتوں کو میں جب عدد | ہوئے یکہزار و پچاس و دو صد
ہزار اور یکسو و ہشتاد و پنج | تھے ہجرت کے برساں ہوا تب یہ گنج

اس رسالے کے موضوع اور ترتیب کے متعلق مصنف
نے 'ہشت بہشت' کے دیباچہ میں لکھا ہے :-

"اس رسالے میں تین باب ہیں۔ باب اول میں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمایل کا بیان ہے
باب دویم میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اخلاق کا ذکر ہے۔ باب سیوم میں حضرت صلعم
کے عادات مذکور ہیں۔"

رسالے کے آغاز میں حمد و نعت و مناجات ہے ؛ اور
ابتدائی رسالوں من دیپک، من ہرن، من موہن اور
جگ موہن کے موضوعوں کا بھی تذکرہ کرکے اس رسالہ کا
سبب تالیف بیان کیا ہے۔

آغاز :-

جہاں تک ہے عالم میں حمد و ثنا | سزاوار ہے تجھ کو یا ربنا
ہیں سب عاقلاں جگ کے حیرت میں | کہ پوچی نہیں عقل تیرے کنے

اختتام :-

الٰہی بحق نبی الہدیٰ | مجھے عافیت بیچ رکھ توں سدا
مرا خاتمہ کرتوں ایمان پر | بحق محمد سراج البشر

ترقیمہ :-

مخطوطہ نمبر ۴۹ کے آخر میں درج ہے۔

(۵۷) راحت جاں [۶۲ (۶)]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۳ متن میں ۱۲ حاشیہ پر
تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔ عنوانات
سرخی میں۔ مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔
سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ۔ کاتب میر حسین علی
کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ۔

یہ چھ سو ۶۰۲ دو ابیات کی مثنوی ہے جو مجموعہ
ہشت بہشت کا چھٹا حصہ ہے۔ اس میں انحضرت پیغمبر اسلام
صلعم کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب پر مصنف
نے ۱۱۸۶ھ میں اپنی سیرۃ النبی (ہشت بہشت) کا کام
ختم کر دیا تھا۔ لیکن بعد کو ۱۲۰۱ھ میں اور دو رسالے
'من جیون' اور 'من درپن' لکھ کر اور اس طرح حیات نبی

کو آٹھ رسالوں میں مکمل کرکے اُن کے مجموعے کا نام ہشت بہشت
رکھا۔

حمد و نعت و منقبت محبوب سبحانی اور مدح سید ابوالحسن
قربی کے بعد سبب تالیف کتاب بیان کیا ہے کہ مجھ سے قبل
کسی نے آنحضرت کی خصائص پر اُردو میں نہیں لکھا۔ اس کتاب
کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں ان خصوصیتوں کا
ذکر ہے :-

قسم اول جو اتھے غرض اس اپر — نیں اتھی امت کوں شرکت اس ہنر
قسم ثانی جو اتھے شہ پر حرام — ہور اتھے امت پو جائز اے ہمام
قسم ثالث جو اتھے اوس پر حلال — ہور تھے امت پر حرام ای جگ اجال
قسم چوتھی میں فضائل ہیں تو جان — کر دیا ہی حق اُسے کرنا بیان

آغاز :-

حمد بے حد ہور ثنا ہی بے عدد — ہے سزاوار خداوند صمد
عرش و کرسی ساتھ ہور ساتوں کُھم — علم میں جس کے ہیں یک ذرہ سوں کم

اختتام

ہور شہادت پر مرا انجام کر — ہور مدینہ بیچ میرا کر مقر
راحت جاں یاں ہوا پورا تمام — از طفیل مصطفیٰ شاہ انام

ترقیمہ کے لئے دیکھو بیان مخطوطہ نمبر ۵۹ -

(۵۸) من درپن [۶۲ (۷)]

ورق ۶۰ - سطور ۱۳ متن میں -
۲۴ حاشیہ پر - تقطیع ۶ × ۹ -
خط نستعلیق پاکیزہ - عنوانات سرخی میں
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری - سنہ تصنیف
۱۲۰۶ھ - کاتب میر حسین علی کرمانی
سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ ہشت بہشت کا ساتواں حصہ ہے جس میں تین ہزار
ایکسو اکسٹھ ابیات ہیں۔ اس میں آنحضرت کے جملہ معجزے
نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس موضوع
پر یہ اُردو کی ایک نہایت مبسوط کتاب ہے۔ مصنف لکھتے
ہیں کہ میں نے اجمال سے کام لیا ہے ورنہ یہ کتاب
ساٹھ ہزار ابیات تک پہنچتی۔

حمد و نعت، منقبت محبوب سبحانی و مدح سید ابوالحسن قربی
کے بعد سبب تالیف درج ہے۔ سنہ تالیف آخر کتاب
میں یوں لکھا ہے:-

تھے بارہ سو کے اوپر چھے برس جب
ہوا یہ نسخۂ دل کش مرتب

معجزوں کے ختم پر عرض احوال بیان کیا ہے جس
میں انتہائی انکساری کا اظہار کیا ہے اور اپنی پریشانیوں
اور ضعیفی کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

میں ہوں کس حال میں توں جانتا ہے
ہوں کس جنجال میں پہچانتا ہے
ہیں میری مشکلاں سب تجکوں معلوم
ہیں میری کلفتاں سب تجکوں مفہوم
ہوا ہوں سب طرف سے میں اداسی
نہ کر ایسے نراسی کوں نراسی
ہوا ہوں ضعف و بیماری سے حیراں
طبیباں پاس نیں ہے میری درماں

ہوئی عاجز دوا میری دعا بھی — ہوئی عاجز میری طاقت غذا بھی
مرا خاطر پراگندہ ہوا ہے — نپٹ دنیا ستی گندا ہوا ہے۔
چھوڑا اے صاحب اسرار ادنیٰ — مجھے دنیا سے ہور از اہل دنیا

مجھے دے انکی صحبت سے رہائی　　عنایت کر اپس کی آشنائی
ضعیفی سے ہوا ہوں میں میں گیر　　نہیں کچھ سوجھتی ہے مجکوں تدبیر
مدام اس فکر میں ہے یہ کمینہ　　کہ چلنا سر سے جاوے تا مدینہ
ہوں رہنے سوں یہاں کے بہوت بیزار　　بہت اس بات سے پاتا ہوں آزار
ہوا ہے کفر کا یہاں گرم بازار　　مسلمانان اوپر ہے سخت دشوار
سماں یہ مشکل اون پر آگھڑا ہے　　پہاڑ اون کے سر اوپر آپڑا ہے
کدھر جاویں کہ یہ لشکر ہیں تیرے　　اگر ہیں نیک و بد یا کر ہیں تیرے
اگرچہ ہیں بدیاں ان نے گھنیرے　　ولے بے شبہ کہلاتے ہیں تیرے
تو اپنے دین کا ہے آپ حامی　　ہے میری عرض یہ از راہ خامی
بلاشک انکوں دیکھا ظفر تو لے　　کرینگا دشمنوں پر ان کوں تو لے
تو کر یوں دشمناں کوں ان کے پامال　　کہ ہووے تیرا اون پر اون کا ہے زوال
رکھ ان کوں نت ذلیل خوار منکوس
دکھا مت مجکوں اون کی شکل منحوس

آخری اشعار میں اپنے عہد کی سیاسی پریشانی کا ذکر کیا ہے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریز کمپنی کا اثر و اقتدار بڑھ رہا تھا اور اسی کی طرف ان ابیات میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ اس حصہ میں باقرؔ نے غواصیؔ کا اتباع کیا ہے ۔ اور جس طرح غواصیؔ طوطی نامہ میں اپنی ضعیفی اور کمزوری کا اظہار کرتا ہے باقرؔ نے بھی اپنی بیماری اور لاعلاجی کا ذکر کیا ہے ۔ لیکن سیاسی حالات کی طرف نہایت خوبی سے اشارہ کرنے میں باقرؔ نے غواصیؔ پر بھی سبقت حاصل کی ہے ۔

آخر میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی اولاد کا تذکرہ ان ابیات میں کیا ہے :-

مری اولاد کوں سرسبز کر تو　　رکھ اپنے دین پر ثابت انکوں
دے ان کوں خوبیاں دو نو جہاں کی　　دے ان کوں نعمتاں سرد یاں کی
میرے بھایاں کے تئیں بالکیسر اولاد　　ہمیشہ دین ہور دنیا میں رکھ شاد
عطا کر اون کے تئیں خیر و برکت　　یہاں کی ہور وہاں کی از عنایت

آغاز :-

الٰہی کیا لکھوں اوصاف تیرے　　کہ عقل و فکر یہاں حیراں ہیں میرے
ہے کیا طاقت مرے عاجز بیاں کوں　　کہ کھولے حمد میں تیری زباں کوں

اختتام :-

حیات و موت کرامت میں اوسکی　　ہمارا حشر کرامت میں اوس کی
بحمد اللہ ہوا یہ نسخہ آخر　　بحق مصطفےٰ سالار فاخر

ترقیمہ مخطوطہ ۵۹ کے آخر میں درج ہے

---

(۵۹) من جیون [۶۲ (۸)]

اوراق ۱۷ ۔ سطور ۱۳ متن میں ۔
۲۴ حاشیہ پر ۔ تقطیع ۶ × ۹ ۔
خط نستعلیق پاکیزہ عنوانات سرخی میں ۔
مصنف محمد باقر آگاہ دیلوری ۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ
کاتب میر حسین علی کرمانی ۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ مجموعۂ ہشت بہشت کا آٹھواں اور آخری رسالہ ہے جو آٹھ سو اٹھارہ ابیات پر مشتمل ہے ۔ سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کتاب کے آخر میں اس طرح واضح کیا ہے :-

بارا سو اوپر تھے چھے برس جب　　یہ نسخہ خوش ہوا مرتب
ابیات سب اس کے ای دل آرا　　بے عیب ہیں آٹھ سو اٹھارہ

(ورق ۲۰۴ ؤ)

اس رسالے کے موضوع کے متعلق خود مصنف نے

'ہشت بہشت' کے دیباچہ میں لکھا ہے :-

" آٹھویں رسالے کا نام 'من جیون' ہے
اس رسالے میں تین فصل ہیں بفصل اول میں
حضرت صلعم کی محبت کی فرضیت کا اور
اوس کی علامات کا ذکر ہے اور دوسری
فصل میں حضرت صلعم کے درود کے
فضائل کا بیان ہے اور تیسری فصل میں
حضرت صلعم کی زیارت کے فضائل کا ذکر
ہے ۔" (ورق ۱۷ ب)

دیگر رسائل کی طرح 'من جیون' کو بھی حمد ونعت ومنقبت ومدح سے شروع کیا ہے اور خاتمہ میں مناجات لکھی ہے ۔

آغاز :-

اے جو ترا وجود عالم — تجھ علم سے ہے نمود عالم
ہے مہر سے تیری میں اشراق — ہر ذرۂ انفس اور آفاق

اختتام :-

دو جگ منے اپنا مجکوں کر توں — مت مجکو لجا ادھر ادھر توں
مت ہوے خدا سے ذرسب اوقات — روضے پہ ترے سلام وصلوات

ترقیمہ :-

"تمت بالخیر تمت رسائل ہشت بہشت
در سیر وشمایل سید موجودات وخلاصۂ کائنات
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ وسلم
من تصنیف مولوی محمد باقر آگاہ شافعی
بیجاپوری ایلوری سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ تاریخ
دویم شہر ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۰۹ھ
کاتبہ میر حسین علی کرمانی غفر اللہ ذنوبہ وستر
عیوبہ آمین یارب العالمین ۔ "

ان تمام رسائل کا مجموعہ ہشت بہشت دو مرتبہ (۱۲۶۲ھ مطبع راج کشن اور ۱۲۷۰ھ مطبع عزیزیہ میں) چھپ چکا ہے ۔ اس کے نسخے برٹش میوزیم (اورنٹیل ۶۵۰) ببلیوتک نیشنل پیرس (۸۷۲) ۔ کتب خانہ آصفیہ (جلد دوم ص۸۶۸ نمبر ۳۵) ۔ جامعہ عثمانیہ (ص۱۱۲ نمبر ۳۳) مکتوبہ ۱۲۶۹ھ ۔ اور کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر (مکتوبہ ۱۲۵۴ھ و ۱۲۶۲ھ) میں موجود ہیں ۔ لیکن ادارے کے یہ رسائل سنہ کتابت کے لحاظ سے سب میں اہم ہیں اور خود مصنف کی موجودگی میں خاص اہتمام سے نقل کرائے گئے ہیں ۔

---

(۶۰) حاشیۂ من درپن [۶۲(۹)]

اوراق ۶ ۔ سطور ۱۳ متن میں ۔
۲۴ حاشیہ پر ۔ تقطیع ۶" × ۹" ۔
خط نستعلیق پاکیزہ ۔ عنوانات سرخی میں ۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری سنہ تصنیف
درمیان سنہ ۱۲۰۶ - ۱۲۰۹ ہجری
کاتب میر حسین علی کرمانی ۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

اس رسالہ میں تقریباً ۲۵ ابیات ہیں اور اس کا یہ نسخہ غالباً مکمل نہیں ہے ۔ کیونکہ اس جلد کے آخری اوراق ۲۲۳ تا ۲۲۶ سے یہ شروع ہوتا ہے اور اس کے خاتمہ کے دو اوراق جلد کے ابتدائی حصہ میں (اوراق ۱۴ و ۱۵)

شامل ہیں۔ ممکن ہے کہ درمیانی چند اوراق غائب ہوں۔

یہ رسالہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے
چنانچہ حمد و نعت و منقبت کی سرخیاں اس میں نہیں ہیں
ابتدائی چار ابیات بطور تمہید و سبب تالیف لکھی گئی
ہیں اور ان کے بعد اصل کتاب شروع کر دی گئی ہے۔
ان ابیات سے سبب تالیف وغیرہ ظاہر ہو جائے گا۔

پس از حمد خدا و نعت مختار — سن اس مضمون کو گوش آسے یار
کہیں دو پن میں بولا ہیں یہ بیجاز — بائین ہیں قرآں کا اعجاز
جب اس کو مختصر کر دیا ہوں — کئی جا میں اشارت کر گیا ہوں
یہ نظم صاف کے تیں اب کیا ہیں — بطور حاشیہ اوس پر لکھا ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ من . ہشت (بہشت)
کا ساتواں اور ضخیم ترین رسالہ ہونے کے باوجود مصنف
کی نظر میں مختصر تھا۔ اس لئے اُس نے ایک حاشیہ لکھنے
کی زحمت گوارا کی۔

اس حاشیہ میں قرآن کی خصوصیات اور صفات
بیان کی گئی ہیں۔

اختتام :۔

ہیں اخبار و حکایات ایسے بسیار — ہیں درکار اس کے تیئں لکھنے کو طومار
یہ میں مردم کی ہمت پر نظر کر — کچھ اون سے لکھ گیا ہوں مختصر تر
خدا سے نت ہو تسلیمات و صلوات — نبی کے روضۂ انور پہ دن رات
اور اس کے آل و صحب و تابعین پر — خصوصاً محی الدین محبوب داور

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب تمام رسائل کا
وہی ہے۔

---

(۶۱) مَحبُوبُ القُلوبْ [۱۳۷]

اوراق ۴۴ ۱۴۴۔ سطور ۱۶۔ تقطیع
۴/۳ ۸ × ۴/۱ ۵ ۔ خط نستعلیق۔ عنوانات
سرخی میں۔ ناقص اول و آخر۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف
۱۲۰۷ھ

چار ہزار ترسٹھ ابیات کی یہ مثنوی حضرت محبوب سبحانی
غوث اعظم کے حالات میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے
آغاز میں بھی مصنف نے اُردو نثر میں ایک دیباچہ لکھا ہے
لیکن یہ دیباچہ ادارہ کے نسخے میں محفوظ نہیں ہے۔ اصل
مثنوی میں حمد و نعت و منقبت کا حصہ بھی غائب ہے۔
سبب تالیف کے ایک آخری ورق سے یہ نسخہ شروع
ہوتا ہے۔ جس میں کتاب کا نام اس طرح واضح کیا ہے۔

میں محبوب القلوب اس کا رکھا نام — کہ ہے لایق اسے یہ باصفا نام

مصنف اپنی زبان کو دکنی کہتا ہے اور اُردو
زبان کو وہ بالکل جدا زبان قرار دے کر کہتا ہے کہ یہ
زبان یہاں کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کی بیت ہے :۔

بھی اُردو زبان میں یوں کہا ہیں
کہ اس بھاکے کو یہاں کوئی جانتا نیں۔

اصل کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب
میں ذیلی ابواب ہیں۔ کتاب کے آخری حصہ میں سنہ کتابت
اور تعداد ابیات کو یوں ظاہر کیا ہے :۔

تھا ہفتم سال بارا سو اُپر جب — بفال خوش ہوا ہی یہ مرتب
تمام ابیات اس کے ای مساعد — ہوئے چار الف و ترسٹھ بے قصاید

مثنوی کے آخر میں مدح محبوب سبحانی میں قصید سے
بھی درج کئے ہیں۔ پہلے قصیدے کا نام مفرح القلوب
رکھا ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع یہ ہے :۔

پڑا ہوں ورطۂ اندوہ و محنت میں بحیرانی
مری اب دستگیری کر تو اے محبوب سبحانی

...... تیرے مہر سے رنگ قبولیت
یہ آنسو میرے ہو جائیں گے سب لعل بدخشانی

اس کے بعد ایک قصیدہ **ذو المطلعین**
شروع کیا ہے جس کے صرف چند ہی اشعار اس نسخے میں
موجود ہیں۔ مطلع اور اس نسخہ کا آخری شعر یہ ہیں :۔

کیوں حسن کا دکھا سے ہے کرو فر آفتاب
ٹک دور کر نقاب کہ ہو شیر آفتاب

ہے موج آنسوؤں سے بیاب نہیں کرن
دیکھا ہے تیرے ہاتھ میں جب ساغر آفتاب

یہ نسخہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے :۔

لکھا اس نسخے کو وہ کامل الذات بعنوان حدیث اسناد کے سات
کیا جوں چاہئے توفیق اس میں نہیں کوئی حرف بے تحقیق اس میں

اختتام مثنوی :۔

بس اس کے بعد لکھ دو سرا قصیدہ بپایاں میرسانم ایں جریدہ
ہی دوسرا یہ قصیدہ شاعرانہ ہی مانند ردیف اپنے یگانہ

اس کتاب کے نسخے برٹش میوزیم (اورنٹیل ۶۵۰۱)
کتب خانہ آصفیہ (جلد دوم صفحہ ۱۵۶۲ نمبر ۵۳) اور کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ (۳۲) میں بھی محفوظ ہیں۔

ادارے کا نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ
ہے۔ اس کے پہلے اور آخری اوراق پر دستخط "عنایت
۲۰ ۱۳ھ حیدرآباد" ثبت ہیں۔

---

(۶۲) ریاض الجناں [۲۱۸]

اوراق ۱۲۱ - سطور ۱۴ -
تقطیع ۵" × ۸½" - خط نستعلیق نفیس۔
عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر آگاہ
ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ۔ کتابت
قبل سنہ ۱۲۹۹ھ

تین ہزار ننانوے ابیات کی یہ مثنوی مناقب
اہل بیت نبی میں لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں مصنف نے ۹ ورق
کا ایک دیباچہ اُردو نثر میں لکھا ہے جس میں سبب تالیف
یہ بیان کیا ہے کہ اُردو میں اب تک اہل بیت کرام کے
فضائل و مصائب میں "روضۃ الشہدا" ولی ویلوری
اور روضۃ الاطہار شیدا لکھی گئی ہیں جو تاریخی لحاظ سے
بہت کمزور ہیں۔ کیونکہ ان میں جھوٹی روایتوں کو بیان کیا
گیا ہے۔ اس لئے صحیح تاریخی نقطۂ نظر سے ایک کتاب
کی ضرورت تھی۔ اس لئے حسب ذیل عربی ماخذوں سے
استفادہ کرکے یہ کتاب مرتب کی جا رہی ہے :۔

ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوالقربیٰ از حافظ محب الدین طبری۔
فصول المہمہ فی معرفۃ الائمۃ از ابوالحسن شافعی ۔
نظم درر السمطین اور معراج الاصول از حافظ
جمال الدین زرندی مدنی ۔
منہل العذب الروی فی مناقب اہل بیت النبوی
از حافظ شمس الدین سخاوی ۔

احیاء المیت بذکر فضائل اھل بیت اور اشغال المؤمن
اور تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی۔ شذرات الباسمہ
فی مناقب سیدہ فاطمہ۔ جواہر العقدین اور وفاء الوفاء
از حافظ سید نورالدین سمہودی۔
مرآۃ الجنان از شیخ عبداللہ یافعی۔ تاریخ کبیر از حافظ
عمادالدین ابن کثیر۔ صواعق محرقہ اور شرح قصیدہ
ہمزیہ از حافظ شہاب الدین ابن حجر مکی۔
عمدۃ الطالب فی نسب بنی طالب از سید شہاب الدین
حسینی۔
معالم العترۃ النبویہ از حافظ عبدالعزیز حنبلی۔
اصل کتاب مثنوی کی شکل میں ہے جس میں ایک
مقدمہ اور بارہ روضے ہیں۔ مقدمے میں آل و اہل بیت کی
تحقیق بیان کی ہے اور روضوں کے موضوع یہ ہیں:۔
پہلا روضہ ۔ اہل بیت کرام کی تعریف و ثنا کی آیتیں
دوسرا " ۔ فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ کی نسل میں برکت
کے لیے پیغمبرؐ کی دعا۔
تیسرا " ۔ وصیت نبی کلام اللہ اور عترت کے بارے
میں۔ (پانچ ذیلی حصے ہیں)
چوتھا " اہل بیت عظام تاروں اور کشتی نوح کی طرح
باعث نجات ہیں۔
پانچواں " ۔ حضرت کی قرابت اور اولاد علی و فاطمہ۔
(چار ذیلی حصے ہیں)۔
چھٹا " ۔ اہل بیت اطہار کا جنتی ہونا۔
ساتواں " اہل بیت اطہار کی محبت واجب ہے (تین
ذیلی حصے ہیں)۔

آٹھواں روضہ ۔ اہل بیت اطہار کے ساتھ بغض حرام
ہے۔ (دو ذیلی حصے ہیں)
نواں " ۔ حسن سلوک و مراعات (دو حصے ہیں)
دسواں " ۔ سادات پر کیا واجب ہے۔ علامات شیعہ
کیا ہیں۔ (تین حصے ہیں)۔
گیارہواں " ۔ مناقب اہل بیت (پانچ حصے ہیں)
بارہواں " دشمنان امام سے انتقام (پانچ حصے ہیں)
اس دیباچہ کے آخر میں مصنف نے اپنی نسبت
حسب ذیل معلومات درج کی ہیں:۔

"یہ عاصی پندرھویں سال سے شعر کے ساتھ
الفت و ارتباط رکھتا ہے۔ اگرچہ شعر کم کہتا
ہے اس ہی واسطے تخلص اپنا مدت تک مقرر
نہیں کیا تھا۔ جب ۱۱۸۴ھ اور ۱۱۸۵ھ میں
بعضے رسائل ہشت بہشت کے منظوم کیا
لفظ باقر کہ جزو نام ہے بجائے تخلص رکھا۔
من بعد بیچ ۱۱۹۲ھ یکہزار و یکسو اور نود
اور چہار کے وقت نظم کرنے دیوان عربی
کے تخلص اپنا آگاہ مقرر کیا۔ اس تخلص
کو اشعار عربی و فارسی میں لایا اور اکثر
مراثی اور ریختوں میں بھی اسی تخلص کو
اختیار کرلیا اور تتمہ رسائل ہشت بہشت
میں کہ بیچ ۱۲۰۰ھ کے منظوم ہوئے اور
اس رسالے میں کہ ریاضُ الجنان
نام رکھتا ہے تخلص اپنا وہی لفظ باقر رکھا۔"

ریاض الجنان کا سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کتاب کے

آخری حصہ میں یوں درج ہے۔

جب تھے بارا سو اور سات برس — تب بنا ہے یہ نسخۂ اقدس
ہیں گی ابیات اس کی تین ہزار — اور دو نو پہ تو بلا تکرار

اصل کتاب میں مقدمے سے قبل حمد و نعت و منقبت اہل بیت و منقبت خلفائے راشدین و منقبت غوث اعظم اور سبب تصنیف کے عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب محبوب القلوب کے بعد لکھی گئی ہے کیونکہ اس کے دیباچہ میں محبوب القلوب کی تکمیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

آغاز :-

اے تیری بندگی میں کل وجود — کیا ملک کیا رسل ہیں سربسجود
دیکھ تیری قدر کا سرعظیم — سر کئے اپنا انبیا تسلیم

اختتام :-

جو ہیں اخوان دوستاں تیرے — بخش سب ان کو نعمتاں تیرے
اور جتنے ہیں زمرۂ اسلام — کر مدام ان پہ رحمت و انعام
صلی یاربنا الرحیم علےٰ — شافع الکل انفاو غداً
وعلےٰ آلہٖ واصحابہ — الذین اقتدوا باٰذابہ

ترقیمہ نہیں ہے البتہ ابتدائے کتاب میں دو جگہ ضیاء الدین محمد ۱۲۹۹ھ کی مستطیل اور خوش خط مہر ثبت ہے۔ یہ مشہور اُردو شاعر اُستاد کل میر شمس الدین محمد فیض کے فرزند تھے۔ اور یہ نسخہ غالباً فیض کی ملک رہ چکا ہے اور وہاں سے لکھنو گیا۔ بعد کو لکھنو کے ایک تاجر سے ادارۂ ادبیات اُردو کے لئے خریدا گیا۔

اس کتاب کا ایک نسخہ (مکتوبہ ۱۲۴۰ھ) نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں ہے اور کتب خانہ آصفیہ اور برٹش میوزیم (اورینٹل ۶۵۰۵) اور ببلیوتک نیشونل پیرس (۸۷۲) اور جامعہ عثمانیہ (۲۹) کے کتب خانوں میں بھی ایک ایک نسخہ محفوظ ہے۔

---

(۶۳) ریاض الجنان [۱۰۲]

اوراق ۵۰۔ سطور ۱۴۔ تقطیع ½۸×۶
خط نستعلیق۔ عنوانات اور حاشیہ سرخی میں
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری سنہ تصنیف
۱۲۰۷ھ۔ کاتب غلام قادر۔
سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ۔

یہ کتاب نمبر ۶۲ کا ایک دوسرا نسخہ ہے جو ناقص الاول ہے مگر خود مصنف ہی کی زندگی میں (وفات سے ۷ سال قبل) لکھا گیا ہے اس لئے اہم ہے۔ اس میں ابتدائی ۱۷ اوراق غائب ہیں۔ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے

ہے عنایت مری اسے یاور — عاقبت اس کی ہوئیگی بہتر

حکایت پنجم

ہور لکھے ہیں بہت ثقات کرام — ایک سید کا بلخ میں تھا مقام

اختتام وہی ہے جو نسخہ ۶۲ میں درج ہوا۔

ترقیمہ :-

"تمت الکتاب بعون ملک الوہاب رسالہ ریاض الجنان بتاریخ چہاردہم شہر صفر المظفر سنہ ۱۲۱۳ھ

ناظم ہے اس نظم کا باقر محمد مولوی — سب مولویاں کے اپر ساجے ہے اسکو سروری
عاجز غلام قادر اس نظم کو لکھا ہے — امید مغفرت کا حسنین سو رکھا ہے۔

صلوٰۃ اللہ علیہ"

---

(۶۴) ضیافت نامہ [۱۳۸]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۴ ۔ تقطیع ۶½" × ۱۰½"
خط نستعلیق معمولی ۔ مصنف شاہ غوثی ۔
سنہ تصنیف ۱۱۹۱ھ ۔ ۱۲۲۵ھ ۔
کاتب خورشید النساء ۔ سنہ کتابت ۱۳۲۳ء

یہ تقریباً سو اشعار کا قصیدہ ہے جس میں آنحضرت کی ضیافت (جو حضرت عثمان اور حضرت فاطمہ نے کی تھی) بیان کی گئی ہے ۔ اس کے مصنف ارکاٹ کے صوفی مشرب واعظ شاہ غوثی (متوفی ۱۲۲۵ھ) ہیں ۔ ان کی ایک اور کتاب قصص الانبیا (ریاض مسعود ۱۱۹۱ھ) بھی ادارے کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (دیکھو فہرست مخطوطہ نمبر ۲۵) ۔ یہ قصیدہ غوثی نے اپنے مرشد کی فرمائش پر لکھا تھا ۔

اس قصیدے میں پہلے حضرت عثمان کی ضیافت کا بیان ہے ۔ اس میں شرکت کے بعد جب حضرت علی گھر پہنچے تو حضرت فاطمہ سے اس کی دھوم دھام بیان کی ۔ اور اپنی مفلسی کا ذکر کیا کہ اس کی وجہ سے میں ایسی ضیافت نہیں کر سکتا ۔

ابتداء میں مصنف نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ دعوت دینے اور دعوت کھانے والے دونوں پر خدا کی رحمت ہوتی ہے اور یہ سنت نبی ہے اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ ضیافتیں کرتا رہے ۔

حضرت فاطمہ نے علی کو تسلی دی اور کہا کہ میں مفلسی کے باوجود خدا سے دعا کر کے ایسی دعوت کروں گی جو تمہارے شایانِ شان ہو ۔ اس کے بعد دعوت کی تفصیلات بیان کی ہیں ۔

آغاز :-

اول کریم حق کی صفت ہے بعد ختم مرسلاں
ان پر درود رب سدا جو آل ہیں اصحابیاں
مرشد کے جو فرمان سے بولیا روایت غوثیا
مرقوم ہے راوی ستی سننا ضیافت کا بیاں

اختتام :-

عاصی ہے غوثی امتی ہے فاطمہ بنت رسول
کرنا عطا بندے اُپر ہر دو جہاں کی نعمتاں
ہے سدق جو عدل و حیا شیر خدا کا وے لگن
کر خاتمہ ایمان سے اے خاتم پیغمبراں
مرشد کے جو ارشاد سے غوثی اتا پایا ظہور
جو کچھ کہ ہے اس میں صفت طاقت نہیں کرنے بیاں

ترقیمہ :-

اس قصیدے کے بعد دو اور کتابیں ایک ہی کاتب نے نقل کی ہیں اور آخر میں یہ ترقیمہ لکھا ہے :-

"تحریر کردۂ عاصیہ خورشید النساء
عفی عنہا المرقوم ۹ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ"

---

(۶۵) ظفر نامہ [۱۳۹]

اوراق ۱۹۳ ۔ سطور ۱۴ فی صفحہ
تقطیع ۷¼" × ۱۰½" ۔ خط نستعلیق معمولی
مصنف محمود ۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۴ھ
کاتب خورشید النساء ۔ سنہ کتابت ۱۳۲۳ھ

یہ پانچ ہزار چار سو ابیات کی ایک ضخیم مثنوی ہے ۔ جو محمد ابن حنیفہ کے حالات زندگی ، جنگ ، اور شہادت پر قلمبند کی گئی ہے ۔ اس موضوع پر کئی مثنویاں لکھی جا چکی ہیں چنانچہ حیدر آباد کے ایک قدیم شاعر غلام علی خاں لطیف قزلباشی (سنہ پیدائش ۱۰۵۰ھ) نے بھی ۱۰۹۵ھ میں تقریباً اسی ضخامت کی ایک مثنوی لکھی تھی اور اس کا نام بھی ظفرنامہ ہے جس کے نسخے انڈیا آفس اور جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں

لطیف سے تین سال قبل ایک اور شاعر سیوک نے بھی ۱۰۹۲ھ میں جنگ نامۂ محمد حنیف مرتب کیا تھا جس کا نسخہ ادارہ کے کتب خانہ میں موجود ہے (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ۳۰) ۔

زیر نظر مثنوی ظفر نامہ محمود کا کوئی اور قلمی نسخہ غالباً حیدر آباد کے کسی مشہور کتب خانہ میں موجود نہیں ہے غالباً اسی شاعر کی ایک اور نظم ملکۂ مصر (سنہ ۱۲۰۶ھ) کا ذکر دکن میں اردو صفحہ ۲۷۴ پر کیا گیا ہے ۔ گویا یہ کتاب ملکۂ مصر سے دو سال قبل لکھی گئی ہے ۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ دونوں کا مصنف ایک ہی محمود ہو جو سید اخوند میر شاہ کا مرید تھا اور انہی کی اجازت سے قصہ ملکہ مصر اردو میں منتقل کیا تھا ۔

ارے محمود حمد کردگاری — نہ پورا کر سکے کوئی عمر ساری
(ورق ۲ ب)
نبوت کے نکل گلشن سراب بعد — ثنا خوانی کیا ہے گل ناتہ محمود
(ورق ۱۲)
رضائے اب بیاں کے زود محمود — کہ تا پاوے گا اپنے دل کا مقصود
(ورق ۴ ب)
ارے محمود رکھ اب جلد نامہ — کروں اتمام زودی فتح نامہ
(ورق ۱۹۲ الف)

کتاب کا نام اور سنہ تصنیف کتاب کے آخر میں ان ابیات میں درج ہے :-

خدا مقصود حاصل کر کے میرا — ظفر نامہ کیا اتمام سارا
کیا اتمام جب یہ شبہ کا انجم — تو بارا سو پہ تھا سال چہارم
(ورق ۱۹۳)

کتاب کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد خلفائے اربعہ کی مدح الگ الگ عنوان کے تحت کی گئی ہے اور سبب تالیف کتاب کے سلسلے میں مصنف لکھتا ہے کہ :-

"شب عاشورہ ہم سیر کرتے پھر رہے تھے کہ ایک مکان میں مجلس نظر آئی جس میں شہنشاہ مین کا فتح نامہ پڑھا جا رہا تھا تو میرے خوبرو اور پیارے دوست غلام محی الدین نے فرمائش کی کہ تم بھی ایک فتح نامہ لکھو۔ میں اگرچہ اس قابل نہیں ہوں تاہم اپنے دوست کی فرمائش کی تکمیل کر رہا ہوں ۔"

آغاز :-

کروں نامے کو حمد رب سے آغاز — فصاحت میں رہوں دائم سرفراز
خدا کے نام سوں نامے کوں اتمام — کروں میں تا کہ ہو جلدی سوں اتمام

اختتام :-

پڑھو یاراں اپر صلوات اطہر — بروح پاک وہ ساقی کوثر
کیا مرقوم اس نامے کوں اتمام — پڑھو سب فاتحہ اے اہل اسلام

ترقیمہ :-

"تحریر کردۂ عاصیہ خورشید النساء عفی عنہا المرقوم ۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۳ ہجری"

(۶۶) احوال قیامت [۱۳۸ب]

اوراق ۵ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ½۴" × ½۱۰" - خط نستعلیق معمولی
مصنف غلام دستگیر۔ کاتب خورشید النساء
سنہ کتابت ۱۳۲۳ھ ہجری۔

یہ دو سو پچیس ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں قیامت کا حال اور آنحضرت صلعم کی شفاعت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مصنف کا نام غلام دستگیر اور تخلص دستگیر ہے۔ جو کتاب کے آخری حصہ کی اس بیت سے ظاہر ہوتا ہے :-

اس کو بھی بخشائیے روز اخیر ہے بڑا عاصی غلام دستگیر

درمیان میں مصنف نے اپنی ایک غزل بھی لکھی ہے (ورق ۵ ب) جس کا مقطع یہ ہے :-

یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے شافع روز جزا فریاد ہے
دستگیر آثم پہ بھی ہو یک نظر اوس کی اوروں سے سوا فریاد ہے

مصنف کے حالات اور سن تصنیف معلوم نہ ہو سکا۔

آغاز :-

حشر کا کیا سخت دن ہے الاماں العطش فرمائیں گے پیغمبراں
جب خلایق ہوے گی ساری فنا جوش میں آکر کہے گی کبریا

اختتام :-

یا الٰہی از برائے مصطفیٰ پنجتن کی دوستی میں رکھ سدا
یا الٰہی از برائے فاطمہ ماتم شبیر میں کر خاتمہ

اس نسخہ کے بعد ہی خورشید النساء نے ظفر نامہ محمد حنیف شروع کر دیا ہے۔

(۶۷) نوبہار عشق [۵۱۷]

اوراق ۱۷۹ - سطور ۱۰ فی صفحہ۔
تقطیع ½۵" × ½۷" - خط نستعلیق معمولی
عنوانوں کی ابیات سرخی میں۔ مصنف
غلام اعزالدین خاں مستقیم جنگ نامی
سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ۔ سنہ کتابت ۱۲۷۷ھ

تین ہزار پانچسو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں نظامی کی مثنوی شیریں خسرو کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ مصنف کے حالات مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے مدراس میں اُردو (صفحات ۶۹ - ۷۴) میں تفصیل سے لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے

غلام اعزالدین خاں مستقیم جنگ نامی فرزند حامد علی خاں ارکاٹ میں ۱۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ محمد حسین اور محمد باقر آگاہ سے تعلیم پائی۔ عمدۃ الامرا (سنہ ۱۲۱۰ھ - سنہ ۱۲۱۶ھ) نے ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ آگاہ کی طرح عربی فارسی اور اُردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

لیلیٰ مجنوں، شیریں خسرو، وفات نبی قصۂ بناوس اور سلیمان نامہ اُردو کی تصانیف ہیں۔ مدراس میں ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی اور ساحل سمندر کے قریب اپنے باغ میں مدفون ہیں۔

ہاشمی صاحب کی نظر سے نامی کا صرف سلیمان نامہ گزرا ہے جو ۱۲۲۶ھ کی تصنیف ہے اور جس میں تین ہزار آٹھ سو ابیات ہیں۔ ادارے کی زیر نظر مثنوی کا مخطوطہ کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے اور یہ نامی کی پہلی تصنیف ہے۔

اس لئے بہت اہم ہے۔ ہاشمی صاحب نے ان کا نام غلام اعزالدین خاں لکھا ہے۔ زیر نظر نسخے میں نامی کا نام اس طرح درج ہے :۔

ہے بس علو عزیزالدین نامی   کہ اس کو دو جہاں میں کر گرامی

کتاب میں کئی جگہ مصنف نے اپنا تخلص لکھا ہے (ورق ۱۳) مثلاً :۔

ہے عاصی نامی بے چارہ کیا مال   کہ کھولے حمد میں تیرے پر و بال

نہ کر نامی زمانے کی شکایت   کہ یک پیدا ہوا صاحب عدالت (۱۴ ب)

اثنائے کتاب میں کئی غزلیں درج ہیں جن کے مقطعوں میں بھی نامی تخلص درج ہے۔ (۱۵ الف، ب)

کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات سے واضح ہوتا ہے :۔

کیا جب خامہ گلریزی کو اتمام   رکھا میں نوبہار عشق اوسے نام (۱۷۷)

کہا تاریخ ہاتف از مسرت   کہا نامی نے یہ شیریں حکایت (۱۷۰۱)

سن ہجری تھے بارہ سو پہ گیارہ   کہ میں اس مثنوی کے تیں سنوارا (۱۷ ب)

اس مثنوی سے مصنف کی نسبت حسب ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں :۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت یعنے ۱۲۱۱ھ میں نامی کے والدین اور اساتذہ زندہ تھے۔ ان کی طرح وہ اپنے بھائیوں اور بیوی اور اولاد کی سلامتی کی بھی دعا کرتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال کی تھی اور نواب عمدۃ الامرا اوس کے قدرداں تھے۔ چنانچہ ان کی مدح ایک علیحدہ عنوان کے تحت لکھی ہے۔ جس کی یہ بیت خاص کر قابل ذکر ہے ؎

اگر دیکھے قصیدہ اوس کا سودا   رہے گا تا قیامت اس پہ شیدا (۱۷ الف)

عمدۃ الامرا کی مدح کے آخر میں ان کی بہن اور ان کے فرزند سراج الملک کے لئے بھی دعا کی ہے۔

سبب تالیف میں نامی نے لکھا ہے کہ وہ تنہائی اور بے کاری سے تنگ آگیا تھا کہ مطالعۂ کتب کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس اثناء میں نظامی کی شیریں خسرو بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ اس کا ہندی میں ترجمہ کرنا چاہئے کیونکہ بہت سے شاعر گزرے ہیں لیکن کسی نے نظامی کی اس کتاب کا ہندی میں ترجمہ نہیں کیا۔

خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے کہ اگرچہ میں نے ہندی زبان میں یہ مثنوی لکھی ہے لیکن قصداً دو چار جگہوں پر دکھنی زبان بھی استعمال کی گئی ہے۔ یہ مثنوی ایک مہینے میں لکھی ہے۔ اگرچہ میری پہلی کتاب ہے لیکن یقین ہے کہ قابل تعریف ثابت ہوگی۔ اس حصہ کی حسب ذیل ابیات قابل ذکر ہیں :۔

کیا میں مثنوی ہندی زباں سے   عیاں ہے کچھ نہیں حاجت بیاں سے

مگر قصداً کہیں دو چار جا میں   بیاں دکھنی زباں سیتی کیا میں

کیا اس بحر میں فکر اک مہینہ   تو ماہ نو سا نکلا یہ سفینہ (۱۷۵ الف)

کہا میں اس کو در عین جوانی   رکھے حق جگ میں دائم یہ نشانی

اگرچہ اولیں تصنیف ہے گی   ولیکن قابل تعریف ہے گی (۱۷۵ ب)

حمد و نعت، معراج، شکایت زمانہ کے بعد عمدۃ الامراء کی طویل مدح لکھی ہے جس کی چند ابیات یہ ہیں :۔

مدح عمدۃ الامراء

حکومت کے صدف کا قیمتی در   جناب عمدۃ الامرا بہادر

نت اس کی ذات سی ہر شخص خرم   سراسر ہے وہ اخلاق مجسم

خدا اس کو کیا ہر فن میں ممتاز — زمین شعر کا ہے وہ سرافراز
نہیں دیکھا ہے ایسا نیک سردار — ہے اس کو خسروی جگ کی سزاوار

آغاز:-

ہے اس کی مدح شیریں تر زباں تر — کھڑے ہیں خسرواں سب اسکے در پر
کیا وہ حسن کا یوں گرم بازار — کہ دائم عشق ہے اس کا خریدار

اختتام:-

سلاماں بے عدد صلوات بے حد
سدا حق سے ہو بر ذات محمد
اور اس کی آل اور یاراں پہ یک یک
کہ انجم ہیں ہدایت کے وہ بے شک

ترقیمہ:-

"بتاریخ ماہ ذیعقدہ روز چہار شنبہ
۱۲۸۰ھ لکھی گئی ہے کتاب"

یہ نسخہ نواب میر سعادت علی صاحب رضوی ایم۔ اے کا عطیہ ہے جو ۱۳۶۱ھ میں ادارے کے کتب خانے میں داخل ہوا۔ آخر میں ان کے دستخط ثبت ہیں

---

(۶۸) سحر البیان | ۵۱۶ |

اوراق ۱۵۱ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۸½ - خط نستعلیق معمولی
مصنف میر غلام حسن حسن ۔ سنہ تصنیف
۱۱۹۹ھ ۔ سنہ کتابت ۱۲۷۷ ہجری

مشہور مثنوی بے نظیر و بدر منیر کا نسخہ ہے جس کے مصنف کا نام میر غلام حسن تھا اور جو عام طور پر میر حسن (۱۱۴۰ھ تا ۱۲۰۱ھ) مشہور ہیں۔ ان کا کلیات انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔ لیکن یہ اسی مثنوی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی مثنویاں ہیں۔ ان کے متعلق تفصیلی معلومات "تنقیدی مقالات" اور اُردو ادب کی جملہ تاریخوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مثنوی بھی بارہا چھپ چکی ہے۔

زیر نظر نسخے میں چار ہزار پانچ سو ابیات ہیں اور یہ ایک دوسری مثنوی "نو بہار عشق" کے ساتھ ایک ہی جلد میں محفوظ ہے اور ۱۲۷۷ھ سے قبل لکھا گیا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

آغاز:-

کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے کو اول قلم
سر لوح پر رکھ بیاض جبیں — کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

اختتام:-

میاں مصحفی کو جو بھائی یہ طور — انھوں نے بھی کر فکر از راہ غور
کہی اس کی تاریخ یوں برمحل — یہ بت خانہ چین ہے بے بدل

یہ نسخہ بھی نواب میر سعادت علی صاحب رضوی ایم۔ اے کا عطیہ ہے اور اس کے آخر میں انکے دستخط ثبت ہیں

---

(۶۹) سحرالبیان ۱۴۷

اوراق ۱۰۰ - سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ۹ × ۶ ۔ خط نستعلیق عنوانات
اور حاشیے سرخی میں۔ مصنف میر غلام
حسن۔ سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ کاتب میر محسن علی
سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام حیدرآباد دکن
یہ مثنوی نمبر ۶۸ کا دوسرا نسخہ ہے جو اس
سے ۲۴ سال قبل حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے۔ اس نسخہ
میں ابتدائی ورق غائب ہے لیکن احتیاط سے جلد بند ہوا
ہے۔ حاشیہ پر جگہ جگہ اختلاف نسخ ظاہر کئے گئے ہیں۔
اور ابیات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ آخری حصہ میں قتیل
اور مصحفی کے قطعات تاریخی کے علاوہ ناہر
کی تاریخ بھی درج ہے۔ اس نسخہ میں تقریباً ڈھائی ہزار
ابیات ہیں - نسخہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے:-

ترو تازہ ہے اوس سے گلزار خلق
وہ ابر کرم ہے ہوادار خلق
اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے
ولے پرورش سب کی منظور ہے

اختتام:-

سنی جب کہ ناہر نے یہ مثنوی ۔۔ تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وہیں ہو کر فرح ۔۔ ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

ترقیمہ:-

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب
در بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد فی التاریخ
اربع وعشرین شہر جمادی الاول فی سنہ ۱۲۲۳
الف مئتین ثلاثہ وعشرین من الہجری
مالکہ و راقمہ میر محسن علی ۱۲۲۳ ۔
(یہ نام اور سنہ ایک خوش وضع مربع
مہر میں درج ہے جو ترقیمہ کے بالکل نیچے
ہے۔)

ترقیمہ کے نیچے دو قطعات تاریخی ہیں جن میں سے
ایک شریف الدین یوسف کی وفات کا ہے جو اُن کے گنبد
(واقع نام پلی حیدرآباد) کے دروازے پر درج ہے اور
دوسرا الٰہ داد خاں کی وفات کا ہے جو حسب ذیل ہے:-

تاریخ الٰہداد خاں

سوے جنت العدن رفت از جہاں
الٰہداد خان مرد نیکو صفات
بگفت ارشد از بہر تاریخ او
الٰہداد خاں بود ز اہل نجات
۱۳ رجادی الثانی سنہ ۱۱۹۸ ہجری

آخری ورق پر ایک فارسی معما از غلام عابد عابد
اور اس کی فارسی تشریح بھی درج ہے۔ یہ نسخہ
نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے چنانچہ اس کے
پہلے صفحہ پر ان کی بیضوی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین"
ثبت ہے۔

تحفۃ النصائح شاہ راجو - یہ نسخہ عہد قطب شاہی میں
مطلا و مذہب لکھا گیا ہے ۔
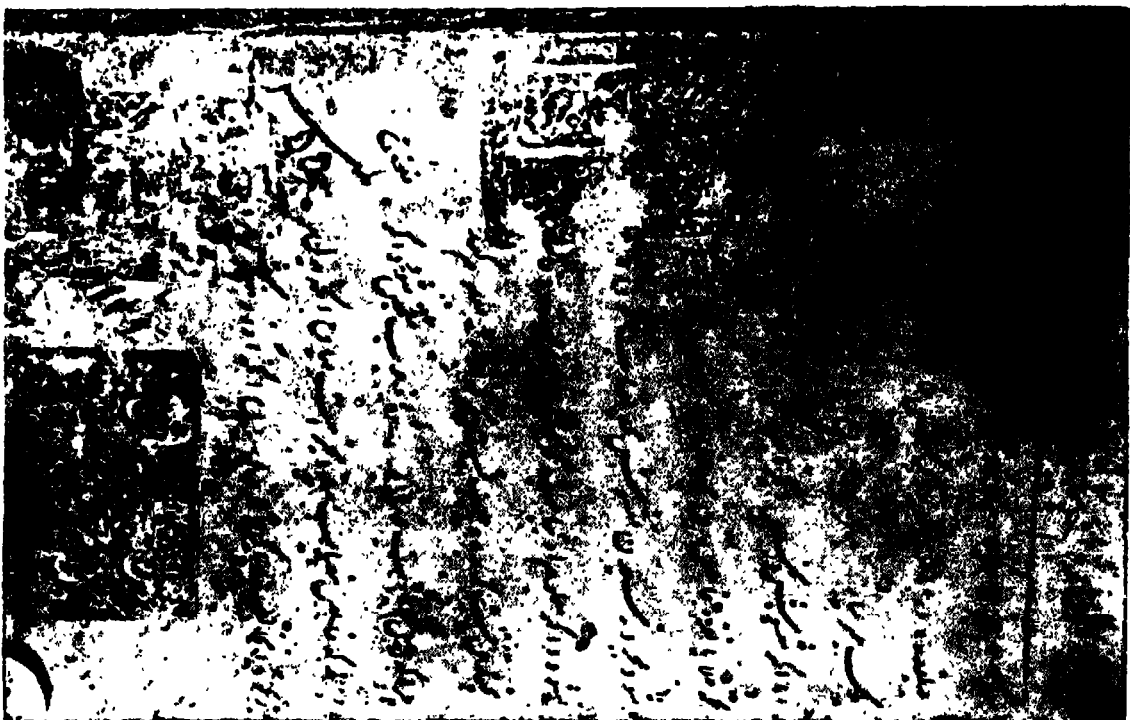
شرح جامع عباسی - حاشیہ ابن خاتون وزیر گولکنڈہ
شاہان اودھ کے مطالعہ میں رہی ہے - ان کے دستخط اور مہریں ہیں

دیوان ملو فارسی ۔ نوشتہ قبل سنہ ۱۱۹۲ھ
ایک نادر مخطوطہ ۔ دیکھو صفحہ ۱۰۸

خواجہ فقیر محمد نبیرہ خواجہ محمود گاوان کے مکتوبہ
مخطوطات سنہ ۱۱۳۲ھ کا ایک صفحہ

(۷۰) سحرالبیان [۵۱۸]

اوراق ۵۸ - سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۸ ۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
عنوانات سرخی ہیں۔ مصنف میر غلام حسن حسن
سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ۔ کاتب غلام حسین
سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔
مثنوی ۶۰ و ۶۹ کا اور ایک نسخہ جو بہت قدیم ہونے کی وجہ سے اہم ہے اور جس میں ۲۲۵۰ ابیات ہیں۔ اس کے آخر میں تقبیل اور تحقیق کی تاریخیں ہیں بلکہ خود کاتب نے سحرالبیان ہی کی بحر میں بیادہ ابیات بطور ترقیمہ لکھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود اچھا شاعر تھا۔

آغاز:-

کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے میں اول قلم
سرلوح پر رکھ بیاض جبیں — کہا دوسرا تجھ سا کوئی نہیں

اختتام:-

غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا — حسن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف سنیں گے کہیں گے یہی — نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوگا کبھی

ترقیمہ:-

بحق محمد علی و حسین — لکھے مثنوی یہ غلام حسین
جمادی الآخر کی تاریخ چار — زہجرِ نبی دو صد و یک ہزار
و لے بست و سہ اوس پر ازو تھے — بروز جمعہ دو پہر دن ڈھلے
. . . . — . . . .
جو ہیں دوست میرے سو دلشاد رکھ — اور اس شہر بیدر میں آباد رکھ

دل وجاں سے تیرا محب میں ہوا — مجھے جام کوثر تو مولا پلا

مثنوی کی لوح پر کسی صاحب تدفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔

---

(۷۱) دیوان یقین [۵۱۹]

اوراق ۲۶ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۸ ۔ خط نستعلیق پختہ شکستہ آمیز۔ مصنف میر انعام اللہ خاں یقین دہلوی۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۶۱ھ۔
کاتب - غلام حسین۔ سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ۔
بمقام بیدر۔

یقین (متوفی درمیان ۱۱۶۱ھ و ۱۱۷۰ھ) کا دیوان مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے مرتب کر کے انجمن ترقی اردو سے شایع کروایا ہے۔ یہ اس کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے جس میں جگہ جگہ حاشیہ پر مزید غزلیں اور اشعار درج کئے گئے ہیں۔
اس نسخے میں ۱۱۱۱ (؟ ۷۸) اشعار اور ۱۳۴ غزلیں ہیں۔
یقین کے حالات مختلف تذکروں اور دیوان یقین میں شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں تفصیل غیر ضروری ہے۔
اس نسخے میں غزلیات یقین کے آخر میں حضرت علی کی مدح میں فغاں کا ایک قصیدہ بھی درج ہے۔

آغاز:-

ہے ترے داغ سیں تو سینۂ سوزاں میرا — آب رنگ آگ سیں رکھتا ہے گلستاں میرا
غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل — بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

اختتام :-

عمر فریاد میں برباد گئی کچھ نہ ہوا یا کہ مشہور غلط ہے کہ اثر ہوتا ہے

یار کی بات نہیں کوئی سناتا ہے یقیں کوئی کب گل کی دیوانوں کو خبر کرتا ہے

کوئی ترقیمہ نہیں بلکہ فغاں کا قصیدہ ساتھ ہی شروع کردیا گیا ہے۔ جس کے آخر میں "دیوان یقین تمام شد" لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اس کو یقین کا قصیدہ سمجھ لیا تھا یہ کتاب مثنوی میر حسن (نمبر ۷۰) کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے اور غلام حسین بیدری ہی نے ۱۲۲۳ھ میں لکھی ہے۔ سرورق پر تفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔

---

(۷۲) قصیدہ فغاں [۵۱۹ ب]

اوراق ۲ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔

تقطیع ۵½″ × ۸¾″۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز

مصنف اشرف علی خاں فغاں۔ تصنیف

قبل ۱۱۸۶ھ۔ کاتب غلام حسین۔

سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔

میر اشرف علی خاں فغاں (متوفی ۱۱۸۶ھ) محمد شاہ بادشاہ کے کوکا اور آبرو، مضمون، مظہر، حاتم، ناجی اور یکرنگ کے ہم عصر تھے۔ "آب حیات" اور اردو کے دوسرے تذکروں میں ان کے حالات درج ہیں۔

یہ فغاں کا ایک قصیدہ ہے جو ۳۸ اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں حضرت علی کی مدح کی گئی ہے۔ تشبیب کے سلسلہ میں ایک غزل بھی ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے۔

جب تلک ہے تن میں دم الفت نہیں جانے کی بار

بعد میرے خاک بھی در پر ترے ہوگی نثار

مردمان چشم یوں رو رو کے کرتے ہیں فغاں

کیا دکھا دے گا نہیں اس سے زیادہ نقشگار

آغاز :-

شادی اور غم سے کہاں ہے (دور) بزم روزگار

جام اگر ہنستا ہے تو روتا ہے مینا زار زار

کونسی راحت ہے وہ بھی رنج ہر عالم کے بیچ

گل کے تیں جب ہاتھ میں لیتے ہیں تب چبھتا ہے خار

اختتام :-

دیکھ تو حالت فغاں کی یا امیرالمومنین

یہ ترا مداح رہتا ہے ہمیشہ بے قرار

کر نصیحت دل میں تیرے مشہد عالی کا وہ

روز و شب رو رو کے اس مطلع کو پڑھتا ہے پکار

بادۂ وحدت پلا دے کب تلک کھینچوں خمار

منتظر ... فلک ہو ر لگا ہے گوش روزہ دار (؟)

تشنہ لب ہوں تشنہ لب دے ساقی کوثر شراب

سیر ہو تیرے تفضل سے دل امیدوار

ترقیمہ دیکھو نسخہ نمبر ۷۱ دیوان یقین۔

---

(۷۳) دیوان سودا [۵۲۰]

اوراق ۳۰ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵/۱ ۲ × ۸/۱ ۳ - خط نستعلیق پاکیزہ
مصنف مرزا محمد رفیع سودا - تاریخ تصنیف
قبل ۱۱۹۴ھ - کاتب غلام حسین سنہ کتابت
۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔

یہ مرزا رفیع سودا (۱۱۲۵ - ۱۱۹۴) کا دیوان ہے جس کے حاشیہ پر کاتب نے سودا کے متعدد اشعار اور غزلوں کا اضافہ کیا ہے۔ سودا کا کلیات اور حالات زندگی شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

یہ دیوان غزلوں سے شروع ہوتا ہے جن کے آخر میں دو تین مخمس اور ایک قصیدہ در شان بست خان درج ہیں۔ مخمسوں کے بعد مختلف ہم عصر شعراء مثلاً آرزو، فطرت، مظہر، اشتیاق، امید، یکرنگ، ناجی، کلیم، سجاد، حاتم، عزلت، حشمت، قائم، عارف، محسن، نیرنگ، تمیز، تاباں وغیرہ کی غزلوں کا انتخاب درج ہے اور سراج کی مثنوی سوز و گداز پوری نقل کی گئی ہے۔ اس نسخے میں سودا کی غزلوں کے تقریباً سات سو اشعار درج ہیں۔

آغاز:-

مقدور نہیں اوس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

اختتام:-

میں بھی ہوں ضعیف اس قدر ای مور کہ وہ اب
گذرے مرے سر سے جو ترے تا کمر آوے
دنیا ہے کوئی مرغ دل اوس شوخ کو سودا
کیا قہر کیا تو نے غضب تیرے پر آوے

کوئی ترتیب نہیں ہے کیونکہ ساتھ ہی مختلف شعراء کے کلام سے انتخابات لکھے گئے ہیں۔ غلام حسین بیدری نے اس جلد کی جملہ کتابوں کو ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا ہے۔

---

(۷۴) سوز و گداز [۵۲۰ ب]

اوراق ۳ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵/۱ ۲ × ۸/۱ ۳ - خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی
تاریخ تصنیف قبل ۱۱۷۷ھ کاتب غلام حسین
سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ۔

شاہ سراج اورنگ آباد (۱۱۲۵ - ۱۱۷۷) ولی کے مشہور جانشین اور اُردو کے مشاہیر شعراء سے ہیں۔ ان کا کلیات مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے پروفیسر سروری نے شایع کر دیا ہے جس میں ان کے حالات اور تصنیفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

یہ شاہ سراج کی ایک مختصر مثنوی ہے جو ترپن ۵۳ ابیات پر مشتمل ہے۔

آغاز:- اے صبا ہے وطن ترا گلزار
نام تیرا ہے پیک خوش رفتار

تجھ سے اک التماس رکھتا ہوں۔
میں نرا سی ہوں آس رکھتا ہوں

اختتام:۔

پردۂ راز دل کیا ہوں واز
نام اس کا رکھا ہوں "سوز و گداز"
خوب ہے اے سراج خاموشی
مست رہ پی کے جام بے ہوشی

نسخہ جات ۱۷ تا ۳۷ کی طرح اس کا کاتب بھی غلام حسین بیدری ہے اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

---

(۷۵) دیوان یقین [۵۲۱]

اوراق ۲۱۔ سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ ۱/۲″ × ۸ ۳/۴″۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف انعام اللہ خاں یقین۔ تصنیف
قبل ۱۱۶۸ھ کتابت قبل ۱۲۲۳ھ

یہ دیوان یقین کا ایک دوسرا نسخہ ہے جو ناقص اول و آخر ہے۔ یقین کے اور دیوان بھی ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں جن میں سے ایک کا تذکرہ گزر چکا ہے (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۷)

زیر نظر دیوان میں تقریباً ۹۸ غزلیں ہیں۔ لیکن اکثر غزلیں نسخہ نمبر ۱۷ کے مقابلے میں طویل اور مکمل ہیں۔ پہلا ورق غائب ہے۔

آغاز:۔ ادا کر دیجئے اوس کو بھی تو کچھ عیب نہیں؟
آئینے سیں بھی گیا کیا دل حیراں میرا
میں تو ظاہر نہ کروں اوس کی جفا کو لیکن
چھپ سکے کیونکہ یقیں زخم نمایاں میرا

اختتام:۔

مسافر ہو کے آئے ہیں جہاں میں تو یہ وحشت ہو
...... (کرم خوردہ) ...... کرتے
کوئی فرہاد جیسے بے زبان کو قتل کرتا ہے
یقیں ہم واں اگر ہوتے تو اک دو دو بچن کرتے

---

(۷۶) انتخاب کلام منور [۵۲۲]

اوراق ۵۔ سطور ۳۲ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ ۱/۲″ × ۸ ۳/۴″ خط نستعلیق شکستہ
مصنف منور۔

یہ منور کی غزلیات کے انتخاب کا ناقص الاول اور کرم خوردہ نسخہ ہے۔ غزلوں کا حصہ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے (جن میں سے پہلا مقطع ہے اور دوسرا نئی غزل کا مطلع) ؎

منور سب یہ کہنے کی ہیں باتیں کہیں پھر بات آتا ہے گیا دل
کہہ تو اوس شوخ کا دیدار کہاں ہے کہ نہیں
دیکھ منصف ہو طلبگار کہاں ہے کہ نہیں

اختتام غزلیات اس شعر پر ہوتا ہے ؎

کب صبا لادے اسیری سے چھڑانے کی خبر
نئی تمہیں شاید ہمارے آشیانے کی خبر

آخر میں جو مسدس شامل ہے اس کے ابتدائی اور آخری بند یہ ہیں:۔

ابتدائی بند :-

پیری کی کچھ طلب نہ مریدی کی آرزو
کچھ شغل کی تلاش نہ صیغی کی جستجو
آزادسیتی ربط نہ فاضل سے گفتگو
(پروا) ہے کیا کسو کی مجھے بس ہے ایک کو
یا مرتضیٰ علی ولی صاحب کرم
قربان چشم مست تو دیوانہ وم بدم

آخری بند :-

تقدیر سے غرض ہے نہ تدبیر سے حصول
شادی سے شادماں نہ کدورت سے ہوں ملول
یہ ہو میری آنکھوں میں رشت نجف کی دھول
یہ عرض ہو شتاب منور کی اب قبول
یا مرتضیٰ علی ولی صاحب کرم
قربان چشم مست تو دیوانہ وم بدم

کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ البتہ تفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔

منور کوئی مشہور شاعر نہیں ہیں۔ قاسم نے اپنے تذکرہ میں ایک شاعر میر منور علی منور کا ذکر کیا ہے کہ "وہ ذہین آدمی ہیں" دیکھو یادگار شعرا صہ ۱۹۸

---

(۷۷) دیوان درد [۵۲۳]

اوراق ۱۲۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۱/۲ ۵" × ۳/۴ ۸"۔ خط نستعلیق۔
مصنف خواجہ میر درد دہلوی۔ تصنیف قبل ۱۱۹۹ھ۔

یہ خواجہ میر درد (۱۱۳۸ھ - ۱۱۹۹ھ) کے دیوان کا ناقص الاول والآخر نسخہ ہے جو بری طرح سے کرم خوردہ اور ناقص ہوگیا ہے۔ غالباً غلام حسین بیدری ہی نے اس کو ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا تھا۔ پہلے ورق پر تفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔ درد کے متعلق تفصیلی معلومات شایع ہو چکی ہیں۔

آغاز :-

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں۔
نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا
سو بار دیکھیاں ہیں تری بے وفائیاں
تس پر بھی نت غرور ہے دل میں نباہ کا

اختتام :-

اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن ۔۔۔ جو شجر ہے سو شکل ماتم ہے
درد الفت کا کچھ نہ پوچھو تم ۔۔۔ وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

---

(۷۸) کلیات سودا [۱۱۶]

اوراق ۱۳۴۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۹۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف مرزا محمد رفیع سودا۔ تصنیف
قبل ۱۱۹۵ھ۔ کاتب ہیم راج سکینہ۔

سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ۔

یہ مرزا سودا کے کلام کا ایک نفیس اور ایک حد تک مکمل نسخہ ہے۔ ادارے کے کتب خانے میں اس کے اور بھی نسخے موجود ہیں جن میں سے ایک کا تذکرہ گزر چکا ہے (دیکھو مخطوطہ نمبر ۷۳)۔

زیر نظر نسخے میں ابتدائی ۷۰ اوراق غزلیات پر مشتمل ہیں جن میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔ اس کے بعد رباعیاں شروع کی گئی ہیں جن کی تعداد بچیس ہے۔ ایک صفحہ فردیات کے لئے وقف ہے۔ ورق ۷۵ سے مخمسات و مسدسات شروع ہوتے ہیں جن کا سلسلہ ورق ۹۵ پر ختم ہوتا ہے۔

ورق ۹۵ کے وسط سے مثنویاں شروع ہوتی ہیں جو ورق ۱۱۱ پر ختم ہوتی ہیں۔ یہ تقریباً پانچ سو ابیات پر مشتمل ہیں۔ ورق ۱۱۲ سے قصیدے لکھے گئے ہیں جن کی تعداد آٹھ ہے اور جو ورق ۱۳۲ پر ختم ہوتے ہیں۔ آخر میں پھر پانچ صفحات کا ایک مخمس لکھ کر کلیات کو ختم کیا گیا ہے۔

آغاز:۔

مقدور نہیں اوسکی تجلی کے بیاں کا جوں شمع سراپا ہو اگر وصف زباں کا
پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

اختتام:۔

بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ جو اس غم سے تو کباب نہیں
کسو کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اشک تیری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

ترقیمہ:۔

"تمام شد مخمس مرزا محمد رفیع سودا
۲۹ شوال المکرم ۱۲۱۳ھ روز شنبہ
بخط اضعف العباد ہیم راج متعدی بشیبہ
قوم کالیتھ سکینہ
قیمت کتاب ده روپیہ گرفتہ شد"

کلیات سودا کا یہ نسخہ خوبی کتابت کے علاوہ تاریخی قدامت کے لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے کیونکہ سودا کی وفات سے صرف سولہ، سترہ سال بعد ہی لکھا گیا ہے۔

(٩) کلیات سودا [١٤٨]

اوراق ١٨٤ - سطور ١٣ فی صفحہ -
تقطیع ۸½ × ۵½ - خط نستعلیق جلی -
مُصنف مرزا محمد رفیع سودا - تصنیف
۱۱۹۵ھ - کاتب لالہ دولہ رائے جیو کھن لال
سنہ کتابت ۱۱۹۵ھ -

کلیات سودا کا یہ نسخہ تاریخ کتابت کے لحاظ سے نسخہ نمبر ۷ سے بھی زیادہ اہم ہے - کیونکہ یہ سودا کی وفات کے ایک سال کے اندر ہی مرتب ہوا ہے -
اس کلیات کے آغاز میں اصلح الدین کا لکھا ہوا فارسی نثر میں دیباچہ ہے جو سودا کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیات سودا کی زندگی ہی میں مرتب کیا گیا ہے -

دیباچہ کے بعد (١٩) قصیدے نقل کئے گئے ہیں ان کے بعد مثنویاں اور مرثیے ہیں - یہ حصہ ورق ٩٣ پر ختم ہو جاتا ہے جس کے آخر میں ترقیمہ ہے جو بعد کو نقل کیا جائے گا - غزلوں کا حصہ ورق ٩٤ سے شروع اور ١٥٩ پر ختم ہوتا ہے اور پھر رباعیاں شروع ہوتی ہیں جن کے بعد ورق ١٦٠ ب سے مخمسات لکھی گئی ہیں -
حصۂ غزلیات و مخمسات کا آغاز و اختتام و ترقیمہ یہ ہے :-

آغاز :-

مقدور نہیں اوس کی تجلی کے بیاں کا
جیوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کوں تعین کے در دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

اختتام :-

سنا جاتا ہے فن شعر میں ایسا ہی ہے قابل
سبق اوس سے پڑھیں اس وقت اگر ہوویں میرزا بیدل
اگر وہ درس دیوے ہم سے نادانوں کو کیا حاصل
سمجھنا مطلع ابرو کا اوس کے سخت ہے مشکل
بدقت میتواں فہمید معنی ہائے نازِ او
کہ شرح حکمت العین است مژگانِ درازِ او

ترقیمہ :-

" بتاریخ ہشتم جمادی الثانی بروز جمعہ ۱۱۹۵ھ تحریر یافت "

اس ترقیمے کے برابر حاشیہ پر قطعۂ تاریخ وفات سودا لکھا گیا ہے جس کا پہلا مصرعہ جلد ساز کی بے احتیاطی سے کٹ کر تلف ہو گیا ہے - بقیہ تین مصرعے یہ ہیں -

چوتھی رجب کوں جان سیں گذرے
تب کہ یکتا اٹھا ہوی تاریخ
آہ سودا جہان سیں گذرے

اس آخری مصرعے سے ۱۱۸۶ھ یا ۱۱۸۵ھ برآمد ہوتے ہیں -

دیباچہ کا آغاز و اختتام و ترقیمہ یہ ہے :-

آغاز :-

" رفیع ترین کلامے کہ رفعت بخش دیباچۂ سخن تواند "

اختتام :-

" صبح اوراق این دیوان کہ گلدستہ معانی است

از ظلمت شام سامت سرف گیراں محفوظ باد"

ترقیمہ :-

"بروز چہار شنبہ و بتاریخ بیست و ہفتم
جمادی الثانی ۱۱۹۵ھ ہجری تحریر یافت
جمع این اوراق از باد پریشانی مصئون
ہست تا بر لوح امکاں نقش ہستی آشکار

حصۂ قصائد و مثنویات و مراثی کا آغاز و ترقیمہ
یہ ہے۔

آغاز :-

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی

اختتام :-

بخون ناحق شاہ شہید تیغ ستم
الٰہی غم نہ ہو سودا کو جز حسین کا غم
ہو اس کا جیتے جی مونس حسین کا ماتم
جو بعد مرگ ہو مدفن تو کربلائے حسین

ترقیمہ :-

"دیوان سودا بخط لالہ دولہ رائے جیو و لکھمن لعل
بروز دوشنبہ بتاریخ بیست و پنجم جمادی الثانی ۱۱۹۵ھ
صورت تحریر پذیرفت تمت تمام شد"

اس کی پشت پر ایک چھوٹی سی بیضوی مہر ثبت
ہے جس پر مرزا اسد علی ۱۲۲۰ھ درج ہے۔
یہ کلیات سودا نواب غایت جنگ بہادر کا عطیہ
ہے اور اس کے آخری ورق پر ان کی مستطیل خوشنما مہر
"غایت جنگ ۱۳۴۴ھ" ثبت ہے۔

---

(۸۰) منتخب دیوان سودا [۱۳۶ ب]

اوراق ۵ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۹۔ خط نستعلیق۔ عنوان
اور تخلص سرخی میں۔ مصنف مرزا محمد رفیع سودا
تصنیف قبل ۱۱۹۴ھ۔

یہ نسخہ اوائل تیرہویں صدی ہجری کی کتابت ہے
معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ چندو لال شاداں کی فرمائش پر
یا اُن کے زمانے میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں سودا کی
مختلف غزلوں کے متن سے زیادہ منتخب اشعار جمع کئے گئے
ہیں

آغاز :-

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اُٹھایا نہ جائے گا
آنے سے فوج خط کے نہ ہو دل کو مخلصی
بندھا یہ زلف کا ہے چھٹا یا نہ جائے گا۔

اختتام :-

نطق کہتا ہے مرا آج یہ ہر ناطق سے
آن کر ہو نٹھ ابھی طوطی کے مل جاؤں گا
کہتے ہیں وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہی خوب
ان کی خدمت میں لئے یہ میں غزل جاؤں گا

(زمانہ کتابت وغیرہ کے لئے دیکھو نسخہ نمبر ۸۱)

(۸۱) منتخب دیوان نصیر [۱۳۶ (ل)]

اوراق ۲۰۲ - سطور ۱۲ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۹ - خط نستعلیق۔ عنوان
اور تخلص سرخی میں۔ مصنف شاہ نصیرالدین
نصیر دہلوی۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ
شاہ نصیر دہلی کے آخری مشاہیر شعرا میں سے تھے۔
ابوظفر بہادر شاہ اور ذوق کے استاد تھے۔ آخر زمانے میں
لکھنو اور حیدرآباد کے کئی سفر کئے اور آخر کار حیدرآباد ہی
میں ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی قبر واقع درگاہ
سید موسیٰ شاہ قادری پر ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے
سنگ مرمر کا کتبہ لگادیا گیا ہے۔
شاہ نصیر نہایت پرگو اور مشاق شاعر تھے۔ انہوں
نے سنگلاخ زمینوں میں غزلیں اور قصیدے لکھے تھے۔
مہاراجہ چندو لال نے حیدرآباد میں ان کی ایسی قدر و منزلت
کی کہ آخر وہیں کے ہو رہے۔ ان کا یہ منتخب دیوان بھی
غالباً مہاراجہ ہی کے حکم سے یا انہی کے کسی درباری نے
نقل کرایا ہے کیونکہ کتاب کے آغاز میں مختلف شعرا کے اشعار
کے ساتھ مہاراجہ کا ایک مطلع بھی کاتب نے نقل کیا ہے
جو یہ ہے:-

مطلع مہاراجہ بہادر
شب نگشتی روز گر جلوہ نکردے بوتراب
کے شدی روشن ز مشرق تا بمغرب آفتاب

اس نسخے میں شاہ نصیر کی غزلوں کے تقریباً آٹھ سو اشعار
منتخب کئے گئے ہیں۔

آغاز:-
دیکھنے جب اپنی صورت وہ پری پیکر لگا
بن گیا آئینہ جو گی منہ کو خاکستر لگا
چشم نقش پا سے ہے پامال حسرت دیکھئے
گوشۂ داماں کو اپنی اور ہی ٹھوکر لگا

اختتام:-
نہ کیونکہ شب رہا ہاں نشیں ہو حلقہ بگوش
بلا یہ کان کے بالے تمہارے ہلتے ہیں
غزل ایک اور بھی کہہ اس زمین کی کہ نصیر
زباں سے شعر ترے خوب تر نکلتے ہیں

---

(۸۲) منتخب دیوان صاحب قراں [۱۳۶ (د)]

اوراق ۴ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۹ - خط نستعلیق عنوان
اور تخلص سرخی میں۔ مصنف صاحب قراں۔
یہ بھی نصیر اور سودا کے منتخب دواوین کے سلسلہ میں
نقل کیا گیا ہے۔ اس میں صاحب قراں (امام علی رضوی بلگرامی) کے
تقریباً بچاس اشعار منتخب کئے گئے جو ہزل میں کہے گئے ہیں۔
ابتدائی دو صفحات کے حاشیوں پر جعفر زٹلی کی ہجو یہ غزل
اور رقعہ بھی درج ہے۔ صاحب قراں عہد سودا و مصحفی کا
ایک ہزل گو تھا جس کا ذکر قائم اور دوسروں نے اپنے تذکروں میں کیا ہے۔

آغاز:-
یہ حسن خداداد ہے یا نور کا جھمکا عالم سے جمال اس کا نظر آتا ہے چمکا
کیوں داغ محبت سے جلاتا ہے جگر کو گر شعلۂ شرر تجھ کو بھروسا نہیں دم کا

اختتام :۔

.......کرا گر تو کر جائے گی تو ایسا جڑوں گا کہ مرجائے گی
اگر تجھ کو مرنا ہے آ میرے پاس .... ہی مرجائے گی

---

(۸۳) دیوان یقین [۱۳۶ (ز)]

اوراق ۴۲۔ سطور ۱۴ فی صفحہ
تقطیع ۵½ × ۴½ ۔ خط نستعلیق عنوان اور
تخلص سرخی میں ۔ مصنف انعام اللہ خاں
یقین تصنیف قبل ۱۱۶۱ھ ۔

یقین کے دو دیوانوں کا ذکر نسخہ جات نمبر ۱، ۵، ۷، میں گزر چکا ہے ۔ یہ ادارے کا تیسرا قلمی نسخہ ہے ۔ اور مہاراجہ چندو لال کی فرمائش پر یا انہی کی زندگی میں نقل کرایا گیا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی شاہ نصیر، سودا، صاحب قراں اور لچھمی نارائن شفیق کے بھی منتخبات ایک ہی جلد میں شامل ہیں اور ایک ہی کاغذ پر ایک ہی کاتب نے نقل کئے ہیں ۔ (تفصیل کے لئے دیکھو تذکرہ نسخہ ۸۱)

اس نسخے میں یقین کے تقریباً چھ سو پچاس اشعار درج ہیں۔

آغاز :۔

کون کرسکتا ہے اس خلاق اکبر کی ثنا
نارسا ہے شان میں جس کی پیمبر کی ثنا
سر برا اس موہنہ سے ہو سکتی ہے کب نعت رسولؐ
یا ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کی ثنا

اختتام :۔

ہیں مار سیہ یہ زلف کے کاٹے سے کیا ہو گا
کہ ہم اک عمر سے مارے ہیں جالے کے افیوں کے
نہیں ہے باغ سے کچھ کام جز شمشاد سرداں کو
دیوانے ہیں یقین ہم قمریوں کی طبع موزوں کے

ترقیمہ :۔

"تمام شد کار من نظام شد بحرمت النون والصاد"

اس کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کی بیضوی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین" اور دستخط عنایت جنگ ثبت ہیں ۔

اس جلد کے جملہ نسخے انہی کے عطیہ ہیں ۔

---

(۸۴) قصیدہ صاحب درجواب سودا [۱۳۶ (ھ)]

اوراق ۵ ۔ سطور ۱۴ فی صفحہ
تقطیع ۵½ × ۹ ۔ خط نستعلیق عنوان اور
تخلص سرخی میں ۔ مصنف رائے لچھمی نارائن
شفیق و صاحب ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۱۵ھ

لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی اردو کے ایک مشہور شاعر اور صاحب تذکرہ ہیں ۔ ان کا تذکرہ چمنستان شعرا چھپ چکا ہے اور ان کے حالات مرقع سخن جلد اول میں درج ہیں ۔ ان کا اردو دیوان ابھی شائع نہیں ہوا ۔

زیر نظر قصیدے میں ۴۲ اشعار ہیں اور یہ مرزا سودا کے قصیدے کے جواب میں اسی زمین میں لکھا گیا ہے ۔ اس کا موضوع نعت رسولؐ عربی ہے اور اس کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہندو شاعر بھی نعت میں کتنے کامیاب شعر لکھ سکتا ہے ۔ شاعر کا تخلص اس شعر میں درج ہے ۔

صاحب اب تیرے تئیں اتنی کہاں ہے قدرت
نعت میں ذات مبارک کی کہے حرف تنک

آغاز :-

شام کے وقت میں کل گرد سے دامن کو جھٹک
سون میں گھر کے ٹہلتا تھا تفکر میں سڑک
گاہ ایوان سے کرتا تھا خیابان کی سیر
گہہ خیابان سے آتا تھا میں ایوان تلک

اختتام :-

نامہ ہو دے بخیراب مرا اے ختم رسل
صدقے اس شخص کے جس کو تو کہا ہے لکھ
مجھ کو کب مونہہ جو درود اب میں زباں پر لاؤں
بھیجتا تجھ پہ ہے صلوات خدا اور ملک

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ اس کے بعد ہی ہفت بند کاشی درج ہے جس کا ذکر فارسی مخطوطات میں کیا جائے گا۔ ہفت بند کے بعد صاحب کی اردو غزلیں درج ہیں۔

(۸۵) دیوان انشا [۲۱۵]

اوراق ۹۶ - سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ۶½ × ۹" - خط نستعلیق شکستہ آمیز عنوان
اور تخلص سرخی میں - مصنف میر انشاء اللہ خاں
انشا - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۳۳ھ
کاتب - میر احمد علی عصر - کتابت ۱۲۶۸ھ

میر انشاء اللہ خاں انشا ولد میر ماشاء اللہ خاں دہلی کے مشہور شعرا میں سے تھے جنہوں نے لکھنؤ میں عروج حاصل کیا۔ وہ نہایت پرگو، بذلہ سنج اور مشاق شاعر تھے۔ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اور فارسی و اردو نثر میں بھی کتابیں لکھیں۔ ان کا کلیات اردو، دریائے لطافت اور رانی کیتکی کی کہانی شائع ہو چکی ہے۔ ان کے حالات بھی مختلف تذکروں میں چھپ چکے ہیں۔

انشا کا یہ دیوان غزلیات اس لئے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے کاتب دکن کے ایک بڑے اردو شاعر میر احمد علی عصر ہیں جو حضرت فیض کے شاگرد رشید اور نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے استاد تھے۔ ان کا دیوان رباعیات خود انہی کا لکھا ہوا ادارے کے کتب خانے میں موجود ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

انشا کے اس دیوان میں تقریباً تین ہزار اشعار ہیں۔ اور چونکہ ایک بڑے شاعر نے اس کو نقل کیا ہے اس لئے بہت صحیح اور قابل اعتماد نسخہ ہے۔

آغاز :-

یہ دیوان ہے میر انشا کا عصر
صنما برب کریم یہاں ترے ہیں ہر ایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بربکم تو ابھی کہے تو کہے بلا!
ہوس جمال حبیب ہو تجھے کچھ دلا تو حکیم وش
نہ اولن ترانی ادھر کی سن ارنی کہیں سے نہ دل جلا

اختتام :-

وہ مار فلک کا کہکشاں نام ہے جس کا
کیا دخل کرے کھا کے جو بل فوں مرے آگے
میں شاہ خراساں کے غلاموں میں ہوں انشا
معروف رہتے موسی و ہاروں مرے آگے

ترقیمہ :-

" تمت تمام شد بتاریخ ہجدہم ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ
بروز شنبہ بوقت مغرب در مکان میر تہور علی نبیرۂ میر فضل علی خاں

از دست میر احمد علی المتخلص عصر باستصواب استادنا
و مولنٰنا سر پیشوائے ہند و دکن جامع ہر کمال و ہر فن
سلطان الشاعرین جناب حضرت مولوی حافظ میر محمد شمس الدین صاحب
قبلہ المتخلص بہ فیض ادام اللہ فیوضہ از دیوان مرزا احمد علی بیگ
تخلص زرقہ بطریق مشق برائے شوق خود ارقام نمودہ
شد۔ تمت بالخیر۔

ترقیمے کے نیچے خود میر عصر نے اپنی ایک ناتمام غزل
لکھی ہے جو غالباً اسی روز کہی گئی ہے جس روز کہ اس
دیوان کی نقل تکمیل کو پہنچی۔ کیونکہ اس میں درمیان میں
مزید اشعار کے لئے جگہ چھوڑی گئی ہے۔ اس کا مطلع مقطع یہ ہے

کدورت رکھو کے دل میں ہے عبث فکر پریشاں میں
عدو کو عزم ہو گر ہمسری کا آوے میداں میں

کمالات جناب فیض روشن ہیں قیامت تک!
چھپائے سے چھپا بھی ہے چراغ مہر داماں میں!

پھرا استاد سے جو عصر کیا بات اوس سبق کی
نہیں ہے آبرو اس کو کبھی بزم سخنداں میں

اس نسخے کے آخری ورق پر حافظ ظہور علی کی وفات کا قطعۂ
تاریخ فیض درج ہے جس کا آخری شعر یہ ہے۔

فیض تاریخ ارتحالش گفت   بے بدل فاضل مدرس بود

یہ نسخہ مولوی سید محمد صاحب ایم اے۔ لکچرار اردو سٹی کالج
کا عطیہ ہے۔

---

(۸۶) کلیات انشا [۵۲۴]

اوراق ۱۹۰ - ۱۴ سطور فی صفحہ
تقطیع ½۵ × ½۸ - خط شکستہ
مصنف میر انشاء اللہ خاں تصنیف قبل ۱۲۳۳ھ

یہ کلیات انشاء کا ایک ناقص الاول اور کرم خوردہ
نسخہ ہے۔ جس میں انشا کی غزلیں، مثنویات، رباعیات
قطعات تاریخی، ہجویات، ہزلیات اور مخمسات وغیرہ
درج ہیں۔ یہ نسخہ نہایت قدیم ہے اور بطور بیاض کے
لکھا گیا ہے۔

آغاز:۔

اے ہم تشیں یہ موسم ہولی ہے ان دنوں
منظور ہے جو سیر تو اس خوش ادا کو چھیڑ
لیکن کچھ اور سانگ : لا سر پر اپنے ایک
نیلا تھا باندھ کے اون کی ادا کو چھیڑ

اختتام:۔

قتل پر ان کے کی جو بے صبری	بن گیا صفو کاغذ ابری
جی قلم کا بھی اب تو متلایا	پیٹ میں تھا سو سب نکل آیا

---

(۸۷) دیوان میر [۴۴]

اوراق ۱۷۵ - سطور ۱۷ فی صفحہ
تقطیع ½۵ × ۹ - خط نستعلیق - عنوان
حاشیہ اور تخلص سرخی میں - مصنف میر تقی میر
تصنیف قبل ۱۱۹۲ھ - کاتب میر محمد علی
راد ہاکشن - سنہ کتابت ۱۱۹۲ھ
بمقام شاہجہاں آباد۔

یہ میر تقی میر کا پہلا دیوان ہے جو خود ان کی زندگی میں
خاص اہتمام سے نقل کرایا گیا ہے۔ کاغذ اور کتابت نہایت
اعلیٰ ہے۔ حاشیہ پر سرخ اور نیلی جدولیں ہیں۔ صرف اٹھارہ
دن میں (یعنی ۱۱ تا ۲۹ شوال) میں اس کی کتابت مکمل کی گئی ہے۔

یہ کتاب شیخ محمد شکراللہ کی فرمائش پر نقل کی گئی ہے اور اسی زمانے میں ایسے ہی کاغذ پر اور اسی اہتمام کے ساتھ محمد شکراللہ نے میر کا فارسی دیوان نالہ دولت رائے سے نقل کرایا تھا جو اسی جلد میں محفوظ ہے ۔ اس کا ذکر فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا ۔ میر کا فارسی دیوان بالکل نادر ہے۔

یہ اردو دیوان میر بھی تاریخ کتابت کے لحاظ سے نہایت اہم ہے ۔ اس میں ابتدائی ۵۵ اوراق غزلوں کے لیئے وقف ہیں جن میں تقریباً اٹھارہ سو شعر ہیں ۔ اس حصے کو میر محمد علی نے لکھا ہے ۔

آغاز :-

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیئے کائنات کا
بکھرے ہے زلف اس رخ عالم فروز پر
ورنہ بناؤ ہووے نہ دن اور رات کا

اختتام :-

آسماں شاید ورے کچھ آگیا　رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی
کاشکے برقع رہے اس رخ پہ میر　منہ کھلے اس کے چھپا جاتا ہے جی

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد بتاریخ دویم روز یکشنبہ شہر
ذیعقدہ ۱۱۹۲ھ نبوی بحسب فرمایش شیخ محمد شاکر
جیو سلمہ ربہ بدست میر محمد علی تحریر پذیرفت
سنہ ۲۰ شاہ عالم بادشاہ"

ورق ۵۶ سے رباعیات شروع کی گئی ہیں جو ۳۴ ہیں۔

ورق ۵۸ ب سے مخمسات کا آغاز ہوا ہے جو ورق ۶۲ پر ختم ہوئی ہیں ۔ ان کے بعد بھی میر محمد علی کا حسب ذیل ترقیمہ ہے۔

"تمت تمام شد دیوان میر تقی بتاریخ چہارم
شہر ذیعقدہ روز سہ شنبہ بحسب فرمایش میاں
محمد شکراللہ بدست میر محمد علی رضوی موافق
۱۱۹۲ھ ہجری تحریر یافت ۔ سنہ ۲۰ شاہ عالم
بادشاہ غازی"

ورق ۶۳ سے منفردات، تضمین، مثلث، ترکیب بند، مسدس، واسوز، واسوخت اور مخمس لکھے گئے ہیں جن کا سلسلہ ورق ۹۳ ب پر ختم ہوتا ہے ۔ ورق ۹۴ سے مثنوی اژدر نامہ شروع ہوتی ہے ۔ اس کے بعد حسب ذیل مثنویاں ہیں۔

تنبیہ الجہال (۹۵ ب) ۔ زبان زد عالم ہجو بے ادبی (۹۷ ب) ہجو آئینہ دار (۱۰۱) ۔ سگ نامہ (۱۰۲ ب) ۔ ہجو خانہ خود (۱۰۳ ب) ۔ سگ و گربہ (۱۰۵) ۔ مادہ سگ (۱۰۶) ۔ جوش باراں (۱۰۶ ب) ۔ ہجو اکول (۱۰۸) ۔ دم الفضول (۱۰۹ ب) ۔ مرثیہ مرغ (۱۱۳) ۔

ورق ۱۱۳ ب سے قطعات کا آغاز ہوا ہے جو یہ ہیں : -

تعریف اسپ (۱۱۳ ب) ۔ ہجو خواجہ سرا (۱۱۴) -

مبارکباد صحت (۱۱۴ ب) -

ورق ۱۱۵ سے پھر مثنویات شروع ہوتی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

تعریف آغا رشید (۱۱۵) ۔ مبارکباد کدخدائی بشن سنگھ (۱۱۵) ۔ ساقی نامہ (۱۱۷ ب) ۔ جوش عشق (۱۲۱) ۔ دریائے عشق (۱۲۶) ۔ اعجاز عشق (۱۳۵) ۔ خواب و خیال (۱۴۴) — شعلۂ شوق (۱۴۸ ب) ۔ ہجو نامہ (۱۵۶) ۔ تعریف بچہ کپی (۱۵۹ ب) ۔ تعریف گربہ موہنی (۱۶۰ ب) -

یہ مثنویاں ورق ۱۶۳ پر ختم ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ہی قصائد شروع ہوتے ہیں جن کی تعداد (۷) ہے۔

ورق ۱۶۳ سے ۱۷۵ تک کا حصہ یعنی غزلوں اور رباعیوں کے بعد کا حصہ ایک دوسرے خطاط راد ہاکشن نے قلمبند کیا ہے۔

اس حصے کا آغاز و اختتام و ترقیمہ یہ ہے۔

آغاز:۔

مصرع زلف کا نہ نکلا ہیچ شاعروں نے بھی فکر کر دیکھی

کوچۂ یار سے نجاویں گے کیسے ہی ہوں گے ہم گئے گزرے

اختتام:۔

اگرچہ عذر ہو مقبول تو تو خیر از نہ حریف ہونے کا میرے نتیجہ خفت ہے
کہاں تلک میں کروں اس نفاق کا شکوہ خموشی اب تو ہے اولیٰ کہ اس میں راحت ہے

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد دیوان میر تقی بتاریخ بیست نہم
شہر شوال روز پنجشنبہ ۲۲ سنہ جلوس شاہ عالم
مطابق ۱۱۹۲ھ بحسب فرمائش میاں
محمد شکر اللہ منہ مقام دار الخلافہ شاہجہاں آباد
بخط احقر العباد بندہ راد ہاکشن کائستھ تحریر یافت"

آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط اور بیضوی مہر "مصدر الطاف وعنایت حسین" ثبت ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

(۸۸) کلیات ایمان [۱۸۱]

اوراق ۱۵۶ ۔ سطور ۱۵ ۔ فی صفحہ
تقطیع ½۵" × ½۸" ۔ خط نستعلیق پاکیزہ ۔
عنوانات سرخی میں ۔ مصنف شیر محمد خاں ایماںؔ
تصنیف قبل ۱۲۲۳ھ ۔ کتابت ۱۲۴۹ھ ۔

شیر محمد خاں ایماںؔ عہد آصف جاہ ثانی کے ملک الشعراء اور شاہ تجلی کے شاگرد تھے۔ ان کے حالات ادارے کی مطبوعات مرقع سخن جلد اوّل اور ایمان سخن میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے کلام کے بہت کم نسخے موجود ہیں۔ ادارہ کا زیر نسخہ نہایت پاکیزہ اور مکمل ہے۔ ایماںؔ پہلے حیدرآبادی شاعر ہیں جنہوں نے شمالی ہند کی زبان میں اپنا شاعرانہ کمال منوایا۔

اس نسخے میں پہلے غزلیات ہیں جو ورق ۹۵ ب پر ختم ہوتی ہیں۔ ان میں تقریباً تین ہزار اشعار ہیں۔ آغاز و اختتام یہ ہے:۔

آغاز:۔

الٰہی شکر جاری ہے زباں پر دم بدم تیرا
کہ بخشا جان و ایماں بے نہایت ہے کرم تیرا
کرے ہے بندگی کا پہلے ہی تجھ کو ادا سجدا
بعد آداب پھر اوصاف لکھے ہے قلم تیرا

اختتام:۔

شور و فغان و گریہ و اندوہ و درد و غم
آخر ہمارے ساتھ یہ سب مشغلے چلے
ایماں اس جہاں سے بجز بار معصیت
افسوس صد ہزار کہ ہم کچھ نہ لے چلے

ورق ۹۵ ب کے آخر میں ایک قطعہ درج ہے اور ۹۶ سے رباعیاں شروع کی گئی ہیں جو نشتر کی تعداد میں ہیں۔ ورق ۱۰۳ سے مثلث، مخمس اور مسدس لکھے گئے ہیں جن کا اختتام ورق ۱۱۴ پر ہوتا ہے۔ اسی صفحے سے مثنویوں کا آغاز ہوتا ہے جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) قصہ فرہاد و شیریں و لیلیٰ مجنوں (۲) مثنوی برق تاب ۱۲۶ ب ۔ (۳) بے تاب نامہ ۱۳۰ ۔ (۴) اشتیاق نامہ ۱۳۱ (۵) فراق نامہ ۱۳۲ ب ۔

ان پانچ مثنویوں میں تقریباً چھ سو ابیات ہیں۔ ان کے بعد

قصائد شروع ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) نعت ۱۳۳ ب ۔ (۲) منقبت امیرالمومنین علی ۔ ۱۳۴ ب ۔ (۳) مدح نظام علی خاں ۱۳۶ ۔ (۴) سالگرہ ارسطوجاہ ۱۴۰ ۔ (۵) جشن سالگرہ نظام علی خاں ۱۴۱ ۔ (۶) قصیدہ تہنیتیہ ۱۴۴ ب (۷) مدح سردارالدولہ ۱۴۴ ب (۸) شادی جہاں پرور بیگم ۱۴۷ ۔ (۹) سالگرہ ارسطوجاہ ۱۴۹ ۔ (۱۰) سالگرہ ارسطوجاہ ۱۵۶

ان دس قصائد میں تقریباً پانسو اشعار ہیں ۔ قصائد کے بعد پھر مثنویاں شروع کی گئی ہیں جن میں سے چار تو نامہ جات منظوم ہیں اور آخری کا عنوان ہے "دتنبیہ عامہ"۔ مثنویوں کے بعد یک منقبت ہے جو مخمس کی شکل میں ہے ۔ اختتام اس بند پر ہوتا ہے ۔

تجھ آستاں پر مہر و مہ دن رات گھستے ہیں جبیں
ایماں صدق جان سے ہے گا غلام کمتریں
تیرے سوا اس کا کوئی کونین میں حامی نہیں
ہر ایک دم صبح و مسا یہ درد ہے یا شاہ دیں!
صاحب روا مولا علی مشکل کشا مولا علی

ترقیمہ :-

"بتاریخ پانزدہم شہر صفرالمظفر ۱۲۴۹ ہجریہ
مقدسہ تمت الکتاب یعنی ایں دیوان خیر محمد خاں
ایماںؔ ۔ کاتب الحروف محمد ہاشم (یا قائم)
ایمان دے اوس کو خدا
دیدار کو اپنے دکھا"

اس کے برابر نواب عنایت جنگ بہادر کی بیضوی مہر "مصدرالطاف وعنایت حسین" ثبت ہے ۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے ۔

(۸۹) حاشیہ من درپن [۱۱۰]

اوراق ۱۰ سطور ۱۲ فی صفحہ
تقطیع ۸½ × ۷ ۔ خط نستعلیق ۔ عنوان
حاشیہ، معنی و تشریح سرخی میں ۔ مصنف
محمد باقر آگاہ ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۹ھ

یہ نسخہ نمبر ۱۰۶ کا دوسرا مخطوطہ ہے جو زیادہ مکمل ہے ۔ اس میں سطروں کے درمیاں سرخ روشنائی میں مشکل الفاظ کے معنی اور حاشیہ پر مطالب درج ہیں ۔ تعداد ابیات تقریباً سوا دو سو ۔

آغاز :-

پس از حمد خدا و نعت مختار — سن اس مضمون کو گوش دل سوں اے یار
کہ من درپن میں بولا میں باعجاز — باتیں ہیں قرآں کا اعجاز

اختتام :-

خدا سے نت ہو تسلیمات و صلوات
نبیؐ کے روضۂ انور پہ دن رات
اور اوس کے آل و صحب و تابعیں پر
خصوصاً محی دین محبوب داور

یہ نسخہ مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب کا عطیہ ہے جو انہوں نے ۲۲-۹-۴۷ ف کو ادارے کے کتب خانہ میں داخل کیا ۔

(۹۰) مراثی آگاہ [۱۳۴]

اوراق ۶۔ سطور ۱۷ فی صفحہ۔
تقطیع ۴½ × ۷۔ خط نستعلیق۔ عنوانات
سرخی میں۔ مصنف محمد باقر آگاہ۔
سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ

یہ نسخہ دراصل ریاض الجناں (دیکھو مخطوطہ جات نمبر ۶۲ و ۶۳) کا ضمیمہ ہے۔ اور غالباً نسخہ نمبر ۶۳ کے ساتھ شامل تھا اور جلدبندی کے وقت غلطی سے علحدہ کردیا گیا ہے۔
اس میں تین سلام اور دو طویل مرثیے شامل ہیں۔

آغاز:۔

السلام اے سبزۂ الا الموّت کے امام
السلام اے محفل یتلوہ شاہد کے ہمام
السلام اے مطلع والشمس کے ماہ تمام
السلام اے سید شباب جنت السلام

اختتام:۔

سوز و گداز درد نے پھر شمع داغ کو
سینے کے تابدان میں رکھایا ہے کس لئے
اس جوش واس گھٹا میں محرم کا ماتم
معلوم کچھ کیا تو کہ آیا ہے کس لئے

ترقیمہ:۔

دیکھو نسخہ ریاض الجناں نمبر ۶۳۔

(۹۱) پنچھی باچا [۴۰۱]

اوراق ۱۴۲۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ½۵ × ۸۔ خط نستعلیق۔ عنوان
سرخی میں۔ مصنف وجدی۔ سنہ تصنیف
۱۱۴۶ھ

اس کتاب کے تین اور نسخے ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں (دیکھو نمبر ۳۳ تا ۳۵) یہ نسخہ مکمل اور محفوظ حالت میں ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اوائل تیرھویں یا اواخر بارھویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔ اس کی آخری بیت میں کتاب کی تاریخ جس مصرع سے نکالی گئی ہے اس میں صرف **خاصہ کتاب** سے ۱۱۱۹ھ سنہ تصنیف قرار دیا گیا اور لکھا گیا ہے۔ اس سے قبل کے نسخوں میں کیا **خاصہ کتاب** سے ۱۱۴۶ھ تاریخ درج کی گئی ہے۔ اس نسخے میں تین ہزار پانچ سو ابیات ہیں۔

آغاز:۔

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر حمد سوں حق کی بلند آواز کر
شوق سوں ایسا او چاپایک چھبا جی رہے ترلوک کا عالم لوبھا

اختتام:۔

اس لئے یارب مرا ہوتا ہے کام
شکر ہے جے ہوے پنچھی با جا تمام
جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں کیا **خاصہ کتاب** ۱۱۱۹ھ

ابتدائی اور آخری صفحات پر نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

(۹۲) روضۃ الشہدا [۴۰۲]

اوراق ۱۹۰ - سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ⅓۸ × ⅔۵ - خط نستعلیق شکستہ آمیز
عنوانات سرخی میں - مصنف ولی ویلوری
سنہ تصنیف ۱۱۳۷ یا ۱۱۳۰ھ - کاتب
محمد زماں خاں مندوزئی - سنہ کتابت قبل
۱۲۴۶ھ - بمقام ڈکاپلی -

اس کتاب کے دو اور نسخے ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہیں (دیکھو نمبر ۳۱ و ۳۲) - یہ مخطوطہ ناقص الاول اور کرم خوردہ ہے - موجودہ حالت میں اس میں ۵۵۰۰ ابیات ہیں - اس نسخے کے آخر میں سنہ تصنیف صاف طور پر ۱۱۳۰ درج ہے ملاحظہ ہو اختتامی ابیات -

آغاز: -

جیسے جتنا محبت ہور ولا ہے — سو او اتنا بلا میں مبتلا ہے!
الست بربکم کا جب صدا تھا — جواب اوس کا لیلم بست کربلا کا

اختتام

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال — ایگیا راسو یہ تھا سنہ تیو اسال
زمانہ مہدی آخر زماں کا ! — انھا اس باعث امن وامان کا
ولی اب رکھ رقم ہور ختم کر بات — نبی ہور آل پر نت بول صلوات

ترقیمہ: -

"بتاریخ ہژدہم صفر المظفر در جائے ڈکاپلی بخیریت
بتمام رسید - کاتب الحروف محمد زماں خاں مندوزئی۔"

ترقیمے کے نیچے تین خوب صورت مستطیل مہریں ہیں جن میں سے ایک پر محترم جنگ ۱۲۴۶ھ - دوسری پر محترم الدولہ ۱۲۵۷ھ - اور تیسری پر اعتصام الملک ۱۲۷۵ ہجری کندہ ہیں - جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ان کی ملک تھا - بعد کو نواب عنایت جنگ بہادر کی ملک رہا کیونکہ سرورق پر عنایت جنگ ۱۳۰۴ھ کی مہر ثبت ہے - یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے - اعتصام الملک نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے خاص منظور نظر اور مشہور مدبر اور امیر تھے - فن انشاء اور خوش نویسی میں بھی کمال حاصل کیا تھا - ان کا تفصیلی ذکر گلزار آصفیہ صفحات ۱۸۳ تا ۱۹۰ میں درج ہے - اس نسخے پر جو مہر ہے وہ بھی خوش نویسی کا بہترین نمونہ ہے - لیکن اس کی مندرجہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فرزند محترم جنگ احترام الدولہ کو بھی اعتصام الملک کا خطاب ملا تھا - (محترم الدولہ کے حالات کے لئے دیکھو گلزار آصفیہ ۳۲۰)

(۹۳) طوطی نامہ [۱۶۹]

اوراق ۵۲ - سطور ۱۷ فی صفحہ
تقطیع ۶ × ½۱۱ - خط نستعلیق عنوان اور
معنی سرخی میں - مترجم سید حیدر بخش حیدری -
سنہ ترجمہ ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء - کاتب غلام قنبر
بفرمائش وزارت علی خاں - سنہ کتابت
۱۲۶۹ھ - بمقام حیدر آباد در دیوان خانۂ
نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع -

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر سید حیدر بخش حیدری شاہ جہان آبادی نے فورٹ ولیم کالج میں ۱۲۱۵ھ میں سید محمد قادری کے طوطی نامے کو اردو نثر میں منتقل کیا - یہ کتاب چھپ بھی چکی ہے لیکن یہ نسخہ اس لئے اہم ہے کہ حضرت آصف جاہ رابع کے شاہی دیوان خانے میں خاص اہتمام سے لکھا گیا ہے - مصنف کے حالات "ارباب نثر اردو" میں تفصیل سے درج ہیں -

آغاز :۔

" احسان اس خدا کا کہ جس نے دریائے سخن کو

اپنے ابرِ کرم سے گوہر معنی بخشا اور زبان انسان

کو واسطے اپنی حمد کے گویا کیا۔"

اختتام :۔

"اس بات کے سنتے ہی وہ تاب نہ لا سکا ایک

تلوار سے خجستہ کا کام تمام کیا۔ واللہ اعلم

بالصواب ۔ جو شخص سچ کہنے والا جانے ۔ اللہ

تعالیٰ اس کی حرمت رکھے ۔"

ترقیمہ :۔

" قصۂ طوطی نامہ بتاریخ بست ونہم شہر

ربیع الاول ۱۲۶۹ہجری نبوی در دیوان خانۂ

نواب معلی القاب نواب ناصر الدولہ بہادر بہ فرمائش

جناب میر وزارت علی خاں بہادر دام اقبالہٗ

بروز سہ شنبہ بوقت دو پہر کرے کم بدست

غلام قمبر اتمام یافت "

یہ نسخہ مولوی میر محمد نقی صاحب رضوی بی اے کا عطیہ ہے ۔

---

(۹۴) چہار درویش [۱۵۳]

اوراق ۴۸ ۔ سطور ۱۲ فی صفحہ

تقطیع ۴½ × ۷½ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔

مصنف میرامن دہلوی ۔

سنہ تالیف ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء

یہ میرامن کے چہار درویش کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے

میرامن نے بھی حیدری کی طرح جان گلکرسٹ کی فرمائش پر

فورٹ ولیم کالج میں اس قصے کو نثر میں لکھا تھا ۔ یہ کتاب

بھی بارہا چھپ چکی ہے ۔ مصنف کے حالات "ارباب نثر

اُردو" میں درج ہیں ۔ یہ نسخہ اوائل تیرھویں صدی کا مکتوبہ

ہے ۔ اور نواب عنایت بہادر نے ادارے کے کتب خانے

میں بطور عطیہ داخل کیا ہے ۔

آغاز :۔

" سبحان اللہ کیا صانع ہے کہ جس نے ایک

مٹھی خاک میں کیا کیا صورتیں اور مٹی کی

مورتیں پیدا کیں ۔ "

اختتام :۔

"وہ نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی جب ایک

ایک نوالا ہر ایک سے لیا پیٹ بھی بھر گیا

تب ہات کھانے سے کھینچا ۔ وہ شخص جو ہوا"

---

(۹۵) چہار درویش [۴۰۳]

اوراق ۱۲۲ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ

تقطیع ۶" × ۹" ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز

عنوان سرخی میں ۔ مصنف میرامن دہلوی۔

سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء ۔

یہ بھی کتاب نمبر ۹۴ کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے۔

لیکن زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے ۔ یہ بھی نواب عنایت جنگ

بہادر کا عطیہ ہے۔

آغاز :۔

" سبحان اللہ کیا صانع ہے کہ جس نے ایک مٹھی خاک

سے کیا صورتیں اور مٹی کی مورتیں پیدا کیں"

اختتام :-

آخر ملک شہپال نے ہر ایک بادشاہ کو تحفہ ...
سوغاتیں اور مال اسباب دے دے کر اپنے
اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب خوشی و خاطر
جمعی روانہ ہوئے اور بخیر و عافیت جا پہنچے
اور بادشاہت کرنے لگے۔

---

(۹۶) مذہب عشق [۱۲۱]

اوراق ۱۴۰ - سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۵" × ۸" - خط نستعلیق۔ جدول سنہری
عنوان اور اسماء سرخی میں۔ مولف نہال چند
لاہوری۔ سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ م ۱۸۰۳ء
کاتب صاحبزادہ میر مظفر علی خاں۔
تاریخ کتابت ۱۲۷۴ھ مقام حیدر آباد۔

تاج الملوک و بکاولی کے قصے کو ۱۱۲۴ھ میں شیخ عزت اللہ بنگالی نے اپنے ایک عزیز دوست نذر محمد کی خاطر فارسی میں قلمبند کیا تھا۔ نہال چند لاہوری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۲۱۷ھ میں اس کا اردو نثر میں ترجمہ کیا اور اس کا تاریخی نام مذہب عشق رکھا۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور مصنف کا احوال "ارباب نثر اردو" میں تفصیل سے درج ہے۔ اس کے آخری حصے میں غالباً کاتب نے اپنی طرف سے تھوڑی سی عبارت کا اضافہ کیا ہے جس کی تفصیل اس کے دوسرے نسخے کے تذکرہ میں آئندہ صفحے پر درج ہے
یہ نسخہ حیدر آباد کے شاہی خاندان کے ایک علم دوست نے خاص اہتمام سے خود نقل کیا ہے اس لئے قابل قدر ہے

آغاز :-

الٰہی کر سخن پیدا تو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول
حمد و ثنا کی ہمیشہ بہار کا گلستاں باغبان حقیقی
کو سزاوار ہے کہ اس طرح بوستان جہاں
نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و طراوت
بے اندازہ اس کے روضۂ رضوان سے پائی۔

اختتام :-

"شاید مصنف نے سنا سنایا لکھا تھا۔ ورنہ
اتنا فرق نہ ہوتا جس کا مفصل اس کا دریافت
کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو اور
شاہ جہاں نامے کے اس مقام کو جہاں
وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔"

کتاب کے اس حصے سے متعلق مذہب عشق کے دوسرے نسخے کا تذکرہ ملاحظہ ہو جو اس کے بعد ہی درج ہے۔

ترقیمہ :-

"یہ کتاب گل بکاولی اختتام ہوئی بتاریخ چہارم
ماہ صفر المظفر بروز پنجشنبہ ۱۲۷۴ھ بخط
عاصی خاکپائے جہاں میر مظفر علی صاحبزادہ
فرزند میر فتح اللہ خاں اسفندیار جنگ مرحوم نبیرہ
میر محمد شریف خاں بسالت جنگ شجاع الملک
بہادر مرحوم تحریر یافت"

کتاب کے سرورق پر میر مظفر علی ۱۲۴۳ھ کی مہر ثبت ہے۔ یہ نسخہ مولوی میر محمد تقی صاحب بی اے کا عطیہ ہے اور انہوں نے پہلے ورق پر کتاب کا مختصر سا تعارف لکھا ہے۔

(۹۷) مذہب عشق [۱۵۱]

اوراق ۱۰۹ - سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۱/۲ ۵ × ۸" - خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی ہیں۔ مولف۔ نہال چند لاہوری۔
سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ م ۱۸۰۳ء۔
کاتب سید فدوی علی خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ

یہ نسخہ نمبر ۹۶ کا دوسرا مخطوطہ اور اس سے ۲۳ سال قبل نقل کیا گیا ہے۔ اس کے آخری حصے اور نسخہ نمبر ۹۶ کے آخری حصے میں جو فرق ہے وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

نسخہ (۹۶)	نسخہ (۹۷)
سب کے سب شاد ہوئے اور	سب کے سب شاد ہوئے
بخوبی آباد ہوئے غرض جس طرح	اور بخوبی سب آباد ہوئے۔
دی انہوں کی مراد ہماری بھی	در تاریخ قصۂ مذہب عشق
دے یا الٰہی مراد۔	یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
ناظرین پر روشن ہو کہ	تو بہر فکر تاریخ تھی صبح و شام
تھوڑا سا احوال شاہ جہاں کے	اچانک سنی میں نے آواز غیب
بادشاہ ہونے کا آخر کتاب میں	کہ ہے مذہب عشق تاریخ و نام
تھا۔ مترجم نے اس کو معہ اس	ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک زباں
حکایت کے اور جو اس کے مطابق	کرے عیسوی سال کو بھی عیاں
تھی اس واسطے ترجمہ نہ کیا کہ خلاف	تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
شاہ جہاں نامے کے اس شاید	کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
مصنف نے سنا سنایا لکھا تھا	کرے مشرب جام گر اختیار
والا اتنا فرق نہ ہوتا جس کو مفصل	تو راز نہاں اوس پہ ہو آشکار
اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل	
کتاب کے آخر کو اور شاہ جہاں نامے	
کے اس مقام کو جہاں وہ	
احوال ہے ملاحظہ کرے۔	
تمت تمام شد کہ یہ کتاب	
گل بکاولی اختتام ہوئی۔	

آغاز:-

گلستان ہمیشہ بہار حمد و ثنا کا باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب و رنگ تازہ و لطافت بے اندازہ اوس کے روضۂ رضواں سے پائی۔

اختتام:- (اوپر درج ہو چکا ہے)

ترقیمہ:-

"نسخۂ مذہب عشق معروف بہ گل بکاولی تصنیف سید منیر علی خاں المتخلص انوس۔ در دیباچہ نام مصنف نہال چند لاہوری است۔ راقم اس قصے کا سید فدوی علی خاں بخش دیوے خدا اوس کے گناہوں کو۔ بیچ تاریخ غرہ شعبان المعظم سنہ بارا سو اکاون ہجری نبوی کے یہ قصہ بجز انصرام پایا۔ اگرچہ تحریر سے اس قصے کے چنداں خواہش نہ تھی بلکہ تضیع اوقات کیا اس واسطے کہ اگر کوئی کتاب دین و حکمت کی لکھتا تو برادران دینی کو اوس سے فائدہ ہوتا اور آپ جنات میں داخل ہوتا۔ اما نظر برآنکہ کتاب خانے میں عاصی کے کتنے جلد قصہ ہائے تعشق اکثر عشاقان سلف کے فراہم کئے ہوئے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے موجود ہیں۔ یہ بھی

اگر شریک۔ اون میں ہو تو بہتر ہے۔ اس لئے
محنت تحریر اپنے پر گوارا کرکر۔ جلدی ترتیب کیا
بالله التوفیق"
آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر "مصدر الطاف ز
عنایت حسین" ثبت ہے یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

(۹۸) گل باصنوبر [۱۶۹ ب]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ۶" × ۱۱½"۔ خط نستعلیق عنوانات
سرخی میں۔ مصنف نیم چند۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۹ھ م ۱۸۵۲ء۔ کاتب غلام قمبر
حسب فرمایش میر وزارت علی خاں بہادر۔
تاریخ کتابت ۱۲۶۹ھ بمقام دیوان خانۂ
نواب ناصر الدولہ بہادر۔ حیدر آباد۔
نیم چند نے فارسی قصۂ گل باصنوبر کو اپنے دوست
بابو گرچرن سین کی فرمایش پر اردو میں ترجمہ کیا۔ مترجم
اپنا نام اور سبب تالیف وغیرہ یوں ظاہر کرتا ہے:۔
" فقیر رضائے الہٰی پر خورسند نیم چند یوں لکھتا
ہے کہ اس عالم ناپائدار میں کسی چیز کو قرار نہیں
....
....
گل باصنوبر قصے کو کہ زبان فارسی میں کسی
شخص نے لکھا ہے قدر شناس سخن دانائے
علم و فن دولت و اقبال کا نور العین بابو
گرچرن سین کے فرمانے سے اُردو کے روزمرہ
میں ترجمہ کرکے عزیزوں کی انجمن کا تحفہ
اور سخن سنجوں کی مجلس کا ہدیہ بنایا۔"
یہ کتاب مطبع گلدستۂ نشاط بنگالہ میں ۱۲۶۲ھ میں
چھپ چکی ہے اور اسی مطبوعہ کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

آغاز:۔

" حمد ہے اس صانع کا کہ جس نے انسان کو
اشرف المخلوقات بنایا اور عالم کو خلعت
ہستی پہنایا۔ اس کے ابر احسان سے کیاریاں
عشق و محبت کی سیراب ہیں۔"

اختتام:۔

" بندہ امید وار ہے کہ اس کے پڑھنے والے
سیر کے وقت اس گنہ گار کو بدعائے خیر یاد
کریں اور جہاں محاورے میں خطا پاویں اصلاح
کو دریغ نہ فرماویں کہ طینت انسان کی سہو اور
خطا سے مخمر ہے۔ مصرع۔
کہ انسان ہوں کچھ فرشتہ نہیں"

ترقیمہ:۔

" تمت تمام شد این رسالہ از دست غلام قمبر
حسب الفرمایش جناب خاں صاحب میر وزارت علی
خاں بہادر ادام اللہ اقبالہٗ بتاریخ بست و پنجم
شہر ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ روز شنبہ۔"
یہ نسخہ میر محمد تقی صاحب رضوی بی اے کا عطیہ ہے
اور طوطی نامہ حیدر بخش حیدری نسخہ نمبر ۹۳ کے ساتھ ایک
ہی جلد میں محفوظ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی دیوان خانہ
نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع میں لکھا گیا ہے۔

(۹۹) سحرالبیان [۴۰۴]

اوراق ۱۸ - سطور ۱۳ فی صفحہ
تقطیع ۴½ × ۷½" - خط نستعلیق شکستہ
آمیز۔ عنوان سرخی میں - مصنف میرحسن
سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ

یہ مخطوطات نمبر ۶۸ تا ۷۰ کا ایک ناقص الآخر
نسخہ ہے۔ جس میں تقریباً ۴۶۸ ابیات ہیں۔

آغاز :-

کروں پہلے توحید یزداں رقم   جھکا جس کے سجدہ میں اول قلم
سر لوح پر رکھ بیاض جبیں   کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں!

اختتام :-

کروں اوس کی پوشاک کا کیا بیاں
فقط ایک پشواز آب رواں!
زبس موتیوں کی تھی سنجاف گل
کہے تو کہ بیٹھی تھی موتی میں تُل

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔
سرورق پر ان کی مستطیل مہر ثبت ہے۔

آغاز :-

کروں نامے کوں بسم اللہ سوں آغاز
انھوں تا میں فصاحت میں سرفراز
سراؤں کیا او سے جن ایک سخن میں
بندیا جیو دم کے رشتے سوں بدن میں

اختتام :-

لگے ہونے آپس میں داروں پہ دار
کہ جس کا نہیں حد ہے نا ہے شمار!
نہ تھا کر سے اوس کے اون کو خبر
دیکھا سر پہ مارا ہے پاؤں اوپر!

اگرچہ یہ ناقص الآخر نسخہ ہے۔ لیکن اس کا کاتب
محمد زماں خاں مندوزئی ہے جس نے غالباً لوکاپلی میں
یہ نسخہ نقل کیا ہے۔ اس کا اور اس کتاب کے ایک
اور نسخے (مخطوطہ نمبر ۹۲/۴۰۲) کا کاتب ایک ہی ہے۔
اس نسخے کے سرورق پر تین مہریں محترم جنگ
۱۲۴۶، محترم الدولہ ۱۲۵۷ھ اور اعتصام الملک ۱۲۷۴ھ
کی ثبت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مخطوطہ
نمبر ۹۲ کی طرح اعتصام الملک ہی کی فرمائش پر انہی کی
جاگیر لوکاپلی میں نقل کیا گیا ہے۔ ادارے کے کتب
خانے کو نواب عنایت جنگ بہادر نے عطا فرمایا ہے
ان کی مہر پہلے صفحہ پر ثبت ہے۔

(۱۰۰) روضۃ الشہدا [۴۰۵]

اوراق ۱۹ - سطور ۱۳ فی صفحہ
تقطیع ۵" × ۸½" - خط نستعلیق۔ مصنف
ولی ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۳۰/۱۱۴۰ھ۔ کاتب
محمد زماں خاں مندوزئی۔ سنہ کتابت قبل ۱۲۴۶ھ
مخطوطات نمبر ۳۱، ۳۲، اور ۹۲ کا ایک اور نسخہ ہے جو
ناقص الآخر ہے۔ اس میں تقریباً ۴۹۴ ابیات ہیں۔

(۱۰۱) [۸۵]

چہار درویش منظوم

اوراق ۶۸ - سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ۴/۱ ۸ × ۴/۳ ۷ - خط نستعلیق شکستہ
عنوان سرخی میں - مصنف محمد علی خاں شوق
زمانہ تصنیف ۱۲۲۵ھ

چہار درویش کا منظوم قصہ ہے جو قدیم مثنویوں کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ ناقص الاول و الآخر ہے اور بحالت موجودہ بھی اس میں دو ہزار سے زیادہ ابیات ہیں۔ اس کے ابتدائی ۷ اوراق درویش دوم کے آخری حصے پر مشتمل ہیں۔ درویش سوم کا قصہ ورق ۷ ب سے شروع ہو کر ورق ۳۱ ا پر ختم ہوتا ہے۔ چوتھے درویش کا قصہ (ورق ۳۱ ا تا ورق ۴۳ ب) تقریباً ۱۲ اوراق میں درج ہے۔ اصل کتاب ورق ۶۶ پر ختم ہوتی ہے۔ اسی کے سلسلے میں مصنف نے اپنے حالات لکھنے شروع کئے ہیں جو بہت اہم ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آخر کے اوراق غائب ہونے کی وجہ سے مصنف کی نسبت زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ اور چونکہ اس کتاب کا کوئی نسخہ کسی اور کتب خانے میں نظر سے نہ گزرا اور نہ مصنف ہی کا ذکر کسی تذکرے میں درج ہے اس لئے خود اس نے اپنے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مصنف کا نام محمد علی ہے۔ وہ ۱۱۸۱ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوا۔ تاریخ تولد **نیک ذات** سے نکلتی ہے۔ اس کے آبا و اجداد مشہد کے رہنے والے تھے اور مادری جد کا وطن سبزوار تھا مصنف کے والد میر عبدالسلام خاں تھے جو ۱۱۸۵ھ میں اورنگ آباد چھوڑ کر حیدر آباد چلے آئے۔ اس وقت محمد علی کی عمر تین چار سال کی تھی۔ آمد حیدر آباد کے دو تین سال بعد ہی امارت پناہ میر عبدالسلام کا انتقال ہو گیا۔ مصنف نے اپنے باپ کی تاریخ وفات ان فارسی اشعار میں نکالی ہے ؎

چو راہی شد آں پیر ذوالاحترام
ز دار الفنا سوئے دار السلام
مقدم بدل از سر داد گفت
خرو جنت آرام من بعد گفت
چو در قطعہ تصریح اسمش نشد
بہ بیت دگر عقل (کرد) انضمام
عیاں اسم تاریخ بے تعمیہ
امارت پناہ میر عبدالسلام

مصنف کے آبا و اجداد شاہان آصفی کے تقرب سے ممتاز تھے۔ چنانچہ جب اس کے والد کا انتقال ہوا تو اسی قدیم تعلق کی بنا پر نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے اس ہفت سالہ لڑکے کو دربار میں باریاب کیا اور خطاب خانی اور منصب و جاگیر سے سرفراز کیا۔

آٹھویں سال کی عمر میں مصنف چیچک سے سخت علیل ہو گیا تھا۔ علوم فارسی و عربی کی تعلیم اس عہد کے مشہور صوفی شاہ محمد وزیر سے حاصل کی۔ انہوں نے ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ شاگرد نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے: -

چو شد فوت آں فاضل بے نظیر
تاسف نمودند برنا و پیر !!

قلم سال تاریخ تحریر کرد
شدہ وصل جنت محمد وزیر

تیرہ، چودہ سال کی عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر ہوا اور اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی سے مشق سخن کی ۔ تمنا صمصام الملک اور ارسطو جاہ کے درباری شاعر تھے ۔ آصف جاہ ثانی کی مدح میں جو قصیدے لکھے ہیں وہ نسخۂ مجموعۂ فصاحت (دفتر دیوانی و مال) میں موجود ہیں ۔ ۱۱۹۴ھ میں ایک تذکرۂ شعرا لکھا تھا جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے ۔ زیر نظر مثنوی میں شاگرد اپنے استاد کی تعریف ان ابیات میں کرتا ہے ۔

کہوں کیا بیاں اوس کا مشہور تھا
کہ وہ شعر کا موسیٰ طور تھا !
مزاجِ رسا اور فہم بلند !!
مضامیں کا تھا وہ تو ترجیع بند
درست اس سے تھی ریختہ کی بنا
وہی چار عنصر رباعی کا تھا !
ہر یک اس کے دیواں کی بیت الغزل
قصیدے سے رکھتی تھی معنی کا بل
تھا اس کا ہر اک مصرعِ انتخاب
زلالی کی ہے منتخب جو پُر آب !

تمنا کی تاریخ وفات اب تک نامعلوم تھی ۔ اتفاق سے اس قصۂ چہار درویش کے مصنف نے اس کو بھی محفوظ کردیا تھا جو قطعۂ ذیل سے واضح ہوگی ۔

لیا جب تمنا نے راہِ عدم
ہوئی موجزن بحر اندوہ و غم
کہا شوق نے سال تاریخ یہ
وفات بہشتی کرائے دل رقم

چودہ سال کی عمر کے بعد مصنف چہار درویش کو خوش نویسی اور خطاطی کا شوق پیدا ہوا اور شاہ معین کی شاگردی کا شرف حاصل کیا ۔ یہی بزرگ مشہور شاعر اور مورخ شاہ تجلی کے بھی استاد تھے ۔ ان کی تعریف میں مصنف لکھتا ہے :۔

جنابِ معیں وہ معلی جناب — کہ تھا نسخۂ فخر کا انتخاب
ریاضت کے گلشن کا وہ تازہ گل — حقیقت کا و معرفت کا وہ دل
تھا وابستہ اشغال سے اس کا دم — ذوالفقر فخری پہ ثابت قدم
تعلق سے دنیا کے آزاد تھا — مگر صاحب آل و اولاد تھا
عجب خوش نویسی سو ماہر تھی ذات — کہ محکوم تھے جس کے خط آٹھ سات

شاہ معین کی تاریخ وفات ۱۱۹۹ھ بھی مصنف نے اس مثنوی میں لکھ دی ہے جو درج ذیل ہے :۔

چو راہی شد آں رہبر راہ خشت
بگلزار خوبی ز دنیائے زشت
خرد داد سال تاریخ او !
چو در مزرعۂ سینہ شوق کشت
بدیہہ گفتم سالِ وفات (؟)
ہویدا محمد معین در بہشت

مصنف اپنی عمر کے سولھویں سال ۱۱۹۶ھ کو اپنے لئے بہت منحوس لکھتا ہے ۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اس کے بعد ہی واقعہ کولاس درپیش ہوا اور پھر صمصام جنگ فوت ہوئے ۔ موخر الذکر کی تاریخ وفات ۱۲۰۱ھ اس قطعے میں لکھی ہے :۔

ز دنیا چو شد میر با نام ننگ (نیک ؟)

نماند بروئے جہاں آب و رنگ

بن گفت سال وفاتش خرد!

بہ سوئے جناں رفت صمصام جنگ

واقعہ کولاس کیوں منحوس ثابت ہوا یا اس میں کیا خرابی پیش آئی اس کا ذکر نہ مصنف نے کیا ہے اور نہ تاریخوں میں درج ہے۔ (اس واقعہ کے متعلق دیکھو تاریخ نظام علی خاں صفحہ۱۴۱ تاریخ گلزار آصفی صفحہ ۸۰) نظام علی خاں ۴ جمادی الاول ۱۱۹۶ھ کو قلعہ کولاس سے نکل کر ۴ جمادی الثانی کو حیدر آباد پہنچے تھے۔

اس کے بعد مصنف اپنے پہلے سفر کا حال بیان کرتا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کے بعد کے اوراق غائب ہیں ورنہ مزید تاریخی معلومات حاصل ہو سکتے۔ مصنف نے اثنائے کتاب میں کہیں اپنا تخلص نہیں لکھا صرف مذکورہ قطعات تاریخی میں دو جگہ شوق تخلص استعمال کیا ہے۔

آغاز:-

تھا صحرائے محشر سا دہ ہولناک

تھی سوزندہ جوں آگ اوس جا کی خاک

وہاں کی تو رہ تیغ سے تیز ہے

وہاں کی ہوا تو شرر بیز ہے!

اختتام:-

سن گفت سال وفاتش خرد ۔۔۔ بسوئے جناں رفت صمصام جنگ

غرض چشم اسی غم سے تھی اشکبار ۔۔۔ کہ پہلا سفر ہو گیا روبکار

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ دو چار جگہوں پر ان کے دستخط ثبت ہیں۔

---

[۹۹] قصائد ہدایت (۱۰۲)

اوراق ۱۷۔ سطور ۱۵ فی صفحہ ابتدائی ۱۴ اوراق میں۔ اور بقیہ ۳ اوراق میں ۴ شعر فی صفحہ۔ تقطیع ½۴ × ۸"۔ خط نستعلیق شکستہ عنوان سرخی میں۔ مصنف ہدایت۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۸ھ۔ کاتب ہدایت۔ کتابت ۱۱۹۸ھ بمقام لچھمن پورہ۔

پانچ قصائد اور ایک قطعہ کا مجموعہ ہے۔ ابتدائی تین قصیدوں اور قطعے میں شاعر کا تخلص ہدایت درج ہے۔ بعد کے دو قصائد میں کوئی تخلص نہیں ہے۔ ان میں سے ایک قصیدہ ادارے کے دو اور نسخوں میں بھی شامل ہے جن میں تخلص افسق درج ہے۔ اس کے جملہ مجموعوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہدایت اور افسق ایک ہی شاعر کے دو تخلص تھے اور ہدایت نے ہجو یہ قصیدوں میں اپنا تخلص افسق درج کیا ہے۔ یہ شاعر شمالی ہند کا رہنے والا تھا اور تلاش معاش کے سلسلے میں حیدرآباد آیا تھا یہاں پہلے مرزا اللہ یار بیگ کی سفارش پر امیر بیگ خاں کے یہاں ملازم ہوا لیکن ڈیڑھ سال بعد وہاں سے نکل کر راجے بالاجی کا متوسل ہو گیا۔ نواب شمس الامراء نے بھی اس کی بڑی سرپرستی کی تھی۔

یہ جملہ قصیدے تاریخی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں۔ کیونکہ ان میں عہد نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے بعض حالات دکن بیان کئے گئے ہیں۔ اس عہد کی سماجی اور سیاسی زندگی کی ان قصائد میں بہت سی جھلکیں نمایاں ہیں۔ بعض امرا کی مدح کی گئی ہے اور بعض کی ہجو جیسا کہ ان قصائد کی حسب ذیل تفصیل سے واضح ہوگا۔

(۱) قصیدہ گوہر ثنا

مرزا رفیع سودا کے مشہور قصیدے کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس میں گیارہ مطلع اور ۱۲۵ اشعار ہیں۔ ابتدا میں فارسی نثر میں قصیدے کا موضوع اور دیگر تفصیلات سرخ روشنائی میں اس طرح درج ہیں۔

"یا علی مدد۔ قصیدہ گوہر ثنا در شکریہ با حمد رب العالمین و حالات روداد وصف محسن دوستاں مشفق مخلصاں دھرم مورت کرم صورت پرت پال خورشید مثال رائے دولہے سنگھ و رائے بالاجی دام اقبالہ و ذکر توصیف نواب مستطاب نواب شمس الدولہ مدظلہ۔ بیازدہ مطلع۔ درجواب قصیدہ سودا"

ہر مطلع شروع کرنے سے قبل سرخ روشنائی میں اس کے موضوع کی وضاحت کردی ہے جو یہ ہے :-

مطلع اول در حمد۔ دوم در روداد حالات سوم ذکر روزگار کہ بہ سبب مرزا اللہ یار بیگ صاحب بخانہ امیر بیگ خاں شدہ، (ج) چہارم در خرق عادات آں امیر و سبب گذشتن روزگار ازاں سرکار۔ پنجم درجواب مطلع سودا بدو مطلع بہ مضمون تمہید سخن ہجو گوید۔ ششم در ہجو مان اللہ خدمتگار ہفتم در ہجو کسانے کہ بہ سبب کسی از ادنا و اعلیٰ از مدد بدی او نمودند و باز بطمع جاہ با دشمن او موافقت نمودند ہشتم در ہجو اعظم دور زمانہ۔ نہم در توصیف نواب شمس الملک بہادر مدظلہ دہم در تمہید وصف محسن مخلصان پرت پال خورشید مثال رائے دولہے سنگھ و رائے بالاجی سلمہ

یازدہم۔ بہ ختم قصیدہ و اغیار............ (کرم خوردہ)"

پہلے مطلع میں حمد و نعت کے بعد اس امر کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ خدا نے میری دعا قبول کر کے مجھے خوش حال کیا۔ اور پریشانیوں سے نجات دی۔ خدا کا شکر اور اوصاف محسن کا بیان ہو نہیں سکتا۔

دوسرے مطلع میں کہتا ہے کہ ثنا، رحمانی سن کر دل نے کہا کہ تو سخن گو ہدایت ہے اس لئے تجھے چاہئے کہ اپنی ابتدائی پریشانی اور ناقدری کا حال اور اس سے نجات کے اسباب بیان کرے۔

تیسرے مطلع میں کہتا ہے کہ اے دوست مجھے یاد ہے کہ اس تفرقے اور پریشانی کے عالم میں ایک مہربان جانی مرزا اللہ یار بیگ سے ملاقات ہوئی تھی جنہوں نے مجھے امیر عادل امیر بیگ خاں کے یہاں ملازم رکھا دیا موخر الذکر کی تعریف جن اشعار میں کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں :-

امیر صاحبِ نوبت بعز دولت جاہ
بشان و شوکت دولت بقوم تورانی

ولی خصال محب گروہ درویشاں
ری ز طمع باآں نعمتِ فراوانی

دراون کاروے جہاں پر کشادہ نت دربان
بشل مد کے معطل بکارِ دربانی !!

بکار رزم شجاعت سے وہ شجاعت جنگ
سدائے برق سے خالی ز کینہ لاثانی

غرور و عجب سے ظاہر میں نت تہی باطن
بروں ز فسق و گریزاں ز فعل شیطانی

اسی مدح کے سلسلے میں دوسرا مطلع شروع کردیا ہے اور ڈیڑھ برس تک ان کے یہاں ملازم رہ کر ایک خدمتگار

ان اللہ کی شرارت کے وجہ سے ترک ملازمت کا ذکر کیا ہے
ہدایت نے مدح کے سلسلے میں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ
شجاعت جنگ بھولے پن سے لوگوں کی جھوٹ بات بھی سچ
سمجھ لیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ وہاں سے نکلے۔ اگرچہ
نواب نے ان کو مہربانی سے بہت کچھ سمجھایا لیکن طبیعت اچاٹ
ہوگئی تھی اس لئے پھر ان کے گھر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اس
مطلع کے بعض شعر ہیں ؎

جو سانچ پوچھو تو یہ بات ہے نئی حقانی
کہ وہ امیر ہے اس وقت میں بھی لاثانی
قسم ہے مطلع چارم کے مجھ کو مضموں کی
کہ کیسے دیسے کی کس مونہہ سے تلاخوانی
جو ہو وے طفل۔ سا بھولا مزاج اور معصوم
جو زندہ پیر بریں مسند امیرانی
بصدق پوچھے وہی بات آئے جو بولے
زراہ عقل کے یا از طریق نادانی
غرض میں ڈیڑھ برس تک رہا وہاں جاکر
بعد فراغ نہ کچھ دل بہ غم کی ویرانی

اس سلسلے میں امیر بیگ خاں شجاعت جنگ کی نسبت
یہ معلوم رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ عہد نظام علی خاں آصف جاہ
ثانی کے ایک بہادر امیر اور رسالہ دار تھے۔ ان کا ذکر تاریخوں
میں دو موقعوں پر آتا ہے۔ جب رمضان ۱۱۸۰ھ میں
مرہٹوں کے پیشوا رگھناتھ راؤ سے آصف جاہ ثانی کا بمقام
بید رمقابلہ ہوا تو توپ خانہ اور بان اندازی پر
بقول صاحب توزک آصفیہ ثابت جنگ کی کمان تھی
اور ان کی کمک پر امیر بیگ خاں مامور تھے۔ اس کے بعد
پھر معرکۂ نرمل ۱۱۹۶ھ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ اس
دو سالہ عرصے میں ان کو شجاعت جنگ کا خطاب مل چکا تھا
اور ان کا رسالہ اپنی بہادری کی وجہ سے مشہور ہو چکا تھا۔
چنانچہ احتشام جنگ کی سرکوبی کے لئے جب آصف جاہ ثانی
نے فوج روانہ کی اور ان کے حکم پر ۳ محرم ۱۱۹۶ھ کو دولت راے
نے قلعہ جگتیال کا محاصرہ کرلیا تو شجاعت جنگ کے رسالے
نے بھی اس کی مدد کی۔ آخر کار ۲۸ محرم کو قلعہ پر قبضہ ہوگیا۔
اس کے بعد خود احتشام جنگ سے مقابلے کے لئے جو فوجیں
ہم اصفر کو گوداوری پار کرکے آگے بڑھیں اُن میں بھی شجاعت جنگ
شریک تھے۔ سراج الدین طالب مولف کتاب نظام علی خاں
نے امیر بیگ خاں اور شجاعت جنگ کو شاید دو علیحدہ شخصیتیں
سمجھ کر اپنی کتاب کے اشاریہ میں دو جگہ ان کا نام درج کیا ہے۔
ہدایت کے اس قصیدے سے معلوم ہوا کہ امیر بیگ خاں
ہی کا خطاب شجاعت جنگ تھا۔

ہدایت نے اس قصیدہ کے مطلع پنجم کے سلسلے میں اپنی شاعری
اور ہجو گوئی کی تعلی کی ہے اور کہتا ہے کہ ایک مہرباں نے بعد مہربانی مجھ سے
کہا کہ جس خدمت گار کی شرارت کی وجہ سے تم شجاعت جنگ کی ملازمت
سے علحدہ ہوئے اس کی ہجو کیوں نہیں لکھتے۔ اس حصے کے
چند شعر ہیں :—

کروں میں ہجو کے لکھنے میں گر قلم رانی
تو چوہے ہاتھ مرے آکے روح شاہ زانی
فلک پہ پھینکیے وہ اپنی کلاہ فخر دوام
جسے میں بخشوں جہان ثنا کی سلطانی
کروں میں ہجو کو جس تنگ دل لعیں کی رقم
نہ نام زشت ہو اوس کا جہان سے فانی
ہے بعد حضرت سودا دکھن میں میرا نام
ہوں اپنے فن کا میں استاد وقت لاثانی

مطلع ششم میں مان اللہ خدمت گار کی ہجو لکھی ہے۔ اس میں کئی اشعار بالکل فحش ہیں۔ ان کو چھوڑ کر اس حصے سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

"مان اللہ خدمت گار شیخ قوم سے تھا۔ اس کی بیوی کا نام بی بی رہانی تھا۔ اس کا باپ مسعود خاں کے مکان میں نفر تھا جس کی بیوی الہداد خاں کی نفرانی تھی۔"

الہداد خاں نے ۱۳ رجمادی الثانی ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔ ادارے کے نسخہ نمبر ۶۹ میں ان کی وفات کا قطعۂ تاریخ درج ہے۔

ساتویں مطلع میں گریز کرکے کہتا ہے کہ یہ تو معمولی آدمی ہے۔ اس زمانے میں ایسے کئی لوگ ہیں جو جنگ اور دولہ کے خطاب سے معزز ہیں اور اُن محسنوں کے ساتھ نمک حرامی کرتے ہیں جن کی ابتدائی مدد کی وجہ سے وہ اس درجے تک پہنچے ہیں۔ مصنف کا اشارہ اعظم الامرا ارسطو جاہ کی طرف ہے جو شمس الامرا کی مدد سے دیوانی کے درجہ پر پہنچے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد مطلع ہفتم میں اعظم الامرا کی ہجو کی ہے۔ اور کہتا ہے کہ وہ بارھویں صدی کا سب سے بڑا ظالم ہے۔ دو تین شعر نہایت فحش لکھے ہیں۔ مشیر الملک ارسطو جاہ کا نام اس شعر میں لیا ہے ؎

نہ کیونکہ ملک دکھن ہوئے خراب اور ویراں
مشیر ملک شقاوت کو جب ہو دیوانی

مطلع نہم میں کہتا ہے کہ عقل نے یہ ہجو دیکھ کر کہا کہ یہ دیوانہ پن کی باتیں ہیں۔ عقلمندی تو اس میں ہے کہ اپنے وقت کے محسن اعظم کی مدح کی جائے کیونکہ ان ہی کے فیض در دولت سے تجھے دولت و عشرت نصیب ہوئی۔ اس مدح کے چند شعر یہ ہیں ؎

سو یعنی ملک سخاوت کا مہر شمس الملک
خدا نے جس کو کہ شجاعت کی ہے جہاں بانی
امیر ابن امیر و شہ جہانِ کرم
کریم خلق و رحیم السیر برحمانی!
نہ پہونچے جس سے مضرت کسی یہ ہے وہ امیر
ستون دولت اقبال کار شاہانی
سپاہ پرور و بندہ نواز و مقبل حق
ہنر بر بیشۂ میداں بفضل سبحانی

دسویں اور گیارھویں مطلعوں میں شاعر اپنے دو اور قدر دانوں رائے دولہے سنگھ اور رائے بالاجی کی بھی مدح کرتا ہے۔ وہ ان کو حاجت روائی میں بکرماجیت اور ہمت میں کشن کے ثانی بیان کرتا ہے۔ رائے دولہے سنگھ کا ذکر یوں کرتا ہے ؎

سو یعنے نخل مروت وہ رائے دولہے سنگھ
صدف ہے بحر کرم کے دُرِ درخشانی
ثمر ہے جن کے ریاض حیات خوبی کا
نہال باغ سخا کا گلِ کریمانی!
یا درج علم ہے اوس کے جواہر قابل
ہے مثل لعل و زمرد وہ درسخندانی
جہاں کے لطف و کرم کے جہاں کا سر دفتر
ہے جس کو ملک فتوت کی حق سے دیوانی

رائے بالاجی کی تعریف یوں کرتا ہے:۔

ہے جن کا نام جہاں میں رائے بالاجی
جواں بعمر و بدولت بصد فراوانی
بفہم و عقل بہمت بخلق و لطف و کرم
مثال حاتم طے کے وہ حاتم ثانی

ثناں اوس کی بخوبی نظر نہ آیا کوئی
پھرا ہے بھوت دریں دور چرخ دورانی
سو ویسے محسن اکرم کے اب برائے نذر
بجز دعا کے کرے کیا ہدایت ارزانی

یہ بالاجی غالباً وہی بالاجی کیشو ہیں جو جنگ بیدر (ماہ رمضان ۱۱۷۵ھ) میں نواب نظام علی خاں کے عقب میں جانب جرنغار ان کی کمک کے لیے متعین تھے۔ مآثر آصفی میں صفوف جنگ کی جو ترتیب بتائی گئی ہے اس میں ان کا نام بھی اس خدمت پر درج ہے۔

آغاز:۔

ہزار شکر بدرگاہ پاک یزدانی! ہے جس کے فضل سے سب مشکلوں کی آسانی
زباں کو کس کی لیاقت ثنا کی اوس کی ہو پرے ہے وہم و تفہیم سے ذات حقانی

اختتام:۔

دراز عمر بدولت دونوں کو رکھ یا رب
بصد ہزار مسرت بقرب سلطانی
بقائے دہر تک اون کے محب رہیں شاداں
عدوئے ظالم دوراں انوں کے ہویں فانی

---

(۲) قصیدۂ جواہر سخن

یہ قصیدہ حضرت نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی توصیف میں بتاریخ ۲۷ رمضان ۱۱۹۸ھ بمقام گھن پورہ لکھا گیا ہے۔ اس میں ۱۳۵ اشعار ہیں اور درمیان میں مختلف سرخیاں قائم کی گئی ہیں مثلاً

وصف شجاعت، تیغ، زور، سخاوت، کمیت، نالکی عشرت محل، دانش، ضبط و نسق، عدل، لباس، جواہر، رعب سلطنت، دولت، فیل وغیرہ۔

آخر میں دعائیہ اشعار ہیں۔

وصف سخاوت کے ضمن میں خان زماں پر آصف جاہ ثانی کو ترجیح دیتا ہے۔ لکھتا ہے:۔

سن من کے اپنے شاہ کی ہمت کا ذکر وصف
شرمندہ کیوں نہ قبر میں خان زماں رہے

اسی سلسلے میں شمس الملک شمس الامرا کی بھی تعریف کردی ہے:۔

شمس الملک سا جس کا بجاں فدوی جاں نثار
فیض کرم سے دست فشاں در جہاں رہے
ہمتا نہ جس کا اور کوئی شیر رزم گہہ!
ایسا نمک حلال بدل جاں فشاں رہے

نواب نظام علی خاں کے محل کا بیان بھی قابل ذکر ہے اس لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

ایسا بلند جس کا وہ عشرت محل ہے خاص
اطلس سے آسماں کے جیسے سائباں رہے
کیجے سواد صحن کا اوس کے بیاں اگر
مشتاق اوس کو دیکھنے باغ جناں رہے
قامت سا گلرخوں کے ہر یک بن کا سرو سبز
فیض نسیم صبح سے جلوہ کناں رہے
آب و ہوا کے جس کی تفرج کے فرح سے
ہر غنچہ دل کا گل سا شگفتہ دہاں رہے
قالیں کے جس کے فرش کا گلزار دیکھ کر
نرگس کی چشم وا بہ سوئے آسماں رہے
احمر بنفشہ سوسن و سنبل چمن چمن!
زیب روش سے فرش کے کمتر نشاں رہے
بار تمر سے مجرے کو خم ہووے ہر نہال
رونق فزا جب اوس میں وو شاہ جہاں رہے

رقصاں بشکل حور کے ہر اہلِ رقص وہاں
طاؤس سا بہ زیبِ مسرت کناں رہے
ایسی طرح سے بزمِ طرب گرم ہوئے وہاں
ہر عندلیبِ دل بخوشی غزل خواں رہے

آغاز:۔

ہے دل میں جب تلک کہ مرے تن میں جاں رہے
اور تر دہن میں فضلِ خدا سے زباں رہے
طغیانِ بحرِ موجِ مضامیں کے جوش سے
شکلِ صدف سخن کا دہن درفشاں رہے

اختتام:۔

یعنے وو تخت ہند کا آصف نظام ملک
ہر دم ہمیشہ عیش سے نت شادماں رہے
یا رب ترے طفیل عنایات فضل کے
ایسا ظہور اوس کے کرم کا عیاں رہے
جو صلے میں مدح کے ہدایت کے حال پر
چشمِ نگاہ فیض بہوت بے کراں رہے

ترقیمہ:۔

"۲۷ رمضان شـ۱۱۹۵ھ سہ پہر روز شنبہ
بقلعۂ گن پورہ نوشتہ شد۔ من مصنفہ"

(۳) قصیدہ گوہرِ سخن

یہ قصیدہ نواب شمس الملک بہادر (بعد کو شمس الامرا) کی مدح میں لکھا گیا ہے۔ اس میں ۸۱ اشعار ہیں اور درمیان میں یہ سرخیاں ہیں:۔

ثناو شجاعت، تیغ، تیر کماں، توت، سخاوت۔

تشبیب بہاریہ ہے اور گریز یوں کرتا ہے کہ جب چمن میں ایسا جشن ہے تو پھر تو اس امیر ابن امیر کی مدح کیوں نہیں کرتا جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ اگر کوئی اس کے ہمتا کی تلاش میں عرب اور عجم بھی جائے تو پھر ہندوستان واپس آنا پڑے گا اور ہند میں بالاتفاق اگر تلاش کرنے والے کو راستے میں مرزا رفیع سودا کی خواب گاہ مل جائے اور اس قصیدے کے کچھ مضمون وہاں سنائے جائیں تو مرزا رفیع خوابِ سکوت سے اپنی زبان کو بیدار کرکے اس کی تعریف کریں گے اور اس قصیدے کا جواب نہ پاکر ترک سخن دل و جان سے کر بیٹھیں گے۔ اس کے بعد نواب شمس الامرا کی شجاعت اور تلوار وغیرہ کی تعریف شروع کی ہے۔ اور سخاوت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ شمس الامرا اپنی سپاہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھ کر پالتے ہیں اسی لئے ان کی سپاہ بھی ان پر اپنی جان نثار کرتی ہے۔

آخری حصے میں شمس الامرا کی غربا پروری کی تعریف یوں کرتا ہے:۔

دولت کے جس کے لطف کی سائے میں ہر غریب
اوقات عمر صرف بآرام جاں کرے
ایسا کہاں جز اوس کے کوئی اور نامور!
لطف و کرم سے ہم جو برنا تواں کرے
دولت کا یعنی شمس و شمس الملک نواب
حق میں دعا یہ جس کے ہدایت بجاں کرے

آغاز:۔

اس تخم فکر دل سے اگر گل زباں کرے
مضمون کی زمین وہاں گلستاں کرے
فیضِ نسیم طبع سے ہر غنچۂ سخن!
ایسی بہار نطق سے وا گل یہاں کرے

اختتام :۔

دولت کا اوس کے مہرِ درخشاں رکھے مدام
دل دوستوں کا اوس کے خدا شاد ماں کرے
اور اوس کی بارگاہ کے بدخواہ کا روسیہ
نت خالقِ دو کون بہ کونِ دو مکاں کرے

ترقیمہ :۔

"۲۹ رمضان ۱۱۹۶ھ یکشنبہ بصبح برقلعہ
گن پور نوشتہ شد"

(۴) قطعہ ہجو سہراب جنگ

اس قطعے میں اکثر اشعار فحش ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہراب جنگ معین الدّولہ ارسطو جاہ کی دیوانی سے ملک کا ایک طبقہ نالاں تھا ۔ یہ قطعہ ناقص الآخر ہے ۔ اس میں صرف ۹ شعر ہیں ۔

آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے :۔

حال پر فرعوں ساغرے میں جو بڑ چودہے
سر پہ اوس ہی قہر میں نت آتشی آمود ہے
ایک دن اہلِ سپہ کو رہ میں یوں دیکھا رواں
زرہ تن میں اور سر اوپر ہر اک کے خود ہے

(۵) قصیدہ تزلزلِ آفاق

یہ ۱۹۰ اشعار کا طویل قصیدہ ہے ۔ جس میں کئی مطلع اور نقلیں ہیں ۔ اس میں مشیر الملک ارسطو جاہ اور اون کے مشیرانِ کار رام راؤ اور روشن رائے کی ہجو لکھی ہے ۔ اکثر شعر فحش ہیں ۔ مختصر خلاصہ یہ ہے ۔

"ایک روز جفائے چرخ سے دلگیر ہو کر گھر سے نکلا تو راہ میں پیر منیر ملے ۔ میں نے پوچھا "خیر ہے کمر باندھے اور ہاتھ میں شمشیر و سپر لئے کہاں جارہے ہیں ۔ کسی سے خانہ جنگی کرنی ہے یا کسی کی کمک درپیش ہے"؟

جواب دیا کہ یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ آج گارڈی والوں نے دنگا کرکے بلوہ کیا ہے اس کی حقیقت معلوم کرنے گیا تھا ۔ پتہ چلا کہ اہلِ بار نے فاقوں سے مجبور ہو کر مدار کار ریاست کے مکان پر حملہ کر دیا اور اس کو ڈھونڈھنے لگے ۔ جب وہ نہ ملا تو اس کے محل کے طاق ' منڈیر ' فرش اور صحن کے درختوں کو ڈھانا اور گرانا شروع کیا ۔ میر جملہ امیر امرا جو لوگ بچانے آئے ان کو بھی مارا ۔ اس طرح مفت میں دو چار رعمدوں (امیروں) کی بھی عزت گئی جن کا نام لینا مناسب نہیں ۔ اتنے میں ایک رعدچی تاشہ نواز نے کہا کہ صوبہ دار سے پوچھو کہ ان کے گھر کے مشیر کہاں ہیں جو فساد کے بانی ہیں اور سپاہیوں کو ابھار کر گھر کو ڈبانا چاہتے ہیں اور نلاب رائے کی امید میں اوس کو ستم نگر کا بادشاہ بنا کر خود وزیر بنے بیٹھے ۔ جن میں سے ایک رام راؤ ہے اور دوسرا حقیر جہنم والا روشن رائے ۔ اگر یہ دونوں ہاتھ آئیں تو ان کے جسموں کو مار مار کے پنیر کی طرح تھیلی کر دیں ۔ یہ باتیں سن کر میں واپس ہو رہا تھا کہ اے دوست تم سے ملاقات ہوئی ۔ تم برائے خدا اس بیان کو لکھ دو کہ اب دنیا میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس کے ہاتھ سے امیر، فقیر، خوش باش اور اہلِ کسب سب نالاں ہیں ۔ نہ دن کو کھانا ملتا ہے اور نہ رات کو نیند آتی ہے ۔ لوگ بد دعا کرتے ہیں کہ اے خدا اس کو جلد سزا دے یا تو یہ گدھے پر سوار ہو کر شہر سے نکلے ' یا اس کا سر کاٹا جائے ۔ محل کی عورتیں الگ بد دعا دیتی ہیں کہ جلد اس کو گولی یا تیر لگے یا محمد نگر میں مراد خاں کی طرح طوق و زنجیر کے ساتھ مقید ہو ۔ یا زرد رو ہو کر شہر بدر کیا جائے یا اچانک موت آئے ۔

کیونکہ اس کے فتنوں کی وجہ سے نمازی نماز اور موذن تکبیر بھول گیا۔ بت خانے ویران پڑے ہیں۔ طبیب، نجومی سب پریشان ہیں۔ حکیم منیم رل بھول گئے۔ اہل حرفہ دکھن سے لے کر ہندوستان و کشمیر تک نالاں ہیں۔ غرض عجیب زلزلہ آگیا ہے۔

یہ سب سن کر میں نے گھبرا کے ان سے پوچھا کہ اے بھائی سچ بتاؤ کہ یہ کون ظلم کر رہا ہے، کیا اہل نصاریٰ نے سب ملک کو تسخیر کر لیا ہے، یا کرنٹا کو پار کر کے حیدر علی نائک کا لشکر حملہ آور ہوا ہے۔ یا لشکر دجال گھس آیا ہے یا قیامت آگئی ہے۔ حالانکہ۔

کہ یہ تو دور ریاست ہے اوس شہنشہ کا
کہ جس کا نیکی سے ہے نام مثل مہر منیر
کہ یعنے حضرت والا کرم وو آصف جاہ
نظام ملک جو ہے تخت ہند کا ہے وزیر
کریم اور حلیم و رحیم بندہ نواز!
رئیس ملک کرامت ولی زندہ پیر!
ہے تخت ملک ریاست پہ جیوں بہادر شاہ
بضبط و نسق مسلط سدا بعدل و تدبیر
کہ جس رئیس کریم السیر کے جا کے حضور
غنی ہو آئے ہے ایک آن میں غریب فقیر
ہے آفتاب سا مشہور جس کی دولت میں
سپاہ پرور و بندہ نواز اک وو امیر
ہے آب تیغ سے سرسبز جس کے اوس شہ کا
ہمیشہ گلشن اقبال کار دار و گیر
سو اوس کے دور میں کیا دخل ایسے ظالم کا
جھٹلاؤں کیونکر تری بات کو میں اب اے پیر
گر خدا کی مشیت کی ہے نرالی بات
کہ جس کے آگے ہیں لاچار سب ولی و پیر

اوپر شاعر نے مراد خاں کی قید کا ذکر کیا ہے یہ بڑا با اثر امیر تھا لیکن جنگ راکس بھون میں شاہی افواج کی شکست کا اسی کو ذمہ دار سمجھا گیا اور ۱۱۷۷ھ میں قلعہ گولکنڈہ میں قید کر دیا گیا تھا۔

(اس کے بعد مطلع دوم شروع کیا ہے)

میری یہ تقریر سن کر میرے دوست نے شبر و شبیر کی قسم کھائی اور کہا کہ میری بات کو جھوٹ نہ سمجھو۔ شاید تم نے یہ نقل نہیں سنی کہ جب جولاہے کے ہاتھ میں عالمگیر کی ڈاڑھی آئی تو وہ جدھر کھینچتا یہ ادھر چلے جاتے۔ اور کہا کہ یہ نہ میرا جرم ہے نہ اس کی خطا۔ نہ اس کے ہاتھ میں ڈاڑھی آتی۔ نہ وہ کھینچتا۔ ایک درباری نے کہا کہ اے شہ عالم اگر میری خطا معاف ہو تو عرض کروں کہ

بہ نیم بیضہ چو سلطاں ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ تیر

اس لئے اس میں نہ آپ کی غلطی ہے نہ اوس کا قصور۔ تقدیر میں جو تھا وہ ہوا۔ غرض اے دوست یہ ویسی ہی بات ہے تقدیر کے آگے تدبیر کی نہیں چلتی۔ چنانچہ اہل غفلت کی تنبیہ کے لئے خدا نے ایسے نفر کو دکھن کا مشیر بنایا ہے۔ اسی طرح آخر تک ہجو کی ہے اور اس سلسلے میں کئی نقلیں بھی لکھی ہیں۔ بعض شعر فحش کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ ارسطو جاہ کے مذہب کے متعلق شاعر لکھتا ہے:۔

کروں کیا مشرب و مذہب کا ذکر اب اوس کے
نہ شیعہ اور نہ سنی نہ نطفۂ اکفیر!!

نہ شیخ، سید، و مرزا، نہ قوم افغاں میں
جولاہا ذات کا مومن بنام ہے وہ شریر
حریف اپنے ہے محسن کا آشنا کش وہ
غریب اور حرامی دراصل جیوں عصفیر

شاعر کا خیال ہے کہ نظام علی خاں کی ریاست میں یہی شخص زوال کا باعث ہے وہ کہتا ہے :۔

جو سانچ پوچھو تو اس شاہ کی ریاست میں
زوال دولت و اقبال ہے یہی بے پیر!

جیسا کہ پہلے کہا گیا ارسطو جاہ عہد آصف جاہ ثانی کے بہت بڑے مدبر اور مدارالمہام تھے۔ ان کی وفاداری کی نواب نظام علی خاں بے حد قدر کرتے تھے۔ اُن کے حالات میں ادارۂ ادبیات اُردو کی طرف سے ایک چھوٹی سی کتاب "ارسطو جاہ" مرتبہ پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی شائع ہو چکی ہے۔

روشن رائے کی بھی شاعر نے ہجو کی ہے۔ یہ حیدرآباد کے ایک بڑے امیر اور سپہ سالار تھے اور جب ٹیپو سلطان کے ساتھ آخری لڑائی ہوئی تو ان کے تحت چھے ہزار جوانان بار اس معرکہ میں شریک تھے۔ روشن رائے کے والد شاہ عالم بہادر شاہ کے دربار میں صاحب اعزاز تھے اور دلی ہی میں فوت ہوئے۔ روشن رائے جب حیدرآباد آئے تو راجا پنچو لعل کی سفارش سے ارسطو جاہ کی بارگاہ میں باریاب ہوئے۔ اور ایک مشکل معاملہ کو اس خوبی سے سلجھا دیا کہ ارسطو جاہ نے ان کو آصف جاہ ثانی کے دربار میں پیش کیا اور اپنا پیشکار اور سررشتہ دار سپاہ کا عہدہ تفویض کرا دیا۔ رفتہ رفتہ وہ معاملات دیوانی میں بڑے دخیل ہو گئے تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے راجہ شیو پرشاد اور راجا شنبو پرشاد نے اپنے باپ سے زیادہ اعزاز اور مناصب حاصل کئے۔ (گلزار آصفی صفحہ (۲۵۶) نظام علی خاں حصہ دوم ص۲۱۵)

روشن رائے پر شاعر نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ سپاہیوں کو ابھار کر دنگہ فساد کراتے تھے۔ اور ارسطو جاہ کو دھوکہ میں رکھتا تھا۔

آغاز :۔

جفائے چرخ سے اک دن نپٹ ہوا میں دلگیر
جو نکلا گھر سے ملے رہ میں مجھ کو میر منیر
کہا میں خیر ہے اسے مہرباں کدھر کو چلے
کمر کو باندھ کے لے ہات میں سپر شمشیر

اختتام :۔

خدا اونوں کو سلامت رکھے بہ عیش مدام
جو تیری قدر کرے ہیں قدرداں جہاں میں امیر
ہے نام اس کا جہاں میں تزلزل آفاق
بیان واقعیٔ روداد اس میں ہے تسطیر

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد ۴ شوال ۱۱۹۶ھ بجمعہ بصبح"

اس قصیدے میں شاعر نے کہیں اپنا تخلص نہیں لکھا ہے لیکن یہی قصیدہ ایک دوسرے مجموعہ قصائد میں ادارے میں محفوظ ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا تخلص انسق کیا ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

(۶) ہجو حکیم بادشاہ

یہ ۱۴ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں ایک شاہی حکیم کی ہجو لکھی ہے ۔ لیکن نام کسی کا نہیں لیا بلکہ یہ لکھ دیا ہے کہ :۔

نہ لینا نام عیاں کو بیاں کی حاجت نئیں
حکیم بادشہاں ہو یا بید خلق اللہ

نظام علی خاں کے عہد کے دو حکیم بہت مشہور ہیں۔ ایک محمد ماہ خاں المخاطب بہ معالج خاں فرزند حکیم معالج خاں اورنگ آبادی اور دوسرے حکیم عزت یار خاں المخاطب بہ حکیم الحکما محی الدولہ۔ معلوم نہیں کہ شاعر نے کس حکیم کی ہجو لکھی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ہجو اول الذکر کی ہو کیونکہ وہ بعد کو ارسطو جاہ کے متوسل ہوگئے تھے۔ اور یہ شاعر ارسطو جاہ کا بڑا مخالف ہے۔

آغاز :۔

ملال غم کا اٹھا ایک دن جو ابر سیاہ
لگی برسنے جھڑی آب اشک کی ناگاہ
ہوئی جو کشتیٔ امید غرق بحر ایاس
میں دیکھ مردم (الم) چشم تب کا حال تباہ

اختتام :۔

نہ رکھیو چشم امید صلہ تو گردوں سے
سخن کے کہنے کے دعوے سے کر زباں کوتاہ
گئے وہ نامجو سردار قدر دان سخن
صلہ جو دیتے تھے سن حرف مدح خاطر خواہ

ترقیمہ :۔

"پنجم شوال یکشنبہ بقصبۂ گن پورہ ۱۱۹۸ھ ہجری
نبوی تمت تمام شد"

---

(۱۰۳) منظومات ہجویہ [۱۶۴]

اوراق ۱۴۔ سطور ۲۶ شعر فی صفحہ۔
تقطیع $5\frac{1}{4} \times 8\frac{1}{4}$۔ خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف۔ ہدایت۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۰ھ۔
کاتب۔ " سنہ کتابت ۱۲۰۰ و ۱۲۰۱ھ۔

اس مجموعے میں پانچ نظمیں ہیں جن میں ۳ قصیدے ایک مثنوی اور ایک مخمس ہے۔ یہ سب تاریخی موضوعوں پر لکھے گئے ہیں۔ اس لئے تاریخ دکن کا مطالعہ اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بہت اہم ہیں۔ ان سب کا مصنف ہدایت ہے جو ارسطو جاہ کا مشہور ہجو نگار ہے۔ اور جو ہجویہ نظموں میں اپنا تخلص احمق لکھتا ہے۔ اس کی اس قسم کی چھ نظموں کے ایک مجموعے کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ زیر نظر نسخے کی نظموں کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

۱۔ مثنوی جدل ارذل

یہ ناقص الاول ہے۔ موجودہ نسخے میں اس کی ابیات کی تعداد ۹۶ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت طویل مثنوی ہے جس میں شاعر نے اپنے زمانے کے ادنیٰ پیشہ والوں کی ہجو لکھی ہے۔ ابتدائی پچاس اشعار خدمت گاروں، باورچیوں کونجڑوں اور سائیسوں کی مذمت میں ہیں۔ اس کے بعد ہجو حجام کی سرخی قائم کرکے اس زمانے میں حجامت کے کیا طریقے تھے ان کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اسی سلسلے میں حکیم شیخ قاسم کی بھی ہجو لکھ دی ہے۔ حجام کا نام ننھا اور اس کی بیوی کا امینہ بتاتا ہے۔

آغاز :۔

عدم حق کی شرم کی خاطر — سوسن آقا و گربہ سوں جاکر
کھاٹ دیے دو لینے گھر کے جب — موش سے بل طرف یہ گھر کے تب

اختتام :-

سن کے احمق نے یہ نئی تقریر — ہجو حجام کی کیا تحریر
لعنت اس مسخرے پہ کرکے مدام — جدلِ ارزل رکھا ہے اس کا نام

ترقیمہ :-

"بہ ۱۴ محرم ۱۲۰۲ھ روز جمعہ گفتہ شد و بہ نوزدہم
روز چہارشنبہ نوشتہ شد تمام شد"

۲۔ تزلزلِ آفاق

یہ وہی قصیدہ ہے جو پہلے مجموعے (نسخہ نمبر ۱۰۲۱) میں موجود ہے اور جس کا تذکرہ ابھی گزر چکا ہے۔ لیکن اس مجموعے میں یہ قصیدہ تقریباً سوا سال بعد نقل کیا گیا ہے۔ اس اثنا میں شاعر نے اس میں (۳۳) اشعار کا درمیان میں اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ آخری اشعار میں بھی اضافہ ہے۔

آغاز :-

جفائے چرخ سے اک دن نپٹ ہو میں دلگیر
جو نکلا گھر سے ملے رہ میں مجھ کو میر منیر
کہا میں خیر ہے اے مہرباں کدھر کو چلے!
کمر کو باندھ کے لے ہاتھ میں سپر شمشیر!

اختتام :-

خدا اونوں کو سلامت رکھے بہ عیش مدام
جو تیری قدر کرے ہیں قدرداں جہاں میں امیر
خلاصہ اوس کے مضامین دو سوا کیا لیس
جب آئے شرح قلم میں بہ ندرت تقریر
کہا یوں مانی رنگ سخن نے اے بہزاد
ہوئی ہے خوب یہ تحریر ہجو کی تصویر
ہے اس کا نام جہاں میں تزلزلِ آفاق
بیان واقعی روداد اس میں ہے تسطیر

ترقیمہ :-

"۱۱ محرم ۱۲۰۳ھ جمعہ سہ پہر نوشتہ شد"

گویا پہلے مجموعے کے ایک سال تین ماہ ۱۹ دن بعد یہ نقل کیا گیا ہے۔ اختتامی اشعار میں درمیانی دو شعر اسی عرصے میں اضافہ کئے گئے ہیں۔

۳۔ رزم نرمل

یہ ایک طویل تاریخی مخمس ہے جس میں پچپن[۵۵] بند ہیں اور جو بجائے خود ایک اہم تاریخی کتاب یعنے رزم نامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مخمس کی وجہ سے نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے معرکۂ نرمل کی نسبت اہم تاریخی معلومات تفصیل سے محفوظ ہو گئی ہیں۔ پہلے ہم اس معرکہ سے متعلق تاریخوں سے جو کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا خلاصہ بطور تعارف یہاں درج کرتے ہیں :-

مبارز الملک ظفر الدولہ ضابط جنگ ابراہیم بیگ خاں دھونسہ نے جب ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء میں وفات پائی تو آصف جاہ ثانی کے حکم سے ان کے فرزند احتشام جنگ باپ کے قائم مقام اور نرمل کے حاکم ہوئے۔ لیکن کچھ عرصے بعد بغاوت پر کمر باندھی تو ان کی سرکوبی کے لئے سردار جنگ گھانسی میاں اور نادر جنگ فرانسیسی کو روانہ کیا گیا۔ انہوں نے کوٹگیر اور بودھن فتح کرکے دریائے گوداوری کو عبور کیا۔ جہاں احتشام جنگ کے سردار دلاور جنگ فرنگی وغیرہ مقابل ہوئے۔ اب آصف جاہ ثانی نے شرف الدولہ، زورآور جنگ، حشمت جنگ سیف جنگ، اور امجد الدولہ کو بھی گھانسی میاں کی مدد کے لئے روانہ کیا اور خود بھی ۲۱ ذیلعقدہ ۱۱۹۶ھ کو بلدہ سے نکلے۔ اور فتح میدان سے نجم الدولہ اور سید عمر خاں کو بھی آگے روانہ کردیا۔ بتاریخ ۲۹ ذیحجہ ایلوا ڑ پہنچ کر نظام علی خاں نے

قلعہ جگتیال کے محاصرہ کے لئے دولت رائے کو کریم داد خاں یکّہ تاز جنگ، شجاعت جنگ، غلام علی وغیرہ کے ساتھ روانہ کیا۔ جس پر سخت مقابلہ کے بعد ۲۸ محرم ۱۱۹۰ھ کو قبضہ ہوگیا۔ اور یکم صفر کو خود نظام علی خاں وہاں پہنچ گئے۔ ۵ اصفر کو تمام فوج گوداوری پار کر گئی اور احتشام جنگ کی فوج کو بمقام چیٹیال (قریب نرمل) شکست ہوئی۔ آخرکار ۱۴ ربیع الاول کو احتشام جنگ دربار میں معافی کے لئے حاضر ہوئے۔ ان کا قصور معاف کرکے آصف جاہ ثانی نے ظفر الدولہ کا خطاب دیا اور صوبہ داری ایلچ پور پر مامور کیا۔ نرمل کی قلعہ داری پر امام علی خاں برہان الدولہ نامزد ہوئے۔ اور وہاں سے بہت سا زر ونقد ہاتھ آیا۔ اس واقعہ کو کتاب نظام علی خاں حصہ دوم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اس رزم نامہ کا مصنف بھی اس معرکہ میں غالباً شمس الامرا کے ساتھ تھا اس نے اپنے چشم دید واقعات لکھے ہیں اس لئے اس نظم کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

ضابط جنگ جب امر حق سے بیمار ہوئے تو اپنے بیٹے کو بلا کر نرمل کے لئے چار وصیتیں کیں۔ پہلی یہ کہ مجھے اس باغ میں دفن کرنا جو میں نے نرمل میں خاص اہتمام سے بنایا ہے۔ دوسری یہ کہ میں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے نوکری کی جنگ اور دولہ کا خطاب حاصل کیا اور نرمل میں مال کے انبار جمع کئے۔ جیسی میں نے اپنے خداوند نعمت کی اطاعت کی تم اس سے زیادہ کرنا ورنہ نرمل کے لئے کئی دشمن دربار میں موجود ہیں۔ تیسری یہ کہ جب حضور پُرنور ادہر آئیں تو اپنی سعادت جان کر ان سے ملو ورنہ نرمل کے لئے تمہیں ذلیل وخوار ہونا پڑے گا۔ حضور نہایت رحیم وکریم اور اپنے فدویوں کے قدردان ہیں، وہ تمہاری بھی قدر کریں گے۔ تم کو جس مہم کے لئے بھیجیں وہاں سر کے بل جانا اور اپنی تلوار کا لوہا منوانا تاکہ نرمل تمہارے ہی قبضے میں رہے۔

چوتھی وصیت یہ ہے کہ جو میرے قدیم اہل کار ہیں انہی سے کام لینا ظلم نہ کرنا اور نرمل میں دولت اس لئے جمع کی گئی ہے کہ تم سخاوت سے کام لو۔

غرض بعد وفات ضابط جنگ حضور نے ان کے مال سے ایک حبّہ نہ لیا اور ان کے بیٹے کو احتشام جنگ کا خطاب دے کر نرمل ہی کا سردار مقرر کیا۔ لیکن دو روز ہی میں اس نے اپنے باپ کی وصیت کے خلاف قتل عام شروع کردیا۔ فوج کے بخشی اور دولت رائے کو مار ڈالا اور اپنے خویشوں اور ملازمانِ قدیم کو توپ کے منہ پر اڑا دیا۔ اور آخرکار سرکار سے جنگ کے لئے تیار ہوگیا۔ اور اس کا چھوٹا بھائی جو حاضر دربار تھا وہ احتشام جنگ کو سازشی خطوط لکھنے لگا اور اس لئے اس کو گرفتار کرکے قلعۂ گولکنڈہ میں قید کیا گیا۔ (سوانح نظام علی خاں میں یہ واقعہ درج نہیں ہے)

حضور نے دربار منعقد کرکے معرکۂ نرمل کے لئے تیاری کا حکم دیا اور گھانسی میاں کو طلب کرکے روانہ فرمایا جو ایک پل میں بودھن پہنچ گئے اور اوس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد خود حضور شہر سے نکلے اور خیمے میں قیام کیا اور حسب الحکم سب درباری حاضر رکاب ہوئے۔

جب دلاور جنگ فرنگی میدان میں آیا تو گھانسی میاں جلدی سے اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے اور صلہ داروں کی مدد سے ایسی شکست دی کہ دلاور جنگ سے ہاتھی اور گھوڑے تک چھین لئے۔ اس کے بعد گھانسی میاں کی شجاعت اور سخاوت کی بڑی تعریف کی ہے۔

جب اِس جنگ کی اطلاع نظام علی خاں کو پہنچی تو وہ

جگنتیال کے قریب آگئے اور اپنے صاحبزادہ کو جلد پونا روانہ کیا ۔
دولہے راؤ نے جگنتیال کے محاصرہ کے لئے حکم ملتے ہی اس نے قلعہ
کو گھیر کر گولوں کی ایسی بوچھار کی کہ اہل قلعہ گھبرا گئے اور مجبور ہوکر
قلعہ حوالے کر دیا۔

جگنتیال دیکھ کر حضور گنگا (گوداوری) پر آئے اور احتشام جنگ
کے یہاں فرمان بھیجا کہ جان کی امان دی جاتی ہے اگر اب بھی
مان لے ۔ لیکن اس نے نہ مانا تو حضور نے گنگا پار کرنے کے عزم
سے کوچ کیا ۔

جب لشکر فیروزی چیٹیاں کے متصل آکر اترا تو دشمنوں نے
شب خون مارنا چاہا اس لئے پہلے چنورت راجا نے جاکر حملہ کیا
اور پھر سدی عبداللہ اور سدی عنبر نے جاکر صف باندھی ۔ ایک
طرف سے نادر جنگ پہنچے اور دوسری طرف سے سید عمر ۔

جب سید عمر کی لین سے گولے چلنے لگے تو دشمن بھاڑ کے
چنوں کی طرح اڑ اڑ کے گرنے لگے ۔ اور کشتوں سے میدان بھر گیا۔
زمین سے آسمان تک بارود کا دھواں چھا گیا۔ گولے اولوں کی
طرح برسنے لگے۔ (یہاں دو بند جنگ کے مناظر سے متعلق بہترین
لکھے گئے ہیں) یہی حال صبح تک رہا۔ صبح حضور نے فوجوں کا مجرا
لیا۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہوگئی ۔ گولوں کی بوچھاڑ میں صولت جنگ
اڑ گئے۔ اس نوجوان سردار کی موت سے تمام فوج کو رنج ہوا
اور جب حضور نے سنا تو فرمایا ۔

حیف ہے صد حیف ہے افسوس ہے اے واہ دل
کیا جواں مارا گیا سردار نرمل کے لئے!

غرض گولوں کی جھڑی برس رہی تھی کہ شجاعت جنگ
نے گھبرا کر لوہے کی کڑی توڑ کر اپنی عماری کی چھتری کو گرادیا ۔
اور ادھر یہ خبر ملی کہ سید عمر کی لین پر سخت بار پڑ رہا ہے تو حضور نے
غضبناک ہو کر اپنی فوج کو حکم دیا کہ :۔

دیکھتے کیا ہو اے اہل رزم اے شیران جنگ
ہاں اوٹھا گھوڑے کرو تہہ تیغ عدو کو بے درنگ

یہ سنتے ہی تمام اہل فوج تلوار لے کر چاروں طرف سے کود پڑے ۔
اور ادھر زور آور جنگ نے ہاتھی سے اوتر کر وضو کیا اور ساعت
فتح و ظفر تک دعا مانگتے رہے کہ :۔

فتح دے اے خالق جبار نرمل کے لئے

اس اثناء میں ایک طرف سے سیف جنگ فوج لے کر
بے درنگ میدان میں پہنچے ۔ اور ایک طرف سے غلام امام خاں
گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور نادر شاہ کی طرح دشمنوں کو مارنا
شروع کیا۔ پرورش علی خاں بھی شیر نبرد کی طرح مدد کے لئے دوڑے
اور اون کے ساتھی سواروں نے دشمنوں کو گرد میں چھپا دیا ۔

ایک طرف ابہت جنگ دشمنوں کو مار رہے تھے اور ایک طرف
سر بلند جنگ نسیم کی طرح پہنچے اور قتل کرنے لگے ۔ جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ حضور کو فتح عظیم نصیب ہوئی ۔ احتشام جنگ کے حبشی اور
روہیلے کب تک مقابلہ کرتے اور کیونکر جیتے جب کہ ان کا مقصد
اچھا نہ تھا ۔ سچ پوچھئے تو شمس الملک (شمس الامرا) اگر ایسے
شیر نر اور رستم حشم سردار جمع نہ کرتے تو اس جنگ میں فتح نہ ہوتی۔
اس جنگ کے کشتوں کی تعداد اس سال ہجری کے اعداد کے مطابق
ایک ہزار ایک سو ستانوے [۱۱۹۷] تھی ۔

اس شکست کے بعد احتشام جنگ نے اپنی ماں کے کہنے کے
مطابق منفعل ہو کر اپنی جان کی امان مانگی اور حضور نے قبول کرلیا۔
وہ ہات باندھ کر آیا اور حضور کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور اپنے
قصور عقل کا اقرار کیا۔

جب حضور نرمل میں داخل ہوئے تو احتشام جنگ باقاعدہ
ہی میں فروکش تھا اور ابھی اس کے ذہن میں خیال باطل موجود
تھا ۔ جب حضور کے سامنے یہ اندیشہ پیش کیا گیا تو انہوں نے مشورہ کرکے

احتشام جنگ کو ہوا بھیجا اور اپنے فیل خاصہ پر بٹھا کر سیر کے واسطے لے گئے۔ اور ادھر بارگاہ خاص کے آدمیوں نے بالا حصار میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس عقلمندی سے ایک اور مرحلہ طے کر لیا گیا۔ اس کے بعد احتشام جنگ کو برار کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا۔ اور خود نرمل کی سیر میں مصروف ہوئے۔ لوگوں نے فتح کی نذریں گزرانیں۔

میں نے بھی یہ نظم اس شہر (نرمل) کی یادگار کے لئے ایک ہی روز میں دوپہر تک لکھ ڈالی اور اس کا نام رزم نرمل رکھا۔

آغاز:۔

غنچۂ لب کرکے وا یکبار نرمل کے لئے
کر شگفتہ فکر کا گلزار نرمل کے لئے
کھول کر مضمون کا منقار نرمل کے لئے
بلبلِ دل یوں کیا اقرار نرمل کے لئے
دل میں ہے کچھ کیجیے گفتار نرمل کے لئے

اختتام:۔

ماجرا اس جنگ کا جس دن ہوا سارا تمام
یادگاری واسطے اس شہر کے اے نیک نام
روئے تحسینِ سخن کو دیکھتے ہی صبح شام
دوپہر میں لکھ ہدایت رزم نرمل رکھ کے نام
ایک دن میں یہ کہا اشعار نرمل کے لئے

ترقیمہ:۔

"۲۲ محرم شنبہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری نوشتہ شد در گن پورہ"

۴۔ قصیدہ بحرِ سخن

یہ ۴۵ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں شاعر نے موسیٰ ندی کی اس طغیانی کے چشم دید حالات بیان کئے ہیں جو سنہ ۱۲۰۰ھ میں آئی تھی اور جس سے شہر حیدرآباد کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہدایت نے بھی حیدرآباد کو شعری ضروریات کے تحت اس شہر کے پہلے اردو شاعر محمد قلی قطب شاہ کی طرح حیدر نگر لکھا ہے۔ اور کمال یہ کیا ہے کہ بظاہر تو طغیانی کا بیان لکھا ہے لیکن اس کا اصل مقصد (یعنی ارسطو جاہ کی ہجو نگاری ہے) بھی پورا ہو گیا ہے

چونکہ سنہ ۱۲۰۰ھ کی طغیانی ایک تاریخی واقعہ ہے اس لئے شاعر نے جو چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں ان کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

ہندوستان سے ایک نجومی حیدرآباد آیا اور راستے میں پوتھی کھول کر بیٹھ گیا اور کہنا شروع کیا کہ عید قرباں کے ساتھ ہی شہر میں آفتیں نازل ہو جائیں گی۔ چار مینار پر اس زور سے بجلی گرے گی کہ اس کی کڑاک سے لوگوں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ عورتوں کے پیٹ گریں اور بچے مر جائیں۔ اونچے درخت کے برابر شعلے نکلیں گے۔ اس کے بعد ابر تاریک چھا جائے۔ تین دن تک سورج نہ نکلے سانپ اور بچھو آسمان سے برسیں۔ توپوں کی طرح بادل گرجیں اور گولیوں کی طرح مینہ کے قطرے برسیں۔ تین روز اس شدت کی بارش ہوگی۔ دوسری محرم کو موسیٰ ندی میں اس زور کی طغیانی آئے گی کہ آدھا شہر ڈوب جائے گا۔ اور بہت سی مخلوق مرے گی۔

نجومی تو یہ کہہ کر اٹھ گیا۔ اب لوگ پریشان پھرنے لگے۔ اتفاق سے اسی تاریخ جب کہ سنہ ہجری پورا بارہ سو تھا رود موسیٰ میں طغیانی آئی۔ ہزاروں آدمی بہہ گئے۔ شہر کے حصار کو جا بجا سے توڑ کر پانی بیچ شہر تک آگیا۔ اگلی طغیانیوں سے موسیٰ ندی کی یہ طغیانی کسی طرح کم نہ تھی۔ پل سے چار محل تک ایک تختۂ آب بن گیا تھا۔ لوگ درختوں پر اس طرح چڑھے ہوئے تھے جیسے منصور دار پر ہوں۔ گھانس پھونس کی طرح آدمی بہہ رہے تھے۔ اور بہراک لوٹ کھسوٹ میں مصروف اور شاداں تھے۔ دو تین

کے بعد جب طغیانی کا زور گھٹا تو لوگوں کو اطمینان ہوا۔

اس واقعہ کے بعد ایک روز علی الصبح وہ نجومی مجھے پھر نظر آیا۔ میں نے پوچھا "اے جھوٹے اتنی بڑی جھوٹ کیا ضروری تھی بیٹ کو مانگ لینا تو مل جاتا۔ نہ وہ بجلی گری، نہ وہ خورشید چھپ گیا۔ نہ آسمان سے سانپ اور بچھو گرے" اوس نے جواب دیا "اے صاحب! یہ سب غضب الٰہی محض اوس شخص کی وجہ سے نازل ہو رہا تھا جس کے ظلم و ستم سے اس شہر کی مخلوق نالاں ہے اور جو والی ملک کی دولت پر قبضہ کرکے مغرور بن گیا ہے۔ لیکن چونکہ ممدوح آصف جاہ بندہ پرور، سخی، کریم، اور ذات حق کی صفات سے معمور ہیں اس لئے ان کی نسبت کی وجہ سے یہ بلائیں سب دور ہو گئیں۔"

آغاز:۔

گوش دل سے سنو اے اہل شعور تازہ حیدر نگر کا ایک مذکور
مدت سے ایک دن جو نکلا اک نجومی وہاں زراہ دور

اختتام:۔

سب حسن نیت اس شہہ کے ہوں بلیات یہ جہاں سے دور
سن کے یہ بات اے ہدایت تب دل کو حاصل ہوا بہت سرور

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی قصیدہ گلشن بہار شروع کر دیا گیا ہے۔

۵۔ قصیدہ گلشن بہار۔

اس قصیدے میں نواب تیغ جنگ شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا کے فرزند نواب امام جنگ کی شادی مکتب یعنی تقریب بسم اللہ خوانی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور اس طرح شاعر نے اپنے ممدوح اور ان کے فرزند کو اس تقریب میں مبارک باد اور دعا کی نذر دی ہے۔ اس میں (۶۵) اشعار ہیں۔

پہلے بہاریہ تشبیب لکھی ہے جس کا گریز اس شعر سے کیا ہے:۔

پوچھا میں باغبان خرد سے یہ دیکھ رنگ
کہ کس سبب خوشی کا یہاں انتہا ہے

اس کے بعد شمس الملک کی مدح نہایت تفصیل سے لکھی ہے جس میں ان کی شجاعت، تلوار، سپر، گرز، اور اسپ ابلق وغیرہ کے اوصاف ہیں۔ اور پھر ان کے فرزند امام جنگ کی مدح شروع کی ہے جس میں ان کی ذہانت، ہونہاری، شریف دوستی، سپاہی زادوں پر نظر عنایت وغیرہ کی تفصیل بیان کی ہے۔

آغاز:۔

فصل بہار خوشی کی آج عجائب بہار ہے گلشن میں ان کے عیش کی مرسو نگار ہے
پُر نزہت انبساط ہے نشیمن میں سرو کے ساقی کا دور لطف و کرم بے شمار ہے

اختتام:۔

بدخواہ اس کے گھر کا شتابی سے ہوے فنا
شاداں رہے وہ اس کا جو کوئی دوستدار ہے
ہیں کہیں دعا یہ ہدایت سے سن ملک
یہ ہی ترے سے عرض اے پروردگار ہے

ترقیمہ:۔

"۲۲ محرم شنبہ ۱۲۱۰ھ نوشتہ شد۔"

اسی ترقیمے پر یہ مجموعہ ختم ہوتا ہے۔

(۱۰۸) ہجویہ نظمیں [۱۶۲]

اوراق۔ ۶۔ ۱۴ شعر فی صفحہ۔
تقطیع۔ ۵ x ۸"۔ خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف۔ افسق۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۱ھ۔
کاتب۔ افسق۔ سنہ کتابت ۱۲۰۱ھ۔

اس مجموعے میں ہدایت کے دو ہجویہ قصیدے اور ایک مخمس شامل ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا تخلص بجائے ہدایت کے

افسق لکھا ہے۔ لیکن کاغذ، قلم، طرزِ تحریر وہی ہے جو اس سے پہلے کے دو مجموعوں کا ہے۔ اس لئے جیسا کہ ہم نے مخطوطہ نمبر ۱۰۳ کے تذکرہ میں لکھا ہے، ہدایت اور افسق ایک ہی شاعر ہے۔ ہجو یہ نظموں میں وہ افسق تخلص کرتا ہے اور دیگر کلام میں ہدایت۔

ان تینوں نظموں میں بھی شاعر نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو اس زمانے کی تاریخ دکن پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ اس لئے ان کا اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ قصیدہ ہجو اخرج

اس میں ۱۶ اشعار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف شیعہ مذہب کا پیرو تھا اور اس کے زمانے میں بھی مجلسیں ہوا کرتی تھیں جن میں شیعوں کے علاوہ سنی اور خارجی بھی شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ایام عاشورہ میں ایک مجلس میں گیا تھا وہاں ایک شخص نے یزید پر لعنت بھیجنے سے انکار کر دیا۔ جس کی بنا پر مذہبی معاملات پر مباحثہ ہوا۔ شاعر اس شخص کی تفصیلی ہجو لکھتا ہے جس میں اس کے باپ سعادت' نانا گمنام اور اس کی بیوی مبارز خاں کی کنیز کے متعلق بھی نہایت فحش اشعار شامل ہیں۔ مصنف نے مرزا رفیع سودا کی ہجو مولوی ساجد کی تقلید میں یہ قصیدہ لکھا ہے۔ اور اس کی طرف آخری اشعار میں اشارہ بھی کیا ہے۔

آغاز:۔

ہے یہ سوال مرا تجھ سے چرخ نافر جام
غلط یہ کیسا ہے تجھ سے بہ دین خاص عام
دو فرقے خلقت حق سے جو ہیں گے آدم سے
سو یعنے اہل کنشت اور صاحب اسلام

اختتام:۔

جہاں آباد میں ساجد تھا ایک جو اخرج
یہ بیٹا اوس کا دکھن میں ہے بے حیا بدنام
زباں خموش اے افسق نہ کر تو اس کی ہجو
کہ ہوگا اس کے نواسے سے اب تجھے ہی کام

ترقیمہ:۔

" ۴ ربیع الاول ۱۲۱۰ھ روز یکشنبہ بوقت عصر نوشتہ شد"

۲۔ مخمس شب خون ٹیپو سلطان

اس مخمس میں ۱۳ بند ہیں اور اس میں اس تاریخی شب خوں کا ذکر ہے جو بمقام شاہ نور ۱۱ صفر ۱۲۰۱ھ ہجری کو ٹیپو سلطان والی میسور نے حیدر آباد اور مرہٹوں کی متحدہ فوجوں پر مارا تھا۔ تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر ہے لیکن اس کی تفصیلات درج نہیں ہیں۔ حسن اتفاق سے اس شاعر نے محققین کے لئے اس کی تفصیل بھی محفوظ کر دی ہے اس لئے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

ابتدا میں شاعر اپنے زمانے کے ظلم و ستم کی شکایت کرتا ہے۔ اور غالباً ارسطو جاہ کو ملک کی ساری خرابی کا باعث گردانتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ ظالموں کو رات بھر بد دعا دیتا رہا اور صبح یہی کہتا ہوا باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ شہر میں ایک قاصد آیا ہے جو یہ خبر لایا ہے کہ:۔

" فلاں طرف قہر خدا نازل ہوا۔ ایسی گولیاں چلیں کہ اس شب خون کے دریا میں سب پیر و جواں ڈوب گئے۔ جو زندہ بچے وہ قید ہو گئے اور جو مر گئے وہ رنج سے چھوٹے۔ ۱۱ صفر ۱۲۰۱ھ کو جب دونوں لشکروں (یعنی مرہٹہ اور نظام) کو غافل پاکر ٹیپو نے شب خون مارا تو اہل سپاہ برہنہ سر بھاگے اور راستوں پر لوگوں نے جمع ہو کر پوچھنا شروع کیا۔

کہ یہ سب لوگ کہاں ڈوبے۔

قاصد نے جو باتیں رو رو کر بیان کیں اُن کو کیا بتاؤں۔ جب مرہٹے نے سب لشکر ساتھ لیا اور دامی سے کرشاہ نور کے قریب قیام کیا تو وہاں یہ سب مل کر تباہ ہوئے۔ بہت سے تو وہیں مرگئے لیکن اکثر لوگ جنگل میں بھاگ گئے۔ ان کے ساتھ تہور جنگ اور گھانسی میاں بھی تھے جو گویا ہزیمت میں ڈوب گئے۔ مرہٹے اس بری طرح بھاگے کہ ان کو کسی بات کی سُدھ نہ تھی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ شاعر ٹیپو سلطان کے خلاف نظام اور مرہٹوں کے اتحاد سے ناخوش تھا۔ ورنہ وہ اس شعب نون اور شکست و پریشانی کے واقعہ کو اس طرح بیان نہ کرتا۔ خاصکر گھانسی میاں کا تو وہ بڑا مداح ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہاں اپنے جذبات کو چھپا نہ سکا۔

آغاز :-

خیال شکوۂ گردوں کے گرچاہ میں زماں ڈوبے
تو کیوں نہ بحر حیرت میں سخن کا خانماں ڈوبے
بہا ہے موج اس معنی میں کر دل گلستاں ڈوبے
کہ آفاتِ فلک سے مرد کا نام و نشاں ڈوبے
نہ ڈوبے اور وہ ظالم کہ جس سے سب جہاں ڈوبے

اختتام :-

کہا پھر اوس نے کیا بولوں اے اخترؔ بات اس بن کی
کہ بھاگے مرہٹے ایسے نہ سُدھ اون کو رہی تن کی
خدا بر لاوے پھر اون کی ظفر کی آرزو من کی!
عدو سے لفظ اخترکے لکھی تاریخ اوس رن کی
۱۲۰۱ھ
صفحے پر دل کے ہاتف نے وجب نواب وخاں ڈوبے

ترقیمہ :-

"تمت ۳ ربیع الاول ۱۲۰۱ھ بہ دوشنبہ سہ پہر در حیدرآباد راقم مصنف"

۳۔ "قصیدۂ تزلزلۂ فلک"

یہ ترپن اشعار کا قصیدہ ہے جس میں معرف مشیر الملک ارسطو جاہ کی ہجو لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں زمانے کی شکایت کی ہے کہ غریب اور مظلوم روز بروز پریشان حال ہیں اور ظالم مزے اڑا رہا ہے۔ ارسطو جاہ کا شاعر پر اتنا رعب طاری تھا کہ وہ قصیدے میں صاف طور پر نام نہیں لیتا۔ بلکہ اس نے اشعار ذیل کے ہر مصرع کے ابتدائی حرف سے ان کا خطاب مشیر الملک ظاہر کیا ہے۔

مصلحت کی میم ہے جس کی بلا ہووے نزدل
شور وشر کی شین ہے جس کی ہر اک دل کا لگے
یائے یاری سے ہو نقصاں جس کے (کرم خوردہ)
رائے رسم ظلم زائے رحم کے اوس کی (کرم خوردہ)

ان اشعار سے قبل ارسطو جاہ کا نام نہ لینے کا ذکر یوں کرتا ہے:-

لینے ایسے سخت ظالم کو خدا دے ہی بٹھا
مسند ملکِ ستم کے شامیانے کے تلے
نام کہ لینے سو جسکے پانچ سو چالیس دیں
سور فکر مل سوں چشم سو آنسو ڈھلے
بس جو ایسا ہووے اور... بلا کو دیکھا
ذکر کر کچھ اور اوس کا اسم اب ہرگز نہ لے

آخر میں اس امر کی دعا کی ہے کہ ہم اوس ظالم کی لاش جلد ہاتھی کے پاؤں تلے دیکھیں۔ جو دوسروں کو بھیک منگواتا ہے وہ خود بھیک مانگنے لگے۔ یا غیب سے اس پر ایسی مصیبت پڑے کہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ شاہ آصف تا ابد سلامت رہیں اور ان کے بدخواہوں پر بلا ٹلے۔ ان کی دولت و اقبال کا طبل سدا بجتا رہے اور ان کی ریاست کے نقش کا سکہ محشر تک چلتا رہے۔ شاعر کی دوسری دعا تو قبول ہوئی لیکن پہلی تمنا اس کے

دل کی دل ہی میں رہ گئی ہوگی کیونکہ ارسطو جاہ آخر دم تک مختار و
ممتاز رہے اور نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے ان کی لڑکی کی
شادی ولی عہد سلطنت سے کرکے ان کو اور بھی مفتخر فرمایا ۔

آغاز :۔

بارشِ جورِ فلک کے دیکھتے دے زلزلے
جوشِ موجِ غم سے کیوں نہ ہر دل اب کھل بلے
خشک ہو جب قحط سے آبِ سحرِ دریائے خوشی
ماہئِ بے آب سا تب کیوں نہ ہر اک تلملے

اختتام :۔

تا ابد رہوے سلامت آصف شاہ جہاں اور بلا اسکی ہوا خواہوں کے سب اوپر ٹلے
دولتِ اقبال کا باجے سدا اوس کے طبل سکۂ نقش ریاست اوس کا نام مشتہر چلے

کوئی ترقیمہ نہیں ۔

---

(۱۰۵) دیوانچہ [۱۷۴]

اوراق ۱۳ ۔ سطور ۱۴ فی صفحہ ۔
تقطیع ۵ × ۸ ۔ خط نستعلیق ۔ عنوان اور جدولیں سرخی میں ۔
مصنف ۔ افسق ۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۰۳ھ
کاتب ۔ " ۔ سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ

اس مجموعے میں افسق کے تین قصیدے ہیں ۔ افسق اور ہدایت ایک ہی شاعر کا تخلص ہے ۔ اسی شاعر کے تین اور مجموعوں کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے ۔ وہ تینوں مجموعے مصنف کے ابتدائی مسودے تھے ۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابت کے بارہ ۱۲ سال بعد مصنف کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان پر نظر ثانی کرکے ذرا خوش خط لکھے ۔ چنانچہ یہ مجموعہ خاص اہتمام کے ساتھ سرخ جدولیں کھینچ کر لکھا گیا ہے لیکن خط ان چاروں مجموعوں کا ایک ہی ہے ۔

اس مجموعے کا نام مصنف نے دیوانچہ رکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اسی طرح ایک بڑا دیوان بھی مرتب کیا تھا ۔ اس نسخے میں تین قصیدے درج ہیں ۔ ۱ ۔ صدمات زمانہ ۲ ۔ تزلزل آفاق ۳ ۔ تنزل آفات ۔ ان میں سے دوسرا قصیدہ اسی شاعر کے دو اور مجموعوں (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۰۲ و ۱۰۳) میں درج ہے اور اس کا تفصیلی ذکر مخطوطہ نمبر ۱۰۲ میں کیا جا چکا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مصنف ایک طویل اور معرکتہ آلارا قصیدہ ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت دیتا تھا ۔ اس لئے اپنے تین مجموعوں میں دوسرے قصائد کے ساتھ اس کو بھی نقل کیا ہے ۔

بقیہ دو قصیدوں کی تفصیل یہ ہے : ۔

(۱) قصیدہ صدمات زمانہ

یہ (۵۱) اشعار کا قصیدہ ہے جس میں تاریخ دکن کے ایک مشہور واقعہ کو قلمبند کیا گیا ہے جو ۱۲۰۳ھ کے جشنِ سالگرہ آصف جاہ ثانی سے متعلق ہے ۔ اس سال آصف جاہ ثانی نے گولکنڈے میں ایک نیا محل (جو آج کل موتی محل یا نو محل کہلاتا ہے) بنایا تھا اور اسی میں مقیم تھے ۔ نئے مکان کی گھر بھرائی کی تقریب میں یہاں ایک مینا بازار قائم کیا گیا جس میں نفائس و جواہر کے علاوہ ہاتھی اور گھوڑے بھی بغرض فروخت مہیا کئے گئے تھے ۔ آصف جاہ ثانی اور ان کے امرا اس مینا بازار کی دلچسپیوں میں منہمک تھے کہ ایک پالتو بندر نے حضور کے ہاتھ کو زخمی کر دیا جو ایک مہینے کے بعد اچھا ہوا ۔ اس کی خوشی میں غسل صحت و سالگرہ کا جشن قرار پایا جس کی تیاری نواب ارسطو جاہ کر رہے تھے کہ ایک روز دربار میں حیدر علی بیگ جمعدار (علاقۂ ارسطو جاہ) نے اپنی جاگیر کی ضبطی اور قرضداری کی شکایت کی اور اپنے ہمراہیوں کو نذر کے لئے پیش کرتے کرتے اپنی کٹار نکال لی اور ہاتھ آگے بڑھا کر کہنے لگا کہ "حضور یا تو مجھے اس سے ذبح کر دیں، یا مقدمۂ جاگیر و تنخواہ سپاہ کا فیصلہ فرمائیں" ارسطو جاہ

درمیان میں آکر کنارہ چھیننے لگے اور اس کوشش میں ان کا ہاتھ
زخمی ہوگیا۔ خون بہتا دیکھ کر ان کے ہواخواہوں نے حیدر علی بیگ
اور اس کے بعض ساتھیوں کو وہیں قتل کردیا۔ اور حضور نے
ارسطو جاہ کی صحت تک جشن کو ملتوی کردیا۔ (تفصیل کے لئے
دیکھو نظام علی شاں از سراج الدین طالب ص۱۵۶)

اس واقعے کو افسوؔ نے شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔
لیکن بجائے گولکنڈے کے اس کو خاص شہر حیدرآباد کے واقعے
کے طور پر پیش کیا ہے چونکہ وہ اس وقت شہر میں موجود تھا اس لئے
اس کا بیان اہم ہے اور آئندہ ماہرین تاریخ کو اس سے مدد
ملے گی اس لئے اس قصیدہ کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

"میں صفحۂ کاغذ پر زمانے کے صدمات بیان کررہا ہوں۔
اس زمانے میں ظلم ہلاکو، طوفانِ نوح، اور غرور نمرود کی یاد تازہ
ہوگئی ہے۔

میں لوگوں کے ظلم و جفا پر سوچ رہا تھا کہ کسی ضرورت
سے چوک کی طرف گیا وہاں شمالی ہند کے ایک دوست،
خواجہ سرا میاں منظور سے ملاقات ہوئی۔ وہ پریشان حال
کھڑے تھے میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کل کی بات ہے کہ تم
ملک ہند میں امیر با مقدور تھے اور آج ایسی کیا گذری کہ پھٹا پرانا
جوتا پہننے پر مجبور ہو۔

میاں منظور نے رو کر تیرھویں صدی کی شکایت کی اور
کہا کہ میں ایک دوست کی تلاش میں ہند سے نکل کر متھرا کی طرف
آیا تو معلوم ہوا کہ وہ آج کل کاردکن پر معمور ہے۔ اس کی دادی
جو شوخ مزاج اور وجیہہ تھی محل خاص کی اصیلوں میں تھی اور
ایک وقت خراب پوشیدہ کام کی وجہ سے پکڑی گئی تھی تو میں نے
اس کی جان و آبرو بچالی تھی۔

غرض اس بھروسے پر کہ نجیب آدمی اپنے محسن کا مشکور
ہوتا ہے یہاں آیا وہ شخص پہلے تو ٹھیک طور پر ملا لیکن بعد کو
اتنا ستایا کہ آخر کار اپنے گھر میں ناظری کی خدمت دس روپے
ماہوار پر قبول کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ اگر اس سے زیادہ
کی خواہش ہے تو اُس ڈبیا کو یاد کرو جو تم میری دادی صاحبہ
کے ہاتھ سے چھین لے گئے تھے اور جو کروڑ روپے قیمت کی تھی۔

میں اس کی جھوٹ پر خاموش ہوکر چلا آیا لیکن ہزاروں
گالیاں دل میں دیتا رہا۔ اس کے ایک ملازم نے کہا کہ میاں
منظور تمہاری کیا شامت آئی تھی جو تم ایسے انسان کے بھروسے
پر چلے آئے جس کی بدی سے شیطان بھی عاجز ہے۔

ابھی ہم میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ چوک میں لوگوں کی بھگدڑ
مچ گئی اور شور ہوا کہ امیر کے گھر میں تلوار چل رہی ہے۔ راستوں
سے زخمی جانے لگے۔ معلوم ہوا کہ حیدر بیگ نے مدارکار ریاست
پر فتنہ و فساد کی غرض سے نذر دینے کے بہانے سے تلوار کھینچی
ہے۔ اہلِ کار ریاست نے جرات کرکے ٹالنا چاہا تو اس کا
ہاتھ زخمی ہوگیا۔ اس پر تلوار چلی اور دو چار وہیں گر گئے اور
بہت سے زخمی ہوئے۔ حیدر علی بیگ کے ساتھی بھاگ کھڑے
ہوئے۔ زخمیوں کو قید کرکے حضور کے حکم سے قلعہ گولکنڈہ
بھیج دیا گیا اور ان کے گھر لوٹ لئے گئے۔

یہ حال سن کر خواجہ سرا میاں منظور نے کہا کہ اگر ظالم
کی جان بچ گئی تو کیا ہوا اس کی خصلت تو بد ہے۔ اب اس
کے خزانے میں زر نقد اور اصطبل میں ماش صدقے کی داخل
ہوگئی۔ ایسی صورت میں اگر محتاج لوگ ہاتھ اٹھاکر یہ دعا
مانگیں تو کیا عجب کہ جو شخص ناوک تیر جفا سے کسی کے دل
چھیدتا ہے اس کے بدن کا ہر زخم سو ناسور بن جائے۔ اور
اس کے زخم میں مرہم کافور زہر کا کام کرنے لگے۔"

اس تمام قصے میں ارسطو جاہ کا کہیں نام نہیں لیا۔

لیکن اصل میں انہی کی ہجو مقصود ہے کیونکہ اس وقت وہی کار ریاست پر مامور تھے اور انہی کا ہاتھ حیدر علی بیگ کی کٹار سے زخمی ہوا تھا۔

آغاز:۔

گردوں ہوں صفحۂ کاغذ پہ لے قلم سطور سنو زمانے کے صدمات کا نیا مذکور
اٹھایا پل میں بلا ایسی جس کے صدمے سے ہوئے نمود علامات روز نفخ صُور

اختتام:۔

ستم کی تیغ سے زخمی ہو جسکی جان بشر ہو زہر اس کی جراحت پہ مرہم کافور
بشانِ خضر ہو سر سبز نیک اہل کرم اے افسق اونکے در سے گھر سے رہے ہو آفت دور

۲۔ قصیدۂ تنزل آفات

(۱۴۰) اشعار کا ذوالمطلعین قصیدہ ہے جس میں مشیر الملک ارسطو جاہ کی تفصیلی ہجو لکھی ہے۔ ابتدا میں زمانے کی حالت بیان کی ہے کہ آج کل خواہ کوئی ہنر اختیار کریں پریشانی اور نقصان کا باعث ہے۔ یہاں بے ہنر کو ہنرور سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی دو دن کی زندگی کے تجمل کے واسطے ایسے مدار المہام کی ملازمت کرے جو خیر خواہاں آصف جاہ کا بدخواہ ہو تو کیا فائدہ۔ اس کے بعد دوسرا مطلع شروع کرتا ہے کہ:۔

میرے کلام کی اس شوخی کو دیکھ کر عقل نے کہا کہ کیوں نہیں ایسے مدار المہام کی ایک زبردست ہجو لکھتا۔ اس کے بعد ہجو شروع کی ہے جس کے اکثر شعر فحش ہیں۔

ارسطو جاہ کی پیدائش سے لے کر ماں باپ اور استاد کے ساتھ برتاؤ تعلیم کی حالت، شادی کا ایسے روز ہونا جس روز کے نادر شاہ نے ہندوستان میں قتل عام کیا تھا بہرحال تمام نحوستیں اور برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ ان کے گھر پر ایسا اژدحام رہتا ہے جیسے کوئی مر گیا ہے۔ پھر اُن کے جسم، حلیہ، چال، آواز، گھوڑے ہاتھی، مکان، تہہ خانے اور باغ کی تفصیلی ہجو لکھی ہے۔ ان کے مکان کی تعمیر کی تاریخ لفظ دارظلم (۱۱۹۷ھ) سے نکالی ہے۔

ان کے ملازمین اور سپاہیوں کی بھی ہجو لکھی ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب محمد نظام کی برادری کے لوگ ہیں۔ انہوں نے دھوبی کو رسالدار اور جولاہے کو پیشکار بنایا ہے۔ اس کے بعد ان کے ہتھیاروں کی ہجو ہے۔

اُن کے دفتر میں دیوان، بخشی، کوتوال، عرض بیگی، قاضی اور منشی وغیرہ ایسے لوگ ہیں جن کے باپ کا نام تو عبدالشکور ہے اور ماں بیگمی ہے۔ کسی کی ذات مومن ہے، کسی کا وطن گھن پورہ ہے۔ کسی کی بیوی کسی ملّا یا امام کی داشتہ ہے۔ یہ لوگ دن کو تو خدا کا نام لے کر مزدوری کر لیتے ہیں لیکن رات کو محمدؐ کے نام کی بھیک مانگتے ہیں۔

دوسرا لشکر تو ندی کے پار نکل جاتا ہے اور یہ لوگ ابھی گاؤں ہی میں کوچ یا واپسی کی خبر پوچھتے رہتے ہیں۔ ان کا بخشی قصّاب کی اولاد سے ہے جو گائے کی چربی چرا لیتا ہے۔ (اسی طرح ہر عہدہ دار کی تفصیلی ہجو لکھی ہے۔)

پھر ارسطو جاہ کی سواری کا ڈھنگ، دستخط کی شکل، عادات و اطوار، غرض ہر بات کی تفصیل درج ہے جس سے مورخین کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔ آخر میں اُن کے مذہب کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

کیونکر کہیے شیعہ کہو اوس پلید کو
ضبطی میں بارگاہ رکھے جو امام کی

اس کے بعد دو تین شعر شمس الملک اور بالاجی رائے کی مدح میں لکھے ہیں۔ کیونکہ انہی کی وجہ سے وہ عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ اپنا تخلص اس شعر میں لکھا ہے:۔

افسقؔ زباں خموش بس آگے سخن نہ کہہ
رخصت نہ دے تو فکر کو طول کلام کی!

آغاز:۔

زاہد نے عمر زہد میں اپنی تمام کی چھوٹی نہ فکر شیخ سے اکل و دام کی

عالم نے فارسی کی کتابیں پڑھانو کیا   حرص د ہوا کی ترکی نہ اپنی تمام کی

اختتام :-

بدخواہ جو ترے ہوں قدردان قدر کے   ہو وے علل نصیب اونو کو جذام کی
کیا کام تجھ کو قہر جفا کار دہر سے !   ہو وے عمر دراز دکھن کے نظام کی

ترقیمہ :-

" تمت ۱۲ ربیع الاول ۱۲۳۰ھ روز دوشنبہ . تحریر
اتمام ایں دیوانچہ سلخ ماہ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ پنجشنبہ
راقمہ مصنفہ ۔"

(۱۰۶) مثنوی نادر [۸۴]

اوراق ۴۴ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶¼" × ۸½" - خط نستعلیق نہایت اعلیٰ - عنوان سرخی میں
مصنف نادر - سنہ تصنیف ۱۲۳۸ھ
کتابت وسط تیرھویں صدی ہجری -

یہ کہنے کو تو نواب اعظم جاہ والی ارکاٹ کا سفرنامہ ہے لیکن اس میں ان کے عہد کے اکثر مشاہیر کی خصوصیات اور تاجی د معاشی کیفیات بھی محفوظ ہوگئی ہیں - مصنف کے حالات کسی تذکرے میں درج نہیں البتہ "مدراس میں اُردو" میں نصیرالدین صاحب ہاشمی نے اس کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے یعنے (۱) مثنوی رشک قمر و مہ جبیں (۲) مثنوی نادر یا سفرنامۂ اعظم جاہ ان دونوں کے نسخے کم یاب ہیں - زیر نظر کتاب کا مخطوطہ شاید ہی کسی اور کتب خانے میں موجود ہو -

اس کتاب سے مصنف کی نسبت جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

شاعر کے باپ اور دادا دونوں نواب صاحب ارکاٹ کے ملازم اور مقرب تھے - اور خود شاعر بچپن ہی سے نواب اعظم جاہ کا مقرب رہا ہے - اس کے والد نواب موصوف کے استاد تھے اسی لئے ان کو پالکی کا اعزاز دیا گیا تھا - لیکن شاعر کو اس مثنوی کی تصنیف کے وقت تک یہ اعزاز نصیب نہ ہوا تھا - چنانچہ جگہ جگہ اس کے حصول کی آرزو کی گئی ہے - شاعر کو اپنی تنگدستی اور قرضداری کا بھی شکوہ ہے - پہلے وہ بندی خانہ کا داروغہ تھا - لیکن نواب اعظم جاہ کا سفر نا یکھنے کی خاطر اس عہدے کو چھوڑنا پڑا - شاہی دربار کے مشہور شاعر اظفری سے نادر نے سخن گوئی میں اصلاح لی تھی - بادشاہ کے اگرچہ کئی استاد تھے لیکن نادر کے والد کو خاص اہمیت حاصل تھی - وہ ان کے متعلق لکھتا ہے :-

میرے باپ شہ کے جو استاد تھے !   فقیر اور حافظ خوش آزاد تھے
تھے خوش حال شہ کی عنایت سے وہ   رہے تا دم زیست عزت سے وہ
نہایت تھے تابع ہر اک صبح و شام   نہ ہرگز طمع سے تھا دنیا کا کام
تھا یاد الٰہی میں نت ان کا دم   رہ حق میں بے شک تھے ثابت قدم
موے بعد آں شاہ کے خواب ہیں   ہوئے ساتھی ہم سب کے اسباب ہیں

اس کے بعد لکھا ہے کہ مرحوم نواب ارکاٹ میرے والد کے مکان پر کئی بار آئے اور ان کی اتنی عزت کرتے تھے کہ کبھی ان کا کوئی سوال رد نہ کیا - شاعر کو اس امر کی شکایت ہے کہ دوسرے استاد زادوں پر عنایات کی بارش ہوئی اور میں محروم رہ گیا۔

یہ سفرنامہ حمد، نعت، تعریف اصحاب کبار، مناقب محبوب سبحانی اور مدح امیر الہند والا جاہ نواب اعظم جاہ کے عنوانات سے شروع کیا گیا ہے - موخر الذکر عنوان کے تحت اعظم جاہ کی بہت تفصیلی تعریف لکھی ہے - جس میں ان کی بیگم، اور والدہ اور بھائی محمد علی خاں عظیم جاہ کے اوصاف بھی بیان کر دئے گئے ہیں - اس کے بعد ہی اعظم نگر یعنے مدراس کی تعریف شروع کی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ اعظم جاہ کے جملہ امرا کی توصیف ایک نئی سرخی کے تحت

لکھی گئی ہے۔ اس میں ممتاز الامرا، اعظم الملک، حفیظ اللہ خاں، شرف الملک، معتمد جنگ، عبد الحمید خاں، وجیہہ اللہ خاں اور قادر حسین کے حالات الگ الگ لکھے ہیں۔ پھر عالموں، مشائخوں اور طبیبوں کا ذکر کیا ہے۔ طبیبوں میں صرف باقر حسین خاں اور شعرا میں اطہری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ان شخصیتوں کے تذکرے کے بعد اعظم جاہ کے قصر او باغ "ہمایوں محل" کی تعریف لکھی ہے۔ اور اس کو آبادی میں حیدرآباد سے تشبیہہ دی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حیدرآباد اُس زمانے میں اپنے باغات اور آبادی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ شاعر کہتا ہے ؎

وہ بستی سے یوں باغ آباد ہے   گویا باغ میں حیدرآباد ہے

محل کی روشنی، آرائش اور تصویروں کے تذکرے کے بعد دربار اور مسند شاہی کا ذکر کیا ہے۔ اصل موضوع ورق ۲۰ سے شروع کرتا ہے۔ سفر کی تیاری، انگریزوں کو علم، امیروں اور سپاہیوں کی ہمراہی، ڈیروں اور قناتوں کی تفصیل، ایک سفری مسجد اور حوض کی شان و شوکت غرض جملہ امور وضاحت سے درج کئے ہیں۔

اعظم جاہ کے سفر کا اصل مقصد درگاہوں کی زیارت اور نذر و نیاز قرار دیا گیا ہے۔ ناگور شریف میں قادر ولی کے مزار کی زیارت اور عرس کے اہتمام کو خاص عقیدت اور تکلف سے قلمبند کیا ہے۔ یہاں کے قیام کے زمانے میں لشکر میں وبا پھوٹ پڑی اور اس کی وجہ سے اہل لشکر اور امرا میں جو ہلچل مچی اس کو بہت دلچسپ طریقے سے پیش کیا ہے۔

ناگور سے تنجور کی طرف کوچ کیا گیا اور راستے میں جن جن مصائب یا مسرتوں سے سابقہ پڑا سب کی تفصیل درج کی ہے۔

مصنف بھی اس سفر میں نواب کے ہمراہ تھا اور یہ سفرنامہ منظوم کر رہا تھا۔ اس کے مطالعے سے اس زمانے کے شہر مدراس اور جنوبی ہند کی معاشرت اور سیاست کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سفرنامہ ایک طرح کا تاریخی ذخیرہ ہے۔

اس کا ابتدائی ورق (یعنی چند سطریں) غائب ہیں۔

آغاز:—

نہال اب ہیں تجھ فیض سے نونہال   گرہ میں ہے غنچے کی زر مالامال
مہ و مہر بخشش سے تیری سدا   کہ شام و شفق کا دوشالہ لیا

اختتام:—

کیا ہے سفر جب شہ نیک خو   کہ بارا سو اٹھتیسواں سنہ تھا وہ
اسی ہی سن میں کر فکر نظم کلام   کیا اس سفرنامے کو اختتام
بدل جب کہ تاریخ کی فکر کی   ندا ہاتف غیب نے تب یہ دی
صلا اس کا تجھ کو ملے بہترین   یہ نادر ہوئی مثنوی آفریں

ترقیمہ:—

"مالکہ حلیمہ بنت صبغۃ اللہ بن محمد غوث بن ناصر الدین محمد عفا اللہ عنہم۔ غلام محمد شرف الدولہ بہادر۔ مالکہ، عبد القادر عنہ شرف الدولہ۔"

یہ عبارت کتاب کے آخری ورق پر درج ہے۔ یہ نسخہ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کا عطیہ ہے۔ سرورق پر ان کے دستخط اس طرح ثبت ہیں۔

"تحفہ بہ کتب خانہ ادارۂ ادبیہ۔ ہاشمی ۲۲-۹-۴۷ف"

(۱۰۷) دہ مجلس [۴۲]

اوراق ۱۲۱۔ سطور ۱۲ فی صفحہ۔

تقطیع ۳/۴ ۵" × ۳/۴ ۷"۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ فاضل۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۲ھ

اس مثنوی میں تقریباً تین ہزار ابیات ہیں۔ حمد و نعت کے بعد ہی پہلی مجلس شروع کر دی گئی ہے۔ ہر مجلس کسی ایک موضوع

نے لئے مختص ہے۔ جس کی صراحت درج ذیل ہے:۔

۱۔ وفات سید المرسلین (۴ ب) ۲۔ وفات سیدۃ النساء (۱۴ ب)
۳۔ شہادت امیر المومنین (۲۲ ب) ۴۔ شہادت امام حسن (۳۴ و)
۵۔ " مسلم بن عقیل (۴۱ ب) ۶۔ " محمد و ابراہیم پسران عقیل (۵۵ و)
۷۔ " حر بن یزید (۶۵ و) ۸۔ " قاسم (۷۶ ب)
۹۔ " عباس و علی اکبر (۸۶ و) ۱۰۔ " امام حسین (۹۲ ب)

دسویں مجلس کے خاتمہ پر ورق ۱۰۱ سے شہادت کے ہر بیان کے ختم پر پڑھنے کے لئے ایک منظوم دعا درج کی گئی ہے۔ جس کے بعد کے ورق ۱۰۳ سے اہل حرم کا احوال سوئے شام لکھا ہے جو ورق ۱۰۹ ب پر ختم ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے اہل حرم کا مدینہ جانا اور چہلم کا ذکر کیا ہے۔

شاعر نے آخری ابیات کے علاوہ کتاب میں اپنا تخلص جن ابیات میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں:۔

گنہ گاران امت ہے یہ فاضل   اُسے جنت ہو یا شبیر حاصل (۴ ب)
یا خدا بہر حیدر کرار   ہے جو فاضل نزار ذلیل و خوار (۱۰۲ ب)

شاعر اور اس کی اس کتاب کی نسبت مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ البتہ اس کے مذہب کے متعلق ان ابیات سے اندازہ ہو سکتا ہے:۔

واسطے چار یار اہل صفا   اور وہ جن کے دل میں ہے نہ ریا
واسطے سید محی الدیں!   کہ وہ ہیں بادشاہ خلد بریں
(ورق ۱۰۲ و)

اور جو شخص چار یاری ہیں   جن کو کہنے غرض کرستی ہیں
نہ ے انہوں کو خوشی مرے غفار   اور نہ محتاج ان کو کر زنہار
(ورق ۱۰۲ ب)

آغاز:۔

لکھوں ہوں حمد اول کبریا کی   کہ جس نے ہم کو دانائی عطا کی
حواس و ہوش اور فہم و فراست   ادب تمیز اوس نے کی عنایت

اختتام:۔

رولا ؤ اور روؤ تا قیامت   محمد جو کریں سب کی شفاعت
بس اب آگے تو ہو خاموش فاضل   تجھے جنت بعزت ہوگی حاصل

قطعہ تاریخ دہ مجلس

دہ مجلس مختصر محرم کہہ کر   تاریخ کی فکر کی جو میں نے
ہاتف نے کہا کہ تو نے فاضل   یہ حال غم امام لکھا اچھا
۱۲۴۰ھ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ یہ کتاب مولوی نصیر الدین صاحب ایم اے۔ بی ٹی لکچرار اردو عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ کی عطیہ ہے۔

---

(۱۰۸) نامۂ حضرت سلطان [۱۵۶]

اوراق ۳۔ سطور ۱۰۔
تقطیع ۴ × ۸"۔ خط شکستہ۔
مصنف۔ عبد الملک عبد زمانۂ تصنیف اوائل گیارھویں صدی ہجری
کاتب " ۔ " کتابت "

اَلْمُک بھروچی شاعر عبد الملک کی نظم مولودنامہ (مرتبہ ۱۰۰۹ھ) کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ (دیکھو مخطوطہ نمبر ۲) تقریباً پچاس ابیات کی یہ مثنوی بھی غالباً اُسی عبد الملک کی تصنیف ہے۔ اس میں شیخ سید عبد القادر محی الدین جیلانی محبوب سبحانی کی مدح کی گئی ہے۔ آخری بیت میں شاعر نے اپنا نام و تخلص بھی لکھ دیا ہے۔

آغاز:۔

محی الدین سلطان قادر اہے   مجکوی جاں کرے یاد حاضر اہے
محی الدین ساچا توں سلطان اہے   دیون ہار توں دان ایمان اہے

اختتام :۔

جو اس کی طرف سوں ہوا منج عیاں   دو میم کا گنج میں کیا ہو بیاں

سو عبدالملک عبد بندہ نمیں !   حقیقت خداوند سوں ...... (کرم خورده)

ترقیمه :۔

"تمت تمام شد ۔ کار من نظام شد ۔ کاتب الحروف فقیر عبدالملک ..... (کرم خورده)

سرورق پر حسب ذیل دو بیتیں سید میراں کی درج ہیں ۔

یں مل شہ سمی جیتا ہوا کھو راول تے   کرم تو کہ تابع مریداں کھو کھو راول آئے

سید میراں تو جوگی ہوتا تو توں راول بندا   ذکر فکر سوں محبت لا مانت دے گور کر دھندا

---

(۱۰۹) مدح شاہ میرانجی [۶۵۲]

اوراق ۶ ۔ سطور ۸ ۔

تقطیع ۔ ۴ × ۸ ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ کریم ۔ زمانہ تصنیف اوائل گیارھویں صدی ہجری ۔

کتابت ۔ اوائل گیارھویں صدی ہجری ۔

یہ ایک ترکیب بند ہے ۔ اور ہر بند میں پانچ یا چھے مصرعے ہیں جن کے آخر میں وہی ایک شعر درج ہے جو نظم کی ابتدا میں لکھا گیا ہے ۔ جملہ چھے بند ہیں ۔ ان میں شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری کی مدح ان کے ایک مرید کریم نے قلمبند کی ہے ۔

آغاز :۔

ارے طالب ہونا طلب خدا

جے حق تے آیا یہی ندا !

جب روح کوں تن کا سنگ ہوا   بھل اٹروں اس کے دنگ ہوا

جب گیان ترنگیں تنگ ہوا   یہاں یاد دلبر یک رنگ ہوا

او شاہد دلبر تنگ ہوا !   ارے طالب ہونا طلب خدا

جے حق تے آیا یہی ندا !

اختتام :۔

پیر شہ میراں جی آن ملے   منج پر موں اپنے لائے گلے

سب تن من جیو کے پھول کھلے   اس خوش بوئی سوں جیو پھلے

یوں سب میں دیکھے ویلے ویلے   سب رخ کریما پیو ملے !

ارے طالب ہونا طلب خدا

جے حق تے آیا یہی ندا

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی کسی دکھنی شاعر حافظ کی نو نو اشعار کی دو غزلیں درج ہیں جن کے مطلع اور مقطع یہ ہیں :۔

مطلع ۔ شاہی منجے مبارک ہو حسن لایزالی !   منجہ کوں اچھو گدائی ہو عشق لایزالی

مقطع ۔ کر گل بدن حافظا کوں بس مہر ہو کرم تھے   دنیا دماغ تازا کر گئے ہیں گل نہالی ! (او بالی)

مطلع ۔ دیکھو پیا سکی نے کیا سحر منجہ پو کر گئے   دل ستا دل ملا کر دل چھین منجہ بسر گئے

مقطع ۔ مشتاق جد سحر ہوئی ہوں حافظا ترے درس تھے   کلے لک بس جو نل تل میرے اوپر گزر گئے

اس نسخے کی کتابت اوائل گیارھویں صدی ہجری کی معلوم ہوتی ہے ۔

---

(۱۱۰) توصیف نامہ میراں محی الدین [۶۵۳]

اوراق ۸ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ ۔

تقطیع ۴ × ۶½ ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ فیروز ۔ سنہ تصنیف قبل ۹۷۲ھ

کتابت ۔ اوائل گیارھویں صدی ہجری ۔

یہ ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ سو سے زیادہ ابیات ہیں ۔ اس میں حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی اور مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کے اوصاف تفصیل سے قلمبند کئے گئے ہیں ۔

اس کتاب کا مصنف گولکنڈہ کا مشہور شاعر فیروز تھا جو عہد ابراہیم قطب شاہ (۹۵۵ھ تا ۹۸۸ھ) میں گزرا ہے ۔ اور جس کی استادی اور کمال کی شہرت قطب شاہی دور کے خاتمے تک عروج پر تھی ۔

عہد محمد قلی قطب شاہ کے ملک الشعرا وجہی نے اپنی کتاب قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) میں اس باکمال شاعر کا بڑی عقیدت سے ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :—

کہ فیروز آ خواب میں رات کوں ۔۔۔ دعا دے کے چوٹے مرے ہات کوں

لکھیا ہے توں یو شعر ایسا سرس ۔۔۔ کہ پڑنے کوں عالم کرے سب ہوس

تو یوں کر کہ خصلت یو تج آئے نا ۔۔۔ کہ توں خوش اچھے ہور کسے بھائے نا

توں ایسی طرز دل تے پیدا توں کیا ۔۔۔ کہ دوسرے کریں سب تری پیروی

وجہی ترا ذہن جیوں برق ہے ۔۔۔ تجے ہور بعضیاں میں لئی فرق ہے

(یعنے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی تو فیروز رات کو خواب میں آئے اور دعا دے کر ہاتھ چومے اور ہمت افزائی کی کہ تونے ایسے دلچسپ شعر لکھے کہ تمام عالم ان کو پڑھنا چاہتا ہے۔ اور نصیحت کی کہ تو ایسی خوبی نہ پیدا کر کہ خود تو خوش ہو اور دوسرے پسند نہ کریں۔ بلکہ تو ایسی نئی طرز اپنے دل سے نکال کہ دوسرے بھی اس کو پسند کر کے تیری پیروی کریں۔ اے وجہی تیرا ذہن برق کی طرح ہے۔ اور تجھ میں اور دوسروں میں بڑا فرق ہے۔)

ملک الشعرا وجہی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز کو وہ اپنا بزرگ سمجھتا تھا۔ کیا تعجب کہ فیروز وجہی کا استاد ہو۔ جب ہی تو اس کے خواب میں آکر دعا دینے، نصیحت کرنے اور تعریف و ہمت افزائی کرنے کا تذکرہ کرتا ہے۔

وجہی کے ایک عرصے بعد ۱۰۶۶ھ میں گولکنڈہ کے ایک اور شاعر ابن نشاطی نے اپنی مثنوی پھولبن میں بھی استاد الشعرا فیروز کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ اس زمانے میں استاد فیروز موجود نہیں ہیں جو میری شاعری کی سچی داد دیتے۔ اس کا شعر ہے ؎

نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد ۔۔۔ جو دیتے شاعری کا مجھ مرے داد

اس شعر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فیروز اپنے تلامذہ کی بڑی ہمت افزائی کیا کرتا تھا اور شعرا اس کی داد کو شاعرانہ کمال کا اصلی صلہ سمجھتے۔ یعنے جس شاعر کی وہ تعریف کر دیتا اس کا کمال مستند و مسلم ہو جاتا۔

گولکنڈہ کے اس عظیم الشان شاعر کو اردو دنیا گذشتہ دو صدیوں میں بھول چکی تھی۔ سب سے پہلے اس کو اردو شہ پارے میں روشناس کیا گیا اور اس کے کچھ عرصے بعد دکن میں اردو اور اردوئے قدیم کے دوسرے ایڈیشنوں میں اس کا ذکر شریک کیا گیا۔ اردو شہ پارے میں اس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ :—

”وجہی نے بھی قطب مشتری کے دیباچے میں اس کو اردو شاعری کا استاد بتایا ہے۔ وجہی اپنی شاعری کی خواہ مخواہ تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کا بیان ہے کہ فیروز نے خواب میں آکر اس کی شاعری کو تسلیم کیا اور اس کی شاعری سے خاصہ اثر لیا۔

وجہی جیسے مغرور شاعر کا جب یہ خیال ہو تو ظاہر ہے کہ فیروز بہت بڑا شاعر تھا۔ لیکن یہ نہایت بدقسمتی ہے کہ ان دونوں شاعروں (فیروز اور محمود) کے حالات اور ان کے کارناموں کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں“ ص۲۳

ہماری یہ بدقسمتی ٹھیک چودہ سال بعد خوش قسمتی میں بدل گئی جب ادارے کے کتب خانے میں خود فیروز کی یہ کتاب ”توصیف نامہ“ داخل ہوئی۔ اور ہم اس قابل ہوئے کہ اس استاد شاعر کے کچھ حالات اور اس کے کلام کا نمونہ پیش کر سکیں۔ اردو شہ پارے کی اشاعت کے بعد سے جن جن کتابوں میں فیروز کا ذکر کیا گیا وہ انہی ابتدائی معلومات پر مبنی تھا جو اردو شہ پارے میں درج کی گئیں اور کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ فیروز کی نسبت معلومات میں کوئی اضافہ کر سکے۔

فیروز کی زیر نظر کتاب تاریخ ادب اردو کے ایک اہم خلا کو پر کرتی ہے۔ اب تک سلطان محمد قلی قطب شاہ سے قبل کے بہت کم شاعروں کا پتہ چل سکا ہے۔ اور گولکنڈے کے

کسی ایسے شاعر کا کلام نہیں ملا تھا جس کا تعلق عہد ابراہیم قطب شاہ سے ہو یا جو محمد قلی قطب شاہ سے پہلے گذرا ہو۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ خود فیروز کی اس مثنوی سے اس کی نسبت کچھ معلومات حاصل ہو گئیں اور کیا تعجب کہ اس کتاب کی طرح اس کی اور دوسری کتابیں بھی موجود ہوں اور بعد کو ہمیں دستیاب ہو جائیں۔

فیروز ملا خیالی کا ہم عصر اور ابراہیم قطب شاہ کے عہد کا بڑا شاعر تھا۔ یہ کتاب اس نے محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش سے چند سال قبل لکھی تھی۔ وہ بیدر کے مشہور صوفی اور صاحب تصانیف عالم مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کا معتقد اور مرید تھا۔

مخدوم جی شیخ محمد ملتانی کے بڑے صاحبزادے اور بیدر کے مشہور و معزز مشائخین میں سے تھے۔ مشکواۃ النبوۃ اور دوسری کتابوں میں ان کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ وہ صاحب کشف و کرامات اور خارق عادات تھے۔ تصوف کے مسائل میں کئی کتابیں لکھی تھیں۔ تذکرۂ اولیائے دکن میں لکھا ہے کہ

"باوجود کبر سنی تمام شب عبادت کرتے تھے۔ آپ عالم فاضل و ولی کامل تھے۔ جامع کمالات انسانی و فضائل روحانی تھے۔ دکن میں آپ کے خوارق مشہور ہیں" ص۱۴۲

اس کے بعد چند خوارق عادات نقل کئے ہیں جن میں سے ایک کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

ایک شیعہ امیر شاہ جی المخاطب صدر جہاں کو سنی درویشوں سے کوئی اعتقاد نہ تھا مخدوم جی کی شہرت سن کر ان کے امتحان کی خاطر دل میں یہ خیال کرکے آیا کہ اگر وہ حضرت علیؓ کے فضائل بیان کریں گے تو میں ان کو درویش کامل سمجھوں گا۔ جب وہ مخدوم جی کی خدمت میں پہنچا تو وہ حضرت علیؓ کے فضائل ہی بڑی خوبی سے بیان کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بڑا معتقد ہو گیا اور اکثر ان کی خدمت میں آتا رہا۔

مخدوم جی اپنے والد کے سجادہ نشین تھے۔ امیروں سے بہت کم ملتے اور کسی دنیا دار کے یہاں نہ جاتے۔ ان کے ذکر و شغل کی شہرت بیدر سے نکل کر گولکنڈے تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں کے اکثر لوگ ان کے یہاں جاتے اور فیض پاتے۔ ان کے کمالات کا شہرہ سن کر ایک وقت ابراہیم قطب شاہ نے بھی ملاقات کی درخواست کی تھی لیکن انہوں نے گولکنڈہ آنے سے انکار کر دیا۔ یہ بادشاہ ایسے بزرگوں کا بڑا معتقد تھا چنانچہ اپنے خاندان کی اکثر لڑکیاں مشائخین اور صوفیا سے بیاہ دی تھیں اور اپنے بڑے لڑکے شاہ عبدالقادر کی شادی بھی بیدر کے مشائخ خاندان میں کی تھی۔ اسی اعتقاد کی بنا پر عرض کرایا کہ مخدوم جی بیدر سے تشریف نہ لاتے ہوں تو نعلین ہی بھیج دیں تاکہ میں نعلین بوسی سے مشرف ہوں۔ مخدوم جی نے کہلا بھیجا کہ سلاطین درویشوں سے دعا چاہتے ہیں میں آپ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شریک کرتا ہوں یہ کافی ہے۔

مخدوم جی نے ۲۲ر شوال ۹۷۲ھ کو وفات پائی اور بیدر ہی میں مدفون ہوئے۔ فیروز نے اس زیر نظر مثنوی میں مخدوم جی کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں حضرت محبوب سبحانی کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مخدوم جی ہو بہو ویسے ہی ہیں۔ اسی لئے وہ ان کو جگہ جگہ محی الدین ثانی لکھتا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے کہ وہ عرصے تک زندہ رہیں تاکہ میں ہمیشہ مئے وحدت پیتا رہوں۔ وہ اپنے مرشد کا ذکر اس طرح کرتا ہے :-

مدح مخدوم جی

ابراہیم مخدوم جی جیونا   کہ مئے صرف وحدت صدا پیونا

دایم مخدوم جی جگ منے   منگوں نعمتاں (میں سدا) اس کنے

کریں منجھ اُپر پیارا پیو جگ — کہ تجھ پیار تھے ہوئے مند پر جگ
جہاں پیو تھے تو ہمن باس ہے — تو ہم جیو کے پھول کا باس ہے
وہی پھول جن پھول کی باس تو یں — وہی پیو جس جیو کی آس توں
سو توں روک ہے دین کا باردار — جو تجھ چھاؤں تل جگ ہر یکڑیا قرار
اجھو منجھ اپر چھاؤ تیرا جرم ! — کہ آدھار میرا سو تیرا کرم
لریاں کی مجلس کرامت تجھے — امیناں کی صف میں امامت تجھے
سدامست مدہوش دیدار کا — سچا توں طلب گار کرتار کا
محی الدین مخدوم جی جاگنا — اہیں جیو اس پیو سوں لاگنا
اہے پیر مخدوم جی جائیا : — محی الدین وجے پوجم آئیا
تجے راونے جگت راتا جنم — محی الدین سو توں کماتا جنم
مجے دان دے دین و دل شاد کر — و نیا کے گناہاں تے آزاد کر
نگہبان میرا توں سنج رکھ نگاہ — مجے دوے دشمن تھے تیرا پناہ
جتے پیر مخدوم جی پاک ہے — اتے دین و دنیا میں کیا پاک ہے
یہ ابیات مسلسل نہیں بلکہ مختلف مقامات سے منتخب کی گئی ہیں۔

ان سے مخدوم جی کے متعلق تاریخوں کے اُن بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو اوپر درج کئے گئے ہیں۔ البتہ اس واقعہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ مخدوم جی گولکنڈے کے اس شاعر کو بہت چاہتے اور اس پر بڑے مہربان تھے۔

فیروز کی زبان محمد قلی قطب شاہ سے ملتی جلتی ہے لیکن محمد قلی نے ہندؤوں اور ہندو ماہرین موسیقی کی صحبت میں ہندی کا عنصر زیادہ کر دیا تھا۔ فیروز کے کلام کی روانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرانا شاعر تھا اور اس مثنوی سے قبل اس نے شاعری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔

شاعر نے اپنا تخلص ان ابیات میں لکھا ہے :-

تو فیروز خستہ کو رات امان دے — منگوں دان تجھ کن توں ایمان دے (۳و)
سو فیروز سُپنے (خواب) میں پایا رتن ! — رکھیا سو رتن ڈھانک جیو سوں رتن (۵ب)
رتن خاص فیروز جب پائیا — پلک دل منے لال بِسلائیا (۵ب)

افسوس ہے کہ نسخہ ناقص الآخر ہے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اصل مثنوی کتنی ابیات پر مشتمل تھی۔

آغاز :-

تہیں قطب اقطاب جگ پیر ہے — تہیں غوث اعظم جہانگیر ہے
تہیں چاند باقی ولی تارے ہیں — توں سلطان سردار بسیار ہے ہیں

اختتام :-

نگہبان میرا توں مجھ رکھ نگاہ — مجے دوے دشمن تھے تیرا پناہ
جتے پیر مخدوم جی پاک ہے — اتے دین و دنیا میں کیا پاک ہے
جتے پیر مخدوم جی سائیاں — دھرے . . . .

(۱۱۱) فقر نامہ [۴۶۵]

اوراق ۴ - سطور ۱۶-

تقطیع ۴½ × ۲½ ۔ خط نستعلیق معمولی۔

مصنف کامل۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ

یہ سو اسو ابیات کی مثنوی ہے جس میں ایک صوفی شاعر کامل نے فقر و فقیری کے قواعد و ضوابط اور اسرار و لوازم کے متعلق اپنے مرشد رحمت اللہ کے خیالات کو منظوم کیا ہے۔

گجرات و دکن کے صوفیائے کرام میں دو بزرگ بہت مشہور ہوئے جن کا نام رحمت اللہ تھا۔ (۱) شیخ رحمت اللہ چشتی جو سلطان محمود بیگڑہ کے مرشد تھے اور ۲۶ جمادی الثانی ۹۶۵ھ میں وفات پائی اور شیخو پورہ گجرات میں مدفون ہوئے۔ (۲) خواجہ رحمت اللہ بلگانوی جو کرنول میں قیام پذیر تھے اور وہاں سے اودگیر آئے اور ۲۶ ربیع الاول ۱۱۹۵ ہجری میں فوت اور رحمت آباد میں دفن ہوئے۔ یہ کتاب جن بزرگ کے ملفوظات پر مشتمل ہے وہ موخر الذکر رحمت اللہ ہوں گے کیونکہ اس کی زبان زیادہ قدیم نہیں ہے۔ نیز یہ کہ موخر الذکر

خود بھی مصنف اور کئی مصنفوں کے مرشد اور استاد تھے ۔

شاعر نے اپنے مرشد کا ذکر ان ابیات میں کیا ہے : ۔

کیا رحمت اللہ نے مجھ پر کرم　　دکھی مجھے راہ سب دم قدم (۱ آ)
مرا پیر ہے رحمت اللہ امام　　کمینہ ہے کمتر یہ کامل غلام (۴ ب)
جو کچھ رحمت اللہ سوں سنتا تھا جیوں　　قلم بند کر کر میں رکھتا تھا یوں
نہ مجھ کوں سکت تھی اسے بولنے　　نہ تھی مجھ سکت اس زبان کھولنے
دلے ہوں فقیراں سوں یک کمترین　　جو ادن کے کرم سوں کہا بہترین
عنایت فقیروں کی دایم اچھو　　جو رحمت دے سر پو قائم اچھو

(ورق ۴ ب)

ان آخری ابیات سے سب تالیف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مرشد کے ملفوظات کو شاعر ساتھ کا ساتھ قلم بند کرتا جاتا تھا ۔

مصنف نے اپنا تخلص ان ابیات میں بھی لکھا ہے : ۔

یہ کامل فقیراں کا ہے پائے خاک　　کرم کر کرو اس کوں سب جرموں پاک
میرا پیر ہے رحمت اللہ امام !　　کمینہ ہے کمتر یو کامل غلام (۱ ب)

(۴ ب)

اسی طرح آخری بیت میں بھی اپنا نام لکھا ہے ۔

کتاب کا نام ان ابیات میں درج ہے : ۔

دو مانگتا ہوں میں سب طرف سوں　　کہوں "فقر نامہ" میں خوش حرف سوں (۱ ب)
یو رکھ عقل نیت منیں اے جواں　　کہا فقر نامہ یو کامل عیاں ! (۴ ب)

شاعر کی نسبت تو مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں ۔ البتہ اس کے مرشد کا تفصیلی حال "تذکرۂ اولیائے دکن" جلد اول ص ۳۶۳ تا ۳۶۷ میں درج ہے ۔ وہ تورانی الاصل اور سادات حسینی سے تھے ۔ ان کے والد نواب آصف جاہ کے ہمراہ رہے ۔ اور بعد کو موضع بدگاؤں ضلع بیجاپور میں مقیم ہوگئے ۔ رحمت اللہ وہیں پیدا ہوئے ۔ بڑے ہوکر حاکم کرنول کے ملازم ہوئے ۔ لیکن سید علوی بیجاپوری کے مرید ہونے کے بعد دنیاداری ترک کردی ۔ بعد کو حج کے لئے روانہ ہوئے اور سید اشرف مکی سے فیض حاصل کیا ۔ واپسی میں مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے کڑپہ آئے ۔ جس کے قریب اودگیر کے قلعہ دار عبدالقادر خاں نے اُن کے نام پر رحمت آباد کو آباد کیا ۔ اودگیر میں فوت ہوئے لیکن رحمت آباد میں دفن کئے گئے ۔ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہیں ۔ ان کی ایک اُردو کتاب تنبیہ النساء کے کئی نسخے ادارے میں محفوظ ہیں ۔ جن کا ذکر آئندہ درج ہوگا ۔

آغاز : ۔

کہوں حمد اللہ کوں دل شاد کر　　خزاین رکھیا جس نے آباد کر
وو قادر ہے قدرت کا پروردگار　　کہا کُن ہوا سب جہاں آشکار

اختتام : ۔

جو کوئی پڑھے اس فقر نامہ کوں　　مجھے یاد کر خیر انجام سوں !
ہوا فقر نامہ جو کامل تمام　　بحق محمدؐ علیہ السلام !

---

(۱۱۲) گنج مخفی [۶۵۵]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۳ ابیات فی صفحہ ۔
تقطیع ½۴" × ½۶" ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف معظم ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ

یہ ایک ناقص الاوّل نسخہ ہے جس میں تقریباً سو ابیات ہیں ۔
مصنف شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کا مرید ہے اور انہی کے ملفوظات کو اس مثنوی میں منظوم کیا ہے ۔ اس میں درویشوں اور صوفیوں کے اوصاف و اسرار بیان کئے گئے ہیں ۔

مصنف کی نسبت اس کتاب سے اور کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں ۔ دکن میں اُردو (ص ۴۷) میں معظم کو سکندر عادل شاہ کے عہد کا شاعر قرار دیا گیا ہے ۔ ہاشمی صاحب نے اس کی دو کتابوں

(شجرۃ الاتقیا اور گنج مخفی) کو سرسری طور پر ایک کتب فروش کے یہاں دیکھا تھا۔ اور چند ابیات بھی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گنج مخفی کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے :۔

الہٰی ہمیں قادر ذوالجلال　　تو صاحب جمیل و یحب الجمال
سمیع و بصیر و علیم و حکیم　　توں خالق توں رازق روف الرحیم

ادارے کے نسخے کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے۔

دیکھو حق سوں رہتے اہیں بے نیاز　　دیکھو حق ہے ان پر الیس بانیاز
مربی کی خدمت فرض جانتے　　مربی کو معبود کر مانتے !
حضوری سوں او غائب ہوتے نہیں　　عبث دم او ناچیز کھوتے نہیں

اختتام :۔

مرے پیر پو سب راز کھولے امین　　حقیقت او نو کا یو بولے امین
اللہ لوگ بر حق عجائب ہیں دیک　　فقیری اینو پر غرایب ہے دیک
معظم نے تب آکے سجدہ کیا　　سدا اون کی نعلین سر پر لیا

یہ نسخہ وسط بارھویں صدی کی کتابت معلوم ہوتا ہے۔ کسی اور کتب خانے میں اس کا پتہ نہیں چلا۔

---

(۱۱۳) وصیت نامہ [۶۵۶]

اوراق ۶۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۳¼ ۔ خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف شیخ مصطفیٰ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۰۰ھ

یہ ڈیڑھ سو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں آنحضرت رسول خدا کی وہ وصیتیں درج ہیں جو شیخ حمزہ کو کی گئی تھیں۔ سرلوح کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصیتیں عربی عبارت میں تھیں شیخ مصطفیٰ نے دکھنی زبان میں ترجمہ کیا۔
شاعر کا تخلص مصطفیٰ آخری ابیات میں درج ہے جہاں اس نے اپنے والد شیخ محمود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ محمود تخلص کے دو شاعر مشہور ہیں۔ پہلا عہد ابراہیم قطب شاہ میں گذرا ہے جس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۱۱۱ میں سرسری طور پر آیا ہے۔ اور دوسرا ظفر نامہ کا مصنف تھا جس کا ذکر اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۹۶ میں درج ہے۔
ایک تیسرے شاعر شیخ محمود کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں البتہ اس کا کچھ کلام ادارے کے ایک نسخے میں محفوظ ہے جس کا ذکر آئندہ درج کیا جائے گا۔ چونکہ یہ نسخے ایک ساتھ لکھے گئے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ یہ شاعر اس تیسرے محمود کا فرزند ہو جو غیر معروف ہے
یہ کتاب حمد و نعت سے شروع کی گئی ہے۔ اور اصل موضوع کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے :۔

کہے شیخ حمزہ کوں حضرت نبی　　کہا ہے وصیت امت کوں سبھی
کہے شیخ حمزہ یو پنداں تمام　　سُنیا ہوں نبیؐ سوں علیہ السلام

اس کے بعد لکھتا ہے کہ شیخ حمزہ نے جمعرات کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ میری امت کو میری یہ وصیتیں سنا دو۔ اس کے بعد امت کے لئے نصیحت کی باتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مصطفیٰ ایک معمولی درجے کا شاعر تھا۔

آغاز :۔

الہٰی تہیں پاک پروردگار !　　بچن کوں زباں تے کیا آشکار
خداوند توں ہے بڑا مہرباں　　تو پیدا کیا ہے یو جملہ جہاں !

اختتام :۔

قبول کر الہٰی مناجات کوں　　تو بر لیا ہمارا ہے حاجات کوں
کمینہ بندے پر الہٰی سدا　　عنایت کی تشریف دے اے خدا
خداوند یو مصطفیٰ کے اوپر　　کرم سوں نظر کر کرم کی نظر
ہوں فرزند میں شیخ محمود کا　　جو دھرتا ہوں امید معبود کا

ترقیمہ:۔

"کاتب الحروف محمد حسین بروز جمعہ شہر صفر بوقت اشراق تمام شد"

اوائل تیرھویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱۱۴) چکی نامہ [۶۵۷]

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۲

تقطیع ۸×۵ ۔ خط شکستہ ۔

مصنف فاروقی ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ہجری

حضرت خواجہ بندہ نواز اور شاہ میراں جی خداوند خدا نما کے چکی نامے کے نسخے بھی ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ اور ان کا تذکرہ مخطوطات نمبر ۲۰۴ و ۲۰۹ میں گذر چکا ہے۔ یہ چکی نامہ بھی غالباً انہی کی تقلید میں لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا مصنف ایک بند میں خداوند خدا نما کا اور ایک بند میں ان کے مرشد امین الدین اعلیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ بند درج ذیل ہیں:۔

خداوند شاہ دیں قدرت — اپنا ہم میں نے کچھ ندرت (ہیں)
پیر ملے رسول حضرت — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

امین دین اعلیٰ آئے — ہمنا سیدی مارگ لائے
اللہ رسول ہیں پائے — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

اس چکی نامے میں اسی طرح کے ۱۶ بند ہیں۔ آخری بند میں شاعر کا تخلص فاروقی (قی) درج ہے۔ یہ کوئی غیر معروف شاعر ہے اور غالباً خداوند خدا نما کا مرید ہے۔

آغاز:۔

بسم اللہ ذاتی ناؤں — قرآن پر کیا ٹھاؤں
کل شے یو اس کی چھاؤں — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

اختتام:۔

فکر کر فاروقی لیائے — سب سہاگنیاں پائے
شاہ کا جلوہ دن دال لگائے — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

---

(۱۱۵) مدح میراں [۶۵۸]

اوراق ۳ ۔ سطور ۱۶ فی صفحہ ۔

تقطیع ۸×۵ ۔ خط ثلث معمولی ۔

مصنف شہ میر ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ہجری

یہ پندرہ ابیات کی ایک نظم ہے جس کا ہر شعر چار ٹکڑوں میں منقسم ہے۔ اس نسخے میں یہ نظم دو بار لکھی گئی ہے۔ پہلے زشت خط ثلث میں بے ترتیب نقل کی گئی ہے اور پھر از سر نو بعنوان "مدح غوث الاعظم" خط نستعلیق میں صاف اور ترتیب کے ساتھ قلمبند ہوئی ہے۔

اس نظم کا ایک اور نسخہ مولوی نصیر الدین خاں صاحب ایم اے ناظم دفتر دیوانی و مال کے خانگی کتب خانے میں موجود ہے یہ ایک بیاض میں شامل ہے جس میں عبد اللہ قطب شاہ کی موسیقی کی نظمیں، اور وجدی، غواصی اور شہاب الدین قریشی کا منتخب کلام بھی درج ہے۔ لیکن اس نسخے میں آخری شعر جس میں شاعر نے تخلص لکھا ہے موجود نہیں ہے۔ ادارے کے دونوں نسخوں میں تخلص شہ میر موجود ہے۔

یہ نظم حضرت محبوب سبحانی کی مدح میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ بڑی مقبول تھی اور اسی لئے کثرت سے اس کی نقلیں کی گئی تھیں۔ مگر تعجب اس کا ہے کہ شاعر نے خود محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی کو قادری لکھا ہے حالانکہ ان کے متوسلین ان کے نام عبدالقادر کی نسبت سے قادری کہلاتے ہیں۔ اگر اس نظم پر عنوان نہ لکھا ہوتا تو یہی سمجھا جاتا کہ یہ نظم یا تو شاہ میراں قادری حموی (مدفون قریب ناگر حوض) کی مدح میں ہے یا شاہ میرانجی شمس العشاق کی مدح میں۔

شاعر کی نسبت معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ غالباً کوئی صوفی بزرگ ہیں۔ ایک شاہ میر عہد ابراہیم قطب شاہ میں وزیر اعظم اور محمد قلی قطب شاہ کا خسر تھا۔ لیکن وہ غالباً اردو کا شاعر نہیں تھا۔ قصبۂ راچوتی میں ایک صوفی شاہ میر گذرے ہیں جن کا رسالۂ توحید مشہور ہے۔ ممکن ہے یہ نظم انہی کی ہو۔

آغاز:۔

سرمست ہے معبود کا یا قادری میراں مدد
محبوب ہے موجود کا یا قادری میراں مدد
توں قطب ربانی صحی، محبوب سبحانی صحی
یعنے ابو القاسم صحی یا قادری میراں مدد

اختتام:۔

محی الدین ولی ہے پیار کا، معشوق ہے کرتار کا
عاشق ہے حق دیدار کا یا قادری میراں مدد
تقوی منیح ہوئے دبیر کاتب مدح لکھوں میں پیر کا
سچ پیر توں شہ میرؔ کا یا قادری میراں مدد

---

(۱۱۶) بیاض دکنی [۶۵۹]

اوراق ۶ - سطور ۱۶

تقطیع ۸×۶ ۱/۲ ۔ خط ثلث معمولی۔

مصنف محمود۔ جعفر۔ بحری وغیرہ۔

زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ۔

اس بیاض میں بعض دکنی شاعروں کے کلام کے منتخبات شامل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ مثنوی شیخ محمود

یہ ۳۲ ابیات کی مثنوی ہے جس میں روح اور تن کا مکالمہ درج کیا ہے۔ یہ شیخ محمود غالباً وہی ہیں جن کا ذکر ادارے کے ایک مخطوطہ نمبر ۱۱۳/۶۵ میں وصیت نامے کے مصنف شیخ مصطفٰے نے کیا ہے۔

آغاز:۔

اپس حکم تے پاک پروردگار   وجود ہور جیو کوں ملا ایک ٹھار
دنیا مانے بھی جاتے تیرے برات   بلانے کا وعدہ کیا دیں سنگات

اختتام:۔

ترے ساتھ سوں منج یہ قصہ کھڑیا   آخر جواب دینا سو مشکل پڑیا
کہے شیخ محمود سن یو اصل   قیامت میں پوچھیں گے دونوں مل

۲۔ غزل جعفر

یہ ۶ اشعار کی غزل ہے۔ مصنف کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ نہایت قدیم دور کے شاعر ہیں۔

مطلع ۔ بند و بھوت لئے سا تو شہ کہ منزل دور جانا ہے
بزاں بھی کوئی نالیا سے لے جائے سوچ کھانا ہے

مقطع ۔ رہو تلنگی خدا سوں مل نکو باندو کسو سوں دل
کرو جعفر سوں یوں حاصل یہی کچھ کام آنا ہے

۳ - غزل مجرمی -

یہ ۵ اشعار کی غزل ہے جس میں زیادہ تر مذہبی مضمون باندھے گئے ہیں۔ یہ بھی کوئی قدیم شاعر ہیں۔ شاہ میر اللہ مجرمی بیجاپوری نے ۱۱۱۱ھ میں ملا وجہی کی سب رس کو نظم میں قلمبند کیا تھا۔ لیکن اس شاعر کا تخلص مجرمی ہے اور زبان کے لحاظ سے وہ مجرمی سے بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔

مطلع - جے دین کے میں مرداں احوال نیں ہے تن کا
ان کی نظر میں دنیاں دستی ہے جیوں کے تنکا

مقطع - اول توں مجرمی ہو اپنے وجود سیتی
بعد از خبر جو ہووے تجھ انس ہور جن کا

۴ - مناجات محمود -

یہ ۹ ابیات کی مثنوی ہے جس کا مصنف غالباً وہی محمود ہے جس کی غزل کا تذکرہ اوپر گزر چکا۔

آغاز : -

الٰہی تو کر کر تو رحمٰن رحیم   الٰہی تو داوار دادر کریم
الٰہی تو صاحب سکت کا کریم   کرم کر کریماں غفور الرحیم

اختتام : -

منگوں داں ہر دم میں ایمان کا   توں منج داں دے امن ایمان کا
دے دیدار تیرا شفاعت رسول   مناجات محمود کی کر توں قبول

۵ - غزل میراں

یہ ۵ اشعار کی ایک مرصع غزل ہے جس کے ہر شعر کے ابتدائی تین رکن ہم قافیہ ہیں اور آخری رکن دوسرے مصرع کا آخری حصہ ہے۔ اس غزل کو اس نسخے میں رباعی کے طور پر لکھا ہے۔

اس غزل کے مصنف میراں کی نسبت قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کونسے میراں ہیں۔ اس نام کے کئی بزرگ دکن میں گذرے ہیں۔ شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری کا بھی یہی تخلص تھا۔ لیکن اُن کی زبان بہت قدیم ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزل شاہ میراں جی خداوند خدا نما حیدرآبادی کی ہو جن کا چکی نامہ ادارے میں محفوظ ہے اور اس فہرست کے نسخہ نمبر ۲۸ میں اس کا تذکرہ لکھا جا چکا ہے۔

مطلع - (کرم خوردہ) ...... جو لکھیا قسمت سو آپیں ہونہار اہے
فہم عاجز عقل حیراں تردد کیا بچارا ہے !
کہ جب لگ بخت کا بل نیں سو مشکل عقل کو حل نیں
مقدر کوں مبدل نیں سخن یو آشکارا ہے

مقطع - فکر مت حرف گیراں تو مارے بول ہیں تیراں
عمر یوں بے وفا میراں دنیا کا کس پنیارا ہے !

اس سلسلے میں کاتب نے شاہ برہان اور شیخ محمود کی نظموں کے چند شعر لکھے ہیں۔ خط نہایت زشت ہے۔ املا بھی غلط ہے۔ چنانچہ جعفر کو زافر وعدہ کو وادا وغیرہ لکھا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

---

(۱۱۷) کفایت الاسلام [۶۶۰]

اوراق ۱۱ - سطور ۱۴ -

تقطیع ۶" × ۹" - خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔

یہ غالباً اسی نام کے فارسی رسالہ کا ترجمہ ہے۔ مصنف اور اس کے نام کا اس نسخے سے کوئی پتہ نہ چل سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے نقل کرتے کرتے نامکمل حالت میں اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ بحالت موجودہ اس مثنوی میں تقریباً ۲۸۰ ابیات ہیں۔

کتاب حمد و نعت و منقبت اصحاب کی سرخیوں سے شروع کی گئی ہے۔ ان کے بعد "در تعریف کتاب گوید" کا عنوان لکھ کر

علم کے فوائد گنائے گئے ہیں اور اسی سلسلے میں کتاب کا موضوع بیان کیا گیا ہے۔ جو "ارکان و احکام اسلام" ہے۔ مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ میں اس کتاب کو دکھنی زبان میں منتقل کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں نام بھی لکھ دیا ہے۔

اس نسخے کی چند ابیات یہ ہیں :-

نہیں تھیں جو فی علم فارسی ا ۔ ہے دکھنیاں کو دکھنی زبان آرسی
جو سلیاں کیں دکھنی کیا آن سبب ۔ سمجھ بیگ ہووے سکیں یا دسب
کہ سب اس میں ارکان احکام ہے ۔ کہ نام اس کفایت الاسلام ہے
(ورق ۳)

زبان کے لحاظ سے اواخر بارھویں صدی ہجری کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ مصنف معمولی درجے کا شاعر تھا۔

آغاز :-

الہٰی دے توفیق انسان کوں ۔ تو بندگی کرے تیری دل جان سوں
تو پیا کیا شخص بندگی کے تئیں ۔ سوا و چھوڑ پڑے میں گندگی کے تئیں

اختتام :-

نہ تئیں پکار سندیا آہ کئے ۔ نٹھے گا اگر آہ یا واہ کئے
نہ تنہا ہے درواں کے روتے منیں ۔ کرے گا عمل یک کثیر جنتے (و)

---

(۱۱۸) خوان نعمت [۷۱]

اوراق ۳۵ - سطور ۱۴ -
تقطیع "۵ × "۸½ - خط نستعلیق شکستہ -
عنوانات سرخی میں - مصنف نعمت اللہ (؟)
سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ - سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ

یہ ایک طویل دکنی مثنوی ہے جس میں کھانے پینے کی جملہ اشیا کی طبی خصوصیات نہایت خوبی سے قلمبند کی گئی ہیں۔ اس میں جملہ ۸ باب اور ان کے تحت ۳۷ عنوانات میں تقریباً دو سو اشیا کو تقسیم کر کے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور آخر میں باضابطہ طریقہ پر فہرست بھی دے دی ہے۔

ابتدائی ورق غائب ہے اس لئے پہلے باب کے چند اشعار محفوظ نہیں رہے۔ ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

باب ۱ - در تولدات ملح	باب ۲ - در حیوانات لحم
" ۳ - در لبنیات	" ۴ - در طیورات و جاج
" ۵ - در ماکولات	" ۶ - در لقولات
" ۷ - در گلہا	" ۸ - در متفرقات

پوری کتاب تقریباً ۹۰۰ (نو سو) ابیات پر مشتمل ہے۔
آخر میں اختتام کتاب کے عنوان سے کتاب کا نام اور سنہ تالیف درج کیا گیا ہے۔ آخری مصرع میں نعمت اللہ اس طرح لکھا ہے کہ گویا وہ مصنف کا نام ہے۔ لیکن یہ یقینی نہیں۔

آغاز :-

دانتوں کے تئیں مضبوط کرے درد اس کا دور
کیا ماء مرچ بھی ... کے پھل سوختہ ضرور
بلغم کے تئیں دفع کرے مرچ سیہ کے سات
پتوں کے واسطے اسے دو نوں کھا لیمو سنگات

اختتام :-

نام خدا سوں جلد ہوا نسخہ ایسے تمام
جو فیض یو ہیں اس ستے دکھن میں خاص و عام
داخل نہیں ہے ایک دوا سب غذا ہے دیکھ
لیکن معالجات غذائی بجا ہے دیکھ
اسم است خوان نعمت و تاریخ ہست ہم
۱۲۱۷
خور نعمت الہٰہ بکن شکر دم بہ دم

ترقیمہ :-

" بتاریخ دوازدہم شہر شوال المکرم ۱۲۵۱ھ ہجری "

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ اس ترقیمہ کے نیچے ٹیپو سلطان کی شہادت کی تاریخ کا یہ شعر درج ہے۔

تاریخ بست و ششم ز بعقدہ تھا بھینہ
جمعہ کا روز حضرت شہید ہو گئے سلطان

---

(۱۱۹) وفات نامۂ سرورِ کائنات [۹۱]

اوراق ۱۱ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶"x۹" خط نستعلیق
مصنف دریا - سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ
سنہ کتابت ۱۲۸۰ھ

یہ تقریباً ۲۳۰ ابیات کی مثنوی ہے۔ اس کا ایک اور نسخہ جو ۱۱۶۵ھ کی کتابت ہے ادارے کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ۱۵)۔ اسی موضوع پر ایک اور شاعر امامی کی مثنوی کا تذکرہ صفحہ ۲۰ پر درج ہو چکا ہے۔

فہرست ہذا کے نسخہ ۱۵ میں مصنف نے جس بیت میں اپنا تخلص لکھا ہے وہ اس نسخے میں بھی موجود ہے لیکن اس میں تخلص درج نہیں۔ دونوں نسخوں کی یہ بیت ذیل میں درج ہے جس سے دونوں کا اختلاف ظاہر ہوگا۔

نسخہ نمبر ۱۵	نسخہ نمبر ۱۱۹
کیا دریا رسالہ نظم سوں سانچہ	کیا پورا رسالہ نظم سوں یو
یو جتیاں ہیں دو صد و بست پر پانچہ	یو بتیاں ہیں دو صد دو بیس پر دو

اس نسخے میں بھی تاریخ تصنیف کی بیت درج نہیں ہے البتہ جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں یہ بیت موجود ہے (دیکھو فہرست جامعہ ص۵۷)

ادارے کے نسخہ ۱۵ کا خاتمہ جن ابیات پر ہوتا ہے ان کے بعد بھی مزید دو بیتیں اس نسخے میں اضافہ ہیں۔

آغاز :-

بنا اول کروں حمد خدا میں | زباں او پر الیس کی ابتدا میں
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت | بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

اختتام :-

بقا نئیں ہے سمجھ یو عمر فانی | لکھا ہوں تار ہے میری نشانی
لکھا ہوں میں وفات حضرت کا سارا | جہاں میں اس کے تئیں کر آشکارا
دے اپنے فیض تے توفیق یارب | پڑھے سب لوگ اس نسخے کے تئیں سب

ممکن ہے کہ یہ آخری دو بیتیں خود کاتب نے اپنی طرف سے بڑھا دی ہوں!

ترقیمہ :-

" قریب دوپہر روز دوشنبہ بتاریخ نوزدہم شہر جمادی الاول ۱۲۸۰ھ "

" از کتب خانۂ حضرت قادر بی بی صاحبہ تحفہ بہ کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اُردو "

یہ کتاب حضرت قادر بی بی مرحومہ بنت حافظ عبدالسلام کی فرمائش پر غالباً قصبۂ بھینسہ ضلع ناندیڑ میں نقل کی گئی تھی۔ موصوفہ مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ معین المہام امور مذہبی کی حقیقی نانی اور مرتب فہرست ہذا کی حقیقی پڑنانی تھیں۔ ان کو علم و فضل کا خاص ذوق تھا اور کئی کتابیں انہوں نے لکھیں اور لکھوائی تھیں ان میں سے اکثر راقم الحروف نے ادارے کے کتب خانے میں بطور عطیہ داخل کر دی ہیں — موصوفہ کا ذکر آئندہ متعدد نسخوں میں بھی درج رہے گا۔

(۱۲۰) وفات نامۂ رسالت پناہ [۲۱۷]

اوراق ۱۰ - سطور ۱۳

تقطیع ۵½" × ۸½" - خط نستعلیق -

مصنف دریا - سنہ تصنیف ۱۱۱۱ ہجری -

کاتب غلام احمدالدین - سنہ کتابت ۱۲۸۳ھ -

یہ بھی مخطوطہ نمبر ۱۱۵ و ۱۱۹ کا ایک اور نسخہ ہے لیکن اس میں ۳۵۰ سے زیادہ ابیات ہیں مصنف اور زمانۂ تصنیف کے لئے دیکھو فہرست ۱ صفحہ ۴۳ اس کے کاتب غلام احمد الدین عرف حاجی میاں مختب بھینہ کا ذکر آئندہ اور مخطوطات میں بھی درج رہے گا -

آغاز :-

بنا اول کروں حمد خدا میں زباں اوپر اپس کی ابتدا میں

کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت بنا کر رنگ دکھایا اپنی حکمت

اختتام :-

لکھا ہوں میں وفات حضرت کا سارا جہاں میں اس کے تیں کر آشکارا

دے اپنے فیض تے توفیق یارب پڑھے سب لوگ اس نسخے کو تیں سب

ترقیمہ :-

ہے کاتب اس رسالے کا پچھانو غلام احمد الدین نام جانو

لکھا ہوں واسطے قادر بی کے جو بنت حافظ عبدالسلام کی ہے

تھی ختم ماہ جمادی آخریں کی تھا وہ دو شنبہ میں پورا کیا جی

ہزار و دو صد و ہشتاد و سہ سال کئے ہجرت رسول اللہ خوش حال

یہ نسخہ راقم الحروف نے ۱۳۵۵ھ میں ادارے کو عطیہ دیا ہے۔

اس کے ترقیمے کے نیچے میرے دستخط اس طرح ثبت ہیں :-

"یہ کتاب میری جدۂ ماجدہ حضرتہ قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانہ کی ہے -

سید محی الدین قادری زورؔ ۱۳۵۵ھ"

(۱۲۱) دین دیپک [۱۴۴]

اوراق ۸۴ - سطور ۱۶

تقطیع ۶¾" × ۸¾" - خط نستعلیق پاکیزہ -

عنوانات سرخی میں - بعض صفحات کرم خوردہ -

مصنف محمد علی شاہ الفت حیدرآبادی -

سنہ تصنیف قبل ۱۲۴۲ھ - سنہ کتابت ۱۲۴۲ھ -

یہ تقریباً ڈھائی ہزار ابیات کی ایک طویل مذہبی مثنوی ہے جس میں امامیہ عقاید کے مطابق دین کے پانچ اہم مسائل (یعنے توحید، عدل، نبوت، امامت، معاد لبشر) کی وضاحت کی گئی ہے - مصنف نے پوری کتاب کو ۲۰ ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے

۱ - توحید ۲ - عدل ۳ - ایجاد انسان

۴ - نبوت ۵ - امامت ۶ - معاد

۷ - ایمان ۸ - شرائط ۹ - فسق و نفاق

۱۰ - کفر و شقاق ۱۱ - توبۂ عصیاں ۱۲ - سلطنت

۱۳ - طہارت ۱۴ - نماز و عبادت ۱۵ - زکواۃ

۱۶ - نکاح ۱۷ - روزہ ۱۸ - حج

۱۹ - جہاد - ۲۰ - امر معروف

حمد و نعت و منقبت علی و منقبت یازدہ ائمہ کے بعد اُردو رسم خط کو صحیح پڑھنے کے قواعد کے لئے ایک عنوان قائم کیا ہے - یہ بالکل نئی چیز ہے - اس میں یائے معروف و یائے مجہول اور زیر زبر وغیرہ لکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں - اور تاکید کی ہے کہ جو کوئی اس دین دیپک کو نقل کرے گا اس کو چاہئیے کہ اس قاعدے پر عمل کرے تاکہ کتاب صحیح پڑھی جائے -

چھٹی سرخی دیباچہ و سبب تالیف کے طور پر لکھی ہے جس میں کتاب کے موضوع اور ابواب کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے -

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قدیم دکنی مثنویوں

(علی نامہ وغیرہ) کی طرح اس کا ہر باب ایک شعر سے شروع ہوتا ہے
اس طرح کہ اگر سب اشعار کو ایک جگہ لکھ لیا جائے تو ایک قصیدہ بن جائے۔
مثال کے طور پر چند سرخیاں درج ذیل ہیں۔

باب اول توحید کے ہے گا بیاں میں برمحل
جو شرک کے تئیں دور کر تحقیق کا بووے عمل
(۴ ب)

ہے باب ہفتم ذکر میں ایمان کے جس کی صفت
کس وجہ سے ہے اور کیوں آوے کیف دور از خلل
(۴۴ ل)

ارکاں میں روزے کے ہے مذکور باب ہفدہم
ہے واجبی و سنتی ہم صحت و باطل جل!
(۶۸ ل)

بیستم جو باب ہے، ہے امر میں معروف کے
اور نہی منکر سے سدا ہے مومناں کا یہ عمل
(۸۳ ب)

مصنف نے کتاب کا نام ان ابیات میں لکھا ہے:۔

ہے اس دین دیپک میں سب بوں لکھی   تامل سے پڑھنا ہے اس کو بھلا
(ورق ۳ ل)

جو دینی مسائل سے روشن ہے سب   کیا دین دیپک اسے نام اب
(ورق ۴ ل)

کتاب کے آخر میں مصنف نے اپنا پورا نام اور تخلص اس طرح لکھا ہے:۔

محمد علی شاہ الفت فقیر   کیا ہے گنہ ہم کبیر و صغیر
(ورق ۸۴ ب)

الفت کے متعلق کتاب سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔
یہ کتاب سنہ ۱۲۴۲ ہجری میں نقل کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الفت اوائل تیرھویں صدی کا شاعر ہے۔ اس کی ایک اور کتاب "حسینیہ" ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے۔

الفت اپنے زمانے میں کافی مشہور ہو چکا تھا چنانچہ اردو شعرا کے تذکروں (عمدۂ منتخبہ، صبح وطن، فہرست کتب خانہ جات شاہان اودھ وغیرہ) میں اس کا ذکر درج ہے۔ عمدۂ منتخبہ کو نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور نے سنہ ۱۲۱۶ و ۱۲۴۲ کے درمیانی زمانے میں قلمبند کیا تھا اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ الفت حیدرآباد کے قریب کے رہنے والے تھے۔

افسوس ہے کہ خود الفت نے اپنی کتابوں میں اپنے متعلق سوائے اپنے اور اپنے فرزند احمد علی کے نام کے اور کچھ نہ لکھا۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم و فاضل آدمی تھے اور امامیہ مذہب کے پیرو۔ اثنائے مثنوی میں جگہ جگہ قرآن کی آیتیں، احادیث، اور اقوال آئمہ بھی نقل کئے ہیں۔ یہ غالباً ان کے عہد پیری کی تصنیف ہے۔ رسالہ حسینیہ (جو اس سے قبل کی تصنیف ہے) کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے۔

آغاز:۔

کروں حمد اللہ سے ابتدا!   یہ نامہ کے تئیں میں بنام خدا
کروں لکھا اوس کو شکر و سپاس   کیا گوہر علم انعام پاس (جو اکرم خوردہ)

اختتام:۔

محمد علی شاہ الفت فقیر   کیا ہے گنہ ہم کبیر و صغیر
نہ توشہ ہے نیکو عمل کا اوسے   نظر تیری بخشش پہ دایم دھرے
نہ طاعت عبادت نہ حسن عمل   ولے ہے غلام علی از ازل!
تو اس کے گناہاں پہ نا کر نگاہ   نظر اپنی بخشش پہ رکھ یا الٰہ

ترقیمہ:۔

"تمام شد کتاب دین دیپک بتاریخ نہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۲ھ
روز جمعہ بوقت یک و نیم پہر روز بلند شدہ"

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ پہلے اور آخری ورق پر

اُن کی بیضوی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۲۳۶ھ" ثبت ہے اور ابتدا میں ان کے حسب ذیل دستخط بھی ہیں :-

"دین دیپک - محمد علی شاہ الفت حیدرآبادی - عنایت ۱۲۴۰ھ"

(۱۲۲) ایمان درپن [۱۰۳]

اوراق ۹۷ - سطور ۱۶ -

تقطیع ½۵" × ½۸" - خط نستعلیق پاکیزہ -

عنوانات سرخی ہیں - آخری ۷۴ اوراق کا اوپری حصہ کرم خوردہ -

مصنف محمد علی شاہ الفت - سنہ تصنیف قبل ۱۲۲۲ھ -

سنہ کتابت ۱۲۲۲ھ -

یہ مثنوی محمد علی شاہ الفت مصنف دین دیپک کی غالباً پہلی تصنیف ہے - اس میں مصنف نے اپنا نام صرف محمد علی الفت لکھا ہے - شاید بعد کو وہ اپنے نام کے ساتھ شاہ بھی لکھنے لگے تھے -

الفت نے اپنے فرزند احمد علی اور ایک دوست حسن بیگ خاں کی فرمایش پر ابراہیم استرآبادی کے فارسی رسالہ حسنیہ کو ایمان درپن کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے - وہ اپنی زبان کو جگہ جگہ ہندی لکھتے ہیں - سبب تالیف کی چند ابیات یہاں نقل کی جاتی ہیں جن سے الفت کا اسلوب اور اس کتاب کے عربی و فارسی نسخوں کا حال معلوم ہوگا -

محمد علی اب تو مطلب طرف ! زباں کھول چل بحث مذہب طرف
سبب اس رسالے کی تالیف کا بیاں کر یہ نسخے کی تصنیف کا
کہ احمد علی نور چشم ایک روز کیا مجھ سے اظہار وہ دلفروز
جو ہے حسنیہ کا رسالہ جلیل ہے بحث مذاہب میں روشن دلیل
زبانِ عرب سے یہ نسخہ اتھا ! عجم میں سمجھ جس کا مطلق نہ تھا
سو ابراہیم استرآباد نے عربی کتیں فارسی کر لکھے
سو بہرہ گئے اوس سے حاصل تمام عجم میں سبھی از خواص و عوام
جو باشندۂ ہند ہیں بالتمام علی ولی کے ازل سے غلام
انو ہیں سے اکثر غلام و کنیز نہیں جن کو ہے فارسی کی تمیز
نہیں اون کو بہرہ یہ دولت ستے نہیں اون کو لذت یہ نعمت ستے
یہ ہندی زباں تم کرو ترجمہ کہ حاصل کریں یہ سعادت ہمہ
کیا ترجمہ کا ارادہ عیاں ! اتھا فکر میں اوس کے میں یک زماں
اوسی دن برادر بدل تو اماں جو ہے نام نامی حسن بیگ خاں
ملاقات کو آکے سن یہ نوا کیا عرض یوں در کمال صفا
کہ منظوم اگر ہوئے تو یہ بیاں طبایع کو خوشتر ہے ہندی زباں

کتاب کا اور اپنا نام مصنف نے ان ابیات میں لکھا ہے :-

ارادہ کیا جب یہ لکھنے کتاب دیا اس کو ایمان درپن خطاب
محمد علی الفت اب ہو خموش ! ہے آگے تجھے بہوت جوش و خروش

رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ ہارون رشید کے عہد میں ایک تاجر کے ہاں یک کنیز حسنیہ تھی جو امام ششم کے حرم میں دس سال رہنے کی وجہ سے علوم دین میں ماہر کامل ہوگئی تھی - تاجر جب نہایت مفلوک الحال ہوگیا تو حسنیہ کو بیچنے کے لئے ہارون کے یہاں لے گیا اور ایک لاکھ دینار قیمت طلب کی - ہارون رشید نے تعجب سے اتنی بڑی قیمت کا سبب پوچھا تو اس کو معلوم کرایا گیا کہ یہ کنیز بڑی عالم و فاضل ہے - ہارون رشید نے دینی معاملات میں اپنی سلطنت کے جملہ پیشوایان مذہبی سے اس کا مباحثہ کرایا - چنانچہ پوری کتاب اسی کی تفصیل کے لئے وقف ہے -

ہارون رشید بغداد کا مشہور عباسی خلیفہ ہے - اس رسالہ میں اس کی سادات دشمنی کی وضاحت کر کے اس کو بہت برا کہا گیا ہے مثلاً

وہ غاصب اتھا دین حق کا عنید وہ ملعون کا نام ہارون رشید
جو موسیٰ کاظم تھے ہفتم امام کیا ہے شہید اُن کو دے زہر جام
موالی سادات اکثر وہ زشت چنایا بہ دیوار جیوں سنگ و خشت
وہ ملعون پڑتا بہ روزِ جزا ! ہزاراں سے نفریں و لعنت سدا
(ورق ۲ ب)

اس مثنوی میں الفت کی دوسری کتاب دین دیپک کی طرح حمد و نعت و منقبت کے لئے علاحدہ علحدہ سرخیاں نہیں قائم کی گئی ہیں بلکہ حمد و نعت کے لئے ابتدا میں چند ابیات وقف کرکے ساتھ ہی اصل کتاب شروع کردی گئی ہے۔ تقریباً سوا دو ہزار ابیات کی مثنوی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس نسخے کے آخری ۷۴ اوراق اوپر کی طرف سے ضائع ہوگئے ہیں۔ آخری بیت میں تاریخ تصنیف بھی درج تھی لیکن ضائع ہوجانے کی وجہ سے صاف طور پر پڑھی نہیں جاتی۔

آغاز:۔

کروں بسم اللہ سے ابتدا | یہ ناسہ کے تئیں با ہزاراں ثنا
صفت اوس کی طاقت بشر کا کہاں | نہ مقدور کہنے کے تئیں یہ بیاں

اختتام:۔

بحق لطفی و ملبی مرے والدین | او نو کو بخشنا برائے حسین
تمام آشنایاں کو کر مغفرت | خصوصاً جو تھے صاحب تعزیت
اینو سب کا کر حشر شہدا ستی | بحق نبی دوستی علی!!
محباں کی خدمت میں ہے التجا | یہ ایمان درپن جو دیکھیں تجھا

اس کے بعد پانچ بیتیں اور تھیں جو ضائع ہوگئیں۔

ترقیمہ:۔

"بتاریخ نوزدہم شہر جمادی ...... ۱۲۴۲ھ ہجری بوقت یک پہر شب گذشتہ روز سہ شنبہ کتاب ایمان درپن باتمام رسید"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ابتدائی اور آخری اوراق پر ان کی مہریں "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۳۳۶ھ" ثبت ہیں۔

---

(۱۲۳) پندنامہ [۲۱۲]

اوراق ۵۔ سطور ۱۲۔

تقطیع ۵"×۸"۔ خط نستعلیق۔

سنہ تصنیف ۱۰۸۶ھ۔

کاتب شیخ منان۔ سنہ کتابت ۱۲۶۸ھ

یہ ۱۰۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کو کسی نامعلوم مذہبی شاعر نے ۱۰۸۶ھ میں فارسی سے دکنی اردو میں ترجمہ کیا۔ اس نسخے کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ اصل مثنوی شروع ہی اسی طرح کی گئی تھی یا چند ابتدائی ابیات غائب ہیں جو نہ حمد و نعت ہے اور نہ سبب تالیف۔ البتہ مصنف نے آخر میں مثنوی کا نام، تعداد ابیات اور تاریخ تصنیف نہایت وضاحت سے بیان کردیے۔ اس حصۂ کتاب کی چند ابیات یہ ہیں:۔

امت کوں محمد علیہ السلام | نصیحت کئے پند نامہ تمام
سو یو پند نامہ سنے تو ثواب! | ہے اتنا کہ ناہوے گور کا عذاب
سو اس وجہ بھی فارسی سے کتاب | کہ سب یو دکھن سار کیتا شتاب
سبب کیا جو کوئی معنیٔ فارسی | نیں پایا کہ کر میں کیا آرسی!
ہوئے ایک سو پانچ بیتاں تمام | ز صدق محمد علیہ السلام
انہاسن چھے اوپر اسی ایک ہزار | ربیع الاول ماہ دن ایتوار!

اس کتاب میں آنحضرت سرورِ کائنات کی ان نصیحتوں کو قلمبند کردیا گیا ہے جو آپ نے ایک شخص کے استفسارات کے جواب میں دین اسلام کی وضاحت کے طور پر کی تھیں۔

آغاز:۔

کہ یک دن محمد علیہ السلام | لے اصحاب بیٹھے مدینہ تمام
کہ یک شخص نے آ نبی کو سلام | کیا ہور کہنے لگا یو کلام

اختتام :-

تمام ہو کیا ہوں مبارک گھڑی — عنبر کی طبق لے گھڑی مشتری

ہزاراں درود و ہزاراں سلام — زما بر محمد علیہ السلام

ترقیمہ :-

"کاتب الحروف فقیر حقیر کمترین خاکپائے عالمین شیخ مدنا والد شیخ انگ سکنہ بعینہ بپاس چھوٹے صاحب برخوردار پیش امام قصبۂ بعینہ۔ مرقوم بتاریخ چہارم ذلیقعد ۱۲۶۵ہجری تحریر یافت"

یہ نسخہ حضرۃ قادر بی بی کے کتب خانہ کا ہے۔ چھوٹے صاحب فرزند پیش امام صاحب بعینہ جن کی فرمایش پر یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے غالباً ان کے بھائی تھے۔ ادارے کے کتب خانے میں راقم الحروف نے ۱۳۵۵ھ میں بطور ہدیہ داخل کیا ہے۔ قادر بی بی کے متعلق دیکھو نسخہ ۱۱۹/۹

---

(۱۲۴) رسالۂ احوال میّت [۶۶۱]

اوراق ۱۵ - سطور ۱۳ -

تقطیع ½۵" × ¼۸" - خط نستعلیق -

عنوانات سرخی میں - قدرے کرم خوردہ -

مصنف محمد شمس الدین شمس - سنہ تصنیف ۱۲۰۰ھ -

کاتب شیخ احمد عرف کالے خاں - سنہ کتابت ۱۲۵۶ھ -

یہ رسالہ اردو نثر میں لکھا گیا ہے اس میں تجہیز و تکفین و نماز جنازہ اور زیارت قبور وغیرہ سے متعلقہ جملہ مسائل کو آیات و احادیث کی روشنی میں مدلل بیان کیا گیا ہے۔ اور بدعتوں کی مخالفت کی گئی ہے۔

مصنف نے حمد و نعت کے بعد سبب تالیف یوں بیان کیا ہے :-

"محمد شمس الدین بن محمد عظیم الدین ناصی اودگیر خدمت میں صاحبوں کے عرض کرتا ہے کہ رسالہ احوال میت کا کتابہائے معتبرہ سے انتخاب کرکے ترجمہ محاورۂ زبان ہندی میں صاف صاف بیان کرتا ہے تا ہر ایک کو فائدہ عام ہووے۔ ... مسلمان لوگ اس رسالہ کو دیکھ کر تجہیز و تکفین درست کریں۔"

مصنف قلعہ اودگیر (قریب بیدر) کے ناصیوں میں سے تھے۔ ان کے خاندانی حالات اور شجرۂ نسب "مشاہیر قندھار دکن" (صفحات ۱۵۸ - ۱۶۱) میں درج ہیں۔ مولوی قاضی زین العابدین صاحب علامہ ایچ سی ایس ناظم آبکاری حیدر آباد کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ محمد شمس الدین فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے شمس تخلص تھا۔ ان کی اور کتابیں بھی ادارے میں محفوظ ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس رسالے کے آخر میں انہوں نے تقریباً ۲۵ ابیات کی ایک اردو مثنوی اور ختم پر ۱۰ اشعار کی ایک فارسی مناجات بھی لکھی ہے۔ اردو مثنوی کے آغاز و اختتام کی ابیات یہ ہیں :-

آغاز :-

خدا قرآن میں فرمایا ہے یار — کرو اپنے طرف سے نیک تم کار

مروج نیکیوں کے جتنے ہیں کار — نہ ان کو چھوڑ یو یارو خبردار

اختتام :-

نہ دے اے دل بہت تقریر کو طول — دعا کر یہ رسالہ ہووے مقبول

قلم کو شمس اب یہاں سے اوٹھالے — یہ وقت جمعہ ہے سر کو جھکالے

اصل رسالۂ نثر کا آغاز و اختتام ان عبارتوں سے ظاہر ہوگا :-

آغاز :-

"شروع کرتا ہوں میں نام سے حق سبحانہ جل شانہ کے کہ پیدا کرنے والا اور مارنے والا اور جلانے والا مختار اپنے ملک کا ہے خواہ کسی کا بیٹا چھین لے خواہ کسی کی بیٹی کسی کو حکم میں اوس کے دم مارنے کی طاقت نہیں"

اختتام :-

"شکر حق سبحانہ جل شانہ کا کہ یہ رسالہ احوال میت کا

گیارھویں تاریخ ماہ مبارک رمضان شریف میں وقت
قبل جمعہ کے سنہ بارہ سو آٹھ ہجری میں تیار ہوا۔ بمنہ وکرمہ۔"
اس کے بعد مناجات فارسی لکھی ہے جس کے آخر میں ترقیمہ ہے۔

ترقیمہ:۔

"بعون تعالیٰ بتاریخ ہفتم شہر ذالحجہ ۱۲۵۶ہجری بخط
احقر العباد شیخ احمد عزت کالے خاں ساکن مبارک گلشن آباد
تحریر یافت"۔

---

(۱۲۵) مثنوی [۱۵۶]

اوراق ۹۱ - سطور ۱۲ -
تقطیع ۶" × ۴½" - خط نستعلیق شکستہ -
مصنف فقیر اللہ شاہ حیدر - سنہ تصنیف ۱۲۴۴ھ
کاتب حسینی بادشاہ - تاریخ کتابت ۱۲۶۶ھ

یہ اردو نثر میں ایک ضخیم قصہ ہے جو نہال چند لاہوری کے قصۂ بکاولی (مذہب عشق) کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ بکاولی کا قصہ اصل میں شیخ عزت اللہ بنگالی نے ۱۱۳۴ھ میں فارسی زبان میں لکھا تھا اور اس کا ترجمہ نہال چند لاہوری نے ۱۲۱۸ھ میں ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج میں کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۹۶/۱۳۱ -

مثنوی کے مصنف کا نام غالباً محمد حیدر تھا اور جب وہ مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری اور ان کے خلیفہ رحمٰن شاہ کا مرید ہوا تو فقیر اللہ شاہ لقب اختیار کیا اور اپنی تحریروں میں اسی کو بطور نام کے رائج کیا۔ لیکن اشعار میں حیدر ہی تخلص کرتا تھا۔ چنانچہ اس کتاب کے آغاز میں جو حمد (مثنوی کی شکل میں) لکھی ہے اس کی آخری بیت یہ ہے:۔

مدد ان کی اور اون کے احباب کی یہ حیدر ترے پر ہو ہر باب کی

اس بیت کے بعد ہی اپنا اور اپنے والد اور مرشدوں کا نام اس طرح درج کیا ہے:۔

"فقیر اللہ شاہ بن محمد سنگی عفی عنہا پابوس سلسلۂ عالیہ قادریہ بوساطت ید اللہ فوق ایدیہم کرئے قدم گیر حضرت رحمٰن شاہ بن محمد بشیر قدس سرہٗ و نوبذیر (؟) حضرت شاہ رفیع الدین بن شمس الدین المکھنی القندھاری رحمت اللہ علیہ کا۔"

مصنف نے اپنی ایک اور کتاب "نظم انور" کے آخری حصے میں بھی اپنے اصلی نام حیدر اور مشہور عام لقب فقیر اللہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

جسے تو نے حیدر کا دے پہلے نام فقیر اللہ کر اب پکارا ہے عام

نظم انور کا نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے۔ اس "نظم انور" میں حیدر نے حمد و نعت و منقبت کے بعد شاہ رفیع الدین قندھاری کی توصیف ایک علٰحدہ عنوان میں لکھی ہے اور اس سے قبل بیان کیا ہے کہ کس طرح کلبرگہ میں خواجہ بندہ نواز نے خواب میں آکر شاہ رفیع الدین کا مرید ہونے کے لئے حکم دیا۔ اس حصے کی منتخب ابیات اور سرخی یہ ہے:۔

"در توصیف مرشداں، وکیفیت مرید و فقیر شدن بخاندان چہار طریق از حضرت رحمان شاہ و مولوی رفیع الدین قدس سرہٗ"

میں دیکھا نجاست میں بالکل بھلا رہا ہوں نجاست میں اب تک رلا
کہ شاہِ رفیع دین قندھار تھے وہ تھے حاجی سیاح کے وارثے
حسین و حسن کی بہن کے نشاں تن مرتفع اور رفیع ان کی جاں
نہ عالم تھے تا شرف علما تھے او فقیری میں خود فخر فقرا تھے او
مجاہد مشاہد مراقب ہیں مدرس معلم مواہب ہیں
گئے خواجۂ رحمت اللہ کی دید تھے رحمان شاہ خادم ان کے [illegible]
کہ رحمان درمیان اللہ رحیم کیا جس طرح بسم کو مستقیم
اوسی طرح رحمان، فقیرِ رفیع کئے ہیں فقیر اللہ اوپر [illegible]

نکات جگر رحمت اللہ کے بطلب مرتب ہیں و نخواہ کے
اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین نے
خواجہ رحمت اللہ (نائب رسول اللہ) سے فیض حاصل کیا تھا اور
ان سے شاہ رحمان نے کیونکہ وہ رفیع الدین کے فقیر تھے۔ اس طرح
رفیع کے فقیر نے حیدر کو فقیر اللہ بنا کر نکات رحمت اللہ سکھا دیئے۔
مولنا شاہ رفیع الدین نے ۱۲۱۱ھ میں بمقام قندہار شریف وفات پائی
اور یہ کتاب تناولی ان کی وفات کے تین سال بعد ۱۲۱۴ھ میں لکھی گئی ہے
اس اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلیفہ شاہ رحمان بھی فوت
ہو چکے تھے کیونکہ حیدر نے ان کے نام کے آگے قدس سرہٗ لکھا ہے۔

حیدر کی ان دونوں کتابوں (تناولی اور نظم انور) سے
مصنف کے متعلق اور بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں مثلاً اس کی
عمر سیر و سیاحت میں بسر ہوئی۔ کبھی وہ حیدرآباد میں بمقام موتری گلی
اسفندیار جنگ کی ڈیوڑھی میں مقیم تھا اور کبھی گلبرگہ کی تفریح کر رہا تھا
کبھی قندہار شریف گیا اور کبھی ورنگل میں لاڈلے حسینی کے یہاں قیام پذیر
رہا۔ اپنی اس سیاحی کا وہ خود بھی نظم انور کے آخر میں تذکرہ کرتا ہے اور
اس کا سبب پیری مریدی کو قرار دیتا ہے۔ یعنے پہلے تو پیر کی تلاش
میں سیاحت کی اور بعد میں دوسروں کو مرید بنانے کے لئے سفر
اختیار کیا۔ اس کی چند ابیات ہیں :—

ہو سیاح ہر طرف گرداں کیا ہر یک جائے ہر طرز بسماں کیا
رہا آخرش چھوڑ شہر وطن کہ جو آصفی کے ہے گھر کا صحن
ورنگل کے خطے میں مسکن کیا لئے طالبوں کے تو طن کیا

نظم انور ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسفندیار جنگ اور خواجہ خیر الدین خاں بہادر
داماد مختار الدولہ نبیرۂ شاہ بلخ حیدر کے قدر دان تھے۔ موخر الذکر کی مدح
میں جو ابیات لکھی ہیں ان میں سے ان دو بیتوں میں بھی اپنی سیاحی
کی طرف اشارہ کیا ہے :—

ارے سارے جہاں گرد دنیا بغل کہاں اور کدھر تو لگایا شغل
کہاں لگ تجھے شان و شوکت کی چال رہی بس کہ ہے شان و شوکت بحال
(ورق ۱۰۱)

اب اصل کتاب تناولی کے سبب تالیف کا حال خود مصنف کی زبانی سنئے۔

”بیت تناولی سے کتاب ایکاولی کا بر صبح تمائک مجروسہ دولت مدار
فسخ آثار کے درمیان بہوت ہے۔ فقیر کو اوس کتاب کے مطالعے
کا شوق بھی از حد ہوا۔ بالفضل خدا ایک روز او کتاب ناگاہ
مدرسہ حیدرآباد میں دیکھنے میں آئی۔ جب مشائخ لاڈلے حسینی برہان
قبلہ اللہ حسینی صاحب اور بہادر حسینی صاحب سلمہ اللہ تعالی قلعہ ورنگل
میں تشریف فرمائے۔ فقیر ملازمت اون سے حاصل کر کچھ ادھر ادھر کی
گفتگو میں تذکرہ کتاب ایکاولی دچہار درویش کا بھی موافق استماع
کے نکالتے ہی صاحبان تمدح فرمائے کہ ہمارے یہاں یہ دو کتابیں
حاضر ہیں ہم تمہیں عنایت فرماتے ہیں“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی اردو کتابیں پندرہ بیس سال
کے اندر ہی اتنی مقبول و مشہور ہوئیں کہ ان کے نسخے حیدرآباد، ورنگل
اور راجمندری تک پہنچ گئے اور ان کا چرچا ہر جگہ ہونے لگا۔ چنانچہ
ان مشائخین نے راجمندری پہنچ کر ڈاکٹر گلکرسٹ کی قواعد اردو بھیجنے
کا بھی وعدہ کیا۔ کیونکہ فقیر اللہ نے ان سے کہا کہ وہ زبان اردو سے
کم واقف ہے۔ اسی طرح ان مشائخین نے بھی اس زبان سے اپنی
کم آگاہی کا تذکرہ کیا۔

یہ ایک عجیب واقعہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دکن
شمالی ہندی اردو کو اس زمانے میں کتنی اجنبی اور غیر زبان سمجھتے تھے۔
مصنف نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ درج ذیل کیا جاتا ہے
کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سو سال قبل دکنی اور شمالی اردو
کتنی جدا جدا سمجھی جاتی تھیں۔ مصنف لکھتا ہے :—

”کتاب زبان اردو میں۔ اور اس فقیر کو کم واقفیت اوس زبان
سے بس خدمت والا میں انہیں کے بیٹھ پڑھنا شروع کیا۔ اونہوں نے

کچھ تعلیم کر نزاکے کہ مجھے بھی خوب اس زبان میں درک نہیں۔

.... فقیر سات آٹھ روز کے عرصے میں

بکاولی اور چہار درویش کہ دونوں ایک ہی جلد میں تھے دیکھ لیا۔

بارے کچھ کچھ، وہ زبان سے واقفیت ہوئی اور چہار درویش والا تو

کیفیت بھی اوس زبان کی لکھتا تھا کہ لشکری زبان ہے زبان اردو

اور اردو لشکر خاص بادشاہی کو کہتے ہیں " (ورق باب)

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک دکن میں اس زبان کے لئے اردو کا لفظ عام نہیں ہوا تھا۔ حیرت اس کی ہے کہ جس ملک میں عہد قطب شاہیہ میں اس زبان نے ایسی ترقی پائی تھی وہیں کے باشندے آصفی عہد کے ابتدائی سو سال میں فارسی کے رواج کی وجہ سے اس زبان کو غیر سمجھنے لگے تھے۔ حالانکہ ان کی بول چال اور گھروں کی زبان اردو ہی تھی لیکن وہ اس کو دکنی کہتے اور شاید اس کو اردو سے علاحدہ ایک غیر زبان سمجھتے تھے۔

اسی سلسلے میں مصنف اپنے احساس کمتری کے پیش نظر یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ:۔

"اگر اس کتاب کو بھی دہنگی زبان کی دیئے برابر بکاولی کے

چرچا ہوسکتا ہے"

اس قصے کو ماوراء النہر کے بادشاہ سریر الملک کی شان و شوکت کے بیان سے شروع کیا ہے۔ ہر فصل کا نام داستان رکھا ہے۔ کل ۳۲ داستانیں ہیں۔ خاتمے میں قصیدۂ مناجات کے طور پر ۵ اشعر لکھے ہیں۔ جن میں پہلا اور آخری شعر یہ ہے۔

مطلع ۔ اے جسم جہاں کی زندگانی کیا خوب کیا تو انس و جانی

مقطع ۔ دیکھا نہ سوائے آصفی گھر ہے چتر الملک کا اب اوٹھانی

آغاز:۔

باسمہٖ رہے اسم کل اسم کا مجسم ہے او جسم ہر جسم کا

شہنشاہ شاہاں او شاہجہاں کہ شاہنشہوں کا ہے اوس سے نشاں

اختتام حصۂ نثر:۔

"ورد اکبر کا دورہ تسبیح میں پھر (پڑھ) دم کرنے آوے۔ ایسا شاہزادہ نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔ اور دنیا بہ ہزار وجہ نہ لوٹا ئے گا"

ترقیمہ:۔

تمت تمام شد بتاریخ بیست و چہارم شوال ۱۲۴۵ھ ہجری۔ روز یکشنبہ۔ و تاریخ کتاب اصلی چہارم ربیع الاول ۱۲۴۵ھ و تاریخ مسودہ دوماہ ذیحجہ ۱۲۴۴ھ۔ این کتاب برائے خود نوشتہ بتاریخ ہجدہم ماہ شوال ۱۲۶۶ھ روز یکشنبہ بوقت قریب سہ پہر با تمام رسید۔ کاتب الحروف حسینی بادشاہ"

اس ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ۱۲۴۴ھ میں اصل مسودہ لکھا اور تین ماہ بعد ۱۲۴۵ ہجری میں مبیضہ کیا جس کے بعد یہ نسخہ ورنگل ہی میں محفوظ رہا اور اس کی یہ نقل ورنگل ہی کے ایک شائق حسینی بادشاہ نے اپنے لئے ۱۲۶۶ھ میں لکھی۔ حسینی بادشاہ خود بھی شاعر اور ادیب تھے ان کی بعض کتابیں موجود ہیں جن کا ذکر بعد کو کیا جائے گا۔

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ترقیمہ کے برابر ان کی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین" ثبت ہے۔

---

(۱۲۶) نظم انور [۱۵۵]

اوراق ۱۱۰ ۔ سطور ۱۰ ۔

تقطیع ۶″ × ½۴″ ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔

عنوانات ۔ سرخی میں ۔

مصنف ۔ فقیر اللہ شاہ حمید ۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۷ھ ۔

کاتب ۔ سید مظہر علی عرف میر جان ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۶ھ ۔

بمقام کھمم میٹ ۔

یہ دو ہزار سے زیادہ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں چار بھائیوں نرگس، سنبل، نسترن اور یاسمن کی داستان بیان کی ہے۔ مصنف کے حالات اور اس کی ایک اور کتاب تناولی کا ذکر ابھی نسخہ ۱۲۵/۱۵۶ میں گذر چکا ہے ۔

داستان شروع کرنے سے قبل، حمد، نعت، وصف صحابہ و پنجتن، مناجات بقبول سخن، قیام بڈیوڑھی اسفندیار جنگ، بیان جلوس عرس خواجہ بندہ نوازؒ، مریدی، توصیف نظام علی خاں، مدح خواجہ خیر الدین خاں جیسے عنوانات کے تحت تقریباً ۲۰۰ ابیات لکھی ہیں ۔ انہی عنوانات میں مصنف نے اپنے بعض حالات بھی قلمبند کر دیئے ہیں جو قصۂ تناولی کے تذکرہ میں درج کئے گئے ہیں ۔

یہ تعجب کی بات ہے کہ مصنف نے توصیف نظام علی خاں کی سرخی قائم کرکے آصف جاہ ثانی اور مہاراجہ چندو لال کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ جس سے بجائے مدح کے ذم کا پہلو نمایاں ہے ۔ اور پھر یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ نظام علی خاں کی وفات (۱۲۱۸ھ) کے تیس ۳۰ سال بعد مصنف نے ان کی توصیف یا ہجو کیوں لکھی ۔ اسی طرح عرس خواجہ بندہ نوازؒ کے جو حالات بیان کئے ہیں ان میں بھی اکثر جگہ سوء ادب اور عریانی نمایاں ہے ۔

کتاب کا سنہ تصنیف خود اس کے نام نظم انور (۱۲۴۷ھ) سے نکلتا ہے چنانچہ آخر کتاب میں تاریخ بھی درج ہے ۔ اثنائے مثنوی میں جگہ جگہ غزلیں بھی لکھی ہیں ۔ اور شادی کے بیان میں وہ تمام رسم و رواج بیان کئے ہیں جو دکن میں رائج تھے ۔ خطبۂ نکاح اور جلوہ کی نظمیں غزلوں اور قطعوں کی شکل میں لکھی ہیں ۔ یہ کتاب تلنگانہ میں تصنیف ہوئی ہے کیونکہ آخر زمانے میں مصنف وہیں توطن پذیر تھا ۔

آغاز :۔

سب سے پہلے توصیف یزداں اہم	تصانیف پر تو کروں میں رقم
کہ معبود و حامد ہے کل کائنات	وہے ذات اوس کی تمامی صفات

اختتام :۔

اگر ذکر ہے جان عالم یقیں	مگر حقیقت غیر تیری نہیں
کرم سے دیا وہ حقیقت جس طرح	کرم کرکے واصل بھی ہوا اس طرح
نکل سنہ لیا نظم انور کا نام ۱۲۴۷	ہوا روز جمعے کے ختم تمام
سپرد حق کے یہ نظم و ناظم کا کام	بس اب ختم کرتا ہوں دوالسلام

ترقیمہ :۔

"تمت تمام بخامہ سید میر مظہر علی عرف میر جان در کھمم میٹ در علاقہ سید لاڈلے حسینی صاحب بتاریخ ہم ماہ شعبان ۱۲۶۶ھ روز جمعہ تمت"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ان کے دستخط اور مہریں ابتدائی اور آخری اوراق میں ثبت ہیں ۔

(۱۲۷) مرغوب الطبع [۴۰۶]

(یعنی قصۂ کامروپ)

اوراق ۵۵ ۔ سطور ۱۵ ۔

تقطیع ۶¾ × ۱۰½ خط نستعلیق ۔

عنوانات اور حاشیہ سرخی ہیں ۔

مصنف ۔ سید حسین علی خاں ۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ ۔

کاتب " ۔ سنہ کتابت ۱۲۴۰ھ ۔

یہ کتاب دراصل فارسی قصۂ کامروپ کا اُردو نثر میں ترجمہ ہے ۔ اس کے مولف سید حسین علی خاں حیدرآباد کے طبقۂ شرفا و جاگیرداران سے تھے ۔ انہوں نے اپنی ایک اور کتاب چہار درویش میں اپنے پانچ فرزندوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک ولایت علی خاں کی فرمایش پر انہوں نے چہار درویش کا قصہ لکھا ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے ۔ ان کی ایک اور ضخیم اور اہم کتاب ہمیشہ بہار بھی ادارے میں محفوظ ہے ۔

مصنف نے سبب تالیف میں بیان کیا ہے کہ اب تک کسی نے کامروپ کے قصے کا اُردو ترجمہ نہیں کیا ہے ۔ حالانکہ بکاولی اور چار درویش کی کتابیں اُردو میں مشہور ہیں ۔ ان کے بیان سے بھی فقیر اللہ شاہ حیدر مصنف نظم انور و تناولی (دیکھو مخطوطات ۱۲۵ و ۱۲۶) کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس دور میں فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کا دکن میں بہت چرچا تھا ۔ چنانچہ اس کتاب میں مصنف سبب تالیف کے سلسلے میں لکھتا ہے : ۔

"ایک روز مجلس میں تذکرہ قصوں کا درپیش آیا ۔ قصۂ بکاولی و چار درویش کا جو زبان ہندی سے لکھے ہیں کیفیت اوس کی ایک صاحب نے بیان کئے ۔ احباب کے تئیں شوق مطالعہ ہوا ۔ چنانچہ بہم پہنچا کے مطالعے سے اوس کے جو کیفیت اچھی لکھی ہے محظوظ ہوتے تھے ۔ ایک روز ذکر کامروپ کا نکلا ۔ تب ایک صاحب نے جو مجھ سے اتحاد کمال رکھتے تھے فرمائے کہ اگر تجھ سے ترجمہ اس قصے کا زبان ہندی سے جو قریب الفہم ہو لکھیں آوے تو بہوت احسن ہے ۔ تب میں نے عذر اپنی بے استعدادی کا کیا لیکن مبالغے سے اون کے لاچار ہو جیسا کہ مجھ سے ہوسکا لکھا اور موسوم بہ مرغوب الطبع کیا ۔ ....

جب ارادہ اس کتاب کے اتمام کی تاریخ کا ہوا تو ملہم غیب نے جو لفظ اول نام مرغوب ہے مادۂ تاریخ کی مبارک باد دی ؎

خیال اوس کی جو تاریخ کا ہوا دل میں
ندا یہ ہاتف غیبی نے مجھ کو دی مرغوب"
۱۲۴۸ھ

حسین علی خاں کی زبان فقیر اللہ شاہ حیدر کی زبان سے بہتر اور شگفتہ ہے ۔ ادارے میں ان کی تصنیفات کے تینوں نسخے خود انہی کے قلم کے مکتوبہ ہیں ۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھے خوش نویس بھی تھے ۔

آغاز : ۔

"ہزار ہا شکر و لکوکھا حمد جناب حق تعالیٰ جل شانہٗ میں کہ بشر کو زینت نطق سے آراستہ کیا واسطے ادا کرنے حمد و ثنا کے ۔ لیکن انسان کو کہاں طاقت ہے جو عہدہ بر آ حمد کا ہووے ۔ اور اوس کی حمد کے میدان میں قلم کے گھوڑے کو جولان دیوے ۔"

اختتام : ۔

"مدت تک جشن ہائے شاہانہ و بزم ہائے خسروانہ مرتب ہوئے اور باب بخشش کا جہانیوں پر کھولا ۔ اور داد احسان و دادگستری کی دیا ۔ غرض مدت تک عیش و نشاط و خوشی و خورمی سے کاٹا اور جھاڑ سے جوانی کے ثمرہ مراد و کامرانی کا چنا ۔ اور اپنی مراد دل کو پہنچا ۔ اللہ تعالیٰ سب کسی کا مدعا و مراد اسی طرح بر لاوے ۔ بہ تصدق جناب پنجتن و ائمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔"

ترقیمہ:-

"بتاریخ نہم شہر رمضان المبارک روز پنجشنبہ ۱۲۴۸ھ ہجری
از مسودہ صاف شد"

یہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے ۔ ابتدا اور آخر میں ان کے دستخط اور مہر ثبت ہیں ۔

---

(۱۲۸) مرغوب الطبع [۱۴۶]

اوراق ۷۵ - سطور ۱۵ -
تقطیع - ۶½" × ۱۰¾" - خط نستعلیق پاکیزہ -
عنوانات - سرخی میں -
مصنف - سید حسین علی خاں - سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ -
کاتب - " - سنہ کتابت ۱۲۵۳ھ -

یہ نسخہ نمبر ۱۲۷ کی ایک دوسری نقل ہے جو خود مصنف نے پانچ سال بعد زیادہ صاف اور پاکیزہ خط میں لکھی ہے ۔

آغازی و افتتامی عبارتیں بعینہ وہی ہیں جو نسخہ ۱۲۷ میں درج کی گئی ہیں البتہ ترقیمہ میں مصنف نے اپنا نام بھی بطور کاتب لکھ دیا ہے ۔

ترقیمہ:-

"تمت بتاریخ بست و سیوم جمادی الاول ۱۲۵۳ھ ہجری
بخط خام عاصی سید حسین علی خاں تحریر یافت"

یہ نسخہ بھی نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے ۔ چنانچہ اس کے ابتدائی اور آخری اوراق پر ان کے دستخط اور مہر بیا "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۳۳۶ھ" ثبت ہیں ۔

---

(۱۲۹) چار درویش [۱۴۹]

اوراق ۲۱ - سطور ۱۵ -
تقطیع ½۵" × ۸" - خط نستعلیق -
مصنف - سید حسین علی خاں - زمانہ تصنیف ۱۲۵۰ھ -
کاتب " - " کتابت "

یہ اردو نثر میں قصۂ چار درویش کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے ۔ اور چونکہ مصنف کا مسودہ ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مصنف نے اس کو ناتمام چھوڑ دیا تھا ۔ بحالت موجودہ اس نسخے میں پہلے درویش کا قصہ پورا درج ہے ۔ اور دوسرے درویش کے قصے میں صرف تین صفحے لکھے گئے ہیں ۔

مصنف کے حالات نسخہ نمبر ۱۲۷ میں درج ہیں ۔ اس کی اور دو کتابیں مرغوب الطبع اور ہمیشہ بہار بھی ادارے میں محفوظ ہیں ۔ یہ سب قصے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو قصوں اور داستانوں سے بہت دلچسپی تھی ۔

سبب تالیف میں مصنف بیان کرتا ہے کہ چہار درویش کے قصے کی آج کل بڑی شہرت ہے لیکن یہ کمیاب ہے اور میرے فرزند ولایت علی خاں کو دستیاب نہ ہوا اس لئے اس کی فرمایش پر میں خود یہ قصہ قلمبند کر رہا ہوں ۔ اس حصۂ کتاب میں سے ذیل کی عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے ۔ اس سے مصنف کے اسلوب کے علاوہ سبب تالیف بھی ظاہر ہوگا :-

"بندہ کو پانچ فرزند تصدق پنجتن پاک عطا فرمائے ہیں ۔ بندہ ان کو اپنے حواس خمسہ جانتا ہے اور پنجگانہ میں جناب الہٰی سے ان کی صحت کی دعا مانگتا ہے ....غرض ان میں سے برخوردار ولایت علی خاں طال اللہ عمرہٗ و قدرہٗ تعریف قصۂ چار درویش کی سنے اور نہایت مشتاق ہوا کہ کہیں سے

قصہ چار درویش بہم پہنچے کہ خریدوں یا مستعار ملے تو نقل نویسی
کروں مگر دستیاب نہ ہوا۔ تب بندہ نے اون کی گرانی خاطر سے
اندیشہ کیا اور دل سے کہا کہ مجھ کو کچھ شغل دینا سوائے بیکاری
کے نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے بیٹھے سے بیگار بھلی۔ ... ...
یہ خیال کرکے ارادہ کیا کہ قصہ چار درویش فارسی زبان میں نظم کروں
پھر اوسی برخوردار نے کہا کہ بندہ چاہتا ہے کہ اس قصے کو زبان
اردو میں آپ قلمبند فرماویں کہ خواص و عام اور وضیع و شریف
سمجھیں اور قوت پاویں۔ خیر مامور مجبور۔ اس واسطے یہ
قصہ اگرچہ سابق ہی زبان اردو میں لکھا گیا ہے اور چھاپ
بھی ہوا ہے اور حال میں ہندی میں نظم بھی کیا (گیا) ہے۔
بندہ بھی بہ پاس خاطر عزیز برخوردار معز لکھتا ہے کہ جو
سنے لذت پاوے۔"

اس عبارت میں مصنف نے حال میں چار درویش کے قصہ کے منظوم ہونے کا جو ذکر کیا ہے وہ غالباً محمد علی خاں شوق کے "نظم چار درویش" کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۱۰۱ میں گذر چکا ہے۔ اصل کتاب حمد و نعت و منقبت ائمہ سے شروع ہوتی ہے جو فارسی میں ہے۔ اس کے بعد یہی عبارت شروع ہوتی ہے جو اوپر درج ہے۔ مصنف نے اپنا نام اس میں نہیں لکھا لیکن خط وہی ہے جو حسین علی خاں کے دوسرے مکتوبہ نسخوں میں ہے اور سرورق پر نواب عنایت جنگ بہادر نے بھی "چہار درویش مصنف حسین علی خاں" لکھا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا مصنف سید حسین علی خاں ہی ہے۔ اصل قصہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

" آغاز قصہ۔ قلمبندان حکایات چار درویش و مرہم بندان
جراحت دلہائے ریش قصۂ چار سلطان درویش نام اس طور
سے بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، ہمارا تمہارا خدا اور
خدا کا رسول بادشاہ، شہر روم اوس کا دار السلطنت تھا
عادل، دانا اور باذل اوس کے عہد دولت میں یارا کا مقدور
نہ تھا کہ صعوہ کو بدنظر دیکھے۔"

پہلے درویش کا قصہ ان جملوں پر ختم ہوتا ہے : ۔

" اوس خضر راہ نما کی ہدایت سے یہ معصوم تم مخدوموں کی
خدمت میں آپہونچا ہے اب دیکھئے حق تعالیٰ بادشاہ وقت سے
کب ملاتا ہے۔ بندہ کی یہ سرگذشت تھی جو عرض کی۔"

یہ مخطوطہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے : ۔

" میں اوس کے خون کی دھار سے کہ وہی اوس کا سراغ تھا
اوس کے عقب روانہ تھا۔ بعد وہ آہو دامن ایک کوہ میں
غائب ہوگیا۔ میں ہر چہار طرف اوس کی جستجو میں رہا مگر وہ
نہ ملا آخر اوسی پہاڑ پر او ۔"

کوئی ترقیمہ نہیں۔ ابتدا اور آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط اور مہریں ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

(۱۳۰) ہمیشہ بہار [۱۴۳]

اوراق ۱۸۲۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ½۶" × ½۹"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف۔ سید حسین علی خاں۔ زمانہ تصنیف ۱۲۵۰ھ۔
کاتب۔ " ۔ سنہ کتابت "

یہ اردو نثر کی ایک ضخیم کتاب ہے جو دراصل شیخ عنایت اللہ کی فارسی بہار دانش کا ترجمہ ہے۔ مصنف کی دوسری کتابیں مرغوب الطبع اور چار درویش کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اول الذکر کتاب ۱۲۴۳ھ کی تصنیف ہے اس لئے یہ کتاب بھی اسی قریبی زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔

زیر نظر نسخہ ناقص الآخر ہے اس لئے سنہ تصنیف و

سنہ کتابت معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ ابتدا میں مصنف نے اپنا نام اور سبب تالیف بیان کیا ہے اور اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انگریزوں کی فرمائش سے بہت سی کتابیں ہندی میں ترجمہ ہوئی ہیں لیکن آج تک شیخ عنایت اللہ کی بہار دانش کا ترجمہ نہیں کیا گیا اس لئے اپنے دوستوں کی فرمائش پر میں یہ کام انجام دے رہا ہوں۔ اسی سلسلہ میں نواب ناصر الدولہ (وفات ۱۲۷۳ھ) کی مدح بھی کی ہے۔ اس حصے کے بعض اقتباس یہ ہیں:۔

"کتاب بہار دانش شیخ عنایت اللہ نے زبان فارسی میں بہت عبارت رنگین مسلسل و دقیق، و نقلیں عجائب، و کہانیاں نادر اور نصیحتیں جو وزیر، امیر و حکیم و ندیم و امرا و اعیان جہاندار سلطان کے تئیں بے وفائی عورتوں کی کی نصیحت لکھی ہیں۔ اکثر اوقات مجلس میں شغل اوس کتاب کا رہتا تھا اور سب اہل محفل کو جو بہرہ علم سے رکھتے تھے انبساط حاصل ہوتی تھی اور لاعلم اوس کی فہم کی لذت سے محروم رہتے۔ کئی صاحبوں نے کہا کہ اگر اس کتاب کا ترجمہ زبان ہندی سے ہو تو سب باعلم و بےعلم کی سمجھ میں جو یہ کہانیاں و نقلیں جو رنگین ہیں آئیں گی۔ اور کئی منشیوں نے بہت سی کتابیں فارسی کی بموجب فرمائش انگریزوں کے ترجمہ ہندی سے جو قریب الفہم ہوتا ہے کئے ہیں۔ مجھے جو بیکاری و خانہ نشینی تھی بنے وقوف کے موافق وقاتیت و طول کلامی کو موقوف کر مطلب چیدہ کر کے ہندی جو زبان اپنی تھی وہ ہی بول چال سے ترجمہ کیا عہد میں مسند نشینی نواب کیواں جناب معلّا القاب رستم دوراں حاتم زماں ؎

ہست کیواں جناب و انجم سپاہ — زیب بخش سریر و چتر و کلاہ
جانشین سکندر ثانی! — ناصر الدولہ یعنے آصف جاہ

قائم رکھے اللہ تعالیٰ اوسے مع اولاد و سلطنت کے تا دور قیامت۔ سخاوت اوس کی اگر حاتم زندہ رہ کر آنکھوں سے دیکھتا تو آپ کو ایک ادنے بھیلہ برداروں سے جانتا کہ یکسر دم تونگری کا مارتے ہیں۔ پرداخت و پرورش اعلیٰ و ادنیٰ و مسکین و فقیر و سالک و مجذوب کی بدرجہ ملحوظ ہے اور اوس کی دست سخا کے آگے اشرفی حکم خرمہرہ کا رکھتی ....
مترجم اس کا سید حسین علی خاں جو زاد بوم میں شہر فردوس رشک ہے ...... بہجت بہار نام رکھا"

یہ نسخہ خود مصنف کا مکتوبہ ہے۔ حسین علی خاں کی جملہ کتابیں جو ادارے میں محفوظ ہیں سب مصنف ہی کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان کے نسخے اب تک کسی کتب خانے میں نظر سے نہ گذرے۔ غالباً یہ نادر مخطوطے ہیں۔ ان سب کا خط اور نہج تحریر ایک ہی ہے۔ یہ کتاب مصنف کا مسودہ معلوم ہوتی ہے۔ اور چونکہ ناقص الآخر ہے اس لئے پتہ نہ چل سکا کہ مصنف نے اتنا ہی ترجمہ کیا تھا یا کتاب مکمل کر لی تھی۔

آغاز:

"حمد و ثنا زبان بشر سے ادا نہ ہو — قاصر زباں مالک صفت اسمائیت
اوس کی ثنا قلم جو لکھے تاب ہے کہاں — یہ دو زبان خواہش اوس سوزنا کی ہے
حمد و ثنا جناب جہاں آفریں کی زبان بشر کو قدرت نہیں جو بیان کرے اور اگر قلم جرأت لکھنے کی کرتا ہے تو زبان شق ہو جاتی ہے"

اختتام:

"وہ مرد مفلس کہا کہ اے خسرو تدبیر ہیں: جنوں کے میں مرد زراعت پیشہ ہوں عمر بھر جنگل میں دانہ چھڑکتا رہا۔ کر اور دام سے آسمان کے کنارے دہقان فلک نے میرے مزرعۂ حال میں سوائے تخم نادانی کے نہ بویا"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ابتدا اور اختتام پر ان کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔

(۱۳۱) ترتیب النکاح [۶۶۲]

اوراق ۹۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۵" × ۸"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف۔ محمد شمس الدین شمس۔ سنہ تصنیف ۱۲۵۰ھ۔
کاتب۔ شیخ احمد عرف کالے خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔

نکاح کے موضوع پر اُردو نثر کا یہ رسالہ محمد شمس الدین اوگیری کی تالیف ہے جن کی ایک اور کتاب احوال میت کا تذکرہ (مخطوطہ نمبر ۱۲۴) میں گذر چکا ہے۔ انہی کی ایک اور کتاب ترتیب نماز کا ذکر اس کے بعد ہی درج ہوگا۔ مصنف کی نسبت معلومات بھی مخطوطہ ۱۲۴ کے سلسلہ میں ملاحظہ ہوں۔

یہ کتاب نہایت مفید اور ضروری معلومات پر مشتمل ہے اور اس کی ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے۔ پہلی فصل ترغیب نکاح کے لئے وقف ہے۔ اور دوسری فصل میں مسائل و ترتیب نکاح بیان کی گئی ہے۔ قرآن شریف، احادیث، اور بزرگان دین کے اقوال سے جگہ جگہ کتاب میں کام لیا گیا ہے۔ آخر میں خطبۂ نکاح بھی لکھ دیا ہے۔ عملی نقطۂ نظر سے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ شایع کر کے عام طور پر تقسیم کی جائے۔

ابتدا میں حمد و نعت کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے جس میں مصنف نے اپنا نام اور کتاب کی ترتیب کے متعلق ضروری باتیں لکھی ہیں۔ کتاب کا اختتام ۱۵ ابیات کی ایک مثنوی پر ہوتا ہے جس کی آخری بیتوں میں مصنف کا تخلص اور سنہ تصنیف بھی درج ہے۔

آغاز:۔

"لایق حمد و سپاس وہ خالق اکبر ہے کہ ایک ذات آدم علیہ السلام سے خلقت بے شمار پیدا کیا۔ اور اولاد کو اون کی خلعت فانکحوا ما طاب لکم من النساء سے سرفراز کیا۔ خامۂ خشک مغز کا کیا مقدور کہ عہدے سے حمد و ثنا اوس کی سے باہر نکلے اور جو حق لکھنے کا ہو ٹک سکے۔"

اختتام:۔

ہو چکا اب یہ رسالہ اختتام! در ہزار و دو صد و پنجاہ تمام
بس قلم کو شمس اب یہاں سے اٹھا ہو چکا اتمام تیرا مدعا

ترقیمہ:۔

"ہزار شکر اوس جناب اقدس الہٰی کا کہ یہ رسالہ ترتیب النکاح روز سہ شنبہ تاریخ دویم صفر المظفر ۱۲۵۸ھ این رسالہ از دست شیخ احمد عرف کالے خاں بجہتہ خود تحریر نمودہ تمت تمام شد"
اس ترقیمے کے نیچے ہی سے رسالہ ترتیب نماز شروع کر دیا گیا ہے۔

---

(۱۳۲) ترتیب نماز [۶۶۲ ب]

اوراق ۳۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۵" × ۸"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف محمد شمس الدین شمس (؟)۔ زمانہ تصنیف غالباً ۱۲۵۰ھ۔
کاتب شیخ احمد عرف کالے خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔

یہ مختصر سا رسالہ مختلف نمازوں اور اس کے لوازم کے متعلق قلمبند کیا گیا ہے۔ اس میں بھی ترتیب نکاح کی طرح عملی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مصنف کا نام اور سنہ تصنیف درج نہیں لیکن ترتیب نکاح کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے اور اسلوب بھی وہی ہے اس لئے غالباً اس کا مصنف بھی محمد شمس الدین ہی ہے۔

آغاز:۔

"نیت وضو۔ وضو کرتا ہوں واسطے دور ہونے حدث کے اور جائز ہونے نماز کے۔"

اختتام:۔

"سبحان ربی الاعلیٰ بھی قدر بموجب آئین تمام گذار دے بعد التحیات تمام از لفظ سلام بیرون آید۔"

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد کار من نظام شد ۔ بخط الفقیر حقیر مذنب العاصی من ذنب والتقصیر شیخ احمد عزت کاسے خاں جہت خود تحریر نمودہ شد ۔ بتاریخ سیوم روز چہارشنبہ درماہ صفر ۱۲۵۵ ہجری سہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ بود۔"

---

(۱۳۳) منتخب دیوان عاشق [۲۱۰]

اوراق ۹۔ سطور ۱۸ ۔

تقطیع ۱/۲ ۷ × ۱/۲ ۴ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز پاکیزہ ۔

عنوان سرخی میں ۔

مصنف عاشق ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۶۵ھ ۔

سنہ کتابت ۱۲۴۰ھ ۔

یہ تقریباً ۵۴ غزلوں اور ۳۵۰ اشعار کا منتخب دیوان ایک ایسے اعلیٰ پایہ شاعر کا ہے جو اب تک غیر معروف رہا ۔ میر یحییٰ عرف عاشق علیخاں عاشق برہان پور میں پیدا ہوا لیکن حضرت آصف جاہ اول کی رفاقت میں دکن چلا آیا ۔ اور شاہی منصب داروں کے زمرہ میں شامل ہو کر اپنی عمر حیدرآباد ہی میں گذار دی ۔ علم وفضل اور انشا پردازی کی وجہ سے اپنے زمانے میں بڑی شہرت حاصل کی ۔ اردو شاعری کا بے حد دلدادہ تھا ۔ اور اس کے کلام کو اتنی شہرت حاصل ہو گئی تھی کہ فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ (مرتبہ ۱۱۶۵ھ) میں اس کا حال درج کیا ۔ اور اس کے علاوہ علی ابراہیم خاں 'عشق' اور ذکا کے تذکروں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے ۔ عبدالجبار خاں صوفی نے محبوب الزمن جلد دوم (صفحہ ۸۴۲ و ۸۴۳) میں بھی اس کے حالات اور نمونہ کلام شامل کیا ہے ۔ اور بڑی تعریف کی ہے ۔

عاشق کے اس منتخب کلام میں بھی چند شعر ایسے ہیں جو اس کے وطن اور زمانے کو متعین کرتے ہیں ۔ ایک شعر میں اس نے ولی کا ذکر اس طرح کیا ہے :۔

ولی من یہ غزل عاشق کہیں بھی لاتا اگر ہوتا
رہا کر سگ ہو تو دایم نبیؐ کے آستانے کا

معلوم ہوتا ہے کہ عاشق حیدرآباد میں اپنے ایک ہم عصر شاعر میر نوازش علیخاں شیدا کا بڑا معتقد تھا ۔ پہلی غزل کے مقطع میں شیدا کا ذکر اس طرح کیا ہے :۔

جب ملے شیدا سا کوئی استاد صاحب معرفت
خوب ظاہر ہوئے عاشق بھید عشق اللہ کا

اس مجموعے کی بعض غزلیں ولی کی زمینوں میں کہی گئی ہیں ۔ کلام نہایت پختہ اور رنگین ہے یقین ہے کہ عاشق اپنے زمانے میں بہت مشہور ہوگا ۔ لیکن اس کے کلام کا کوئی نسخہ اب تک دستیاب نہ ہوا تھا ۔

آغاز :۔

سعد دن پر کتابت کرکے بسم اللہ کا ۔ تحفہ صلوٰۃ لکھتا ہوں رسول اللہ کا
بعد حمد و نعت ہے فرمائیں حضرت رسولؐ ۔ جی سبب لکھتا ہوں بندہ خاص اوس درگاہ کا

اختتام :۔

یار و شفق میں ڈوب گیا آفتاب سب ۔ دیکھا اوس صنم کے طرۂ زرتار کی تلک
عاشق ہو گلرخوں میں ہمیں ہوشی کیا عجب ۔ سن یار نے زباں سیں مجھ اشعار کی تلک

تنگ کرتا ہے سر مجھ کا تغافل رنگ رنگ
پیچ دیتا ہے پریشانوں کو کاکل رنگ رنگ

ترقیمہ :۔

"تحریر ۱۲۴۰ ہجری ۔
این کتاب مرزا احسان اللہ بیگ خاں پسر نیاز بہادر خاں"

---

(۱۳۴) تنبیہ النساء [۱۳۰]

اوراق ۳۶ - سطور ۱۰ -

تقطیع ۱/۲ ۵ × ۱/۲ ۹ - خط نستعلیق -

مصنف خواجہ رحمت اللہ - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ -

سنہ کتابت ۱۲۷۰ھ -

یہ مثنوی دکن کے ایک مشہور صوفی خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کی تصنیف ہے - ان کے مختصر سے حالات اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۱۱ (فقر نامہ کامل) میں درج کئے گئے ہیں - کیونکہ فقرنامہ کا مصنف انہی کا مرید تھا اسی طرح مخطوطات نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۶ کے مصنفین بھی ان کے معتقدین میں سے تھے - خاص کر فقیر اللہ شاہ حیدر کی نظم الور (۱۲۶) میں مدح شاہ رفیع الدین قندھاری کے سلسلے میں ان کا بھی ذکر آگیا ہے - مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری ان کے خلیفہ تھے اور ان کے توسط سے شاہ خواجہ رحمت اللہ کا فیض دکن میں دور دور پہونچا - شاہ رفیع الدین خود بھی مصنف تھے اور ان کے ایک خلیفہ مولانا حافظ شجاع الدین بھی ایک مقتدر صوفی اور صاحب تصانیف بزرگ تھے - ان دونوں کی اردو و فارسی تصنیفات کے قلمی نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں - اور ان کا ذکر آئندہ درج رہے گا -

چونکہ خواجہ رحمت اللہ کا مختصر حال اس فہرست میں (صفحات ۱۴۷ - ۱۴۸) درج ہو چکا ہے اور تذکرۂ اولیائے دکن' انوار القندہار' اور مناقب شجاعیہ میں بھی ان کے حالات چھپ چکے ہیں اس لئے یہاں ان کی اس کتاب کی نسبت ضروری باتیں درج کی جاتی ہیں -

اس مثنوی کے کئی نسخے ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہیں -

یہ کتاب راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی اور وہ ایسی کئی خواتین سے واقف ہے جنہیں یہ پوری کتاب حفظ تھی اور ان کے گھر کے ملازموں اور بچوں کو بھی اس مثنوی کی بیسیوں ابیات یاد تھیں - مسلمان عورتوں کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی - اور نہ اتنی مشہور و مقبول ہوئی -

اس کتاب کا موضوع خواتین کی اصلاح ہے - اس میں معاشرتی اور مذہبی دونوں قسم کی برائیوں کو نہایت سخت اور تلخ الفاظ میں واضح کیا گیا ہے - اردو زبان میں ترقی پسند ادب کا جو نظریہ زمانۂ حال میں روشناس ہوا ہے اس کا یہ مصنف لفظ بلفظ قائل ہے - انسانی نفس کی خباثتوں اور اخلاق و اعمال کی گندگیوں کو خواجہ رحمت اللہ نے نہایت عریاں اور واضح انداز میں بیان کیا ہے - اور عورتوں اور مردوں دونوں کی بری طرح خبر لی ہے - ان کے زمانے میں جتنے برے رسم و رواج تھے ان میں سے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا اور ان کی سختی سے مذمت کی اور مضحکہ اڑایا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ طنز نگاری میں ماہر تھے - ان کی اکثر ابیات باوجود زبان کی قدامت کے اب بھی تیر و نشتر کا کام دے سکتی ہیں -

انہوں نے پند و نصیحت کرنے یا ایک ثقہ وعظ قلمبند کرنے کی بجائے تمام بری باتوں کو شرم و حجاب کے بغیر کھول کھول کر بیان کیا ہے - وہ خود کہتے ہیں :-

بد رسم اون کے چھڑانے کے بدل   میں کیا مشرک رسم سارے نقل
کفر کے چن چن رسم بولیا ہوں میں   شک شبہ کے سب گرہ کھولیا ہوں میں
جو سخن سانچا انھا بر حق تمام   بے ملاحظہ ہو کہا مطلق تمام
فاضلاں کو بات یہ نا بات ہے   جاہلاں کے تئیں جگر میں لات ہے

مصنف نے اپنا اور مثنوی کا نام کتاب کے آغاز میں عنوان "حکایت کہ سبب تصنیف ایں کتاب افتادہ است" کے تحت ان ابیات میں لکھا ہے :-

نام تنبیہ النساء اس کا دھروں   مشرکاں کے رسم سب ظاہر کروں
یا الٰہی اپنی رحمت فضل کر   رات اور دن رحمت اللہ کے اُپر

(ورق ۵)

مثنوی کے زیر نظر نسخے میں وہ بیت درج نہیں ہے جس میں تعداد ابیات و ابواب کا اظہار کیا ہے لیکن ایک دوسرے نسخے (نمبر ۱۳۶) میں کتاب کے آخر میں یہ بیت شامل ہے۔

پانچ سو ستر جو ہیں بیتاں اسے باب پندرا یاد رکھ دل میں اسے

لیکن یہ بیت خود مصنف کی نہیں معلوم ہوتی غالباً کاتب کا اضافہ ہے۔ بہر حال اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مثنوی میں تقریباً ۵۷۰ ابیات ہیں اور اس کو ۱۵ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب کا عنوان فارسی میں لکھا ہے۔ اور درمیان میں قرآن کی آیتوں اور حدیثوں کو بھی درج کیا ہے۔

مصنف نے سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ ایک روز عشرۂ محرم میں ایک شخص اپنی بیوی کو عاشور خانوں کا تماشا دکھانے لے گیا۔ ان ایام میں سڑکوں، گلیوں اور عاشور خانوں میں جو بھیڑ ہوتی ہے اس میں عورتوں کی شرکت سے بڑی بدنمائیاں اور مذموم حرکتیں رونما ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس شخص کو اس حرکت سے منع کیا تو اس نے ان قدیم رسوم کی تائید میں مصنف سے بحث شروع کی۔ آخر کار جب راہ راست پر آیا تو کہا کہ میں تو قائل ہو گیا لیکن میری بیوی نہیں مانے گی اس لئے آپ ان باتوں کو لکھ دیں تاکہ سب عورتیں ان کو پڑھیں اور مضر رسم و رواج سے باز آئیں۔ اس طرح یہ کتاب لکھی گئی اور اسی لئے ہر بیان مصنف نے سہاگن سے مخاطب ہو کر شروع کیا ہے مثلاً

سن سہاگن پندِ حق دل جان سے میں کہوں احادیث اور قرآن سے (۵)

سن سہاگن بات میری کر قبول میں کہوں فرمائے سو حضرت رسول (۹)

سن سہاگن یاد رکھ باتاں تمام پڑھ درود اں چھوڑ دے گیتاں حرام (۱۵)

سن سہاگن حق ستی ملحوظ ہو! کر سے ابلیس کے محفوظ ہو (۱۸ ب)

کتاب کی ابتدا حمد و نعت سے کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد اصل موضوع کا تعارف بعنوان "بیان کفر و رسومات بد" کرایا گیا ہے۔ اور پھر سبب تالیف بیان کیا ہے۔ افسوس ہے کہ سنہ تصنیف درج نہیں کیا۔ چونکہ مصنف نے سنہ ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی اس لئے یہ نسخہ اواخر بارھویں صدی کی اچھی اور مفید کتابوں میں سمجھا جائے گا۔

آغاز:۔

حمد بے حد ہے اس سبحان کو جو کیا پیدا جسم اور جان کو

دو جہاں کا خالق اور دایم ہے وہ سب فنا آخر کے تئیں قائم ہے وہ

اختتام:۔

ہم دکھا نارہ نبیؐ در کار ہے کوئی چلو کوئی نا چلو مختار ہے

گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:۔

"تمت الکتاب بعون الملک الوہاب۔ این تنبیہ النساء ۔۔۔ بیوم ماہ رجب المرجب روز جمعہ بوقت صبح سنہ ۱۲ ہجری اتمام یافت"

این کتاب فاطمہ بیگم دیسکی بیلگونی پرگنہ نوٹور ہمشیرۂ سدی حبش خاں۔ برائے اوشاں خریدہ شد"

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ اس کے بعد دوسرے صفحہ سے حضرت شیخ عبدالقادر کی ایک فارسی نظم لکھی ہے جس کے آغاز و اختتام پر عربی عبارتیں ہیں۔ اس حصے کا عنوان خطبہ اولیٰ لکھا ہے۔ اور اس کا ذکر فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا۔

(۱۳۵) تنبیہ النساء [۶۶۳]

اوراق ۷۰۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ½۵ × ½۷ خط نستعلیق پاکیزہ۔

عنوانات سرخی میں کرم خوردہ۔

مصنف۔ خواجہ رحمت اللہ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ۔

کاتب شیخ احمد عرف کالے خاں۔ سنۂ کتابت ۱۲۵۶ھ۔

بمقام حیدرآباد۔

یہ مخطوطہ نمبر ۱۳۴ کا ایک اور نسخہ ہے جو خاص اہتمام اور نفاست کے ساتھ اس سے ۱۴ سال قبل حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے۔ اسی کاتب کی نقل کی ہوئی اور کتابیں بھی ادارے میں موجود ہیں۔ (دیکھو فہرست ہذا نسخہ جات نمبر ۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۲)

اس نسخے میں تقریباً ۶۵۰ ابیات ہیں۔ لیکن اس میں وہ بیتیں درج نہیں ہیں جن میں مصنف نے اپنا نام اور تعداد ابیات و ابواب درج کی ہے۔

آغاز:۔

حمد بے حد ہے اوسی سبحان کو جو کیا پیدا جسم اور جان کو

دو جہاں کا خالق و دایم ہے او سب فنا آخر کے تیں قائم ہے او

اختتام:۔

ہم دکھا رہنے نبی درکار ہے کوئی چلو نا کوئی چلو مختار ہے

گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد رسالہ تنبیہ النسا بتاریخ بست دویم ذیحجہ ۱۲۵۶ھ بخط فقیر حقیر شیخ احمد عرف کالے خاں بہ بلدہ فرخندہ بنیاد بروز دوشنبہ بعد مغرب تحریر یافت"

(۱۳۶) تنبیہ النساء [۸۶]

اوراق ۲۹۔ سطور ۱۲۔

تقطیع ¾۵ × ½۹ خط نستعلیق۔

مصنف خواجہ رحمت اللہ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ۔

کاتب میراں صاحب استاد۔ سنۂ کتابت ۱۲۶۱ھ۔

یہ مخطوطات نمبر ۱۳۴ و ۱۳۵ کا ایک اور نسخہ ہے۔ اس میں جگہ جگہ ابیات کا اضافہ ہے۔ چنانچہ آخر کتاب میں ۹ بیتیں ایسی زیادہ ہیں جو دوسرے نسخوں میں درج نہیں ہیں۔ اس کاتب نے ایک اور کتاب اردو نثر میں (سوالات گذوین عیسوی وغیرہ) اسی کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ (دیکھو ص ۱۸۱)

آغاز:۔

حمد بے حد ہے اوسی سبحان کو جے کیا پیدا وہ جسم و جان کو

دو جہاں کا خالق دایم ہے او سب فنا آخر کے تیں قائم ہے او

اختتام:۔

عرض میری تم سنو اے باشعور فضل سے اپنے مجھے بخشے غفور

پانچ سو ستر جو ہیں بیتاں اسے باب پندرا یاد رکھ دل میں اسے

ترقیمہ:۔

"تحریر فی التاریخ بست و سویم شہر ذی القعدہ بروز دوشنبہ وقت ظہر اتمام یافت ۱۲۶۱ھ۔ کاتب الحروف میراں صاحب استاد این کتاب برائے خواہش طبع لاڈلے صاحب زردی نوشتہ شد"

(۱۳۷) تنبیہ النساء [۴۶۶]

اوراق ۲۶۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۵ × ۸۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔ بعض صفحات بوسیدہ۔

مصنف خواجہ رحمت اللہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ۔

کاتب مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ۔

یہ تنبیہ النساء کا ایک مکمل خوش خط نسخہ ہے جو شہر پلانگ میں شیخ احمد سپاہی لائٹ کمپنی ۲۲ رجمنٹ کی فرمایش پر کئی اور کتابوں (قیامت نامہ، ہدایت المومنین وغیرہ) کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ان سب کتابوں کا ذکر آئندہ درج ہوگا۔ ہر کتاب کے آخر میں کاتب نے جدا جدا ترقیمہ لکھی ہے لیکن اس التزام کے باوجود افسوس ہے کہ سنہ کتابت درج نہیں کیا۔ غالباً اواخر تیرھویں صدی کی کتابت ہے۔ اس نسخے میں بھی مصنف کے نام کی بیت شامل نہیں ہے۔ کاتب کا نام اسی جلد کی کتاب قیامت نامہ کے ترقیمے میں درج ہے۔

آغاز:—

ثنا بے حد ہے اوسی سبحان کوں جسے کیا پیدا جسم ہور جان کوں
دو جہاں کا خالق و رازق ہے او سب فنا آخر کے تئیں قائم ہے او

اختتام:—

ہم دیکھا نا راہ بنی درکار ہے کوئی چلو یا نا چلو مختار ہے
گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:—

"تمام شد نسخۂ تنبیہ النساء بپاس خاطر شیخ احمد تحریر یافت"

یہ نسخہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ہندستان کے باہر پلانگ میں لکھا گیا ہے۔

(۱۳۸) تنبیہ النساء [۱۹۱ ب]

اوراق ۸۔ سطور ۹۔

تقطیع ۵ × ۹۔ خط نستعلیق شکستہ۔

مصنف خواجہ رحمت اللہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ۔

سنہ کتابت۔ ۱۲۶۶ھ۔

یہ مخطوطات نمبر ۱۳۴ تا ۱۳۸ کا ایک ناقص الآخر نسخہ اور سعدی کی ایک نظم کے اردو ترجمہ کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

آغاز:—

سب تم جی میں رکھے مشرک کے یاد بت پرست شدے پرست ہوئے زیاد
فی الحقیقت مومناں سے دور ہیں کافراں کے ساتھ او محشور ہیں

اختتام:—

ہم دیکھا نا راہ بنی درکار ہے کو چلو کوئی نا چلو مختار ہے
گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:—

"تمام شد ایں رسالہ تنبیہ النساء، تصنیف مولنا حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ بتاریخ بست چہارم ماہ صفر المظفر ۱۲۶۶ ہجری اختتام پرداخت۔"

(۱۳۹) کشف الخلاصہ [۱۳۱]

اوراق ۲۲۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ½ ۵ × ½ ۹"۔ خط نستعلیق۔
مصنف میر شجاع الدین۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۲ھ۔
کاتب محمد امیر الدین۔ سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ۔

یہ مثنوی حضرت حافظ میر شجاع الدین حسین (۱۱۹۱ھ تا ۱۲۵۶ھ) کی تصنیف ہے جو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری کے مرید و خلیفہ اور حیدرآباد کے مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے۔ ان کے حالات زندگی "مناقب شجاعیہ" میں قاضی امیر اللہ برادر نواب فضیلت جنگ انوار اللہ خان قندھاری نے قلمبند کئے ہیں۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ تاریخ اولیائے دکن میں عبد الجبار خاں صوفی ملکاپوری نے بھی تفصیل سے ان کا تذکرہ لکھا ہے (دیکھو جلد دوم صفحات ۱۰۰۲ تا ۱۰۱۲)

حافظ شجاع الدین شہر حیدرآباد میں چارمینار کے قریب جامع مسجد میں قیام پذیر تھے اور یہ مسجد انہی کی وجہ سے آباد ہوئی۔ ان کے شاگردوں اور مریدوں کی تعداد کثیر تھی۔ اب بھی میر جملہ کے تالاب کے قریب ان کا گنبد زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جوہر النظام۔ عربی میں فقہ کا رسالہ (۲) رسالہ علم قرات۔ اُردو میں
(۳) رسالہ رویت۔ فارسی میں رویت الٰہی کے موضوع پر (۴) رسالہ فوائد جماعت۔ فارسی میں۔
(۵) ،، جبر و قدر۔ ،، رضا و تسلیم ،، ،، (۶) ،، سماع۔ ،،
(۷) ،، احتلام۔ ،، (۸) رسالہ قادریہ۔ فارسی میں ذکر و اشغال
(۹) ،، سلوک نقشبندیہ ،، ذکر و اشغال (۱۰) مناجات ختم قرآن عربی میں۔
(۱۱) خطب عربی۔ خطبوں کا مجموعہ (۱۲) غزلیات فارسی۔
(۱۳) صحات۔ فارسی میں (۱۴) مکتوبات و قصاید۔
(۱۵) کشف الخلاصہ۔ اُردو میں۔

کشف الخلاصہ اصل میں فقہ کا ایک فارسی رسالہ تھا جو غالباً ۱۱۵۷ھ میں تالیف ہوا تھا اور جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ اس کو مفید پاکر حافظ شجاع الدین صاحب نے اردو میں منتقل کیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

اس رسالے کی زباں تھی فارسی ــــ صاف اور پاکیزہ جیسے آرسی
اختصار اس کا بیاں کوئی کیا کرے ــــ جیسا کوئی دریا کو کوزے میں بھرے
تھا مصنف اس کا مرد اہل دل ــــ دل بحق مشغول ظاہر آب و گل
باوجود اس کے کہ تھا عالی مقام ــــ نام اپنا نیں لکھا اپنے نیک نام
....
اور جو اس کا ترجمہ ہندی کیا ــــ بندۂ مسکیں ہے تجھ درگاہ کا

کتاب کی آخری بیت میں مصنف کا نام اس طرح درج ہے:۔

ہے شجاع الدین حافظ کا کلام ــــ تم سنو یہ سب خلاصے کوں تمام

تاریخ تصنیف اس بیت میں درج ہے جو آخری حصۂ کتاب میں شامل ہے:۔

ختم یہ گذرے تھے جو ہجرت سوں سال ــــ ہندوی کشف الخلاصہ سے نکال
۱۲۳۲ھ

مصنف مناقب شجاعیہ نے صرف نام کشف الخلاصہ کے اعداد سے ۱۱۵۱ھ ہجری تاریخ ترجمہ بیان کی ہے (ص۲۲) جو غلط ہے کیونکہ اس وقت تو حافظ شجاع الدین پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور خود مناقب شجاعیہ (ص۴) میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۱۹۱ھ درج ہے۔ اسی غلطی کی تقلید میں پروفیسر سروری نے کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ کی فہرست اردو مخطوطات (ص۵۶) میں اس کتاب کا سنہ تالیف ۱۱۵۷ بیان کیا ہے۔ یہ سنہ اصل فارسی کتاب کی تصنیف کا ہوگا۔

یہ رسالہ فقہ کے مسائل میں ایک مستند تالیف سمجھا جاتا ہے اور بقول صاحب مناقب شجاعیہ "اگر یہ رسالہ کسی کو حفظ ہو تو وہ عالم فقہ کا ہے"۔ اس میں جملہ ۳۸۳ ابیات ہیں۔ حمد، نعت، اور منقبت صحابہ کی سرخیوں سے ابتدا کی گئی ہے۔

آغاز:۔

سب ثنا ہے حضرت رحمان کو — جان و عقل و دل دیا انسان کو
فضل سے اپنے ہمیں قرآں دیا — اس میں امر و نہی سب روشن کیا

اختتام:۔

بعد ازاں سب مومنات و مومنیں — مستجب ہولائے رب العالمیں
ہے شجاع الدین حافظ کا کلام — تم سنو یہ سب خلاصہ کوں تمام

ترقیمہ:۔

"وتمت تمام شد کشف الخلاصہ من تصنیف مولوی شجاع الدین صاحب بتاریخ بیست و پنجم ماہ ربیع الثانی روز شنبہ ۱۲۶۲ھ ہجری اتمام یافت"

اس ترقیمہ میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن اس کے بعد ہی اسی کاتب نے کتاب ہدایات ہندی شروع کردی ہے جس کے آخر میں اس نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:۔

"کاتب الحروف محمد امیر الدین ساکن اطراف اورنگ آباد برائے نعل ڈی صاحب سوداگر زیروی دام اقبالہٗ تحریر یافت"

(دیکھو فہرست ہذا صفحہ ۳۳)

---

(۱۴۰) وفات نامۂ خاتون جنت [۸۸]

اوراق ۵۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۵½" × ۸½"۔ خط نستعلیق۔
سنہ تصنیف ۱۲۲۴ھ۔
کاتب محمد غلام احمد الدین حسین۔ سنہ کتابت ۱۲۸۳ھ۔

یہ تقریباً ۱۲۰ ابیات کی مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا اور سنہ تصنیف بھی زیر نظر نسخے میں درج نہیں ہے۔ البتہ جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں ۱۲۲۴ ہجری درج ہے۔

(دیکھو فہرست اردو مخطوطات جامعہ ص۵۹)

یہ مثنوی یا تو کسی بڑی مثنوی کا ایک حصہ ہے یا اس سے قبل مصنف نے کوئی اور کتاب لکھی تھی چنانچہ حمد و نعت کی ابیات کے بعد وہ لکھتا ہے کہ:۔

دیگر یار بولوں سنو یک قصا — وفات جگ سوں پائے ہیں خیر النساء

اس میں حضرت فاطمہؓ خاتون جنت کی وفات کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ زبان اور اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف بڑے پائے کا شاعر نہیں تھا۔ ادارے میں اس کا ایک اور نسخہ موجود ہے مگر اکثر ابیات میں لفظی اختلافات ہیں۔

آغاز:۔

کہوں ابتدا میں بنام خدا — تو مارے تو پالے جلاوے سدا
محمد نبی سید المرسلین — حبیب خدا رحمت العالمین!

اختتام:۔

قیامت جس وقت وہاں آویں گے — جو کچھ یہاں کیا ہے سو وہاں پاویں گے
قیامت میں طاعت شفاعت کرن — کریں گے شفاعت تجھے پنجتن!
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — نبی پر محمد علیہ السلام!

ترقیمہ:۔

"کاتب الحروف محمد غلام احمد الدین حسین مخاطب بحسب فرمائش مسماۃ قادر بی بی دختر حافظ عبدالسلام پیش امام مرحوم بتاریخ ششم شہر جمادی الثانی ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲۷۶ فصلی روز شنبہ بقلم آمد"

یہ نسخہ راقم الحروف کا عطیہ ہے اور اصل میں قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانے کے مخطوطات میں شامل تھا۔ ان کا تذکرہ اس فہرست میں پہلے گذر چکا ہے۔ (دیکھو نسخہ ۱۱۹ و ۱۲۳)

---

(۱۴۱) وفات نامہ خاتون جنت [۷۹]

اوراق ۶ - سطور ۱۲

تقطیع ½۵ × ½۸ - خط نستعلیق معمولی -

سنہ تصنیف ۱۲۳۴ھ - سنہ کتابت ۱۲۷۸ھ -

یہ مخطوطہ نمبر ۱۴۰ کا ایک دوسرا نسخہ ہے۔ اس میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا - یہ بھی حضرت قادر بی بی کی فرمایش پر نقل کیا گیا ہے - موصوفہ کو علم دین کا خاص ذوق تھا اور انھوں نے اس قسم کے رسائل کثیر تعداد میں نقل کرائے تھے اور خواتین میں تقسیم کئے تھے - اس نسخے اور نسخہ نمبر ۱۴۰ میں لفظی اختلافات کثرت سے ہیں جو آغاز و اختتام کی ابیات ہی سے ظاہر ہو سکتے ہیں :-

آغاز :-

کیا ابتدا میں بنام خدا ! کہ مارے جلادے وو پالے سدا

محمد نبی سید المرسلین ! حبیب خدا رحمت العالمین

اختتام :-

دگر نیں تو بے حد ہی خوار ہوو گے جو کچھ یہاں کروگے سو وہاں پاوگے

قیامت میں طالب شفاعت کے دن شفاعت سے بخشے تجھے پنجتن

ہوا یہ مراتب تمامی تمام درود بر محمد علیہ السلام

ترقیمہ :-

"مرقوم ۱۸ ماہ شعبان المعظم ۱۲۷۸ھ روز سہ شنبہ"

---

(۱۴۲) معجزہ خاتون جنت [۸۱]

اوراق ۱۱ - سطور ۱۱ -

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق معمولی -

مصنف قادر - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ -

زمانہ کتابت قبل ۱۲۸۷ھ -

یہ تقریباً ۲۲۵ ابیات کی مثنوی ہے جس میں قادر نے حضرت فاطمہ خاتون جنت کا ایک معجزہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے ایک کافر کے گھر میں شادی کی دعوت میں شریک ہو کر کس طرح دولھا اور دولھن کو مسلمان بنایا - حالانکہ میزبان چاہتا تھا کہ ان کو تمام مہمانوں کے سامنے ان کی تہی دستی اور مفلسی کی بنا پر ذلیل کرے -

یہ روایت اصل میں عربی زبان میں لکھی گئی تھی بعد کو فارسی میں اس کا ترجمہ ہوا جس سے اس مصنف نے اردو میں منتقل کیا - چنانچہ لکھا ہے کہ :-

روایت ہے یو حضرت عباس سوں لکھے ہیں کتابوں میں اخلاص سوں

لکھے ہیں عربی سوں ہے در کتاب کئے ترجمہ فارسی در جواب !

کیا فارسی کا میں دکھنی کلام یو معلوم ہونا لگر خاص و عام !

کتاب کا نام اس مصرعہ میں درج ہے :-

یو ہے معجزہ فاطمہ کا تمام

مصنف نے اپنا نام کتاب کے آخری حصے میں اس بیت میں لکھا ہے :-

اے قادر ثنا بولنا صبح و شام شفاعت بحق نبی السلام

قادر تخلص کے دو شاعر دکن میں مشہور ہوئے ہیں جن میں سے ایک امین الدین اعلیٰ کے خلیفہ شاہ عبد القادر معروف بہ قادر لنگا تھے - آقا حیدر حسن صاحب کے کتب خانہ کی ایک بیاض میں ان کا کلام محفوظ ہے - یہ ۱۱۰۰ہجری سے قبل گذرے ہیں -

اس نام کے ایک دوسرے شاعر تقریباً پچاس سال بعد دکن میں موجود تھے -

یہ مرثیہ گو تھے اور ۱۱۶۹ھ ہجری سے قبل وفات پائی تھی۔ اردو شہ پارے در دکن میں اُردو میں ان کے حالات درج ہیں۔

یہ مثنوی غالباً پہلے قادر کی تصنیف ہے کیونکہ اس کی زبان قدیم ہے۔

آغاز:-

روایت کہتا ہوں سنو اے عزیز — سنو دل کے کانوں سے تم بالمیز
صحیح ہو روایت بوقت رسول — دل و جان سوں بات کرنا قبول

اختتام:-

گناہ پر ہمارے نکو کر نظر — نظر کر تو اپنے محمد اوپر
ہے ــــــ شمی محمد رسول — الٰہی یو ہے عرض کرنا قبول
اے قادر ثنا بولنا صبح و شام — شفاعت کئی تیں نبی السّلام!
ہزاراں درود اں ہزاراں سلام — بحق محمد علیہ السلام!

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد ایں معجزۂ حضرت خاتون جنت۔"

یہ کتاب حضرت قادر بی بی کے کتب خانہ کی ہے۔ اس ترقیمہ کے بعد زیوروں کی ایک فہرست شروع کی گئی ہے جس پر حسب ذیل سنہ درج ہے۔

"بتاریخ غرہ ماہ رجب المرجب ۱۲۸۷ھ"

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس تاریخ سے قبل نقل کی گئی ہے۔

(۱۴۳) گلسرنامۂ خاتون جنت [۱۱۸]

اوراق ۵۔ سطور ۱۰۔

تقطیع ۵" × ۳/۴ ۸"۔ خط نستعلیق۔

کاتب سید اسد اللہ۔ سنہ کتابت ۱۲۷۶ھ۔

یہ تقریباً ستو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کا نہ سنہ تصنیف معلوم ہوسکا اور نہ مصنف کا نام۔ کاتب نے بھی نہایت غلط سلط نقل کیا ہے۔ اور ہر مصرع کے آخر میں شاید گانے والیوں کی خاطر لفظ "جی" داخل کیا ہے جس کی وجہ سے اکثر مصرعوں کا وزن معلوم نہیں ہوتا۔

یہ کسی قدیم شاعر کا کلام ہے۔ زمانۂ تصنیف اواخر بارھویں صدی ہجری معلوم ہوتا ہے۔

آغاز:-

اول حمد سبحان کا دم بدم جی — نعت بر محمد شفیع الامم جی
کہوں ایک قصہ میں اہل رسول جی — کہ حضرت کی دختر خاتون بتول جی

اختتام:-

ہوا گلسرنامہ بی بی کا تمام جی — محمد نبی پر درود اور سلام جی
جو کوئی گلسرنامہ پڑھے یا سنے جی — خدا اون کے گھر میں برکت کرے جی
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — زما بر محمد علیہ السلام

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد قصۂ گلسرنامہ حضرت بی بی خاتون جنت بہ پاس خاطر قادر بی بی صاحبہ نوشتہ شد۔ کاتب الحروف فقیر حقیر سید اسد اللہ فرزند قوام الدین صاحب بتاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۷۶ھ ہجری"

(۱۴۴) نصیحت المسلمین [۶۶۵]

اوراق ۲۸۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۳/۴ ۵" × ۱/۴ ۸"۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔

مصنف خرم علی۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ۔

کاتب مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ۔

یہ اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جس میں ہندوستانی مسلمانوں کی شرک و بدعتی کے خلاف اصلاحی قدم اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف سبب تالیف کے تحت لکھتا ہے کہ:-

"اب ہندستان میں عجب ایک بلا پھیل گئی ہے۔ امت محمدی میں بہوت لوگ شرک میں گرفتار ہیں۔ لیکن اکثر مسلمان بیچارے بسبب بے علمی کے اور ناداری کے لاچار ہیں تو اس واسطے بندہ عاجز خرم علی کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریئے ...... الحمد اللہ کہ سنہ بارا سے اٹّھتیس ہجری میں یہ رسالہ بن چکا اور اس کا نام نصیحت المسلمین رکھا۔"

پوری کتاب پانچ فصلوں پر منقسم ہے جن کی تفصیل یہ ہے :۔

(۱) شرک کس کو کہتے ہیں (۲) شرک کرنے والوں کی حماقت۔

(۳) وہ چیزیں جو صرف خدا کی تعظیم کے لئے مخصوص ہیں۔

(۴) رسومات شرک (۵) شرک کی برائی اور اس کی سزا۔

مصنف نے جگہ جگہ اپنی زبان کو ہندی لکھا ہے۔ کتاب کے آخر میں ۲۴ ابیات کی ایک مثنوی بھی لکھی ہے تاکہ بچوں کو یاد کرادی جائے اور اس طرح بچپن ہی سے لوگ شرک، سنتیں اور خلاف مذہب بدعتوں سے واقف ہیں۔ یہ نظم راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی اور اس کی ابیات اکثر بوڑھی خواتین کو یاد تھیں۔

آغاز :۔

"سبحان اللہ کیا صانع ہے کہ بغیر مدد دوسرے کے اتنے بڑے آسمان اور زمین کو کس خوبصورتی کے ساتھ پیدا کیا اور کسی نبی ولی کو اپنے کارخانے میں کچھ اختیار نہیں دیا۔"

اختتام :۔

"خصوصاً لڑکوں کو یاد کرا دینے کے واسطے بہوت خوب ہے تاکہ لڑکپن سے عقیدہ صاف ہو رہے اور برائی شرک کی خوب دل میں بیٹھ جاوے۔"

اس کے بعد جو مثنوی لکھی ہے اس کی آغازی و اختتامی ابیات یہ ہیں :۔

آغاز :۔

خدا فرما چکا قرآں کے اندر — مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں — کہ کام آوے تمہاری بیکسی میں

اختتام :۔

ذرا یہ اور بھی سن رکھئے حضرت — جو ناحق پر چلے اوس پر بھی لعنت
تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم — زباں اب بند کر واللہ اعلم!

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد نسخۂ نصیحت المسلمین بپاس خاطر شیخ احمد بخش سپاہی تحریر یافت۔ در شہر پلانگ"

کاتب کا نام اسی جلد کی دوسری کتاب قیامت نامہ کے ترقیمے میں مرزا دوست محمد درج ہے۔

---

(۱۴۵) قیامت نامہ [۶۶۶]

اوراق ۶۴۔ سطور ۱۳۔

تقطیع $\frac{3}{4}$۵ × $\frac{1}{4}$۸۔ خط نستعلیق۔

مصنف محمد عبداللہ۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۹ھ۔

کاتب مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ۔

یہ اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جس کو محمد عبداللہ نے مولنا شاہ رفیع الدین دہلوی کے فارسی قیامت نامہ سے اردو میں منتقل کیا۔ مصنف نے اپنی زبان کا نام ریختہ ہندی لکھا ہے۔ سبب تالیف کا کچھ اقتباس درج ذیل ہے تاکہ مترجم کے اسلوب کا اندازہ ہو :۔

"ایک روز خاکسار ذرۂ بے مقدار محمد عبداللہ عفی اللہ عنہ کے خاطر فاتر میں یوں گذرا کہ یہ قیامت نامہ کو جس کو مولنا شاہ رفیع الدین مبرور دہلوی نے عبارت فارسی میں تالیف کیا ہے زبان ریختہ ہندی میں ترجمہ ہو تو ہر ایک خاص و عام کی سمجھ میں آوے

اور جسے خدائے تعالے توفیق بخشے وہ قیامت کے حال سے
خوب واقف ہوکر راہ ہدایت کی پاوے۔ ہرچند اس کم استعداد
کو محاورہ ہندی میں تمام نہیں ہے ....."

آخر کتاب میں مترجم نے قطعہ تاریخ ترجمہ بھی درج کیا ہے۔

آغاز:۔

حد سے باہر ہیں گے انعام خدا کس سے ہو سکتا ہے شکر اون کا ادا
کی عطا جس نے ہی اپنے لطف سے کل شیئ خلقت ثم ہدیٰ!

"وہ لطف اور احسان اس رب الناس کا بے حد و فیا کر رہا ہے کہ
جس نے ہماری ہدایت کے لئے اپنے حبیب خاص محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا"۔

اختتام:۔

"عذاب قبر و دغدغہ حشر سے محفوظ رکھ کر جنت میں پہنچا وے
اور وہاں اپنی دیدار لایدرکہ الابصار سے مشرف کر کر مقام رضا میں
ابدالآباد مستغرق و برقرار رکھے۔ صدقہ صاحب لولاک اور اس کی
آل پاک کا۔ آمین ثم آمین"

جب ہوا تعمیر سے اس قصر کے فارغ قلم جس میں ہر جانب کو ہے مفتوح باب آخرت
عقل نے دیکھا اس میں آئین قیامت آشکار رکھ دیا نام اس کا با تاریخ داب الآخرت
۱۱۳۹

ترقیمہ:۔

"تمام شد کار من نظام شد نسخہ قیامت نامہ بہ پاس خاطر
شیخ احمد سپاہی لیٹ کمپنی ۴۲ رجمنٹ .... ۔ از خط خام
مرزا دوست محمد تحریر یافت"

اسی کاتب نے تنبیہ النساء، نصیحت المسلمین، اور ہدایت المومنین وغیرہ
کتابیں بھی بمقام پلانگ نقل کی ہیں جو ایک ہی جلد میں شامل ہیں۔

مولوی رفیع الدین دہلوی کے رسالہ قیامت نامہ کا ایک اور
صاحب نے بھی اردو نثر میں ترجمہ کیا تھا۔ اور یہ نسخہ بھی ادارے میں
محفوظ ہے دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۱۵۳۔

(۱۴۶) ہدایت المومنین [۶۶۷]

اوراق ۳۰۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۳/۴ ۵ × ۱/۴ ۸۔ خط نستعلیق۔
عنوان۔ سرخی سے۔
مصنف حسن قنوجی۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۳ھ۔
کاتب۔ مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ

اردو نثر کے اس رسالے میں تعزیہ کی برائی بیان کی گئی ہے۔
اس کا مصنف حسن قنوجی سبب تالیف میں بیان کرتا ہے کہ ہندوستان
کے مسلمانوں میں بہت سی بدعتیں اور مشرکانہ رسوم جاری ہوگئے ہیں۔
وہ چاہتا تھا کہ ان کے خلاف لکھے لیکن کتاب نصیحت المسلمین (دیکھو
نسخہ نمبر ۱۴۴) میں اس کو منت اور قبر پرستی کے خلاف مضامین لکھے ہوئے
ملے اس لئے اس نے صرف تعزیہ کے خلاف لکھنا مناسب سمجھا۔
سبب تالیف کے حصہ سے چند اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں
تاکہ کتاب سے متعلق معلومات کے علاوہ مصنف کا اسلوب بیان بھی
ظاہر ہو۔

"جب مسلمانوں کو اس بلا میں گرفتار دیکھا تو بندۂ خیر خواہ
حسن قنوجی نے کہ اللہ اوس کو حسن جبین کے طریقہ اور محبت
میں رکھے، چاہا کہ اپنے سے والوں کو، اور جس کو خدا توفیق
دے، برائی ان رسموں کی سمجھا دیوے ....
اس لئے اس وقت میں کہ سنہ بارہ سو تینتالیس ہجری ہے (۱۲۴۳)
یہ رسالہ ہندی زبان میں لکھا تا ہر کوئی اپنی بولی میں سمجھ کر
بلا تکلف بوجھ لے اور سوجھ پکڑے ....
اور منت پوجا کے بیان میں رسالہ نصیحت المسلمین لکھا پایا
اس واسطے اس رسالے میں فقط برائی تعزیہ کی صاف صاف
بیان کی ...... اور نام اس رسالہ کا ہدایۃ المومنین رکھا۔"

مصنف نے کتاب کو ایک مقدمہ اور تین فصلوں میں مرتب کیا ہے۔
مقدمہ تو یہی تھا جس میں مصنف نے سبب تالیف اور اصل موضوع
کی تمہید لکھی ہے۔ فصلوں کی تفصیل یہ ہے۔
(۱) تعزیہ کی برائی عقلی، در شرعی دلائل سے ۔
(۲) جاہلوں کے سوال کے جوابات ۔
(۳) تعزیہ کی برائی قرآن اور حدیثوں کی رو سے ۔
کتاب کا آغاز ۱۲ ابیات کی ایک مثنوی سے کیا گیا ہے اور اختتام
۷ اشعار کے ایک قطعہ پر ہوتا ہے ۔ ان دونوں میں مصنف نے جن اشعار
میں اپنا تخلص لکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں:—

جب تنبیں یارب تو حسن کو چلا ۔۔۔ راہ حسین ابن علی پر چلا (۲)
حسن خاموش ہو اتنا بہت ہے ۔۔۔ جسے چاہے خدا دیوے سجھائی (۳۰)

کتاب کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے: —

شکر خدا جس نے بنایا ہمیں ۔۔۔ راہ پیمبر پہ چلایا ہمیں
غم میں ہمیں صبر کی تعلیم کی ۔۔۔ راہ بتائی ہمیں تسلیم کی

نثر کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: —
"قبل شروع مطلب کتاب کے پوچھنا مقدمہ کا ضرور ہے تا حقیقت
حال بہ خوبی دل نشین ہو"
حصہ نثر اس عبارت پر ختم ہوتا ہے: —
"ہم تو تم کو محض خدا کے واسطے بتاتے ہیں ۔ اور جو اس پر بھی نہ سمجھو
تو بھاڑ میں جاؤ اور اپنا سر کھاؤ ۔ موت قریب ہے منکر نکیر قبر میں
سمجھا دیں گے"
اس کے بعد جو نظم درج ہے اس کا آغاز و اختتام یہ ہے: —

آغاز: —

تمہاری ہم نے کی ہے خیر خواہی ۔۔۔ اگر سمجھو تمہاری ہے بھلائی!
ادھر دنیا میں ذلت سے بچو گے ۔۔۔ ادھر عقبیٰ میں دوزخ سے رہائی

اختتام: —

اگر اس پر نہ بوجھو بوجہل ہو ۔۔۔ خدا نے مُہر ہے دل پر لگائی
حسن خاموش ہو اتنا بہت ہے ۔۔۔ جسے چاہے خدا دیوے سجھائی

ترقیمہ: —

"شکر اللہ تعالیٰ کا اوس کے فضل و کرم سے بخیر و خوبی یہ کتاب
ہدایت المومنین کی تمام ہوئی"
کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے بلکہ ساتھ ہی اردو نثر کا ایک اور رسالہ
(اعمال بد) شروع کر دیا ہے جس کا ذکر آگے درج ہے۔

---

(۱۴۷) رسالہ اعمال بد [۶۶۸]

اوراق ۵ ۔ سطور ۱۳ ۔
تقطیع ۷/۸ ۵ × ۱/۲ ۸ ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف غالباً مرزا دوست محمد ۔
یہ مختصر سا رسالہ حمد و نعت سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد
سبب تالیف بیان کیا گیا ہے لیکن مصنف نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ
رسالے کا ۔ اور نہ سنہ تالیف ہی درج کیا ہے ۔ غالباً اس کا مصنف
مرزا دوست محمد ہی ہے جس نے اس جلد کی جملہ کتابیں (یعنے تنبیہ النساء
نصیحت المسلمین، قیامت نامہ، ہدایت المومنین) نقل کی ہیں ۔
سبب تالیف کے سب ذیل جملے اس کتاب کے موضوع کو واضح کریں گے: —
"برے کاموں سے منع فرمایا جس کی تفصیل عام و خاص مومنین
کے پوچھنے کے واسطے اس کتاب میں لکھی جاتی ہے ۔ باقی اس پر
اور باتوں کا قیاس کر کر اپنے تئیں بچائیں ....
جن باتوں کا بالفعل اس ملک ہندوستان میں زیادہ رواج
ہو گیا ہے اون کو بھی تمام بنام لکھ دیا کہ مسلمان اس کو سمجھ بوجھ کر
ان کاموں کے گرد نہ جائیں"

آغاز :-

"حمد اور شکر اس خداوند کو لایق ہے کہ جس نے ہم کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہماری ہدایت کے واسطے بیچ ٹیڑھی راہ سے سیدھی راہ کی طرف بلانے اور دوزخ سے بچا کر بہشت میں لے جانے اور حلال وحرام پہچنوا دینے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب کو جن اور انس کی طرف بھیجا۔"

اختتام :-

"جانے بوجھے نقصان کو خریدار سے ظاہر نہ کرنا مسلمانوں کے عیب ڈھونڈھنے ۔ اگر جو فاسق ہو اس نیت سے کہ وہ فسق سے باز آوے کسی مسلمان کو دوزخی کہنا ۔ کبوتروں کو اڑانا اور مرغ لڑانا"

ترقیمہ :-

"یہ کتاب تمام ہوئی شیخ احمد سپاہی لیٹ کمپنی کے واسطے لکھی گئی ۔
...... نوشتہ خط خام احقر العباد مشی دوست محمد
بوقت نماز عصر بمقام پانگ تحریر یافت ۔"

(۱۴۸) باز و فاختہ [۹۷]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۱ ۔
تقطیع ۵" × ۴½" ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔
زمانہ تصنیف قبل سنہ ۱۱۰۰ھ ۔
کاتب عبد القادر ۔ زمانہ کتابت غالباً سنہ ۱۲۷۵ ہجری ۔

یہ تقریباً ۷۰ ابیات کی مثنوی ہے جس میں آنحضرت پیغمبر اسلام کی سخاوت کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز جبرئیل اور عزرائیل باز اور فاختہ کی شکل میں آنحضرت کے یہاں آئے ۔ فاختہ نے فریاد کی کہ باز مجھے کھانا چاہتا ہے ۔ آنحضرت نے اس کو منع کیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنے رخسار کا گوشت اس کے بدلے میں کھلائیں تو میں فاختہ کو چھوڑ دیتا ہوں ۔ اصحاب اور اہل بیت نے اپنا اپنا گوشت پیش کیا لیکن باز نے انکار کر دیا ۔ جب آنحضرت اپنا گوشت کاٹنے لگے تو باز نے ہاتھ پکڑ لیا اور اصل واقعہ بیان کیا کہ ہم فرشتے ہیں اور آپ کی سخاوت آزمانے آئے تھے ۔

مصنف کی زبان بہت قدیم ہے ۔ جس کی وجہ سے یہ مثنوی سنہ ۱۱۰۰ھ سے قبل کی تصنیف معلوم ہوتی ہے ۔ یہ کتاب بھی حضرت قادر بی بی کی فرمایش پر لکھی گئی تھی اور کاتب نے آخری ورق پر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ موصوفہ اور کن کن کتابوں کی نقل کرانا چاہتی ہیں ۔

آغاز :-

نصا میں کہوں یک نبی خاص کا ۔۔۔ دو عالم کے صاحب کے اخلاص کا
کہ یک روز محمد نے یاراں سنگات ۔۔۔ مدینے کی مسجد میں کرتے تھے بات

اختتام :-

چلے گئے فرشتے یہاں سے مگر ۔۔۔ کئے جا خدا کو یہ ساری خبر
الٰہی ہمیں کیا جو تعریف کرے ۔۔۔ کہ پیارے حبیب کی صفت کیا کرے
سخن صفت اوس کا سو اثبات ہے ۔۔۔ کہ سب حال میں پاک او ذات ہے
کہیں کس زباں سوں جو تعریف ہم ۔۔۔ کہ دریا بھرا نور ہے در فہم !
ہزاراں درود و ہزاراں سلام ۔۔۔ زنا بر محمد علیہ السلام !

ترقیمہ :-

"فرمائش حضرۃ معظمہ معدن الطاف مخزن اشفاق حضرۃ قادر بی بی صاحبہ این کہ کتاب لعل و گوہر و لیلیٰ مجنوں و گل بکاولی از برائے مطالعہ ضرور است ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بموجب فرمایش حاضر کردہ شود ۔ حررہٗ من مسمی بعبد القادر۔"

حضرت قادر بی بی راقم الحروف کی پرنانی تھیں ۔ ان کا ذکر دوسرے مخطوطات میں بھی گذر چکا ہے ۔ یہ کتاب انہی کے کتب خانہ کی ہے ۔ راقم الحروف نے ادارے میں داخل کر دی ہے ۔

(۱۴۹) سوالات گذوین وجوابات ہادی [۶۳]

اوراق ۶۳۔ سطور ۱۰۔

تقطیع ½۸" × ½۹"۔ خط نستعلیق۔

مصنف غالباً محمد ہادی۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۲ھ۔

کاتب میراں صاحب استاد۔ سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ۔

اردو نثر کا یہ رسالہ بطور سوال وجواب لکھا گیا ہے۔ اس کا موضوع اور سنہ تصنیف خود اس کے آغازی جملوں سے ظاہر ہوگا۔ مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا۔ غالباً محمد ہادی ہی اس کا مصنف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی دعوت میں ایک عیسائی صاحب بھی مدعو تھے۔ مسلمانوں نے ان کو علٰحدہ کھلایا اس لئے انھوں نے بحث شروع کی اور آخر کار قائل ہو کر مسلمان ہوگئے۔

آغاز:۔

"یہ رسالہ بیان میں سوالات گذوین عیسوی اور جوابات محمد ہادی محمدی کے اور ادس عیسوی کے مسلمان ہونے میں واسطے معلوم ہونے مسلمان بھائیوں کے سنہ بارہ سو بیالیس ہجری نبوی میں لکھا گیا۔"

اختتام:۔

"میں آج سے توبہ کرتا ہوں اور اپنے باطل مذہب سے باز آتا ہوں۔ تم گواہ رہو۔ تب اس کو کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھایا اور احکام و ارکان مسلمانوں کے سکھلائے اور نام ادس کا مرزا ہدایت بیگ۔"

مثنوی۔

اس رسالہ کا جب کہ ہووے بیاں — عیسوی سن کے ہوویں گے شاداں
دین اسلام میں وے آویں زود — اور محمد پہ دل سے بھیجیں درود

رباعی۔

اگر کوئی اس رسالے کو کرے یاد — رہے گا اپنے وہ اسلام پر شاد
ہے اس میں آگہی علم سوالات — جوابوں سے وہ ہوگا شخص آباد

اس مخطوطہ کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی مثنوی تنبیہ النسا (نسخہ نمبر ۱۳۶) شروع کر دی گئی ہے۔ جس کو جلد بندی کے وقت علٰحدہ کر دیا گیا۔ دونوں مخطوطے ایک ہی کاتب نے لکھے ہیں۔

اور ان کا ترقیمہ یہ ہے:۔

"تحریر فی التاریخ بست وسویم شہر ذیقعدہ بروز دوشنبہ وقت ظہر اتمام یافت ۱۲۶۲ھ۔ کاتب الحروف میراں صاحب استاد این کتاب برائے خواہش طبع لاڈلے صاحب زردی نوشتہ شد۔"

---

(۱۵۰) کتاب ہدیٰ [۶۶۹]

اوراق ۵۷۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ۶" × ۹"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں

مصنف۔ مشتاق۔

یہ کتاب ایک ناقص الاول و آخر مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ تو لگ سو سے زیادہ ابیات ہیں۔ ابتدائی صرف ایک ورق غائب ہے۔

مصنف نے اپنا تخلص مشتاق حسب ذیل ابیات اشعار میں استعمال کیا ہے:۔

یہ باتوں سے مشتاق کی ہو خفا — کہو دین میں ایسا کب ہے رواج (۱۴۳ ب)
الٰہی تو اپنے نبی کے لئے! — گناہوں کو مشتاق کے بخش دے (۱۰۴ و)
اگر بولے مشتاق حق بات تو — یقیں ہے کہ کڑوی لگے خلق کو (۴۲ و)
یہی تم کو تاکید مشتاق ہے — کبھی دین سے تم بچھڑنا نہیں (۱۴۳ ب)

کتاب میں حمد، نعت، مدح اصحاب، ائمہ اربعہ، علمائے ملت، کی سرخیوں کے بعد پیدائش آدم وحوا کی سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔ آخر میں "خاتمۃ الکتاب" کے عنوان سے کتاب کے موضوع کی وضاحت کی ہے

ں حصے کی دوسری بیت میں غالباً کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے:۔

ہے لئے از برائے خدا — لکھی میں نے خاصی کتاب ہدیٰ

یہ کتاب عورتوں کی عام معلومات اور دینی اصلاح کے لئے ئی ہے۔ اور ہر عنوان اور ہر بیان کے آغاز و اختتام پر عورتوں و مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً نعت کی پہلی بیت ہے:۔

ی بیاں تم کو معراج ہے — نبی تو گئے تھے تمہیں آج ہے

ح اصحاب" کے بیان کو اس طرح شروع کیا ہے:۔

ں کہ تم سنو عنقریب — ہو گئے کامندل تمہارے نصیب

طرح چند اور مقامات کی بیتیں درج ذیل ہیں:۔

بیبیاں جاہلہ مت ہو — کچھ احوال اب عالموں کا سنو (۷ و)

بیبیاں دین کی شوقیاں — قدم ہے تم کو یہاں یہ بیاں (۷ ب)

بیبیو آدمی زادیو! — سنو حضرت آدم کی بنیاد کو (۸ ب)

بیبیاں بیچ مسافر ہو تم — تمہیں منزلیں پانچ ہیں کلہم (۱۳ و)

بیبیو خواب سے جاگیو — یہ دنیا سے دیں کی طرف بھاگیو (۱۶ و)

مصنف کے حالات اور کتاب کا ٹھیک نام اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ زبان اور اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۔ دکنی شاعر ہے اور تیرھویں صدی ہجری میں یہ کتاب لکھ ہے۔ کاتب اور سنہ کتابت کا بھی علم نہ ہو سکا۔

اثنائے کتاب میں نظمیں (یعنی قطعے، قصیدے اور ں وغیرہ) بھی جگہ جگہ شامل کی گئی ہیں۔

از:۔

سبھوں کو اے بندہ نواز — سبھی بندگوں بیچ کر سرفراز

ایک بہتر سی نعمت دیا — نہ ایسی کسی کو عنایت کیا

نام:۔

ییل میں آپ مشغول ہو — دیا جان وہ انتڑیاں میری دھو

عانا اس کو نہ ہو وقت پر — تو وہ دوڑ کو پہنچنا میرا سر

(۱۵۱) رسالۂ اصلاح مسلماناں [۱۶۵]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۶½ × ۹½"۔ خط نسخ۔ عنوانات سرخی میں۔

زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۴۵ھ۔

کاتب سید قاسم سنہ کتابت ۱۲۴۵ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ حمد و نعت سے ابتدا کی ہے۔ اور پھر سبب تالیف بیان کیا ہے۔ مسلمانوں میں جو بدعتیں (بالخصوص قبر پرستی اور تعزیہ و علم پرستی کی) عام ہو گئی ہیں ان کی مخالفت کی ہے۔ آخر میں نکاح بیوگان پر بہت زور دیا ہے۔ مرشدوں اور پیروں کی بھی خاص طور پر مذمت درج ہے۔

درمیان میں نظمیں بھی لکھی ہیں مثلاً ایک نظم کے ابتدائی اور آخری شعر یہ ہیں:۔

اگر چاہے کہ تو بچ جائے محشر کے فسادوں سے
تو پھر موقوف کر ملنا یہ مشرک پیرزادوں سے

وہی ہے بندۂ اللہ و امت بنے محمد کی
جو باز آوے خلافِ شرع منت اور مرادوں سے

رسالہ کے اختتام پر بھی ایک مثنوی (۹ ابیات کی) لکھی ہے جس کی پہلی اور آخری بیتیں یہ ہیں:۔

نکاح بیوہ کو معیوب جانتے ہیں سب
کہ جس کا وصف تو قرآن میں کرے ہے رب

وگرنہ دیکھیو سنی یہ جس دن آوے گی
ضرور گھر میں ترے آگ پھر لگا دے گی

آغاز:۔

"سب خوبیاں اللہ ہی میں ہیں اور اللہ کے ہوتے دوسرے کی تعریف کرنی اللہ کی قدردانی سے بعید ہے۔"

اختتام:۔

اس رسالہ کا اختتام ایک مثنوی پر ہوتا ہے جس کی دو ابیات اوپر درج ہوئی ہیں۔ البتہ نثر کی جس عبارت پر یہ رسالہ ختم ہوتا ہے وہ یہ ہے:

"مسلمان کو ضرور ہے کہ اگر عورت بیوہ اپنی قابو کی ہووے تو
اوس کا نکاح زبردستی اپنی سعادت و عزت جان کر کردے۔
اور جو قابو کی نہ ہووے تو اوس کو نصیحت بہت سی کرے۔ اور
جو اوس سے بھی نہ مانے تو اس کی ملاقات، لینا دینا، بات چیت
موقوف کردے۔ اس واسطے کہ وہ تو رسول خدا کی بہو بیٹیوں کو
عیب لگا کر آپ اشراف بن کر بیٹھی ہے۔"

ترقیمہ:۔

اسی رسالہ کے بعد ہی ایک دوسری کتاب "شرک و بدعت" اسی کاتب نے شروع کردی ہے۔ اور اس کے بعد جو ترقیمہ لکھا ہے وہ یہ ہے۔

"تمام شد رسالہ مبارک بخط عاصی الراجی الی اللہ بعرونی
وثنائے احد عاصم سید قاسم حسب فرمائش صاحبی مشفقی کرمی
غلام محی الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بتاریخ بیستم شہر رمضان شریف
سنہ ۱۲۴۵ ہجری نبوی ترقیم یافت۔"

دونوں رسالوں کا خط نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا نسخ ہے۔ یہ نسخہ مولوی عبدالحق صاحب محتسب بنولہ کا عطیہ ہے جو مولوی ابو سعد سید اسمٰعیل صاحب شوراپوری کے توسط سے ادارے کے کتب خانے میں داخل ہوا

(۱۵۲) رسالۂ شرک و بدعت [۱۶۶]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ½۶" × ½۹"۔ خط نسخ۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف خرم علی۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۵ھ۔
کاتب۔ سید قاسم۔ سنہ کتابت ۱۲۴۵ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک طویل رسالہ ہے جس کے سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ حمد و نعت کی طویل عبارتوں کے لکھا ہے:۔

"اب آگے عرض یوں ہے کہ اس رسالے میں پانچ فصلیں ہیں شرک اور بدعت میں۔"

اس کے بعد فصلوں کے عنوانوں کی وضاحت کے بغیر پہلی فصل شروع کردی گئی ہے۔ ان فصلوں کی حسب ذیل تفصیل سے کتاب کا موضوع ظاہر ہو جائے گا۔

(۱) اشراک فی العقیدہ (۱۶ تا ۲۴ ب) (۲) اشراک فی العبادت (۲۲ ب تا ۳۵ الف)۔
(۳) اشراک فی العادت (۳۵ الف تا ۳۶ ب) (۴) بدعت (۳۶ ب تا ۴۱ ب)۔
(۵) نکاح (۴۱ ب تا ۴۷ ب)۔

جملہ مسائل قرآن کی آیتوں، حدیثوں اور مشہور بزرگوں کے اقوال سے ثابت کئے گئے ہیں۔ جگہ جگہ مشہور شعرا کی غزلوں کو مسخ کرکے مذہبی مسائل کے لئے موزوں کرلیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

پوچھتے ہو کیا ہم سے تم ان لوگوں کے دین و مذہب کو
قبر کو پوجا پیر سے مانگا کب کا ترک اسلام کیا
مدت سے ہم بھولے بھٹکے شرک کی رہ میں پھرتے تھے
آتے آتے آخر کو توحید کے گھر میں مقام کیا!
بندہ جس کا ہووے خرم بندگی اوس کی لازم ہے
سارے اصحابوں نے مل کر اپنے نبیؐ کو سلام کیا

گر ہادی وگرچہ رہنما ہے گفتار خدا و مصطفےٰ ہے
سب مولویوں کی سن نہ لیجو شیطاں بھی انہی میں آچھپا ہے
کیا کرتے ہو اعتبار اس کا جو آدمیوں نے خود لکھا ہے

اس رسالے کے مصنف کی ایک اور کتاب کا ذکر صفحہ ۱۸۰ پر گذر چکا ہے جس میں نظموں کے آخر میں خرم تخلص لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالہ کا مصنف وہی ہے۔ ذیل میں ایسے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں یہ تخلص موجود ہے:۔

بندہ جس کا ہووے خرم بندگی اس کی لازم ہے
سارے اصحابوں نے مل کر اپنے نبی کو سلام کیا (۲۹)
خرم رواج شرک ہوا ورنہ ہے کہاں!
جز ذات پاک حق کے، مسلمان کی قسم (۳۵ ب)

آغاز:۔

"اللہ ہمارا بہت دور ہے شرکوں سے اگرچہ لوگ اپنی عقل میں آدم مشت خاک کو اس مالک عرش و افلاک کا شریک جانتے ہیں اور اس غبار ناپائدار کی تعظیم برابر اوس پاک پروردگار کے کرتے ہیں۔"

اختتام:۔

"جو اللہ کا بندہ اللہ سے ڈرتا ہووے اور دنیا کو ناپائدار سمجھتا ہووے اوس کو ضرور ہے کہ یہ پانچ باتیں موقوف کردے اللہ اوس کو دنیا اور دین میں ہر جگہ آرام دیوے گا۔ بیت

ہمارا کام کہہ دینا ہے یارو اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

ترقیمہ:۔

نسخہ نمبر ۱۵۱ کے آخر میں درج کیا گیا ہے۔ یہ خوش خط نسخہ بھی مولوی عبدالحق صاحب محتسب بولہ کا عطیہ ہے جو مولوی ابوسعد صاحب شوراپوری کے توسط سے ادارے میں داخل ہوا۔

(۱۵۳) قیامت نامہ [۵۷]

اوراق ۱۲۴ - سطور ۱۳۔
تقطیع ۶ × ۱۱ خط نستعلیق۔ کرم خوردہ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۵ھ۔
کاتب۔ شیخ محمد۔ سنہ کتابت ۱۲۵۵ھ۔
بمقام سکندرآباد دکن۔

اُردو نثر کا یہ ضخیم رسالہ مولوی رفیع الدین دہلوی کے فارسی رسالہ کا ترجمہ ہے۔ مترجم نے اپنا نام نہیں لکھا اور نہ سنہ تالیف ہی درج کیا ہے۔ حمد و نعت کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"یہ رسالہ ترجمہ قیامت کا ہے زبان ہندی سلیس میں کہ جسے مولوی رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن اور احادیث صحیح سے زبان فارسی میں جمع کیا تھا۔"

مولوی رفیع الدین دہلوی ہندستان کے مشہور مجدد مانے جاتے ہیں۔ ان کا یہ رسالہ بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ اُردو نثر میں اس کا ایک اور ترجمہ محمد عبداللہ نے ۱۲۳۹ھ میں کیا تھا۔ اس کا نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۱۴۵)

آغاز:۔

"خداوند ہزاروں شکر تیرے کہ تو نے محض اپنی عنایت سے احوال قیامت کا اور کیفیت دوزخ اور بہشت کی ہم پر ظاہر کیا۔ اب ہم کو توفیق دے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کے طریق پر چلیں۔"

اختتام:۔

"اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں اور دوستوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ ساتھ ایمان کے کرے اور ہول وڈر سے نجات بخشے اور عذاب سے محشر کے اپنی عنایت سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے فضل و کرم

کے ساتھ صحیح سلامت جنت کو پہنچا دے اور رضامندی اپنی روزی کرے برائے خاتم النبیین و آلہ الصابرین۔ آمین آمین یارب العالمین"۔

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد این نسخہ قیامت نامہ بتاریخ بیستم ماہ شہر صفر المظفر بروز یکشنبہ ۱۲۵۵ھ ہجری۔ در چھاونی سکندر آباد (کہ از حیدرآباد دو کروہ واقع است کمترین بندۂ کمترین درگاہ صمد شیخ احمد سکنہ بلدہ ...... "

---

(۱۵۴) حملۂ حیدری [۱۵۰]

اوراق ۳۱۴۔ سطور ۱۵۔ (بعض صفحات میں ۱۲)

تقطیع ۸ × ۵۔ خط نستعلیق عنوان سرخی میں ۔

مصنف محمد مرزا مرزا۔ سنہ تصنیف ۱۲۶۰ھ۔

چھ ہزار سے زیادہ ابیات کی یہ ضخیم مثنوی دراصل اسی نام کی فارسی کتاب کی جلد دوم کا اردو ترجمہ ہے۔ فارسی حملہ حیدری کی جلد اول کا ترجمہ میر ذو الفقار علی خاں صفا لکھنوی نے کیا تھا ۔ دوسری جلد کا بھی ترجمہ کرنا چاہتے تھے کہ ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی اور یہ کام نامکمل رہ گیا جس کو دکن کے ایک مشہور شاعر، خوش نویس اور مورخ شاہ تجلی علی تجلی کے فرزند محمد میرزا نے مکمل کیا۔ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے اس لئے سنہ تکمیل اور کاتب کا نام وغیرہ معلوم نہ ہو سکا۔

صفا میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ لکھنو سے بنگالہ گئے اور وہاں سے جینا پٹن میں کچھ عرصہ قیام کرکے نواب ابو القاسم میر عالم کی دیوانی میں حیدرآباد آئے اور میر صاحب کے یہاں ملازم ہوئے۔ بعد کو جب راجہ چندو لال نے پانسو روپے ماہوار اور اپنی مصاحبت سے مشرف کیا تو حیدرآباد ہی کے ہو رہے۔ اردو، فارسی غزلیات و قصائد کے کلیات مرتب کئے تھے اور کئی اردو مثنویاں بھی لکھی تھیں جن میں "چھو منتر" مشہور رہے۔ گلزار آصفی میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ:-

"تاحال از تبیع ولایت مانند او جامع علوم و کمالات احدے دیگر نہ آمد" (ص ۱۱۶)۔

محبوب الزمن میں ان کے حالات (جلد دوم ص ۶۱۱) میں درج ہیں۔ مگر صاحب محبوب الزمن نے ان کی مثنوی "حملہ حیدری" کا ذکر نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی میر اکبر علی خاں نے محمد میرزا سے خواہش کی کہ تم کو صفا بہت چاہتے تھے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کا جو کام باقی رہ گیا ہے اس کی تم تکمیل کردو۔ اس فرمائش کی بنا پر محمد مرزا نے حملۂ حیدری کی جلد دوم کا ترجمہ کیا۔

محمد مرزا کے والد تجلی علی شاہ دکن کے ایک مشہور استاد سخن تھے۔ تاریخ نگاری کے علاوہ فن مصوری، خوش نویسی اور تصوف میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ فارسی زبان پر بھی ایک اہل زبان کی طرح قادر تھے۔ اردو اور فارسی دونوں میں شعر لکھتے تھے۔ آصفجاہ ثانی ارسطو جاہ، شمس الامرا اور سردار الملک گھانسی میاں ان کے بڑے قدردان تھے۔ دکن کے بہت سے شاعر ان کے شاگرد تھے جن میں شیر محمد خاں ایمان جیسے استاد سخن بھی شامل ہیں۔ تجلی نے ۱۲۰۵ھ میں وفات پائی۔ مرقع سخن، محبوب الزمن اور گلزار آصفی میں ان کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ موخر الذکر دونوں کتابوں میں ان کے فرزند کا نام مرزا محمد درج ہے۔ محبوب الزمن میں لکھا ہے:-

"آپ کے خلف الصدق مرزا محمد متخلص میرزا یادگار تھے"

(جلد اول ص ۳۲۷)

گلزار آصفی میں لکھا ہے:-

"مرزا محمد مرزا تخلص ...... باوراک علوم معمور شدہ

بخدمت صدارت فائز گشت ۔ مرد وجیہہ در فن سپہ گری نیز ماہر بود" (ص ۳۸۴)۔

لیکن اس قلمی نسخے میں عنوان ہی پر مصنف نے اپنا نام محمد میرزا لکھا ہے ۔ اس طرح کہ :۔

"عاصی سراپا معاصی محمد میرزا پسر تجلی علی شاہ"

گلزار آصفی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا عالم آدمی تھے اور صدارت کے عہدے تک ترقی پائی تھی ۔ نیز یہ کہ وہ گلزار آصفی کے زمانہ تالیف (۱۲۵۵ھ تا ۱۲۶۱ھ) تک فوت ہوچکے تھے اگرچہ گلزار آصفی کا سنہ تالیف مقدمہ میں ۱۲۵۸ھ لکھا ہے ۔ لیکن مولف نے اس کام کو ۴ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ میں تکمیل کو پہنچایا تھا جیسا کہ اس کے خاتمے میں درج ہے ۔ (مطبوعہ ص ۶۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیر نظر مخطوطے کے مصنف محمد مرزا نے ۴ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ سے قبل وفات پائی تھی اور یہ مثنوی اس سے قبل ہی لکھی گئی تھی ۔ اور اگر صفا کی تاریخ وفات ۱۲۶۱ ہجری (مندرجہ محبوب الزمن) صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا نے چھے ہزار سے زیادہ ابیات کی یہ مثنوی صرف چند ہی مہینوں میں لکھی تھی ۔ اور اس لحاظ سے وہ واقعی ایک بڑے اور پر گو شاعر تھے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات اور دیگر کلام کے متعلق کسی اور ذریعے سے معلومات حاصل نہ ہوسکیں ۔ اور نہ ہی یہ نسخہ کسی اور کتب خانے میں نظر سے گذرا ۔

کتاب کا آغاز سبب تالیف ہی سے ہوتا ہے ۔ حمد و نعت وغیرہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اس کو ایک علحدہ کتاب نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ صفا کی کتاب کے تتمے کے طور پر لکھا تھا ۔ انھوں نے سبب تالیف کا بیان ابتدائی ابیات میں مختصر طور پر کیا ہے اس لئے اس حصے کی منتخب ابیات درج ذیل ہیں :۔

مہہ آسمان علوم و ذکا ۔۔۔ سخن سنج اعلیٰ جناب صفا

زباں اس کی جان بخش جان سخن ۔۔۔ سخن پہلواں پہلوان سخن

کیا نظم "حملۂ حیدری" ۔۔۔ تو اوس نے سرقہ سے سارے بری

گہر ریز جب اس کا خامہ ہوا ۔۔۔ تو اتمام سال بیامہ ہوا

ہوئی جلد اول بخوبی تمام ۔۔۔ کیا خلق میں اپنا مشہور نام

نہ دی آگے فرصت اجل نے اوسے ۔۔۔ کہ ہر طرح اتمام اوس کو کرے

جو بھائی ہیں اون کے وہ میر علی ۔۔۔ شجیع و سخی میر اکبر علے

کہا مجھ سے اس طرح اے میرزا ۔۔۔ کہ تھا تجھ پہ الطاف اون کا سدا

دو عالم میں ہوگی تری برتری ۔۔۔ کر انجام تو حملۂ حیدری

اگرچہ یہ بات آئی دل کو پسند ۔۔۔ ولے کم بضاعت سی تھا فکرمند

یہ تھی مجھ کو تشویش بیمرتبہ ۔۔۔ سخن کا ملانا کچھ آساں نہیں

اوسی طرح سے حملۂ فارسی ۔۔۔ اوسے اپنی آنکھوں کی کر آرسی

اگرچہ کہ ہے فرق اصل و شروع ۔۔۔ کہا کہہ کے بسم اللہ میں بھی شروع

(اس حصے میں درمیان میں کئی ابیات چھوڑ دی گئی ہیں ۔) اس کے بعد مرزا نے غزوۂ خیبر کی داستان شروع کی ہے ۔ جس کی پہلی بیت یہ ہے :۔

دلاور د کرنام پرور دگار ۔۔۔ کہ لاکھوں حصاروں کا ہے یہ حصار

تمام عنوان اردو نثر ہی میں لکھے گئے ہیں ۔ یہ اس مثنوی کی ایک خصوصیت ہے کیونکہ اس عہد تک مثنویوں کے درمیانی عنوان بالعموم فارسی نثر میں لکھے جاتے تھے ۔ یا اردو نظم میں ۔

آغاز :۔

"پہنانا خلعت اختتام کی کتاب حملۂ حیدری کو بعد انتقال جناب فیض مآب سید ذوالفقار علی خاں بہادر المتخلص بصفا عاصی سراپا عاصی محمد میرزا پسر تجلی علی شاہ"

(اس کے بعد ہی ابیات شروع کردی گئی ہیں جو سبب تالیف کے سلسلہ میں ابھی اوپر نقل ہوئی ہیں ۔)

اختتام :۔

اگران پہ ہوتا تھا دشمن کا زور　　او ٹھاتے تھے اوس تختہ پل کو بزور
عرب میں نہ ثانی تھا اوس کا کہیں　　رکھا پشتہ پر پھر وہ حصن حصین

چونکہ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے اس لئے کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔

ابتدا اور آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین" ثبت ہے ۔ اور پہلے ورق پر ان کے دستخط "عنایت جنگ حیدرآباد ۱۳۴۴ھ" درج ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے ۔

---

(۱۵۵)　پدماوت　[۱۷۲]

(شمع و پروانہ)

اوراق ۱۵۲۔ سطور ۱۴ ۔

تقطیع ۸" × ۱۰"۔ خط نستعلیق ۔ عنوانات سرخی ہیں ۔

مصنف ۔ عبرت و عشرت ۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ ۔ ۱۲۵۱ھ ۔

سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ ۔ کرم خوردہ ۔

چار ہزار سے زیادہ ابیات کی یہ مثنوی رتن سین اور پدماوت کے عشق و عاشقی کی داستان ہے جس کو ضیاء الدین عبرت رام پوری نے شروع کیا اور بارہ سو ابیات لکھنے کے بعد وفات پائی ۔ اس ناتمام قصہ کی تکمیل مولوی قدرت اللہ شوق (مولف تذکرہ شعرائے ریختہ) کی فرمائش پر ان کے ایک دوست میر غلام علی عشرت نے کی ۔

اصل مصنف ضیاء الدین عبرت ایک اچھے پائے کے شاعر معلوم ہوتے ہیں ۔ انھوں نے مثنوی کو خاص اہتمام سے لکھنا شروع کیا تھا ۔ ہر عنوان کا آغاز ایک منظوم سرخی سے کیا ہے ۔ اور قدیم دکنی مثنویوں کی طرح یہ عنوانات ایک ہی زمین میں اس طرح منظوم کئے گئے ہیں کہ اگر انہیں مسلسل لکھا جائے تو ایک قصیدہ بن جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر چند عنوان درج ذیل ہیں :۔

ہر ایک صورت میں آکر وہ نیا جلوہ دکھاتا ہے
کہیں یوسف کہیں لیلیٰ کہیں عذرا بناتا ہے (۱/ب)

امیر وقت کی کہتا صفت ہوں جو کہ عالم میں
نظر سے آسماں کے جو گرے اس کو اٹھاتا ہے (۵/ب)

صفت استاد کی لکھنا مجھے لازم ہوا اے دل
کہ بے استاد بزم شعر میں الزام پاتا ہے (۶/ب)

پدم کی آہ ہم زادوں کی صورت یہ دل محزوں
مجھے کس کس طرح گلگشت کی رغبت دلاتا ہے (۱۴/ا)

طویل حمد و نعت کے بعد عبرت نے اپنے پیر سید حسن شاہ کی مدح لکھی ہے اور اس کے ساتھ ہی امیر وقت فیض اللہ خاں کی مدح بھی شروع کردی ہے جس کی چند ابیات یہ ہیں :۔

مدح نواب فیض اللہ خاں

لکھوں اب مدح فیاض زماں کی　　خدیو عصر فیض اللہ خاں کی
کہاں ایسا جواں ہوتا ہے پیدا　　کہ نوکر ہیں گے جس کے زہد تقوا
(؟....) بیرو بہ خلق و قدر دانی　　زمانہ کا ہے عالم گیر ثانی !
نہیں ہے عہد میں اوس کے کوئی یہاں　　دل عاشق سدا زار نالاں
کسی کا حکم نہیں دیکھا تھا ایسا　　کرنت بے دست و پا چلتا ہے جیسا
میں اس کی خوبیاں کیا کیا بتاؤں　　غزل ایک فارسی پڑھ کر سناؤں

مطلع ۔ چو دریبیا بکف خنجر گرفتہ　　عدو دست اماں برسر گرفتہ
مقطع ۔ بسانِ آفتاب عالم افروز　　دلش عبرت بکف فناعر گرفتہ

عبرت نے اپنے استاد نواب محبت خاں محبت خلف حافظ رحمت خاں کی بھی تفصیلی مدح لکھی ہے اس حصہ کی چند ابیات یہاں درج کی جاتی ہیں :۔

مدح نواب محبت خاں

مضامیں کس طرح کرتا میں ایجاد　　نہ ہوتا گر محبت خاں سا استاد
کہوں کیا میں وہ نواب زماں ہے　　قلم آسا سراسر نکتہ داں ہے

اصول و منطق اوس کی ہے زباں پر — ہے فن شاعرانہ اوس کا جوہر
سخن کے سقم کا ہے وہ غلاطوں! — کہ اوس کے ہاتھ میں ہے نبض مضموں
کرے اصلاح یہاں تک وہ سخن کو — کہ معنی آپ ہووے آفریں کو
غزل کے اس کے مطلع کو نظر کر — تجلی ہے مطلع خورشید انور
وہ بھر کر نقشۂ مضمون رنگیں — کرے ہے منتظم جوں عقد پرویں
دل و بازو و چشم اس کے ہیں عبرت — سخاوت اور شجاعت اور مروت
خدا اوس کو رکھے دلشاد و دایم — بحق پنجتن پاکِ معظم!

نواب محبت خاں اُردو کے ایک اچھے شاعر اور شاعروں کے سرپرست تھے۔ فارسی میں مرزا فاخر مکین اور اُردو میں مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے۔ ایک مثنوی "سسی پنو" لکھی تھی۔ ان کے استاد بھائی اور مشہور شاعر جرأت نے ان کی وفات کا جو قطعۂ تاریخ لکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ۱۲۲۳ھ میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد عبرت نے یہ مثنوی ان کی زندگی ہی میں لکھی تھی اور اپنے استاد کی مثنوی "سسی پنو" ہی کی بحر اس کے لئے اختیار کی ہے۔ محبت کے حالات اُردو کے تقریباً جملہ تذکروں میں درج ہیں۔

مدح محبت کے بعد عبرت نے غلام مصطفےٰ خاں کی مدح لکھی ہے کیونکہ وہ تین پشتوں سے ان کا نمک خوار تھا۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں:—

مدح غلام مصطفےٰ خاں

زہے نو بادۂ باغِ جوانی! — چمن آرائے سرو زندگانی!
رہے کیونکر نہ اس کا ہاتھ خالی — کہ ہے رسم اس کی بخشش کی نرالی
کسی نے ایسا دیکھا ہے اولوالعزم — کہ جا کر رزم کو سمجھے ہے نت بزم
بڑا کیونکر نہ ہو اوس کا ارادہ — کبیر شیخ ہووے جس کا دادا
بہ نیکی جب یہ نام اس کا ہی رہا ہے — کہ کہتے ہیں غلام مصطفےٰ خاں
نبی کا ہم پیارا.....(کرم خوردہ) — ہے اس کا کشورِ دل حیدرآباد

آخری مصرع میں یا تو مثنوی نادر (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ۱۰۶) کی طرح شہر حیدرآباد کی معموری اور سرسبزی سے تشبیہ دی ہے یا پھر اپنے ممدوح کے دل کو حُبِ علیؑ سے آباد بتانا چاہتا ہے۔

سبب تالیف کے سلسلہ میں پہلے شاعر نے اپنے کمال کی تعریف کی ہے اور پھر لکھتا ہے:—

ہے دل میں تا کہ میں ہو کر نواساز — نکالوں پردۂ دل سے ایک آواز
برائے خاطرِ یارانِ بے کیں! — لکھوں اک داستان شوخ رنگیں
کروں خورشید ساں طبع آزمائی — شہابی کی بنا دوں روشنائی
صلاحاً رے کہے میں پوچھوں بعض تجھکو — کہ کرتا ہوں بیانِ عشق ہندو
کہے کوئی کہ عبرت سا مسلماں — ہوا ہے عشق کافر سے سخن راں

اس سلسلہ میں مزید شاعرانہ خودستائی کی ہے اور کہتا ہے کہ میں جس قصہ کو چاہوں لکھ سکتا ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ اپنے وطن کا کوئی قصہ لکھوں۔ کیونکہ اب تک تو عرب و ایران کے بہت سے قصے اور داستانیں ہمارے شاعروں نے لکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہندستان کی جو تعریف کی ہے وہ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے کیونکہ بالعموم اُردو شاعروں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے وطن سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے عبرت کی حسب ذیل ابیات اس خیال کی خود بخود تردید کردیںگی۔

توصیف ہندوستان

ولیکن قصہ کہتا ہوں وطن کا — کہوں میں عندلیب اپنے چمن کا
سواد ہند کو اے مونسِ جاں — بناؤں سرمۂ چشم صفاہاں
کروں ہندوستاں کا وصف مرقوم — مجھے جس سے عرب کے ملک میں دھوم
ہے شعلہ عشق ہندی کا شرر بیز — کہ ہے گا آفتاب اس جانب تیز
کہ سوز عشق ہندی تیز تر ہے — عرب کے عشق سے خونریز تر ہے
عجم میں ہند کا ہے عشق خونخوار — قیامت ہند کی کالی ہے تلوار
لکھوں ہندوستاں کی گر میں توصیف — تو دفتر ایک علاحدہ ہوئے تصنیف

نہایت طول یہ مذکور ہو جائے ہزاروں کوس مطلب دور ہو جائے
غرض آتش ہے اس کی آتش دل ہوا اوس کی ہے روح مرغ بسمل
بتاؤں اس کا پانی آہ کیا ہے گر طوفاں کا پانی رہ گیا ہے
جلی پروانہ کی ہے خاک وہاں کی کہ عشق افزا ہے وہ خاک ہندوستاں کی
جو کوئی عاشق و معشوق یہاں ہے دوئی ہرگز نہ اُن کے درمیاں ہے
برنگ شعلہ وش کرتے ہیں ساتھ جو مرتے ہیں تو دونو مرتے ہیں ساتھ

اسی سلسلہ میں اپنے موضوع کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے:۔

مجھے اس پر جو تائید سخن ہے جنوں سرمایۂ عشق رتن ہے
رتن کے عشق کا شعلہ تھا سرکش پدم کے بھی لگائی دل کو آتش
ہوا ان کا میں نے لکھ کر قصہ بد نام مثال شمع پروانہ رکھا نام

آخری مصرع میں مثنوی کے نام کی مناسبت کا اظہار کیا ہے۔ اصل قصہ کا آغاز اس بیت سے کیا ہے:۔

سمند خامہ طوفان ملا تیز ہوا جوں اشک گلگوں گرم مہمیز

عبرت نے ان ابیات پر اس مثنوی کو نامکمل چھوڑ دیا تھا

رہا جو منتظر اوس کا سحر شام سفید آنکھیں ہوئیں جوں مغز بادام
گیے بیٹھا تھا اور گا ہے بگڑتا نصیب اور دل سے تھا دن رات جلتا

معلوم ہوتا ہے کہ موت نے مصنف کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ اس ذیلی عنوان کو مکمل کر سکتا۔ اور رتن کے جوگی بن کر آنے کی خبر پدم تک پہنچا سکتا۔

درمیان میں موقع و محل کے لحاظ سے شاعر نے اپنی غزلیں بھی لکھی ہیں مثلاً جب رتن دریا میں سیاح بن کر پدم کو ڈھونڈھنے نکلتا ہے تو وہ فراق یار میں عبرت کی یہ غزل پڑھتا ہے:۔

پدم کے واسطے وہ جان پر غم غزل عبرت کی پڑھتا تھا وہ ہر دم

مطلع۔ بے تاب کوئی شے نہیں سیماب کے مانند پر وہ بھی نہ ہوگا دل بے تاب کے مانند

مقطع۔ عبرت تو عجیب طور سے باندھے ہے مضامیں ہر بحر غزل میں دُرِ خوش آب کے مانند

میر ضیاء الدین عبرت کے حالات عیار الشعرا اور عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہیں۔ لیکن اس مثنوی میں خود انہوں نے اپنی نسبت کافی معلومات پیش کر دی ہیں جن سے ان کی ملازمت، شاگردی مریدی وغیرہ کی تفصیل ظاہر ہوتی ہے افسوس ہے کہ ابتدائی حصہ میں کافی شرح و بسط کے باوجود عبرت نے سنہ تصنیف نہیں لکھا۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ ان کی آخری تصنیف ہے۔ انہوں نے غالباً اپنے استاد محبت کی زندگی ہی میں ۱۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

مثنوی کا بقیہ اور بڑا حصہ میر غلام علی عشرت نے لکھا ہے۔ لیکن ان کی ابیات میں وہ زور اور جوش نظر نہیں آتا جو عبرت کے لکھے ہوئے حصے میں ہے انہوں نے اسی انداز بیان کو باقی رکھنے کی کوشش کی ہے اور عنوان بھی اسی ردیف و قافیہ میں منظوم لکھے ہیں۔ عشرت نے اپنا حصہ یوں شروع کیا ہے:۔

کہا یہاں تک یہ قصہ بس ضیاء الدین عبرت نے

اور اب یہاں شوق ہر دم مجھ کو یوں رغبت دلاتا ہے

کہ عشرت پی کے تو الفت کا ایک جام مری خاطر سے کر دے اس کو اتمام
کہ اس میں روح بھی عبرت کی ہو شاد دعائے خیر سے تجھ کو کرے یاد
غرض قصہ ادھورا رہ نہ جاوے جو ہیں مشتاق اون کے کام آوے
سو میں نے شوق کی خاطر یہاں سے کہ ہیں مشفق مرے عالی جہاں سے
اوٹھا کر اپنے کلک زر فشاں کو کیا تحریر یوں اس داستاں کو
کہ سن کے سب بیانِ وحشت انگیز ہوئی الفت کی آتش دل میں بس تیز
جو دو ایک دن میں دن پوجا کا آیا پدم نے یہ بہانا خوب پایا (۵۴۱)

اسی طرح داستان کے اختتام پر بھی عشرت نے مولوی قدرت اللہ شوق کی فرمائش کا ذکر کیا ہے اور شوق کے علم و فضل، شریعت و طریقت آشنائی اور کسب کمالات کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور سنہ تصنیف بھی لکھ دیا ہے۔

عشرت غالباً بریلی کے رہنے والے مرزا علی لطف کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے عیار الشعرا، عمدۂ منتخبہ اور طبقات سخن میں ان کا ذکر درج ہے۔ اسپرنگر نے فہرست کتب خانہ جات شاہان اودھ

میں بھی ان کا مختصر حال لکھا ہے ۔

آغاز :—

ہر اک صورت میں آکر وہ نیا جلوہ دکھاتا ہے

کہیں یوسف کہیں لیلیٰ کہیں عذرا بناتا ہے

بتاؤں عشق کی کیا اب میں نیرنگ — جو دیکھوں میں اوسی نیرنگ کے ڈھنگ

زدریا موج گوناگوں برآمد — زبے چونی برنگ چوں برآمد

اختتام :—

لکھی یہ داستان عشق ساری — کہ ہے دنیا میں یہ (ایک) یادگاری

یہ کہہ کر مثنوی کی میں نے پھر غور — کوئی تاریخ کہیئے اس کی خوش طور

کیا دل نے اسے دیکھے جو شاعر — بلاشک جانے تصنیف دو شاعر

اور اوس کو پھیر کر دیکھے جو طالب — تو بے شک جانے تحریر دو کاتب

ترقیمہ :—

لکھی مثنوی یہ بجلدی تمام — کریں تا مطالعہ سبھی خاص عام

---

(۱۵۶) اُتاولی [۴۰۷]

اوراق ۸ ۔ سطور ۲۰ ۔

تقطیع ۶ × ۴½ ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔ عنوان سرخی میں ۔

مصنف سید حسینی بادشاہ (م)۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۷ھ ۔

کاتب ۔ سید حسینی بادشاہ ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۴ھ ۔

یہ تقریباً چار سو پچاس ابیات کی ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جس میں عورتوں کے کروفن کی وضاحت کی گئی ہے ۔ اس کے مصنف غالباً سید حسینی بادشاہ ابن سید شاہ نور اللہ قادری ہیں جو دکن کے مشائخین سے تھے اور فقیر اللہ شاہ حیدر کے مرید ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد کے رسالے تتاولی کو بھی نقل کیا تھا ۔ اس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۲۵ میں گذر چکا ہے ۔ غالباً تتاولی نقل کرنے کے بعد ہی حسینی بادشاہ کو اس مثنوی اُتاولی کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ وہ اپنے مرشد کی طرح دنگل ہی میں سید لاڑ نے حسینی کے مکان میں قیام پذیر تھے

یہ مثنوی ناقص الآخر ہے ۔ سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ اور چونکہ اس جلد میں کئی اردو و فارسی رسالے خود حسینی بادشاہ کی تصنیف ہیں اس لئے غالباً یہ مثنوی بھی انہی کی ہوگی ۔ حسینی بادشاہ نے ۱۲۶۷ھ سے قبل وفات پائی ان کے فرزند اور مرید سید سلطان محی الدین بادشاہ نے اپنی کتاب نکات الواصلین (مصنفہ ۱۲۶۷ھ) میں ان کو مرحوم لکھا ہے ۔ (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۶/۱۴۴)۔

اس کا آغاز حمد، نعت اور گردش افلاک کی سرخیوں سے کیا گیا ہے جن کے بعد عورتوں کے کروفن کا بیان لکھ کر اصل داستان کا آغاز کیا ہے ۔ اس داستان میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک عرب عورت نے کروفن کر کے ایک خوشرو مرد کو اپنے ساتھ شادی پر مجبور کیا ۔ اس میں شادی کے بے جا رسوم اور آخر کار میاں بیوی کی لڑائی کا بھی پر لطف حال بیان کیا ہے ۔ بھانڈوں اور میراثیوں کے گانے کے سلسلہ میں جو غزلیں لکھی ہیں ان کے بعض شعر بے حد فحش ہیں ۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حسینی بادشاہ بھی اپنے مرشد فقیر اللہ شاہ حیدر کی طرح تلخ گوئی اور معایب کی عریاں پیش کشی کی طرف مائل تھے جو عہد حاضر کے ترقی پسند ادیبوں کی جدت سمجھی جاتی ہے ۔

آغاز :—

لکھوں وصف توحید رب العلا — کیا کُن سے وہ جس نے ارض و سما

ہوئی کل تعشق سے مخلوق سب — تناسل تو اصل کا پایا سبب

آغاز داستان :—

عرب میں تھا کوئی ایک عالی فہم — رکھا اوس نے بیٹی بہت بے ترحم

غریبی سے لاچار تھا او جواں — یکا یک وقت تھے یک سال او سپید

اختتام :۔

لئے نام جب اوس کا کر خیال | پھر کہتا ہے ہر وقت کر منہ کو لال
منجے کیوں ہو مانع رکھا ہے تنگ | ہر یک بات سے مجھ سے کرتا ہے جنگ

اس کے بعد ایک فارسی مثنوی نصاب العارفین لکھی ہے جس کے آخری حصہ میں حسینی بادشاہ نے اپنے نیام دلگل اور فقیر اللہ شاہ کے خاک پا ہونے کا اظہار کیا ہے یہ ابیات فہرست مخطوطات فارسی میں ملاحظہ ہوں ۔ اس کتاب کے نیچے یہ ترقیمہ درج ہے :۔

"المرقوم پنجم ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ ہجری روز چہار شنبہ بوقت دو پہر تمام شد ۔ کاتب الحروف حسینی بادشاہ"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے ۔

---

(۱۵۷) لاڑ و کپور اور قاضی [۴۰۹]

اوراق ۸ ۔ سطور ۱۴ فی صفحہ ۔
تقطیع ۴"×۲۱/۲" ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔ عنوان سرخی میں ۔
مصنف سید حسینی بادشاہ ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۶۱ھ ۔
کاتب ۔ " ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۱ھ ۔

یہ اردو نثر میں ایک قصہ ہے جو غالباً کسی فارسی رسالے کا ترجمہ ہے اس کو حسینی بادشاہ (مصنف تنا ولی ۱۵۶/۴۰۸) نے ایک فارسی رسالہ کے ساتھ ہی نقل کر دیا ہے ۔

اس میں شہنشاہ اکبر کے زمانے کے ایک ایسے قاضی کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو باوجود زہد و تقویٰ کے ایک ہمسایہ طوائف پر عاشق ہو گیا تھا اور دو شاہی قوالوں کپور اور لاڑ کی شرارت سے طوائف کے گھر میں قید ہو کر بادشاہ کے روبرو پیش ہوا تھا ۔

اس قصے اور اس سے قبل کی مثنوی تنا ولی (۱۵۶/۴۰۸) کے موضوع اور اسلوب بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسینی بادشاہ اُن عورت بیزار لوگوں میں سے تھے ۔ جو دنیا کی ہر خرابی کا باعث عورت کو قرار دیتے ہیں ۔ قصے کے درمیان میں جگہ جگہ اشعار، غزلیں اور نظمیں بھی درج کی گئی ہیں ۔

آغاز :۔

" راویان ماسلف سے اس طرح سماعت میں آیا ہے حضرت ظل اللہ بادشاہ اکبر کے وقت میں دو قوال مصاحب حضور پر نور کے تھے ۔ ایک کا نام کپور اور دوسرے برادر کا نام لاڑ "

اختتام :۔

اگر آئندہ پھر حضرت آمد و رفت رکھو گے تو یقین ہے کہ بے ادبی جناب مقدس میں ہوگی ۔ قاضی نے اوسی وقت بنگلہ ڈھا دیا اور توبۃ النصوح کر کے یہ مطلع کہا

خوبرویوں سے حق پناہ رکھے | نہ کوئی دل میں اون کی چاہ رکھے
سبز رنگوں کے ساتھ آب الفت | کون کم بخت رو سیاہ رکھے
لوٹ لے مال گھر کو دیوے ڈوبا | ہووے احمق جو اُن سے راہ رکھے
اوہی دانا ہے اوہی فرزانہ | جو کہ اللہ سے اپنے راہ رکھے

ترقیمہ :۔

" تمت تمام شد کار من نظام شد ۔ المرقوم نہم ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ روز شنبہ بوقت یک و نیم پاس روز برآمدہ "

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے ۔

رسالہ شاہ ظہورالدین حسینی - جس میں مسائل تصوف

کنزالدقائق - جس پر کئی بزرگوں کے حواشی ہیں -

(۱۵۸) چار کرسی طریقت [۲۰۸ ب]

اوراق ۴ - ۱۵ اشعار فی صفحہ۔

تقطیع ۹" × ۴½" - خط نستعلیق شکستہ۔

عنوان سرخی میں۔

مصنف فقیر اللہ شاہ حیدر۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ۔

کاتب حسینی بادشاہ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۴ھ۔

یہ نظم تقریباً ۶۰ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں فقیر اللہ شاہ مصنف تمادلی (دیکھو نمبر ۱۲۵ - د نظم الدر دیکھو نمبر ۱۲۶ (۱۱)) نے طریقت اسلام کے ضروری ارکان کی وضاحت کی ہے۔ ٹھیک سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا چونکہ مصنف کی دوسری کتابیں جو ادارے میں محفوظ ہیں ۱۲۴۳ھ و ۱۲۵۰ھ کی تصنیف ہیں اس لئے یہ کتاب بھی اسی زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔ مصنف کا تخلص آخری بیت میں درج ہے۔

حسینی بادشاہ فقیر اللہ شاہ کے مرید تھے اور یہ نظم انہوں نے دوسرے رسائل کے ساتھ ۱۲۶۴ھ میں نقل کی ہے۔

نظم کے آخری حصے میں مصنف نے واضح کر دیا ہے کہ اس رسالے میں ۴۰ مسائل درج ہیں۔ اس کی بڑی سرخیاں یہ ہیں۔

۱۔ طریقت ۲۔ وضو ۳۔ غسل ۴۔ معانی طریقت ۵۔ اسلام و ارکان طریقت۔ ۶۔ ایمان طریقت۔ ۷۔ نماز پنجوقت ۸۔ عقدہ رکعت ۹۔ عارفان۔

آغاز:—

چار کرسی کان دھر ہوئے طریقت میں خبر
کرنا پچھانت تن منے ایز جوں شیر و شکر

جو چار کرسی یاد رکھ بولیا ہوں تم سے پند سب
مشکل کٹھن او بات ہے چلنا طریقت کے اوپر

اختتام:—

یارب تو اپنا فضل کر اس چار حرزاں پر بھی
بخش تو پیچی اے نور آہے آسان کر روز حشر
ہے فقیر الفت ذات کے ... بولا ہے فقیر
یا ... جیوں کوں ... ہے اوجے سب کوں راہبر

اس کے ساتھ ہی ایک فارسی نظم شروع کر دی گئی ہے جس کے اختتام پر لکھا ہے:—

"تمت تمام شد المرقوم ہفتم ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

---

(۱۵۹) دہ مجلس نثر [۱۶۱]

اوراق ۳۰ - سطور ۱۳۔

تقطیع ۵" × ۸" خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ۔

یہ دکنی اردو نثر کی کتاب ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ زبان و اسلوب کے لحاظ سے اوائل بارھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ کاغذ اور نہج کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اواخر بارھویں صدی میں نقل کی گئی ہے۔ فضلی نے بھی اردو نثر میں ایک ایسی ہی کتاب تقریباً اسی زمانے میں لکھی تھی لیکن یہ کسی ٹھیٹ دکنی مصنف کی دہ مجلس ہے جیسا کہ زبان و اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے۔

ہر مجلس ایک نئے صفحے اور عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ ان جملہ مجالس کے موضوع یہ ہیں:—

۱۔ شہادت رسالت پناہ (۱ - ۹)   ۲۔ شہادت خاتون جنت (۱۰-۱۵)
۳۔ شہادت حضرت علیؓ (۱۶-۲۲)   ۴۔ ؍ امام حسن (۲۳-۲۹)
۵۔ ؍ حضرت مسلم (۳۰-۴۱)   ۶۔ ؍ فرزندان مسلم (۴۲-۵۱)
۷۔ ؍ ابن حسن مجتبیٰ (۵۲-۵۹)   ۸۔ ؍ حضرت عباس (۶۰-۶۳)
۹۔ ؍ حضرت علی اکبر (۶۴-۶۷)   ۱۰۔ ؍ امام حسین (۶۸-۷۳)

پہلی مجلس کا آغاز اور آخری مجلس کا اختتام یہ ہے :-

آغاز :-

"راوی روایت کیا ہے کہ سال دہم ہجرت کے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر حج سے مراجعت ہاکر ایک منزل میں آن کر اوترے کہ اوس منزل کا نام غدیر خم تب ہیں۔ ایسی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیۃ کریمہ جناب کو پائی سنے لے آئے"

اختتام :-

"اہل بیت طاہرین تمام شب روتے تھے و بیٹھے رہتے تھے اور وقت صبح وہاں سے کوچ کر طرف شام کے راہی ہوئے یعنے چلے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

(۱۶۰) نکات الواصلین [۲۰۶]

اوراق ۱۹۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ۳/۴ ۷ × ۱/۴ ۵۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔

مصنف۔ سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری غوث نما۔

سنہ تصنیف ۱۲۷۹ھ۔ بمقام مدراس۔

کاتب۔ مصنف۔ سنہ کتابت ۱۲۷۹ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس کے مصنف سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری غوث نما انہی سید حسینی بادشاہ قادری کے فرزند اور مرید تھے جن کی دو اردو کتابوں (دیکھو مخطوطات ۱۵۶ و ۱۵۷) کا ذکر اس فہرست میں گذر چکا ہے۔ یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ اس سلسلے کے صوفیائے کرام کی اکثر قلمی کتابیں ادارے میں محفوظ ہیں۔ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

سلطان محی الدین بادشاہ غوث نما فرزند و مرید سید حسینی بادشاہ مرید فقیر اللہ شاہ حیدر مرید شاہ رفیع الدین قندہاری مرید شاہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ۔

ان بزرگوں کی حسب ذیل اردو کتابیں ادارے میں محفوظ ہیں۔ (فارسی کتب کی فہرست فارسی مخطوطات کے تذکرے میں درج رہے گی)۔

۱۔ شاہ رحمت اللہ - تنبیہ النسا (۵ نسخے)
۲۔ فقیر اللہ شاہ حیدر۔ تناولی۔ نظم النور۔ چار کرسی۔
۳۔ حسینی بادشاہ۔ اناولی۔ لاٹ و کپور اور قاضی۔
۴۔ سلطان محی الدین بادشاہ۔ نکات الواصلین۔ توحید مطلق۔
۵۔ حافظ شجاع الدین خلیفہ شاہ رفیع الدین۔ کشف الخلاصہ۔

موخر الذکر بزرگ بھی اسی خاندان کے متوسل تھے اور ان کے مریدین نے بھی سلسلۂ تصنیف و تالیف کو جاری رکھا۔

زیر نظر مخطوطے کے مصنف سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری چشتی کے بھی مرید تھے۔ آخری حصۂ کتاب میں اپنے مرشد سید حسینی بادشاہ کے ساتھ ان کا بھی نام لکھا ہے۔ یہ شاہ میر غالباً وہی ہیں جن کی ایک نظم مدح میراں قادری کا تذکرہ اسی فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۱۵ میں لکھا گیا ہے۔

سلطان محی الدین بادشاہ کی اور تین کتابیں ادارے میں موجود ہیں جن میں سے ایک مثنوی وجدان الحق توحید مطلق کا ذکر اس کے بعد ہی کیا جائے گا۔ اور بقیہ دو (منتزادِ عطار وغیرہ)

انتخاب رسالۂ رفیع الدین) فارسی ہیں اس لئے فہرست فارسی مخطوطات میں ان کا بیان درج رہے گا۔

اس کتاب میں حمد و نعت کے مضامین خاص صوفیانہ انداز میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد سبب تالیف کے طور پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کا تخلص، لقب، سلسلۂ نسب اور مرشدوں کا حال نیز کتاب کا نام معلوم ہوتا ہے اس لئے اس حصہ کا اقتباس درج ذیل ہے: ۔

"فقیر حقیر خاکپائے صوفیہ رحمہم اللہ سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری المتخلص بہ سالک مشہور بہ غوث نما فرزند حضرت سید حسینی بادشاہ قادری بن حضرت سید شاہ نور اللہ واقف اسرار اللہ قادری ابن حضرت سید جمال الحق والملتہ والدین قدس اسرارہم کے کہتا ہے کہ یہ رسالہ ایک مسمی بہ نکات الواصلین واسطے طالبان حق اور ارادت مندان صادق کے، مدد سے مرشد کامل، ہادی مکمل عارف باللہ واقف اسرار اللہ ... . حضرت سید حسینی بادشاہ و مرشد روشن ضمیر پیر دستگیر حضرت سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قدس سرہما کے۔" (ورق ۴)

غرض محی الدین بادشاہ نے یہ رسالہ اپنے مریدوں کی ہدایت کے لئے لکھا ہے اور اس میں کلمۂ شریف کا مطلب شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے مطابق بیان کرکے مسائل ستہ قلمبند کئے گئے ہیں۔ جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث وغیرہ سے کام لیا گیا ہے۔ مصنف ایک جید عالم اور علم تصوف کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

اس کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے اپنی دیگر تصانیف کا بھی ذکر کردیا ہے۔ اس حصے کا اقتباس یہ ہے: ۔

"یہ فقیر اس رسالۂ مختصر میں حقیقت منعرف (من عرف) کی نہیں لکھا کیونکہ حقیقت اس کی ارشاد الطالبین فارسی، اور رموز اعظم فارسی، اور بستانِ طریقت ہندی اور وصل نامۂ ہندی وغیرہ میں صاف بیان کیا اگر خواہش اس کی ہو تو مطالعہ کریں۔ اور بیان سلوک و اذکار اور اشتغال وغیرہ کا بھی اس رسالۂ مختصر میں درج نہیں کئے گئے۔ کس واسطے کہ وہ سب بیان مفصل مرات المعرفت، کنز الانبیا وغیرہ جو اس فقیر سے ہے اس میں صاف لکھا ہوں۔ ہندی اور فارسی زبان میں۔" (ورق ۱۸)۔

اس کے بعد اس رسالے کی اتنی تعریف کی ہے کہ خود ستائی کی بو آتی ہے۔

آغاز: ۔۔

"الحمد للہ شروع اس کتاب کا نام سے اُسی کے ہے جو وہ ہر جائے موجود ہے اور جملہ مخلوقات کا معبود ہے سوائے اس کے کوئی وجود نہیں رکھتا۔ سب اس سے موجود ہیں۔"

اختتام: ۔۔

تمام ہوا رسالۂ نکات الواصلین مدد سے مرشد کامل کی۔ جب اس جائے قلم پہنچا لکھنے سے بند ہوا۔ معلوم ہوا کہ ارادہ حق تعالیٰ کا یہاں تک ہی تھا۔ اگر آگے ہوتا تو اور کچھ لکھا جاتا۔ اللہم اغفرلی ولوالدیہ ولمرشدنا ومشایخنا ومولٰنا۔ ... حضرت سید حسینی بادشاہ قادری و حضرت روشن ضمیر سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری الچشتی قدس سرہما۔ آمین۔"

ترقیمہ: ۔

"تمام شد کتاب ہذا در ۱۲۶۹ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم در شہر خجستہ اساس مدراس۔"

یہ نسخہ خود مصنف کا مکتوبہ ہے سرورق پر ان کے دستخط "سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری" اور آخری ورق پر ایک مستطیل مہر "سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری ۱۲۷۷ھ" اور ایک مدور مہر "غوث نما ۱۲۸۰ھ" ثبت ہے۔

(۱۶۱) وجدان الحق [۲۰۸]

(توحید مطلق)

اوراق ۷۔ سطور ۱۱۔
تقطیع ۸×۵ ۔ خط نستعلیق۔
مصنف سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری سالکؔ
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۸۱ھ۔
کاتب مصنف۔ سنہ کتابت ۱۲۸۱ھ۔

یہ ۱۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں وحدۃ الوجود کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے مصنف سید سلطان محی الدین بادشاہ سالکؔ ہیں جن کے حالات ان کی ایک اور کتاب نکات الواصلین (۱۶۰) کے تذکرے میں درج کئے گئے ہیں۔

مصنف نے اپنا تخلص آخری حصۂ مثنوی میں اپنے مرشد شہیرؔ کے تخلص کے ساتھ اس طرح لکھا ہے:۔

میں وہی سالکؔ وہی شہیرؔ وہ ۔۔۔ مصطفیٰ او وہ غوث وہ اوپیر وہ

اس کے بعد ایک اور بیت میں اپنا نام بھی لکھا ہے کہ:۔

محی الدین اب اک پٹے پر رکھ قلم ۔۔۔ جان لے تو پیر ہم اللہ ہم!

کتاب کا موضوع اس بیت سے واضح کیا ہے:۔

ہے یہی توحید کا سارا بیان ۔۔۔ اک سمجھ اور ایک کہہ اور ایک جان

آغاز:۔

اے خدا تو وحدہٗ ہے لاشریک ۔۔۔ دونوں عالم میں نہیں تیرا شریک
ذات سے تو ایک ہے اے ذوالجلال ۔۔۔ اور صفاتوں میں بھی اک تیرا جمال

اختتام:۔

میں نہیں ہوں میں نہیں ہوں میں نہیں ۔۔۔ ہے وہی موجود ہے جوں میں نہیں
تھا وہی ہوگا وہی ہے اب وہی ۔۔۔ سب وہی ہے سب وہی ہے سب وہی

ترقیمہ:۔

"تمام شد رسالۂ وجدان الحق توحید مطلق در سنہ یک ہزار دو صد و ہشتاد و یک بوقت چاشت"

اس کے بعد وہی مہریں (مستطیل سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری ۱۲۷۷، مدور غوث نما ۱۲۸۰ھ) ثبت ہیں جو رسالۂ نکات الواصلین کے آغاز و اختتام پر بھی ہیں۔

سرورق پر مصنف نے کتاب کا نام "رسالۂ توحید مطلق مسمیٰ بہ وجدان الحق" لکھا ہے۔ یہ کتاب خود مصنف نے نقل کی ہے کیونکہ اس کا خط وہی ہے جو نکات الواصلین کے نسخہ کا ہے اور جس کے آغاز میں مصنف نے اپنے دستخط بھی کئے ہیں۔

اس مثنوی کے بعد نئے صفحے سے مصنف نے اپنی فارسی مستزادیں لکھی ہیں جن کا ذکر فہرست فارسی مخطوطات میں درج رہے گا۔

---

(۱۶۲) رسالۂ بے نماز [۶۴]

اوراق ۷۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۸×۵ ۔ خط نستعلیق۔
تصنیف۔ اوائل تیرھویں صدی۔
کاتب۔ غلام احمد الدین حسین عرف حاجی میاں محتسب بعینہ۔
سنہ کتابت ۱۲۸۳ھ۔

یہ تقریباً ۱۵۰ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں نماز کے فوائد اور نماز باجماعت کے ثواب بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف کے نام یا تخلص کا پتہ نہ چل سکا۔ اس میں جگہ جگہ بے نمازوں کو مخاطب کیا گیا ہے مثلاً:۔

اب تو سراپنا جھکا اے بے نماز — روبرو مالک کے باعجز و نیاز
سر جھکامت کر غروری بے نماز — اب تو آ اس ..... اپنے سے باز

مثنوی کے درمیان جگہ جگہ قرآنی آیتیں بھی درج کی گئی ہیں۔
مصنف کوئی مذہبی شاعر معلوم ہوتے ہیں۔
اختتام کتاب پر کاتب نے خود بھی اسی بحر میں بعنوان "چند ابیات تصنیف کثیف" گیارہ ابیات بطور ترقیمہ لکھی ہیں۔

آغاز :-

بعد حمد پاک رب العالمین ؛ — اور درود رحمۃً للعالمین ؛
حال اپنا اب سنو اے بے نماز — کیوں رہے مالک کے فرمانے سے باز

اختتام :-

اے خدائے دو جہاں پروردگار — ہم گنہ گاروں کا بیڑا کردے پار
از طفیل حضرت خیر البشر ! — خاتمہ بالخیر جاویں سب بشر

ترقیمہ :-

یہ رسالہ ہے نصیحت بے نماز — تم عبادت کو کرو ہو سرفراز
نام قادر بی بی ہے جس کا خدا — رکھو عبادت پر اسے شام و صبا
عمر کی ہووے ترقی سب تروں — رہوے خوش خرم ہمیشہ شاد ہوں
احمدی عمدہ ہیں دونوں مدام — ہو ترقی مرتبہ نیکی کے کام
واسطے ان کے نقل میں نے کیا — اجر اس کا ہووے ہر دو کو صلا
یعنی پڑھنے اور لکھنے والے کو — بخشش سارے دے گنہ اور کر عفو
روز سہ شنبہ کا تھا جو بیسویں — ماہ شعبان تھا لکھا میں سکتیں
سنہ تھا بارہ صد اُپر اسی پہ تین — جب گئے ہجرت شفیع المذنبین
عاجز و کمتر نہایت ہوں کثیف — ناتواں امت محمد میں نحیف ؛
ہوں سراپا غرق دریا جرم میں — اور حیراں ہوں ہر اک آن شرم میں
مجھ کو لطف و فضل سے تو اے رحیم — عاقبت بالخیر کر تو ہے کریم

"کاتب الحروف ہذا نسخہ غلام احمد الدین حسین عرف حاجی میاں محتسب قصبۂ بھینسہ۔ تمت تمام شد"۔

اس ترقیمے میں حضرت قادر بی بی اور ان کی دختروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قادر بی بی کے مزید تذکرے کے لئے دیکھو مخطوطات نمبر ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۴۱، ۱۴۲ وغیرہ۔ اور اس نسخے کے کاتب سے متعلق دیکھو مخطوطات نمبر ۱۲۰ اور ۱۴۰۔

ترقیمے کی مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قادر بی بی نے اپنی دو دختروں احمدی بیگم اور عمدہ بیگم کے لئے یہ رسالہ ۲۴ شعبان ۱۲۸۳ھ کو نقل کرایا تھا۔ عمدہ بیگم نے عالم دوشیزگی میں ناکتخدا انتقال کیا۔ اور پہلی دختر جو راقم کی حقیقی نانی تھیں مولوی وقارالدین خطیب بودھن و تعلقدار علاقہ پائگاہ آسمان جاہی سے بیاہی گئی تھیں۔

یہ نسخہ انہی کے کتب خانہ کا ہے اور اس کو راقم الحروف نے ۱۳۵۵ھ میں ادارے کے کتب خانہ میں داخل کیا ہے۔

---

(۱۶۳) اربع عناصر الوجود [۱۷۵]

اوراق ۴۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۸ ۔ خط نستعلیق معمولی۔
زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی۔

اس مختصر سے رسالے میں وجود آدم کے چار عنصر (یعنے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت) کا بیان کیا گیا ہے۔ اور ان سے متعلق وجودوں یعنے واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود اور عارف الوجود کی منزلیں اور خصوصیات پر بحث ہے۔

مصنف کوئی دکنی صوفی ہیں جن کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

پورے رسالے میں سوال و جواب کے طور پر تصوف کے اسرار سمجھائے گئے ہیں۔

آغاز:—

واضح ہو کہ یہ رسالہ اربع عناصر الوجود آدم صفی اللہ علیہ السلام وبرزخ حضرت محمدی روح الانسان بنیاد ماز و نیاز ہے۔ جان اے عارف وجود حضرت آدم علیہ السلام کا اول شریعت خاک واجب الوجود منزل ناسوت عبادت ذکر جلی پیر رہبر جبرئیل علیہ السلام گھر دل مقام مولیٰ علی دروازہ منہ ہے۔"

اختتام:—

واجب الوجود کہنا ممکن الوجود پھرنا (پڑھنا) ممتنع الوجود دیکھنا عارف الوجود پہنچنا واجب الوجود بے خود رہنا ناسوت کا مقام عقل ملکوت کا مقام وجود جبروت کا مقام دل لاہوت کا مقام نظر ہاہوت کا مقام ذات۔ تمت بالخیر واللہ اعلم بالصواب۔"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی رسالہ "رمز محل" شروع کردیا گیا ہے۔"

---

(۱۶۴) رمزِ محل [۱۷۶]

اوراق ۲۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ½۵" × ۸"۔ خط نستعلیق معمولی۔
زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی۔

اس چھوٹے رسالے میں تصوف کے نو مقامات کی وضاحت کی گئی ہے۔ زبان اور اسلوب کے لحاظ سے اس کے مصنف بھی وہی ہوں گے جو "اربع عناصر الوجود" کے ہیں۔

آغاز:—

"بعد حمد خدا اور نعت رسولؐ کے سمجھ اے عارف کہ نو مقام ہیں سو یہ ہیں۔ اول مقام ناسوت، دویم مقام ملکوت، سیوم مقام جبروت، چہارم مقام لاہوت" وغیرہ

اختتام:—

"جان اے عارف سدرۃ المنتہا گنج مخفی بیت المعمور و بیت المقدس نظر روح علوی روز میثاق آواز روح سفلی دم قبلہ چڑھتا اترتا ہے۔ دم موہنہ سے بولتا ہے۔ پیالۂ محبت شراب عشق اور الست ہوکر دم بدم کہا کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی "رسالۂ معرفت حق" شروع کردیا گیا ہے۔

---

(۱۶۵) معرفتِ حق [۱۷۷]

اوراق ۲۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ½۵" × ۸"۔ خط نستعلیق معمولی۔
زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی۔

اس مختصر رسالے میں خدا کی پہچانت کے بھید بتائے گئے ہیں۔ زبان و طرز بیان وہی ہے جو رسالہ جات اربع عناصر و رمز محل کا ہے۔

آغاز:—

"بعد حمد خدا و نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھ اے عارف عین پہچانت خدا کی ہے سو کیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ۔
ترجمہ۔ جس نے پہچانا اپنی روح کو یعنے اپنے نفس کو پس اوس نے پہچانا خدا کو"

اختتام:—

غیر چیز کا خطرہ دل میں آنے نہ دینا اپنی موت کو یاد کرنا اسی کو حضور دل بولتے ہیں۔ اے طالب یہ باتیں تجھے

بغیر مرشد کامل حصول نہ ہوں گے ۔ وما توفیقی الا باللہ توکلت والیہ انیب ۔ تمام ہوا یہ رسالہ"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی رسالہ وجودیہ شروع کردیا گیا ہے۔

(۱۶۶) رسالۂ وجودیہ [۱۷۸]

اوراق ۳ ۔ سطور ۔ ۱۵ فی صفحہ ۔

تقطیع ½۵" × ۸" ۔ خط نستعلیق معمولی ۔

زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی ہجری ۔

اردو نثر کا یہ رسالہ بھی اسی مصنف کا لکھا ہوا ہے جس کے تین رسالوں (رابع عناصر، رمز محل، معرفت حق) کا تذکرہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے ۔ اس رسالہ میں انسانی جسم کی بناوٹ اور اس کی خصوصیات صوفیانہ نقطۂ نظر سے بیان کی گئی ہیں ۔ دو اور رسالے وجودیہ میراں جی حسینی خدانما اور نوردریا سے مشہور ہیں ۔ لیکن زیر نظر رسالہ کی زبان اتنی قدیم نہیں ہے کہ اس کو خدانما یا نوردریا قادری کا رسالہ قرار دیا جاسکے ۔

آغاز :-

" بعد حمد خدا و نعت رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ہو کہ یہ رسالہ وجودیہ بعید تن من کا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا من نور اللہ کل شیئ من نوری ۔ اے عارف جان تو کہ تحقیق چہار تن ہیں"

اختتام :-

اللہ تعالیٰ یہ تن میں نبوت اور ولایت بنایا ہے ۔ منہ مسجد، ناک ممبر، آنکھ نبوت، سر محراب اور اللہ صاحب نے یہ تن میں چار پیر بنایا ہے ۔ سر غوث خواجہ ۔ منہ طبقات، چھاتی سرور قدم رسول ۔ یعنے مثل غوث کھڑا رہے ۔ مثل خواجہ بیٹھے ۔ مثل طبقات بیٹھے ۔ اور مثل سرور قدم رسول چلے ۔ محمدؐ درخت، شاخ حضرت ابوبکر صدیقؓ، برگ حضرت عمرؓ اور گل حضرت عثمانؓ اور میوہ حضرت علی (رضی اللہ عنہم اجمعین "

کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ اس کے بعد رسالہ چہل تن نقل کیا گیا ۔

(۱۶۷) رسالۂ چہل تن [۱۷۹]

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۵ ۔

تقطیع ½۵" × ۸" ۔ خط نستعلیق معمولی ۔

زمانہ تصنیف اواخر تیرھویں صدی ۔

اس رسالہ کی زبان و طرز بیان بھی اس سے قبل کے چار رسالوں کی طرح ہے ۔ افسوس ہے کہ ان میں سے کسی رسالہ میں بھی مصنف کا نام یا سنہ تصنیف درج نہیں ہے اور نہ کاتب ہی نے کوئی ترقیمہ لکھا ہے ۔

اس رسالہ میں تصوف کی ایک اصطلاح چہل تن کی تشریح اور تفصیل بیان کی گئی ہے ۔

آغاز :-

" بعد حمد و نعت کے روشن ہو کہ والد چہل تنوں کے دحیہ کلبی تھے اور والدہ کے اسم میں اختلاف ہے ۔ بعض واحد النساء لکھتے ہیں اور بعض نے ماریہ لکھا ہے "

اختتام :-

" حضرت شیخ محی الدین قدس سرہٗ العزیز کتاب حلیۃ الابدال میں فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز پنج گانہ کے بعد ان کو یاد کرے گا اس نے نماز مکہ معظمہ اور کعبۃ اللہ میں گزارا ۔ اسی طرح ان راویوں نے روایت کیا ہے یعنے ابوہریرہ و ابوداؤد و

وعبداللہ بن زبیرؓ اور معاذ بن جبل وابو سعید خدری و
عبداللہ بن عمر وانس بن مالک وابو ذر غفاری وعبدالرحمٰن
بن ابوبکر صدیق وعبداللہ بن مسعود وابو سفیان ثوری
وتمیم انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین ؛

ترقیمہ :۔

"تمام ہوا یہ رسالہ چہل تن کا"

---

(۱۶۸) قصہ بادشاہ روم [۲۰۲]

اوراق ۷ ۔ ۲۶ ابیات فی صفحہ۔
تقطیع ۱/۲ ۸ × ۱/۲ ۴ ۔ خط نستعلیق۔
مصنف ۔ آدم ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۹ھ ۔

یہ تقریباً ۳۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں حمد و نعت کی سرخیوں کے بعد شاہ روم کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

شاہ روم تلاوت قرآن کرتے وقت جب تعز من تشاء وتذل من تشاء کی آیت پر پہنچا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اتنا بڑا بادشاہ ہوں اور دوسرے تمام بادشاہ مجھ سے اتنا ڈرتے ہیں جس کو چاہتا ہوں میں عزت دیتا ہوں بھلا مجھے کون ذلت دے سکتا ہے ۔ اتفاق سے ایک روز وہ ہرن کے شکار کو بارہ سو سوار جلو میں لے کر نکلا تھا کہ راستہ بھٹک کر ملک چین میں پہنچ گیا ۔ وہاں ایک قزاق کے شبہ میں گرفتار کرلیا گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے ۔ وہ ذکر وشغل میں اپنا وقت گزار رہا تھا کہ شاہ چین کی بیٹی کو قرآن شریف پڑھانے کے لئے ایک معلم کی ضرورت پڑی ۔ اور امرا نے اسی قزاق کو اس کام کے لئے موزوں سمجھا ۔ جب شاہ روم شہزادی چین کو قرآن پڑھا رہا تھا تو ایک روز وہی آیت پڑھانی پڑی اور اس سلسلہ میں اس نے اپنا واقعہ شہزادی کو بھی مجبوراً بیان کردیا ۔ شہزادی نے یہ راز بادشاہ اور اس کی بیگم سے بیان کیا اور شاہ روم کے ساتھ شادی کرنے پر مصر ہوئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ روم پہچان لیا گیا اور جب وہ اپنی دلہن کو لے کر اپنے ملک کو روانہ ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کی فوج جوں کی توں اس کے انتظار میں کھڑی ہے اور یہ سب "اتفاقیہ چشم زدن میں پیش آیا"

آخر میں مصنف نے تکبر وغرور کے متعلق ایک خاص سرخی قائم کرکے ۱۳ ابیات لکھی ہیں ۔ اس قصے کے مصنف کا نام غالباً آدم تھا جیسا کہ آخری بیت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ البتہ ابتدا کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ۱۲۶۹ھ میں بمقام بمبئی چھپ چکا تھا یہ عبارت بطور ترقیمہ نیچے درج ہے ۔

آغاز :۔

ہو کس سے حمد یارو اس خدا کی	کہ جس نے عرش اور کرسی بنا کی
کیا بیٹھے تو یوں قدرت سے قائم	رکھا ہے بے ستوں افلاک دائم

اختتام :۔

چلا مرضی میں جو بندہ میاں کی	اوسے نعمت ملی دونوں جہاں کی
کہاں رہزن کہاں اس شاہ کی ذات	دکھایا حق نے قدرت کا طلسمات
کسی سے حال آدم اپنا مت کہہ	خدا کی یاد میں مشغول ہو رہ

ترقیمہ :۔

"عاصی علی بھائی بن لقمان جی کی کمپنی نے اپنے مطبع حیدری میں چھپایا ۱۲۶۹ھ"

یہ عبارت اس نسخے کے عنوان پر درج ہے ۔ کاتب نے غالباً

جو مدنسخہ سے اس کو نقل کیا ہے لیکن نہ اپنا نام لکھا
د نہ سنہ کتابت۔ اس کے بعد رمضان شاہ کا ایک قطعہ
ج ہے۔ دیکھو مخطوطہ (۱۶۹) اس قطعے کے آخر میں جو عبارت شامل ہے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بمقام نرساپور تعلقہ نرمل
مل کی گئی ہے۔

---

۱۶۹) قطعۂ رمضان شاہ [۲۰۲ ب]

اوراق ۲۔ سطور ۲۰
تقطیع ۔ خط نستعلیق۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۹ھ۔

یہ ۲۰ اشعار کا ایک قطعہ ہے جس میں ایک مذہبی
رنگ رمضان شاہ نے مذہب و طریقت کے امور بیان کئے ہیں۔
معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بڑی کتاب کا ایک حصہ ہے۔

آغاز :-

صدق دل سے مومنو اللہ کی باتیں تم سنو
اللہ کو حاضر تم گنو مت بھولو اس کو ایک دم
اے مومنو پیدا کیا تم کو خدا نے از کرم
تم کیوں نمازیں چھوڑ کر کرتے ہو اپنے پر ستم

اختتام :-

نونا نہ کام آوے وہاں غیر از عمل رمضان شاہ
یا مصطفےٰ ہووے شفیع یا بخشے مولے از کرم
بھائی کو بھائی چھوڑ دے بیٹی کو مائی چھوڑ دے
خاوند گنگائی چھوڑ دے ایسی پڑے کھل بل بہم

اس کے بعد "ولہ" کی سرخی قائم کر کے دو فارسی شعر لکھے ہیں
جن میں سے پہلا یہ ہے :-

نوبہار است جنوں چاک گریباں مددے
آتش افتادہ بجاں جنبش داماں مددے

اس کے محاذی "درزبان ہندوستانی" کے عنوان سے ایک
نسخہ لکھا ہے۔ جس کے آخر میں درج ہے۔
"نرساپور نرمل تعلقہ"
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ نرساپور میں لکھا گیا ہے۔
کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

---

۱۷۰) دُررِ اسرار [۹۵]

اوراق ۶۔ سطور ۱۶۔
تقطیع ۔ خط نستعلیق شکستہ معمولی۔
مصنف خواجہ بندہ نواز (؟)۔ سنہ تصنیف قبل ۸۲۵ھ (؟)
خواجہ بندہ نواز سے منسوب ایک رسالہ معراج العاشقین
شایع ہو چکا ہے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے
دکنی نثر میں متعدد رسالے لکھے تھے۔ ان کے بعض اقوال
و مواعظ کو ان کے معتقدین و مریدین نے بھی کتابی
شکل میں لکھ کر ان کے نام معنون کر دیا ہے۔
زیر نظر کتاب بھی اردو نثر میں ہے لیکن ٹھیک طور پر
نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خواجہ بندہ نواز ہی کی زبان ہے۔
ممکن ہے کہ ان کے کسی معتقد نے ان کے مقولوں یا ان کے
فارسی کے کسی رسالہ کو اردو کا جامہ پہنایا ہو۔ اس کے
عنوان پر لکھا ہے :-

"یہ رسالہ دُررِ اسرار ہے۔ لُو دُر ہیں۔ تصنیف خواجہ
بندہ نواز صاحب کی ہے"

زبان کے لحاظ سے یہ اوائل گیارھویں صدی کی کتاب

معلوم ہوتی ہے۔ اور کتابت اواخر تیرھویں صدی کی ہوگی۔ کاتب نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ سنہ تصنیف۔

جیسا کہ عنوان کی عبارت سے ظاہر ہے اس کتاب کو نو عنوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر عنوان ایک آیت قرآنی سے شروع ہوتا ہے جو اصل میں اس مجموعے کا ایک جز ہے جس کی صوفیانہ تشریح دکنی نثر میں تفصیل سے کی گئی ہے۔

آغاز:۔

"پہلا دُر۔ کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلق۔ یعنے آں سلطان اپنی ذات کی دریا میں چار راس گنج رکھا تھا بقا کے موتیوں سوں بھر کر۔ اور اس حال میں ایکایک۔ اوس گنج کی طرف نظر کیا۔ اوس موتیوں کا اوجالا دیکھ کر عاشق ہوا۔ مصلحت تجویز میں لایا۔ جو لاج کے موتیاں چھوپا کر رکھنا خوب نہیں۔ بلکہ عاشقاں کے بازار میں ظاہر کرنا بھلا ہے"

اختتام:۔

واجب الوجود کی بات شریعت کا مقام نفس امارہ ہے ذکر جلی زبان سے بولنا۔ اللہ تعالیٰ منع کیا سونیں کرنا۔ اور پیر منع کیا سونیں کرنا۔ سب سے بہتر ذکر قلبی ہے اور اللہ ...... محبت زیادہ رکھنا۔ اور اسے مدام مشغول رہنا اور سوائے اس کی یاد کے کوئی کام نہیں کرنا ...... اوسی کے کام میں سمجھنا اور وہ صاحب کو سب سے بڑا و بہتر سمجھنا اور اس کے دیدار کا عشق دل میں مدام رکھنا۔ آمین ثم آمین"۔

اس کے بعد دوسرے صفحے سے بعنوان "ایضاً" چند احادیث اور آیات قرآنی اردو ترجمے کے ساتھ درج ہیں۔ اس حصہ کا آغاز یوں کیا گیا ہے:۔

"ایضاً۔ کیفیت یہ حدیث دلیل کرنا عارف سے خلاصہ کرنا"

---

(۱۷۱) ہدایت المومنین (؟) [۶۷۳

اوراق ۴۱۔ سطور ۱۱ فی صفحہ۔

تقطیع ۵ ½ × ½ ۹۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔

زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ۔

یہ قدیم دکنی نثر میں ایک مذہبی رسالہ ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ زبان ۱۲۰۰ھ سے قبل کی ہے۔ ابتدائی ایک ورق غائب ہے پہلے طویل تمہید لکھی ہے جس کے بعد ابواب شروع کئے گئے ہیں۔ چونکہ ناقص الآخر ہے اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ کل کتنے ابواب تھے۔ بحالت موجودہ ابواب کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ فرض مسلمان ۔ ۲۔ اپنے کو سمجھنے کا بیان
۳۔ خدا کو دیکھنا ۔ ۴۔ معراج کا بیان
۵۔ موت حیات ۔ ۶۔ ایمان
۷۔ عشق ۔ ۸۔ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفہ
۹۔ نیت ۔ ۱۰۔ وضو
۱۱۔ کلمہ ۔ ۱۲۔ نماز
۱۳۔ قبلہ ۔ ۱۴۔ روزہ
۱۵۔ حج ۔ ۱۶۔ زکواۃ
۱۷۔ تین قسم کا آدمی ۔ ۱۸۔ دنیا
۱۹۔ نفس ۔ ۲۰۔ فقر و فقیر
۲۱۔ وجود جوہر حقیقی

ہر باب میں آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ، ملفوظات صحابۂ کرامؓ

اور مشہور علما و صوفیا مثلاً عین القضات، غزالی، رومی
ابوالحسن نوری، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید، شبلی
ورّاق، معروف کرخی، ابوسعید ابوالخیر، منصور الحسین، بوعلی سینا
کے اقوال بطور دلیل پیش کئے گئے ہیں ۔

یہ کتاب اگرچہ ابتدا میں مکمل معلوم ہوتی ہے لیکن تین
ورقوں کے بعد درمیان میں دو ورق معرّا چھوٹے ہوئے
ہیں اس لئے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ابتدائی اوراق اور
بعد کی کتاب ایک ہی ہے یا دو علحدہ کتابوں کے ورق ہیں۔
اس لئے ہم پہلے ابتدائی حصے کے آغازی و اختتامی جملے
یہاں نقل کرتے ہیں : ۔

آغاز :۔

"اے طالب حق سبحانہ تعالیٰ قدرت بالغہ سے اپنے
زبدۂ خاک سے نباۃ کو نباۃ سے حیوان کو حیوان سے
انسان کو انسان سے انسان کامل کو پیدا کر کر چہار
روح مقرر کیا۔"

اختتام :۔

"گوش جان سے سنا جیسا کہ بہار طفلی، دعویٰ کا لا جوانی،
حزکالا ضعیفی، خزاں پیری و گورنشینی ہے ۔ اے طالب
آواز سو گرجنا اور آنگ مانند بجلی کے ہے ۔ اور رونا
مانند بارش کے ہے اور ساتوں آسمان مانند سات
تہہ کے ہے جیسا کہ اندر سر کے مغز کے اوپر ......
کھینچا ہے اور نیچے بھی مغز کے سات تہہ باہم کے
آپس میں ملے ہوئے ہیں سو مانند سات طبق زمین
کے ہیں گردانا۔"

اس عبارت کے بعد دو ورق بالکل معرا ہیں ۔
پھر ابتدائے صفحہ سے یہ عبارت شروع ہوتی ہے ۔

" نور برہنہ تصویر سے نظر آیا۔ پھر اس تصویر کو برہنہ
رہنا مناسب نہ جانا تب عادت میں آکر کثرت وحدت
سے عناصروں کی صورت سے آراستہ کیا اور نام انسان
کر کر دکھایا"

پہلا باب اس طرح شروع کیا ہے : ۔

" باب اول مسلمان پر فرض ہے سو کہنا ہے حدیث نبوی
جاما علی الانسان عن یصعدون شیخ کلیل لا اجلالہ
تحصلا عنہ مکان فی العجم او فی الشام (ترجمہ) خدا کہا فرض ہے
اے عزیز اوپر انسان کے طلب کرنا مرشد کامل کو اور
حاصل کرنا ان سے نبی صاحب کی بوجھ اور اپنی معرفت"

اکیسواں باب اس طرح شروع ہوا ہے : ۔

" باب اکیسواں وجود جوہر حقیقی کے بیان میں ۔ قول ۔
من عرف نفسہ فہو کافر ۔ فقد عرف ربہ فہو مشرک ۔
یعنے پردۂ کفر میں نور محمدؐ کو دیکھنا کفر ہے اور پردۂ
نور میں ذات کو دیکھنا شرک ہے ۔"

یہ ناقص الآخر نسخہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے : ۔

" قولہ تعالیٰ خرسنا بصوتک یا اللہ ۔ اے بار خدایا
وجود میرا منور ذاتی کر تا تجلی پاؤں ۔ ان شغلوں سے
مکن او بزرگ کو خدا کے حوالے کرو تا کہ اس میں شیطان
داخل نہ ہو ۔"

اس کتاب کا نام ٹھیک طور پر معلوم نہ ہوسکا ۔ عنوان
پر جو نام درج ہے وہ مضامین کتاب کے مناسب
راقم الحروف نے لکھ دیا ہے ۔ یہ نسخہ کاتب نے نہایت
غلط نقل کیا ہے ۔

(۱۷۲) مراقبات سلوک [۷۵]

اوراق ۱۳ - سطور ۶ -
تقطیع ۹ × ۵ ۸ - خط نستعلیق - عنوان سرخی میں -
مصنف محمد نعیم مسکین شاہ - سنہ تصنیف ۱۲۷۶ھ
کاتب - محمد علی شاہ صدیقی - سنہ کتابت ۱۳۱۰ھ -

اردو نثر کے اس رسالے میں حیدرآباد دکن کے ایک مشہور صوفی محمد نعیم عرف مسکین شاہ صاحب نے اپنے نقشبندیہ سلسلے کے مریدوں کے لئے مراقبات کے طریقے بیان کئے ہیں -

مسکین شاہ صاحب کی تاریخ ولادت ۱۲۰۲ھ ہے اردو نظم و نثر دونوں میں ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ علم وفضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ان کی بڑی شہرت تھی - وہ نقشبندیہ سلسلہ کے مرشد تھے اور خود حضرت شاہ سعد اللہ (خلیفہ شاہ غلام علی، خلیفہ مرزا مظہر جان جاناں) کے خلیفہ اور فیض یافتہ تھے -

مسکین شاہ کی تمام عمر اذکار و اشغال میں بسر ہوئی ہزارہا لوگ ان کے مرید و معتقد تھے - خود غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس بھی کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور جب ۱۳۱۴ھ میں وفات پائی تو خلق کے کثیر اژدحام کے ساتھ شاہ وقت نے بھی دور تک ان کے جنازہ کو کاندھا دیا - اندرون دروازۂ علی آباد مسجد الماس کے صحن میں مدفون ہوئے - ان کے بعد ان کے خلیفہ احمد خیر الدین صاحب بہت مشہور ہوئے جو بنی خانہ واقع پتھر گٹی حیدرآباد میں مرجع خلایق تھے -

مسکین شاہ صاحب کی اولاد حیدرآباد میں موجود ہے ان کے فرزند تسکین شاہ ان کی جگہ قائم مقام ہوئے ان کی آل میں ڈاکٹر قاری قطب الدین صاحب نائب ناظم دفتر دیوانی و مال قابلِ ذکر ہیں - مسکین شاہ صاحب کے مختصر حالات تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر سوم ۱۱۹ و ۱۲۰ میں بھی درج ہیں -

ان کے زیر نظر رسالے کے علاوہ ان کے کلام کے منتخبات کے قلمی نسخے بھی ادارے میں موجود ہیں -

آغاز :-

" الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہٗ وعلی آلہ واصحابہ الذین حصلوا القرب وسعدہٗ -
بعد حمد وصلوٰۃ کے فقیر محمد نعیم معروف سات مسکین شاہ کے مراقبات نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے تئیں سات زبان ہندی کے جس طور سے کہ طالبوں کو تعلیم دیتا ہے بیچ اس مختصر کے تحریر کرتا ہے "

اختتام :-

" مراقبہ لاتعین وہ ذات جو لاتعین ہے اوس ذات سے فیض آتا ہے مرشد کی ہیئت وجدانی پر - وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وجدانی پر -
مراقبات سلوک نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ بتاریخ گیارھویں رجب المرجب ۱۲۷۶ھ نبوی تھے کہ اتمام کو پہونچی - اللہ تعالیٰ تصدیق سے نعلین مبارک حبیب کریم اپنے صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین مقبول قلوب پیران کبار رحمہم اللہ کرے -
آمین ثم آمین - تاریخ این رسالہ
ارشاد شدہ است "
۱۲۷۶ھ

اس رسالے کے ساتھ مسکین شاہ صاحب کے دو تین شجرے ہیں جو انہوں نے اپنے مرید حاجی خان محمدؒ کو لکھ دیئے تھے۔ ابتدائی ورق پر دو جگہ اس طرح تاریخ کتابت درج ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی وفات سے قبل یہ رسالہ نقل ہوا ہے۔

(۱) "المرقوم سلخ جمادی الثانی ۱۳۱۰ھ ہجری مقدسہ"

(۲) "۲۲ ماہ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ روز یکشنبہ۔ محمد علی شاہ صدیقی کان اللہ لہٗ"

---

(۱۷۳) اگر گل [۱۷۳]

اوراق ۱۶۴۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۷ × ۱۱½۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ

کاتب۔ عبدالغفور۔ سنہ کتابت ۱۲۸۴ھ۔

یہ ضخیم قصہ دکنی نثر میں ہے۔ اس میں مصنف اور سنہ تصنیف کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ اواخل تیرھویں صدی کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ عام کتابوں کی طرح اس میں حمد و نعت کے مضامین نہیں ہیں بلکہ ساتھ ہی قصہ شروع کر دیا ہے جو شہر ختناش کے بادشاہ فیروز شاہ کے واقعہ سے آغاز ہوتا ہے یہ بادشاہ فرزند کی خواہش میں تخت چھوڑ کر جنگل کو روانہ ہوا تھا۔ یہ قصہ داستان کے طور پر مسلسل قلمبند کیا گیا ہے۔ پریوں اور دیووں سے بھی کام لیا گیا ہے۔ درمیان میں عنوانات قائم نہیں کئے گئے ہیں بلکہ رجال داستان کے نام ہر جگہ سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔

گل عاشق کا نام ہے اور اگر معشوق کا۔ لیکن اگر ہمیشہ مردانہ لباس میں رہتی اور اپنی نسوانیت کو چھپا رکھا تھا۔ اور شادی کے بعد بھی تعلق زناشوی سے دونوں باز رہے۔ اس موقعہ پر مصنف کہتا ہے کہ:-

"روایت کرنے والا اس قصۂ اگر گل کا ایسا بیان کرتا ہے کہ ان دونوں عاشق معشوق کی محبت تا روز قیامت پاک رہی۔"

آغاز:-

"بندہ سے ثنا حضرت استاد کی کیا ہو
مظہر ہے خداوند کی وہ شان اتم کا

راویانِ اخبار و ناقلانِ آثار خوشہ چینی والے اور سخن جاننے والے زمانۂ پیشین کے ایسا بیان لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا بہت بڑا بادشاہ عادل اور نام اس کا فیروز شاہ۔"

اختتام:-

خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ واللہ اعلم بالصواب گناہ بگردن راوی۔ اگر راست ہے تو اللہ کے (اپنے) فضل و کرم سے ایسا عشق پاک بندوں کو نصیب کرے برکت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ اصحابہ وسلم۔ جو صاحب کہ اس قصہ کو پڑھیں یا ملاحظہ میں لاویں تو سہو یا خطا ہوئے تو معاف رکھنا اور اصلاح سے دریغ نہ رکھنا۔

ترقیمہ:-

"ہذا قصۂ اگر گل بتاریخ ہفدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۸۴ھ ہجری نبوی بروز چہارشنبہ مابین الظہر والعصر بخط زشت عبدالغفور حلّیہ اتمام پوشید۔"

یہ قلمی نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ آغاز و اختتام

کے اوراق پر ان کی بیضوی مہریں "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۳۳۶ھ" اور سرورق پر ان کے حسب ذیل دستخط ہیں :۔

"ہدیہ عنایت جنگ بہ ادارۂ ادبیات اردو. رفعت منزل حیدرآباد دکن ۶ آبان ۱۳۵۰ف"

(۱۷۴) مخمس ولی [۶۸۱]

اوراق ۳۔ سطور ۱۴۔

تقطیع ۱/۲ ۸ × ۱/۲ ۵۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔

مصنف۔ ولی اورنگ آبادی۔

کاتب۔ فیاض۔ سنۂ کتابت ۱۲۱۱ھ۔

شاہ وجیہہ الدین گجراتی کی توصیف میں یہ ایک ترکیب بند ہے جس میں جملہ پانچ (۵) بند ہیں اور ہر بند میں دس شعر ہیں جن کے آخر میں ایک ہی شعر درج کیا گیا ہے۔ وہ شعر جس کی اس نظم میں تضمین کی گئی ہے یہ ہے :۔

اے امام جمیع اہل یقین   قبلۂ راستاں وجیہہ الدین

یہ ترکیب بند تعبیر نامہ، فال نامہ اور دیگر ادعیہ فارسی و عربی کے ایک مجموعے میں شریک ہے جس کو فیاض نے بطور بیاض ماہ جمادی الاول ۱۲۱۱ہجری میں نقل کیا ہے۔

یہ ترکیب بند مطبوعہ کلیات ولی میں بھی موجود ہے۔

ولی کے کلام کے کئی اور مجموعے ادارے میں محفوظ ہیں۔ ان کا ذکر اس فہرست میں مخطوطات ۳۶ و ۳۷ میں گزر چکا ہے۔

آغاز :۔

اے توں مقبول سرور عالم   اے توں فہرست دفتر عالم

جلوہ گر ہے توں آفتاب یقیں   تجھ سوں روشن ہے پیکر عالم

اختتام :۔

تو وہ ہے انتخاب عالم میں   جیوں کہ ہے آدمی میں نطق سخن

خوش بصارت بدل کیا ہے ولی   گرد تیری قدم کی کحل نین

اے امام جمیع اہل یقین

قبلۂ راستاں وجیہہ الدین

اس نظم کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس مجموعے میں اس سے قبل جو خواب نامہ نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے :۔

"بتاریخ شہر جمادی الاول روز یکشنبہ ۱۲۱۱ ہجری بخط خام بندہ فیاض قلمی نمودہ"

(۱۷۵) دیوان عاجز [۱۲۸ ب]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۰ فی صفحہ۔

تقطیع ۳/۴ ۳ × ۶۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔

مصنف۔ عارف الدین خاں عاجز۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۸۱ھ

عارف الدین خاں عاجز اورنگ آباد کے مشاہیر شعرا سے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد بلخ کے رہنے والے تھے۔ عہد عالمگیر میں ان کے والد ہندستان آئے اور غازی الدین خاں فیروز جنگ کے توسط سے شاہی منصب دار مقرر ہوئے۔

عاجز کم عمر تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی۔ اور وہ نواب لشکر خاں نصیر جنگ رکن الدولہ کی سرپرستی میں

پرورش پاتے رہے اور انہی کی سفارش سے نواب آصف جاہ اول اور بعد کو نواب ناصر جنگ شہید کے درباروں میں باریاب اور خطاب و منصب و جاگیر سے سرفراز ہوئے۔

فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی اردو مثنوی "لعل و گوہر" معروف ہے۔ ان کا اردو دیوان سنگلاخ زمینوں اور مشکل مضامین کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور وہ اپنی زندگی ہی میں اپنی مشکل پسندی کی وجہ سے شہرت پا چکے تھے۔ ان کا حال اکثر کتابوں مثلاً چمنستان شعرا، گلشن گفتار، تذکرہ تمنا، محبوب الزمن، دکن میں اردو، اردوے قدیم، تذکرہ شعرائے اورنگ آباد، گل رعنا، یورپ میں اردو مخطوطات وغیرہ میں درج ہے۔ لیکن محبوب الزمن جلد دوم میں ان کے حالات بہت تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

عاجز کا دیوان کمیاب ہے۔ البتہ مثنوی لعل و گوہر کئی کتب خانوں میں موجود ہے۔ وہ آخر عمر میں ناندیڑ میں مقیم تھے کہ ۱۱۸۰ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ انہوں نے خود ہی اپنے نام عارف الدین خاں عاجز سے اپنی تاریخ وفات نکالی تھی۔ وہ نہایت ظریف الطبع اور بذلہ گو تھے اور اتفاق سے اس عہد میں اورنگ آباد علما و فضلا کا مرکز تھا۔ ان میں سے اکثر عاجز کے دوست اور ساتھی تھے۔ عاجز نے دکن سے شمالی ہند کا بھی سفر کیا تھا۔ اپنی ایک غزل کے مقطع میں لکھا ہے: -

آکے دکھن سیں زباں کا خوب پھیرا ہے پٹا
یا علی عاجز کا تیرے ہند میں جس ہو چکا
(ورق ۴۰)

عاجز کا یہ دیوان قدیم اردو کلام کی ایک بیاض کے درمیان (صفحات ۴۳ تا ۷۷ میں) نقل کیا گیا ہے اور چونکہ اس بیاض کے اوراق جگہ جگہ سے غائب ہیں اس لئے افسوس ہے کہ یہ پورا دیوان نہیں ہے بلکہ اس میں صرف ردیف ژ تک مسلسل غزلیں درج ہیں۔ ابتدائی حصہ دیوان بھی نہیں ہے۔

اس دیوان میں ردیف الف کی غزلیں بہت زیادہ ہیں جن میں تقریباً ۳۰۰ اشعار ہیں۔
یہ ردیف اس شعر پر ختم ہوتی ہے: -

گر او میں خورشید رو کی فکر جہانی کروں عاجز
ستاروں کے بدلے کوں توڑ نیلوں چاند کا مانند (ورق ۶۲ ب)

ردیف ب کی پہلی اور آخری غزل کے مقطع یہ ہیں: -

جب سے کیا ہوں گلبدنوں کے عرق کے وصف
عاجز ہوا ہے چشمۂ عطر گلاب سب (ورق ۶۳)

ہماری آہ کو سن آہ دست سب عاجز
گئے ہیں بھاگ کے فرہاد و قیس پاکے ہیب (۶۴)

دوسری ردیفوں کے ابتدائی اشعار یہ ہیں: -

ت۔ کر آرسی کی طرح تماشائے خوب و زشت
دل میں کسی میں عکس نہ رکھ اے تو نا سرشت (ورق ۶۵)

ٹ۔ زبان اب آہ دل میں غم کی لگی ہے کھٹ پٹ
انکھوں سے اشک پل پل گرتے ہیں لال پٹ پٹ (۶۷)

ث۔ نو بہار آئی نہیں آیا مرا لال الغیاث
آہ (کے) داغوں سے دل (گل) ہوئے گا اس سال الغیاث (۶۸)

ج۔ گلزار میں بہار ہے چل بیگی لال آج
گل توڑ رنگ سیتی ہوا یوں مرا مزاج (۶۹)

ج۔ چمن میں گل کے سجن بے حجاب ساغر کھینچ
بہار رنگ گلستاں کے سر میں چادر کھینچ (۷۰)

د۔ عید ہے وصال ترا مجکو در طرب لی سو کند
آشنائی سیں تجھے بیری طلب کی سو گند (۷۱)

ر۔ آج جان دیکھ مجکوں قربان ہوں کس کی خاطر
مانند چشم بسمل حیران ہوں کس کی خاطر (۷۲)

ڑ۔ تجھ مکھ کوں دیکھ چاند گگن میں گیا او کھڑ
تجھ قد کوں دیکھ سرو چمن میں گیا او کھڑ (۷۷ ب)

اس نامکمل دیوان میں تقریباً ۵۰۰ اشعار ہیں۔ اور اس کی اکثر غزلوں کی زمینوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مشاعروں کے لئے کہی گئی تھیں۔ کیونکہ میرؔ، سراجؔ، مظہر جان جاناں وغیرہ کی غزلیں بھی انہی زمینوں میں ملتی ہیں۔ غالبؔ کی مشہور غزل (جس کا ایک مصرع ہے:۔ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ) کی زمین میں بھی عاجزؔ کے یہاں ایک غزل موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عاجزؔ کی یہ غزل اتنی مشہور ہوئی تھی کہ اس کے سو سال بعد غالبؔ کے زمانے تک یہ زمین رائج رہی۔

افسوس ہے کہ یہ دیوان ناقص ہے اور کاتب نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ سنہ کتابت۔ اواخر تیرھویں صدی کی کتابت ہے۔ اور اس بیاض میں ولیؔ، سراجؔ، رحمٰن شاہ، مرتبہؔ، صاحبؔ اور سوداؔ کے منتخب اشعار بھی درج ہیں۔

آغاز:۔

دیکھ اس ذات نیرنگ کوں رنگوں سیں گل پڑا
......تمہاری ذات تد جیوں گھانس کا بنڈا لڑا

مشرق ستیں سورج تری خوبی کو سن آیا نکل
ہو برابر کانپ کے پیلا ہو مغرب کو مڑا

اختتام:۔

غم نے لیا ہے جب سیں مجھے کھینچ میں......
ڈورا نشاط طبع کا من سیں گیا او کھڑا!

عاجزؔ کمند غم میں جگر بند جب سیں ہوں
جیوں بال بند بند بدن سیں گیا او کھڑ

(۱۷۶) قصۂ سیہ پوش [۱۲۸ د]

اوراق ۱۰۔ سطور ۱۶۔
تقطیع ۴½×۷۔ خط نستعلیق معمولی۔
مصنف رحمٰن شاہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۳ھ۔

یہ ایک ناقص الاول دکنی مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ تقریباً ۱۵۰ ابیات ہیں۔ آخری بیت میں مصنف نے اپنا نام رحمان شاہ لکھا ہے۔ یہ غالباً وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۲۵ میں گزر چکا ہے۔

رحمٰن شاہ، مولنا شاہ رفیع الدین قندہاری (خلیفہ شاہ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ) کے خلیفہ تھے اور ان کے ذریعہ سے خواجہ صاحب کا فیض دکن میں دور دور پہنچا تھا۔ چنانچہ فقیر اللہ شاہ حیدر انہی کے مرید تھے۔ اور ان کا ذکر اپنی کتاب نظم انور میں بہ عنوان "مرید و فقیر شدن بہ خاندان چہار طرق از حضرت رحمان شاہ و مولوی رفیع الدین" کیا ہے۔

دیکھو فہرست ہذا صـ ۱۶۰

رحمٰن شاہ کے مرشدوں اور مریدوں میں سب مصنفین اور شاعر گزرے ہیں۔ یعنے خواجہ رحمت اللہ اور شاہ رفیع الدین تو دادا پیر اور پیر تھے - اور حسینی بادشاہ اور سلطان محی الدین قادری ان کے خلیفہ اور خلیفہ کے مرید تھے - ان سب کی کتابوں کا تذکرہ اس فہرست میں درج ہے۔ (دیکھو مخطوطات نمبر ۱۳۴ تا ۱۳۸ - ۱۲۵، ۱۲۶ - ۱۵۶ تا ۱۶۱)

یہ مثنوی ادارے کی بیاض نمبر ۱۲۸ کے اوراق ۹۵ تا ۱۰۵ میں درج ہے۔ اسی بیاض میں دیوان عاجزؔ اور ولیؔ، سراجؔ اور مدتیہ وغیرہ کا کلام بھی محفوظ ہے -

اس مثنوی کی زبان قدیم ہے اور اس لحاظ سے یہ کتاب ۱۱۰۰ھ کے قریب زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آخری بیت میں مصنف کا نام رحمان شاہ صاف لکھا ہے جو ۱۲۴۰ھ کے قریب فوت ہوئے - یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسرے رحمان شاہ ہوں -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اصل میں بہت طویل ہوگی کیونکہ ان ۱۵۰ ابیات میں قصہ کا آخری حصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ -

"ایک نوجوان وزیرزادی پر عاشق تھا جو چوّدہ سال کی تھی۔ جس سے ملنے کے لئے سیہ پوش ہو کر وہ رات کو چوروں کی طرح چھپ کر جاتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے چوری کے الزام میں اس کے قتل کا حکم دیا - وہ رات کو وزیرزادی سے مل کر بیان کرتا ہے کہ کل صبح مجھے بادشاہ قتل کر رہا ہے تو سیہ پوش بن کر ماتم کے لئے سربازار نکل آنا اور جب مجھے چوک میں قتل کرنے لگیں تو اپنے کو ظاہر کرنا - چنانچہ یہی ہوا۔ بادشاہ نے وزیر سے یہ راز پوچھا اور جب اس کو حقیقت معلوم ہوئی تو نوجوان کو اپنا بیٹا بنا کر وزیرزادی سے شادی کر دی۔

شاعر نے منظر نگاری بہت اچھی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی کا مصنف اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ ذیل میں آغاز و اختتام کے سلسلہ میں زیادہ اشعار پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ کلام کا کافی نمونہ درج ہو۔

آغاز :-

جواں تھا یہ وہ میں نہایت قدم لگا بولنے آہ کردم بہ دم
اگر خوبی اوس کی کہیں گر سخن خدا ایک شاہد ہے مانو تمن !
کہ چوّدہ برس کی ہی وہ نار ہے زلیخا سوں خوبی میں طرار ہے
اگر وہ صحن بیچ جلوہ کرے فدائی میں سورج پگوں پر پڑے

اختتام :-

چھپے جگ میں کیوں عشق بازی کہو حقیقی اگر یا مجازی کہو
جو کوئی عشق راکھے چھپا دل میں سرانجام راکھے اچھے خلق میں
جواں نے لیا عشق آدھی رات کوں کئے عشق نے فاش اس بات کوں
جواں چور نیں بلکہ عشاق ہے سیہ پوش دختر کا مشتاق ہے
دو نو یار کو بادشاہ نے شتاب بولائے طرف اپنے عالی جناب
جو کوئی خاص سلطاں کے ہمدم اتھے نہاں راز کے وقت محرم اتھے
وزیراں امیراں دگر بے حساب قدم بوس کرتے چلے در رکاب !
خوشی کرتے سلطان اپنے محل ہزار آفریں کیا کیا ہے عمل !
برسم نکاح مہربانی کئے غرض شہر کی میہمانی کئے !
تماشے سنوارے کتنے بے حساب سنادے تکو گر لکھوں جو کتاب
نکاح کر دے با شرط اسلام ہے کرم شاہ کا اور انعام ہے
حشم اور رقم لاؤ لشکر دیا اونہیں منصب خوب برتر دیا
سدا ہو رہیشہ صبح شام کوں رہیں دونوں مل مل کے آرام سوں
گلے لاگ بیٹھے گلے لاگ ہو سدا دل کی شادی سوں سب غم کوں دھو

خدایا بحق نبی الکرام ! ملا بچھڑے یاراں کو باشاد کام
کیا شاہ رحمان نے قصہ تمام بحق محمدؐ علیہ السلام !

ترقیمہ :-

"و تمت تمام شد ایں قصۂ سیہ پوش"
کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت نہیں لکھا۔

---

(۱۷۷) بیاض اشعار [ج ۱۲۸]

اوراق ۹۴ - سطور ۱۶ - کہیں ۱۰ -
تقطیع ½۴" × ۷" - خط نستعلیق -
ولیؔ، سراجؔ، کمھنؔ، داؤدؔ، صاحبؔ،
سوداؔ، قاسمؔ، اخلاصؔ وغیرہ کا کلام۔
کتابت قبل ۱۲۰۰ھ -

یہ ایک نہایت اہم بیاض ہے جس میں ۱۲۰۰ھ سے قبل کے چند معروف اور اکثر غیر معروف شعرا کے کلام کے منتخبات درج ہیں۔ اس بیاض کا مرتب کوئی صاحبِ ذوق علم دوست تھا جس نے اپنی پسند کے اشعار اور غزلیں اور ترکیب بند نقل کئے ہیں۔ کچھ اشعار فارسی اور ہندی بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعہ اس لئے زیادہ اہم ہے کہ اس میں اکثر کلام غیر مطبوعہ ہے اور جو مطبوعہ بھی ہے اس کے اکثر اشعار میں کمی بیشی اور الفاظ میں تبدیلی پائی جاتی ہے۔ بعض اوراق چونکہ درمیان میں غائب ہیں اس لئے چند نظموں اور غزلوں کے ابتدائی یا آخری حصص بھی محفوظ نہیں ہیں اس لئے اس مخطوطے کی جملہ نظموں اور غزلوں کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ تاریخ ادب کے محققین کے لئے سہولت کا باعث ہو۔

۱۔ ترجیع بند۔ کسی دکنی شاعر حیرتؔ کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ علی عادل شاہ شاہیؔ کے رنگ میں یہ ترجیع بند لکھا گیا ہے۔ چنانچہ ہندی الفاظ کی اسی طرح کثرت ہے اور بحر بھی وہی ہے۔ بحالت موجودہ جملہ پانچ بند ہیں لیکن یہ کسی طویل ترجیع بند کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

آغاز :-

(چونکہ یہ ترجیع بند ناقص الاول ہے اس لئے ابتدائی ناقص بند کے علاوہ اس کے بعد کا پورا ایک بند بھی نقل کیا جا رہا ہے۔)

کوئی پوچھے درد نہ میرا جی کیوں حال سو تیرا ایسا آ ہی
جب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین امن سب بھاویں گے
میں پیم بکھارن ہوتی ہوں لے راکھ بھبھوت مکھ دھوتی ہوں
اس کارن در در ہوتی ہوں دن رین نہیں میں سوتی ہوں
جب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین امن سب بھاویں گے

اختتام :-

یو لوگ سبھی رنگ راتے ہیں یو سوگ مرا اُترا تے ہیں
یو جور و جفا سب جاتے ہیں اٹھ حیرتؔ پیم آتے ہیں
جب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین امن سب بھاویں گے (ورق ۳۴ الف ب)

چوتھے مصرعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا تخلص حیرتؔ تھا۔ وہ انداز بیان سے اعلےٰ درجہ کا شاعر معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس کا اور کوئی کلام اب تک دستیاب نہ ہوا۔

۲۔ **ترجیع بند**۔ اس میں ۹ بند ہیں اور ہر بند میں
۔ مصرع۔ آخری دو مصرع ہر بند میں مشترک ہیں۔
آخری بند سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا تخلص غالباً
کھن تھا۔ اس کا اسلوب بھی جیرتؔ اور علی عادل شاہ
شاہی سے ملتا جلتا ہے۔

آغاز:۔

اوس باج سدا جیو ڈوب رہیں
تن جیو بنا لیوں خوب رہیں
کیا قالب کوں اسلوب رہیں
کیوں عاشق بن محبوب رہیں
کیوں طالب بن مطلوب رہیں
اے ہدہد جا رے پیہو کنے سُد تن کی لے جا جیہ کنے

اختتام:۔

وو موہن مرا دلدار کہاں
وو لالن مرا عیار کہاں
وو دلربا اقرار کہاں
وو راز دل اسرار کہاں
وو کھن جانی یار کہاں
اے ہدہد جا رے پیہو کنے سُد تن کی لے جا جیہ کنے
(ورق ۱۳۱ الف تا ۳۲ ب)

۳۔ **غزل**۔ اس کے صرف تین شعر ہیں غالباً آخری
اشعار نقل نہیں کئے گئے۔ زبان اور اسلوب کے لحاظ
سے عہد ولیؔ سے قبل کا کوئی شاعر معلوم ہوتا ہے۔

مطلع۔ تاریک کر چلے ہو سجن گھر ہمارے کوں
روشن کرے گا کون سجن اس اندھارے کوں

مقطع۔ مدت سوں تیرے غم سوں تڑپتے پڑے ہیں ہم
خوش حال کب کروگے سجن اپنے پیارے کوں (ورق ۳۱)

۴۔ **غزل**۔ صرف چار شعر ہیں۔ اس میں بھی غالباً آخری
شعر حذف کر دئے گئے ہیں۔

مطلع۔ پھرتا ہے یو سریجن دیکھو سکھی اگن میں
جیسا صبح سنوبر اہلہ کرے چمن میں

مقطع۔ کیوں کر نماز میری ہووے قبول یارب
سجدا کروں خدا کوں دل بھی بسے سجن میں (ورق ۳۰)

۵۔ **غزل**۔ یہ ۵ اشعار کی غزل ہے۔ ولیؔ کی غزل ہے یا
اسی کے کسی ہم عصر کی۔

مطلع۔ کیا کروں آج یار جاتا ہے ..... بات کا شکار جاتا ہے
مقطع۔ یاالٰہی او سے اماں سوں لجا راہ میں بے ہتیار جاتا ہے (ورق ۳۰)

۶۔ **غزل**۔ یہ ولیؔ کی مشہور غزل ہے۔ صرف ۵ شعر نقل کئے گئے ہیں۔

مطلع۔ صحبت غیر میں جایا نہ کرو درد مندوں کو کڑھایا نہ کرو
مقطع۔ پاک بازاں میں ہے مشہور ولیؔ اوسے چہرے کوں چھپایا نہ کرو (ورق ۳۰)

۷۔ **غزل سراج**۔ ۶ اشعار۔

مطلع۔ دن بدن اب لطف تیرا ہم پہ کم ہونے لگا
یا تو تھا دیا کرم یا یہ ستم ہونے لگا

مقطع۔ اے سجن ہر رات یہ مصرع ہو اور دسراج
دن بدن اب لطف تیرا ہم پہ کم ہونے لگا (ورق ۲۹ ب)

۸۔ **غزل ولیؔ**۔ ۵ اشعار۔

مطلع۔ شراب شوق سوں سرشار ہیں ہم
کبھو بے خود کبھو ہوشیار ہیں ہم

مقطع۔ ولیؔ وصل جدائی سوں صنم کے
کبھو صحرا کبھو گلزار ہیں ہم

(ورق ۲۹)

۹۔ غزل سراج ۔ ۹ شعر

مطلع ۔ ہے دل میں خیال گل رخسار کسی کا   داغوں سوں محبت کے ہے گلزار کسی کا

مقطع ۔ ہر رات سراج آتش غم میں نہ جلے کیوں   پروانہ تن جاں سوں ہے بلہار کسی کا

(ورق ۲۸ ب)

۱۰۔ غزل عاجز۔ ۵ شعر۔ ان کا منتخب دیوان بھی اسی مخطوطے میں شامل ہے جس کا ذکر علحدہ اس کے بعد درج ہے۔

مطلع ۔ عاشقی کی رہ میں آ سر رکھ قدم کوں بھول جا
راہ جانبازوں کی ہے یہاں ۔ مت کچن پر بھول جا
(پر دم کوں)

مقطع ۔ اے پری عاجز کی باتوں پر نظر کر یا طرح
ریختہ رنگین فکر گلزار ارم کوں بھول جا (ورق ۲۸ ا)

۱۱۔ ترجیع بند ۔ ۱۰ بند ہیں ۔

آغاز :۔

اے ظالم تجھ انکھیاں کا لجانا کیا قیامت ہے
لٹک کر سامنے آ مکھ دکھانا کیا قیامت ہے
لجا کر مکھ کو گھونگھٹ میانے چھپانا کیا قیامت ہے
دھڑی لب پر جما کر پان کھانا کیا قیامت ہے
شفق اور شام ہو تو مکھ دکھانا کیا قیامت ہے

اختتام :۔

کہو میری طرف سے جا کے اس رس کی رسیلی سوں
کناری اوڑھنے والی سوں اس سج کی سجیلی سوں
لگا ہے دل مرا تجھ ہٹ بھری چنچل چھبیلی سوں
...... بہوت تجھ سات لیکن تجھ اکیلی سوں
سمجھ سب راز تجھ مطلب نہ پایا کیا قیامت ہے (ورق ۲۵ ب)

۱۲۔ دوہرے ۔ چھ دوہرے ہیں جن میں سے پہلا اور آخری یہ ہے :۔

سونا لاؤں پی گئے اور سونا کر گئے دیس
سونا بھیا نا پی بھئے سو روپا ہو گئے کیس

آہ دیئے کیسے بنے ان چاہت سے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں سو جر جر رو پتنگ (ورق ۲۵)

۱۳۔ غزل حسامی ۔ ۸ شعر یہ کوئی غیر معروف شاعر ہیں۔ غالباً ولی کے بعد گزرے ہیں۔

مطلع ۔ اس زمانے میں کوئی مونس و غمخوار نہیں
آشنا بہوت ولے یار وفادار نہیں

مقطع ۔ تم تو صاحب ہو مروت سوں تمیں کیا کہیئے
اور حسامی کوں بجز مطلب دیدار نہیں (ورق ۲۴)

۱۴۔ غزل حیات ۔ ۵ شعر۔ یہ بھی غیر معروف شاعر ہیں جو غالباً ولی سے قبل گزرے۔

مطلع ۔ خدا کی سوں رے خدا کے تو کو خدا کا ملنا کٹھن بھیا ہے
کس آنکھیں جا کر کہوں حقیقت جگر پہ غم کا وطن بھیا ہے

مقطع ۔ حیات غم سوں ہوا دیوانہ رو رو رکت میں سورج کہانہ
خدا گواہ ہے نگہ کر دیکھو نین کے خوں سیں کہن بھیا ہے

(۲۳ ب)

۱۵۔ مخمس قاسم ۔ ۱۰ بند ۔ ولی کا ہم عصر شاعر معلوم ہوتا ہے۔

آغاز :۔

تم نے مرے مزاج کوں جانا ہے یا نہیں   مجکوں ہنوز تم نے پچھانا ہے یا نہیں
اس دشمنوں سوں مجکو لپٹ چھوڑا نا ہے یا نہیں   میرے جگر کے داغ لٹانا ہے یا نہیں
اخلاص تمکوں مجھ سیں نبھانا ہے یا نہیں

اختتام :۔

ہے ہے اجل نہ آئی یں کیا کیا بلا کیا   مر مر ترے فراق میں اب لگ سجن جیا
اور بارہا میں زہر کوں کھایا بہت پیا   میرے جگر کوں دیکھ پھٹے شیر کا هیا
قاسم کہو تو تیرا دیوانہ ہے یا نہیں (۳۱ ب)

۱۶۔غزل اخلاص ۔ ۶ اشعار ۔ یہ بھی کوئی غیر معروف شاعر ہیں جو غالباً ولی کے ہم عصر تھے ان کی اور بھی غزلیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔

مطلع ۔ اوس روز قیامت ہوا ہے یار کا چلنا
تجھ دل پہ دیا داغ جدائی کا وو ہلنا

مقطع ۔ ہے فضل خدا کا وو مجھے دیکھنا تجکوں
امید قوی ہے کہ مجھے یار سیں ملنا (۲۱)

اس سے اوپر ایک شعر میں تخلص اس طرح لکھا ہے: ۔

اخلاص محبت میں رہو پیو کی سدا تم
دو دن کی اپس زندگی میں سب ستیں ملنا

۱۷۔غزل اخلاص ۔ ۱۰ شعر۔

مطلع ۔ تجھ عشق بجاں سوز کا حافظ بھی خدا ہے
تجھ ماہ دل افروز کا حافظ بھی خدا ہے

مقطع ۔ ہے وعدۂ اخلاص اگر راست توں ل آج
تجھ قول کے اقرار کا حافظ بھی خدا ہے (۲۰)

۱۸۔غزل اخلاص ۔ ۶ شعر۔

مطلع ۔ دلبر گیا دل چھوڑ ہمارا بھی خدا ہے   ہے ظلم و ستم رہز ہمارا بھی خدا ہے

مقطع ۔ نہیں شرط ہے اخلاص یہ ہر یک سیتی ملنا   گئے ہم ستیں مکھ موڑ ہمارا بھی خدا ہے

۱۹۔غزل داؤد ۔ ۵ شعر ۔ یہ اورنگ آباد کے ایک مشہور شاعر ہیں ان کے دیوان کا ایک نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔ جس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۴۶ میں اس فہرست کے صفحہ ۳۰ پر گزر چکا ہے۔

مطلع ۔ انتظاری میں ترے نامہ کے خواب آتا نہیں
بھیجتا ہوں آہ کا قاصد جواب آتا نہیں

مقطع ۔ مجکو اے داؤد یک شب اس کے ہم آغوش ....
گرچہ ہو بستر مخمل تو خواب آتا نہیں (۱۹)

۲۰۔غزل سراج ۔

مطلع ۔ ہے گلی پیو کی بہشت اوس کوں چمن کیا کہئے
نقش پا پھول سوں بہتر ہے سمن کیا کہئے

مقطع ۔ مجلس یار میں جیوں آئینہ حیراں ہے سراج
تابوابی کے مکاں ہیچ سخن کیا کہئے (۱۸ ب)

۲۱۔ مستزاد ۔ ۵ شعر۔

آغاز: ۔

سینہ میں مرے کاری لگا عشق کا بھالا   اے قاتل خونخوار
جانے جو کہاں اب تو بہا خون کا نالا   میں ہوں گا گلے ہار

اختتام: ۔

کیا گلشن و کیا مطرب و کیا آب و ہوا ہے   اور ابر ہوا ہے
فرحت کا یہی وقت ہے عشرت میں دے پیالا   اے ساقی دلدار (۱۸ الف)

۲۲۔ دوہرے ۔ ۱۳ عدد ۔

پہلا ۔ اس پیم نگر کے ذکر میں دیکھی الٹی چال
گھایل پن چن مارے سو خونی ہیں خوش حال

آخری بیت جو کرنا پھوں دل ذات سوا تم ہو
جیتے جو کو سہرا ہوئر سکانے ہو (پ) (۱۶ ب)

۲۳۔غزل ۔ ۱۳ شعر۔

مطلع ۔ وہ نو سجن کا جس نے دیا وہ چاند چندر س کا حق نے کیا
وو سورج ہے آپ پیا پر نور ہو مشہور ہوا

مقطع ۔ اس خاکی تن کوں چار کروں تیرے صدقے وار کروں
تجھ بن نہ دوجا یار کروں سب ناظر تیں منظور ہوا

(ورق ۱۵ تا ۱۶ ب)

اس غزل میں بعض شعر نہایت اچھے ہیں انداز بیان اور زبان کے لحاظ سے وجہی یا علی عادل شاہ شاہی کے کلام سے مشابہہ ہے۔ ایک شعر یہ ہے: ۔

دن رات بیابن سوتی ہوں دو نین انجھو بھر روتی ہوں
کمہ لال رکت سوں دھوتی ہوں نت رونا مجھ دستور کروں

۲۴- ترکیب بند- اس میں ۲۰ بند ہیں۔ ہر بند میں تین تین شعر ہیں۔ بعض بندوں کا آخری شعر فارسی ہے۔ بطور واسوخت کے لکھا ہے۔ شاعر نے جملہ اشعار میں معشوق کی بے وفائی کا گلہ شکوہ کیا ہے۔

کیا کرے، دل بھی ان آنکھوں نے ادسے خوار کیا
آپ اوس شوخ پہ دل اوس کوں گرفتار کیا
خوار و سودائی بہر کوچہ و بازار کیا
مفت میں مجلوں اس اندوہ ستی بیمار کیا
کچھ نہ میں نے ہی کیا جرم نہ کچھ یار کیا
خوب دیکھا تو ان انکھیوں نے گرفتار کیا

اختتام:-

صحبت بد میں تمہیں آٹھ پہر صحبت ہے
غیر کے ساتھ شب و روز تمہیں خلوت ہے
دیکھ کر طور تمہارے مجھے یہ حیرت ہے
.... تم آدمی زادے ہو یہ کیا غیرت ہے
واہ واجائیے..... مرد کو یہ رحمت ہے
ایسی برداشت کی اب کس کو میاں طاقت ہے (۷۴ تا ۷۴ ب)

۲۵- ترکیب بند- جملہ ۵ بند ہیں۔ اکثر بندوں میں چار شعر اردو اور ایک شعر فارسی شامل ہے۔

آغاز:-

..........کہوں کس ستی اپنا احوال
زلف خوباں کے مرے دل کو ہوے ہیں جنجال
.... پنجہ ستی دل وحشی کوں نکال
کاشکے موت ہو یا دور ہوے سر سوں خیال

تجھ سوا غیر سوں میں اپنا نہ کھولا احوال
تیری ہی ذات سے ہر دم ہے مرا یہی سوال
ساز آباد خدایا دوں ویرا نے را .... مسلمانے را

اختتام:-

تم نے اپنے کوں کئے ہم سے کٹھن ہائے رے ہائے
...... سے مفت لیا یہ من ہائے رے ہائے
نہ سنا تم نے مرا ایک سخن ہائے رے ہائے
دیکھ توں اب بھی سمجھ عہد شکن ہائے رے ہائے (۷۴ تا ۷۴ب)

۲۶- مخمس- صرف تین بند ہیں۔ کسی بڑے مخمس کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

آغاز-

کس ستم کا مرض وو پیدا ہو کر کیتا نڈھال
کیا کروں اس کا بیاں میں جو ہوا انیا حوال
لوگ سب عاجز ہوئے کہنے لگے ربِّ جلال
یاالہٰی تو شفا دے دور کر یہ مرض کال
سب کہیں دیکھیں رَمل باقی نہیں کوئی شہ گدا

اختتام:-

میں جہاں جاتا ہوں وہاں غم چھوڑتا نیں ایک تل
اب فکر کیا کیجئے مجکوں بتا دانائے دل
سن کہا دل نے اگر ثابت ہو تم عاشق اصل
غمزدوں کے حق میں آیا ہے احد سے یہ مثل
زندگی اپنی کے تیں برباد کیوں کرتا نہیں (۷۸)

اس مخمس کے بعد بیاض میں مختلف فارسی اور اردو اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ (دیکھو ۷۸ ب تا ۷۹ ب)۔

۲۷۔ غزل سودا۔ ۹ شعر۔

مطلع۔ باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھولیاں
دل لے کے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں

مقطع۔ سودا کے دل سے صاف نہ ہوتی تھی زلف یار
شانے نے پیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں (۸۴ ب و ۸۵)

۲۸۔ غزلیات سودا۔ ہر غزل کا پہلا مصرع درج ذیل ہے۔

۱۔ تجھ قید سے جو ہو کر آزاد بہت رویا۔ ۷ شعر۔
۲۔ جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی۔ ۴ شعر
۳۔ راتوں کو نہیں نیند نہ آرام سحر بھی۔ ۸ ״

۲۹۔ غزل۔ غالباً عاجز کی ہوگی۔ مقطع نہیں ہے۔ جملہ ۸ شعر ہیں۔

مطلع۔ یہ یاد کیا ہی کہ ترے لٹ پلٹ گئے
ناگن کے بھانت ڈس کے مرا دل الٹ گئے (۸۲ ب)

۳۰۔ غزل سراج۔ ۷ شعر ہیں۔

مطلع۔ تجھ پر ہوا ہوں دل سوں فدا جان کی قسم
ثابت ہوں تیرے دین پر ایمان کی قسم

مقطع۔ سر دے کہ پیم باٹ میں مثل سراج آج
غازی ہوا ہوں عشق کے میدان کی قسم (۸۱ ب)

۳۱۔ مخمس ذوقی۔ ۵ بند۔ احمد کی غزل کی ذوقی نے تخمیس کی ہے جس میں مضامین تصوف نہایت شاعرانہ کمال سے بیان کئے ہیں۔ بحر العرفان سید شاہ حسین ذوقی ایک صوفی منش دکنی شاعر تھے جنھوں نے کئی مثنویاں مثلاً وصال العاشقین، غوث نامہ، وفات نامہ، منصور نامہ وغیرہ لکھی تھیں۔

(دیکھو دکن میں اردو ص ۲۱)

آغاز :۔

عشق کا پینڈا ہے دور وہ سے سیدھی باٹ جا
راہ کا توشہ ہے یو، دل کو نکو بانٹ جا
حرص و خودی میل ہے پہلے اوسے چھانٹ جا
عشق کبل ہے کبل اس کی نکو باٹ جا
پہنے تو سینی منے دل کا لہو آنٹ جا

اختتام۔

کاتب شکیں قلم کن سنی ماریا رقم
نکتہ قالو بلا یاد کیو دم بدم
ذوقی نصیبا ہے یو بیش نہ ہوئے نہ کم
عشق منے احمدا جو رکھے ثابت قدم
جیب ستے جیو کے ان کے چرن چاٹ جا

۳۲۔ غزلیات نامعلوم۔ دونوں کے مطلع درج ذیل ہیں۔

۱۔ اے سجن برہ کا کھلونا ہو عاشقی بیچ مرکے جونا ہو (۵ شعر)
۲۔ ہم سات راہ عشق میں مت کر تو گفتگو رسوا ہیں راہ عشق میں ہم پر جو ہو سو ہو (۱۳ شعر)

(ورق ۸۰ ب)

۳۳۔ غزل صاحب۔ ۵ شعر۔ رائے لچھمی نارائن شفیق و صاحب، فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے مشہور اورنگ آبادی شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا تذکرہ "چمنستان شعرا" چھپ چکا ہے۔

مطلع۔ بہار آئی جنوں نے سر اوٹھایا ہے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے خدا حافظ

مقطع۔ ہزار افسوس اے صاحب کہ اوس کے طاق ابرو پر
یہ دل کا شیشہ تو نے یوں رکھایا ہے خدا حافظ (۸۰)

۳۴۔ غزلیات یقین۔ ۳ شعر۔ انعام اللہ خاں یقین کے دیوان کے قلمی نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں (دیکھو فہرست ہذا صفحات ۹۷ و ۱۰۰)۔

مطلع۔ عمر آخر ہے جنوں کرلے بہاراں پھر کہاں
ہات مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں

مقطع - ہے بہشتوں میں یقیںؔ سب کچھ ولیکن درد نیں
بھر کے جی رو لیجئے یہ چشمِ گریاں پھر کہاں (۷۹ ب)

دوسری غزل کے اشعار کرم خوردہ ہیں۔ اس کا ایک شعر ہے :-

باغباں در نہ بند کر کے دگر — ہم کہاں تو کہاں بہار کہاں

اس کے بعد متفرق فارسی اشعار نقل کئے گئے ہیں۔

اس مخطوطے میں شمالی ہند کے صرف دو مشہور شعرا یعنے سوداؔ اور یقینؔ کا کلام منتخب کیا گیا ہے۔ اور زیادہ تر کلام ۱۱۰۰ھ کے قریب کے ایسے دکنی شاعروں کا ہے جن میں سے بعض پہلی بار اردو دنیا میں روشناس ہو رہے ہیں۔

---

(۱۷۸) منتخب دیوان مدینہ [۱۲۸/د]

اوراق ۸ - سطور ۱۶ -
تقطیع ۴½ × ۷ خط نستعلیق -
مصنف مدینہؔ - قبل ۱۲۰۰ھ -

یہ ایک دکنی شاعر کا منتخب کلام ہے جس کا تخلص مدینہؔ ہے۔ چونکہ اس تخلص کے کسی شاعر کا اب تک حال معلوم نہ تھا اور خود یہ تخلص بھی عجیب و غریب ہے اس لئے اس کے کلام کا کافی نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ شاعر کے دکنی ہونے کا ثبوت اس کی زبان کے علاوہ حسب ذیل شعر سے بھی ملتا ہے۔

کیوں نہ مسند پہ زیب دیوے گا — دو جو شہ عشق کے دکھن کا ہے (۹۴)

اس شاعر کے چند مقطع یہ ہیں :-

اے مدینہؔ تو یار کن بکو — سخن دائم با وزن کا ہے (۹۴)
دل جلوں کا بیاں کہو اوس سیں — اب مدینہؔ کی یہ صدا ہے یار (۹۳ ب)
داد خواہ آیا مدینہؔ تجھ سکنے — داد دے اوس خستہ دل خوار کوں (۹۳ ب)
تزا دیکھنا مجکوں بس ہے پیا — مدینہؔ سا عاشق تو معشوق میرا (۹۳)
یہ تو شعر مدینہؔ عاشق سیں — سرجن پیارے کی کیا ادا ہے جی (۹۲ ب)
اب مدینہؔ کے سخن دنیا منے ظاہر ہوئیں
دو جو عاصی ہے ترا توں ہے ربا سانچا غفور (۹۲)
آتش غم سوں دل ہوا ہے کباب — اب مدینہؔ کوں مت جلا جانی (۹۱ ب)
یک پل نہیں تغافل تجھ یاد سے مدینہؔ — تجھ نام کی سمرن سے ہمیشہ کیا کروں (۹۱)
کیا ہوں درد دل کا میں سنوا ہے سنگ دل ظالم
سخن عاشق مدینہؔ کا پسند پیاری کوں آجاوے (۹۱)
یہ دعا ہے دل میں جی کوں نثاروں تم پر
جاوے مدینہؔ مر کر پیارا رہے سلامت (۹۰ ب)

اس مجموعہ میں تقریباً دو سو اشعار ہیں۔ اور یہ دراصل بیاض نمبر ۱۲۸ کے اوراق نمبر ۸۶ تا ۹۴ پر مشتمل ہے۔

آغاز :-

یار میرا سرو چمن کا ہے — شمع مجھ دل کے انجمن کا ہے
وو نزاکت میں مثل قد الف — دو نازاں یار سمن کا ہے

اختتام :-

جا بجا چمکی ہے چولی جھوک جاتی ہیں نین
پھر میری آنکھوں سے آنکھیں کیوں ملا کر آئے ہو
یک بیک اغیار ہو گئے ہم ستی پیارے تمن
سچ کہو اب نیہ کس سے تم لگا کر آئے ہو

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

(۱۷۹) قصۂ رسیا [۱۲۸/۵]

اوراق ۴ - سطور ۱۲ -
تقطیع ۴½ × ۷ - خط نستعلیق -
زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۰۰ھ ہجری -

یہ تقریباً ۴۰ ابیات کی ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جو بیاض نمبر ۱۲۸ کے اوراق ۱۰۶ تا ۱۰۹ میں نقل کی گئی ہے۔ مصنف اور زمانۂ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ اس مثنوی میں عمدہ نگریا عمدالملک گڑھ کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"ایک شہر عمدہ نگر تھا جس کے بادشاہ کا نام عمدۃ الملک تھا۔ وہاں بہت سی سپاہی زادیاں بھی رہتی تھیں۔ ایک رسیا سوداگر حسن کی جنس کے بیوپار کے لیئے وہاں جایا کرتا تھا۔ وہ بہت ہوشیار اور حسن کو پرکھنے والا تھا۔ ایک روز اس شہر میں کسی کی شادی ہو رہی تھی اور ہر طرف رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں اس رسیا سوداگر نے بھی ستار ہاتھ میں لے کر گانا اور بجانا شروع کیا۔ اس شہر میں فہم نام ایک لڑکی تھی جو خوش حال اور صاحب ذوق تھی۔ اس نے رسیا کے نغمے سن لیئے اور اس پر عاشق ہو گئی۔ رسیا بھی سمجھ گیا کہ میرا تیر نشانہ پر لگا۔ فہم نے اپنی ایک سہیلی کو رسیا کے یہاں روانہ کیا اور اپنا پیام محبت کہلا بھیجا۔ سہیلی نے تفصیل سے فہم دختر کا حال بیان کیا اور اس کی بے تابی اور اشتیاق کو ظاہر کیا۔ اس کے جواب میں رسیا نے کہنا شروع کیا کہ اے سرو نزاکت تو چنچل ہے اور دو جگ کے لیئے آفت کا باعث"

اس کے بعد کاتب نے نقل کرنا ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا پچھلا صفحہ خالی ہے اور یہ مخطوطہ اسی ورق پر ختم ہو جاتا ہے۔
ابتدا میں شاعر نے عشق کی کیفیات پر چند ابیات لکھی ہیں اور پھر اصل قصہ شروع کر دیا ہے۔ حمد و نعت اور سبب تالیف کچھ بھی نہیں لکھا۔

آغاز:-

عشق کے زور سے قصہ بناؤں ..... زباں کوں رہ پہ لاؤں
عشق نہیں تو نماز اُن پر روا نہیں عشق نہیں تو درود ان پی روا نہیں

اختتام:-

محبت کے سخن خوشیوں سے بولا دو موتی عشق کے دریا سے رولا
کہو چنچل تو ہے سرو نزاکت قیامت ہے بلا دو جگ کی آفت

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

---

(۱۸۰) چہار کرسی [۷۴]

اوراق ۵ - سطور ۱۴ -
تقطیع ۶ × ۸½ - خط نستعلیق شکستہ -
مصنف محمد اشرف الدین - زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ بمقام بودھن -

پنج وقتہ نماز اور اس کے لوازمات سے متعلق اردو نثر کا یہ چھوٹا رسالہ محمد اشرف الدین عرف دامو میاں خطیب بودھن نے غالباً اپنی دختر یا بھاوج "بیگم جانی" کے لیئے قلمبند کیا تھا۔ یہ مصنف راقم الحروف کے حقیقی نانا منشی وقار الدین خطیب بودھن کے بڑے بھائی تھے اور چونکہ موخر الذکر اُن سے عمر میں بہت چھوٹے تھے اس لیئے بودھن کی موروثی خطابت اپنی اولاد کی جگہ انہی کے تفویض کر دی تھی۔

آغاز :-

" فرض وضو کے چہار - اول دونوں ہات دھونا - دوسرا موں دھونا - اس کان کی لوکی سے اوس کان کی لوکی تک - تیسرا پاؤ سر کا مسح کرنا - چوتھا پاؤں دھونا ٹخنوں تک "

اختتام :-

" نیت روزہ بانہ کے چہار گھڑی رات باقی رہے پر باندنا سو . تی فرض نیت ہے سحان کا میں کل روزہ رکھتا ہوں رمضان کا "

اس کے بعد عربی ادعیہ (التحیات اور دعائے قنوت) درج ہیں -

ترقیمہ :-

" ایں کتاب برخورداری بیگم جانی طال اللہ عمرہا و قدرہا بعلم محمد اشرف الدین عرف دامو میاں خطیب پرگنہ بودھن "

یہ کتاب راقم الحروف نے ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کی ہے اور اس کے آخر میں یہ دستخط ثبت ہیں :-

" از کتب خانہ حضرت قادری بی صاحبہ - تحفہ بکتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو - سید محی الدین قادری زور ۱۳۵۸ء "

---

(۱۸۱) مجذوب السالکین [۶۸۰]

اوراق ۶۵ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۵ ۳/۴" × ۸ ۳/۴" - خط نستعلیق -
عنوانات سرخی میں -

مصنف سید امین - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ -

سنہ کتابت قریب ۱۲۴۳ھ -

یہ دکنی نثر میں ایک ضخیم رسالہ ہے جس میں جگہ جگہ فارسی، ہندی، مرہٹی اور دکھنی اشعار و اقوال اور عربی آیات و احادیث درج ہیں - مصنف نے اپنا اور اپنے مرشد کا نام اور مشرب "سبب تالیف" میں اس طرح لکھا ہے :-

" سید امین فقیر بندہ شاہ خواجہ عارف گنج بخش کا - ہور اسرار ہمارا احینیہ، ہور سلسلہ ہمارا خواجۂ خواجگان چشت، ہور فقیر ہم چشتیہ، ہور خانوادہ ہمارا ادہمیہ، ہور گروہ ہمارا عبدالواحد بن زید سے، ہور مذہب ہمارا صوفیہ، ہور مشرب ہمارا بجھے تو میں چاہتا ہوں کہ ذکر کروں "

اثنائے کتاب میں بھی ایک جگہ مصنف نے اپنے سلسلۂ بیعت کو ظاہر کردیا ہے - مشاہیر صوفیہ کے بیان میں وہ کہتے ہیں :-

" ہور ہیچ زمانے دوسرے سانگڑے سلطان، ہور شاہ راجو قتال، ہور خواجہ بندہ نواز ہور مانند ان کے کتے درویش صاحب سلوک، ہور خواجہ بندہ نواز سے جمال مغربی، ہور ان سے کمال بیابانی، ہور اون سے میرانجی شمس العشاق، ہور اُن سے حضرت شاہ برہان صاحب ہور اون سے امین الدین اعلیٰ صاحب ہور اونسے بابا شاہ حسینی صاحب ہور اُن سے خواجہ من عرف گنج بخش صاحب ہور اُن سے خواجہ عارف گنج بخش صاحب ہور وہاں سے تا حد امین فقیر تک " (ورق ۱۸ ب)

مصنف علاقہ مرہٹواڑی کے باشندے تھے - چنانچہ حسب ذیل مرہٹی اقوال کتاب میں جگہ جگہ درج کئے ہیں -

ہور مرہٹی سن " جسے میلا ایکلا تنے مسلمان زہالا "
ہور مرہٹی سن " کھان پینے جیسے مولا سراشری لالشنے استھولا "
ہور مرہٹی سن " جامندی ناہیں گیان ناہندو نہ مسلمان " (ورق ۲۴ ب)
" " " آپ میلا جگ بوڑالا " (ورق ۴۵)

اس کے علاوہ حضرت سانگڑے سلطان مشکل آسان کا بھی ذکر کیا ہے جو مرہٹواڑی کے مشاہیر اولیا سے ہیں اور جن کی درگاہ پر ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نواز نے حاضری دیکر فیضان حاصل کیا تھا۔ سانگڑے سلطان کا نام سید علی تھا اور یہ راقم الحروف کے جد امجد ہیں۔ ان کی درگاہ قندہار شریف ضلع ناندیڑ میں زیارت گاہ خلایق ہے۔ اور ان کا ایک چلہ قلعہ دولت آباد میں بھی موجود ہے۔

مصنف نے اپنی زبان کو دکھنی کہا ہے۔ وہ سبب تالیف میں لکھتے ہیں:۔

"میں چاہتا ہوں کہ مذکور کروں صوفیائے ہر دو قوم کا
بیچ دکھنی زبان کے" (ورق ۳)

اس کتاب کا موضوع جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہوا ہندو اور مسلمانوں کے مشاہیر صوفیا کے اقوال اور ان کے متفقہ و مشترکہ ایقانات کی تشریح ہے۔ ایک اور جگہ اس کتاب کے موضوع کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یوں ہر یک قوم اپنی اپنی زبان میں علحدہ علحدہ ناؤں
رکھے ہیں تو میرے جیو میں آیا کہ مسلمانی ہور (ہندوی)
مذہبی لفظاں جمع کر کر واسطے صوفیانِ ہر دو قوم
کے ایک رسالہ بناؤں تا کہ صاحب منصفوں کے
کام آئے" (۱۳ ب)

اس سلسلہ میں دو تین صفحات کے بعد کتاب کا نام اس طرح ظاہر کیا ہے:۔

"اب مذکور کتاب کا سن کہ جس کا ناؤں
"مجذوب السالکین" رکھیا ہوں" (ورق ۱۴ ب)

یہ کتاب حمد و نعت کی طویل عبارتوں سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد سبب تالیف کے بیان کے لئے بھی مصنف نے کئی صفحات وقف کیئے ہیں۔ اس کے بعد پانچ عناصر کا حال شروع کیا ہے۔ کتاب کو باضابطہ ابواب اور عنوانات میں تقسیم نہیں کیا ہے بلکہ مسلسل لکھتا جاتا ہے۔

چونکہ اس میں مشاہیر دکھنی شعرا کے اعلیٰ پایہ کے اشعار درج ہیں جو دوسری جگہ اس کثرت سے نہیں ملتے اس لئے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

شعر: جگ کی بنایا آرسی دیکھو تو اپنا مکھ دسے
عزت سے کیتا ٹکڑے ہور ہر ٹکڑے میں بھی تو بسے

رباعی۔ کل رات تیرے غم ستے دل پائمال تھا
تو تھا دمیں اتھا و تمہارا خیال تھا
آئے ہیں دل میں یاد تمہارا دکھا کیا
وہ ہانچہ کیں چھپا ہے وگرنہ اتال تھا

(۱۹ ب)

نظم۔ جس دل سوں پیو کی صورت مورت ہو من بسی ہے
سب صورتاں چھپا کر سب میں اپس دسی ہے
جیو آرسی ہے پیو کی پیو آرسی ہے جیو کی
پیو جیو میں جیو پیو میں کیا بات رس مسی ہے (۲۲ ب)

شعر۔ صورت پہ اعتبار نہ رکھو جیسے ہیں جیواں
وہ تو باندر دم دھریں یہ لانڈے باندر خاں

کتاب کا سنہ تصنیف کہیں درج نہیں ہے لیکن زبان اور مصنف کے حالات کے لحاظ سے [illegible] سے قبل کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے لیکن حاشیہ پر کاتب نے حسب ذیل عبارت

لکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۳۳ھ
کے قریبی زمانے میں نقل کی گئی ہے۔

"دوہرہ زبانی محمد علی شاہ درویش بتاریخ ۱۴ شوال
۱۲۳۳ہجری نظم آمدہ

پارس تیں کچن بھیا سو پارس کیا
پارس تیں پارس بھیا سو پارس سچا" (ورق ۱۷)

یہ محمد علی شاہ غالباً وہی ہیں جن کی دو کتابیں "دین دیپک" اور "ایمان درپن" ادارے میں محفوظ ہیں اور ان کا تذکرہ اس فہرست کے مخطوطات نمبر ۱۲۱ و ۱۲۲ میں صفحات ۱۵۵ تا ۱۵۸ پر درج ہے۔ وہ اسی زمانہ میں موجود تھے اور ۱۲۴۲ہجری سے قبل کتاب "دین دیپک" لکھی تھی۔

اس کتاب کے صفحۂ ۷۴ کے حاشیہ پر سواحی پرشاد کالیستھ اصغر کا فارسی کلام بھی بعنوان "کبت در فارسی ترجمۂ ہندی تصنیف سواحی پرشاد کالیستھ کہ اصغر مخلص است" درج کیا ہے۔

آغاز:—

"شروع کرتا ہوں میں ناؤں سے اوس کے کہ او یک ناؤں نہیں رکھتا ہے جس ناؤں سے بولاے تو سر اوپر لیتا ہے۔ فاما عارفوں نے ہر دو قوم کے دس ناؤں نکالے ہیں۔"

اختتام:—

"لیکن اگر مسلمانی ہور ہندوی کتاباں کا ہور بیدوں کا مذکور کرتا تو عبارت دراز ہوتی۔ اس واسطے اب مختصر بھلا ہے کہ ہر ایک کے فہم میں بیگی آوے گا۔"

(۱۸۲) حقیقت الصلوٰۃ [۶۷۰]

اوراق ۱۹۔ سطور ۱۱۔
تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق۔
مصنف سید احمد و عبدالحی۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۳۰ھ
سنہ کتابت ۱۲۴۸ھ۔

اردو نثر کے اس رسالے میں نماز کی خوبیوں اور اس کے التزام کے بارے میں مدلل بحث کی گئی ہے۔ آخر کتاب میں جو ترقیمہ ہے اس میں اس کتاب کی تصنیف کے متعلق لکھا ہے کہ:—

"الحمد کی تفسیر زبان ہندی میں جو حضرت امیر المومنین امام العارفین سید المسلمین قدوۃ السالکین پیرو مرشد حضرت سید احمد صاحب نے نفع پہنچائی۔ اللہ ہم کو اور سب مسلمان بھائیوں کو اون کی بقا سے اور زائد کرے وفیض اور ارشاد اون کا۔ آپ اپنی زبان فیض و ہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری اور باطنی جناب مولنا عبدالحی صاحب دام فیوضہ سے تحریر کروائے اور حقیقت صلوٰۃ کی خوبیاں۔"

کتاب کے موضوع کے بارے میں اثنائے کتاب میں لکھا ہے کہ:—

"حضوری بغیر تاثیر دل کے میسر نہیں۔ اور تاثیر دل کی بدون دانستنِ معانی الفاظ کے حاصل نہیں۔ اسی واسطے جو کچھ نماز میں ہے معنی اوس کے ہندی زبان میں محاورے کے موافق کہے ہیں کہ اکثر غریب لوگ جو اون معنوں سے مطلق بے خبر ہیں سمجھ کے حضور دل سے نماز گزار ہیں"

یہ کتاب اردو نثر کے ان متعدد رسائل میں سے ایک ہے جو سید احمد شہید بریلوی کی تحریک اصلاح مسلمانان کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں۔ سید احمد صاحب نے بعض کتابیں اس طرح لکھیں کہ وہ کہتے جاتے تھے اور ان کے معتقدین مولوی عبدالحی اور مولوی محمد اسمٰعیل شہید لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ کتاب "صراط مستقیم" کی تالیف کے سلسلہ میں وقائع احمدی کے حوالے سے مصنف "سیرت سید احمد شہید" نے لکھا ہے :۔

"سید صاحب اپنی زبان سے فرماتے اور مولانا عبدالحی صاحب مولانا اسمٰعیل صاحب اس کو تختی پر لکھ لیتے۔ پھر آپ کے سامنے پیش کرتے۔ آپ اس میں اصلاح و ترمیم کرتے، کبھی دوبارہ لکھواتے، ایسا بھی ہوا ہے کہ پانچ بار تختی پر لکھ کر سید صاحب کو سنایا اور آپ کو پسند نہ آیا۔ اور پانچ بار وہ عبارت دھوئی گئی۔ اس کے بعد آپ کے حسب دلخواہ ہوئی اور کتاب میں درج کرنے کا حکم دیا۔" (ص۹۰)

معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح یہ کتاب بھی مولوی عبدالحی صاحب سے لکھوائی گئی ہے جیسا کہ زیر نظر نسخے کے ترقیمے کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب کا تعلق شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان سے تھا۔ وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے داماد اور سید احمد شہید کے خلیفہ اور سب سے بڑے معتقد تھے۔ انہی کی وجہ سے محمد اسمٰعیل شہید بھی سید صاحب کے معتقد اور رفیق ہو گئے تھے۔ انہوں نے جہاد میں سید صاحب کا ساتھ دیا اور بمقام خیر ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات "سیرت سید احمد شہید" کے صفحات ۴۶۵ تا ۴۷۳ پر درج ہیں۔ لیکن اس کتاب "حقیقت الصلوٰۃ" کا ذکر تعجب ہے کہ سید احمد شہید اور ان کے معتقدین کی تصنیفات میں کہیں نہیں ملتا۔

آغاز:۔

"جاننا چاہیئے حمد خدا اور نعت رسول کے بعد واضح ہو کہ ظاہر ہو جیو کہ مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اوس کی صفات جانے اور اوس کے حکم معلوم کرے اور مرضی نامرضی اوس کی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں اور جو بندہ کہ بندگی بجا نہ لاوے بندہ نہیں۔ اور بڑی بندگی نماز ہے۔"

اختتام:۔

"ولا الضالین اور نہ گمراہ یعنے کافر ہر چند اون سے بھی کبھی کوئی کام اللہ کی رضامندی کا ہو جائے۔ پر اون کی راہ بھی ہرگز نہیں مانگتا۔ اون کے نصیب وہ رضامندی نہیں کہ جو آخرت میں فائدہ دے۔"

اس کے بعد ترقیمے کے طور پر جو عبارت تھی وہ پہلے درج کر دی گئی ہے۔ ایک صفحہ چھوڑ کر پھر اسی کاتب نے رسالۂ جہاد نقل کیا ہے۔ لیکن اس کے آخر میں بھی نہ اپنا نام لکھا ہے اور نہ سنہ کتابت۔ البتہ اسی کاتب نے رسالۂ "تقویۃ الایمان" ۱۲۴۵ھ میں نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی ساتھ حیدرآباد میں اُس وقت نقل کی گئیں جب سید محمد علی صاحب رام پوری اور ولایت علی صاحب عظیم آبادی اپنے مرشد سید احمد صاحب کے حکم سے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے حیدرآباد آئے ہوئے تھے اور نواب مبارز الدولہ برادر نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع نے ان کے ہاتھ پر

بیعت کی اور حیدرآباد میں ہزاروں آدمی ان دونوں
کے گرویدہ ہوگئے تھے۔

(۱۸۳) رسالۂ جہاد [۶۷۱]

اوراق ۳۰ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق - عنوان سرخی میں -
زمانۂ تصنیف تقریباً ۱۲۴۳ھ -
سنہ کتابت ۱۲۴۸ھ -

یہ رسالہ مولوی سید احمد صاحب کی ایک خاص تحریک
جہاد کے متعلق نہایت مدلل اور بسیط لکھا گیا ہے -
حمد و نعت کے مضامین بھی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں -
پھر سبب تالیف کے طور پر لکھا ہے کہ :-

آگے یوں عرض کرتا ہے کہ یوں تو کتابیں ہر طرح کیں
لوگوں میں رائج ہیں اور مضامین رنگارنگ سے ایک
عالم اطلاع رکھتا ہے لیکن اس زمانے کے مناسب باتیں
اور ہیں - کچھ اوس میں سے فقیر بیان کرتا ہے جیوں جیوں
زمانہ گزرے گا ہمارے کلام کا مزہ لوگوں کو زیادہ ہووے گا -
آخر سب اسی راہ پر آویں گے ہمارے حق میں دعائے خیر کریں گے۔

اس رسالے میں جملہ ۸ فصلیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-
۱ - دنیا کی ناپائداری اور موت (۲ب) ۲ - ترغیب جہاد (۵ ب)
۳ - مولوی اور شرک و بدعت (۱۵ الف) ۴ - ہجرت (۱۹ ب)
۵ - امام کے تابعدار (۲۱ ب) ۶ - جہاد جانی (۲۴ الف)
۷ - جہاد مالی (۲۵ ب) ۸ - زکواۃ (۲۷ الف)

اس رسالہ کے مصنف کا نام بھی معلوم نہ ہوسکا.
لیکن یہ بھی سید احمد شہید کی لکھی یا لکھوائی ہوئی ہوگی۔
خود مولانا اسمٰعیل شہید نے جہاد پر کئی طویل خطوط لکھے تھے
جو بجائے خود کتابیں ہیں -

آغاز:-

"کہاں تک اوس مہربان رحم والے کا شکر بیان کیجیے
اور کس مونہہ سے اوس کی بڑائی کیجیے کہ بعد ایک
مدت مدید کے پھر آئین جہاد کی تازہ کی اور خوش خبری
دعوت اسلام کی عالم میں بلند فرمائی"

اختتام:-

جو مال تھوڑا ہو اور بھیجنے کے لائق امام وقت کے پاس
نہ ہو تو لاکر ایک جگہ خلفائے معتبرین کے پاس جمع کروادیں -
پھر جب زیادہ جمع ہووے تو بھجوانے کی تدبیر کریں
تا وہاں مجاہدین کے خرچ میں آوے - اللہ تعالیٰ
اون کے ذمہ سے یہ فرض ساقط کرے گا اور
مشارکت جہاد میں نصیب کرے گا - تمام شد"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے - لیکن اسی کاتب نے ۱۲۴۸ھ
میں "تقویۃ الایمان" نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا
ہے کہ یہ کتاب بھی اسی زمانہ میں نقل کی گئی تھی -

(۱۸۴) تقویۃ الایمان [۶۷۲]

اوراق - ۲۸ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶" × ۹" - خط نستعلیق -
عنوان اور آیتیں سرخی میں -
مصنف محمد اسمٰعیل شہید - سنہ تصنیف ۱۲۳۵ھ -
سنہ کتابت ۱۲۴۸ھ -

اردو نثر کی یہ کتاب مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی کا مشہور رسالہ ہے جس میں انہوں نے مولوی سید احمد صاحب کی تحریک کے مطابق مسلمانوں کو دین اسلام سے واقف کرایا ہے۔ اور اپنے بیانات کی تائید میں آیات قرآنی، احادیث، اور مختلف کتب دینی سے استفادہ کیا ہے۔ مولوی اسمٰعیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے تھے۔

سبب تالیف میں رسالۂ "حقیقت الصلوٰۃ" کی طرح لکھا ہے کہ :-

"اما بعد اوس کے سننا چاہئے کہ آدمی سارے
اللہ کے بندے ہیں اور بندہ کا کام بندگی ہے۔
جو بندہ کہ بندگی نہ کرے وہ بندہ نہیں اور اصلی
بندگی ایمان کا درست کرنا ہے"

اس موقع پر "حقیقت الصلوٰۃ" میں لکھا ہے کہ :-

"جو بندہ کہ بندگی بجا نہ لاوے بندہ نہیں۔ اور بڑی
بندگی نماز ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے جملہ مشاہیر ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

مصنف نے پہلے سبب تالیف کے سلسلہ میں ایک طویل تمہید لکھی ہے جس میں اپنے عقاید کو واضح کیا ہے جو دراصل اس کتاب کا موضوع ہیں۔ اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کے دوؔ ابواب کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

"اس رسالہ کا نام "تقویۃ الایمان" رکھا اور
اس میں دوؔ باب ٹھرائے - پہلے باب میں بیان
توحید کا اور برائی شرک کی - دوسرے باب میں
اتباع سنت کا اور برائی بدعت کی"

یہ کتاب چھپ چکی ہے - چنانچہ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ اس وقت پیش نظر ہے جو ۱۳۰۵ھ میں مطبع صدیقی لاہور میں تذکیر الاخوان اور تہذیب الاخوان کے ساتھ چھپا تھا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے "تقویۃ الایمان" میں صرف پہلا ہی باب لکھا تھا اس لئے ان کے دوسرے باب کی تکمیل محمد سلطان نے ۱۲۵۱ھ میں کی اور اس کا نام "تذکیر الاخوان" رکھا۔ اس کے سبب تالیف میں لکھا ہے :-

"محمد سلطان کے دل میں ارادہ اس کے ترجمہ کا ڈالا
سو اس دوسرے باب کا ترجمہ ہندی بولی میں
شروع کیا اور تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان
اس کا نام رکھا"

"تقویۃ الایمان" کے باب اول (یعنے زیر نظر نسخے) میں حسب ذیل پانچ فصلیں درج ہیں :-

۱- شرک سے بچنے کا بیان ۲- اشراک فی العلم
۳- اشراک فی التصرف ۴- اشراک فی العبادت
۵- اشراک فی العادت

مولوی اسمٰعیل شہید نے یہ کتاب لکھنؤ کے سفر کے زمانہ میں لکھی جب کہ وہ اپنے مرشد سید احمد شہید کے ساتھ معتمد الدولہ کی دعوت پر رائے بریلی سے

گئے تھے اور اپنے مواعظ و مباحث کی وجہ سے پورے لکھنو میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔ اس کتاب نے تمام ہندستان کے علما میں مخالفت اور موافقت کا ہنگامہ گرم کر دیا۔ اس کی تالیف کی نسبت مولف "سیرت سید احمد شہید" نے حسب ذیل معلومات قلمبند کی ہیں :۔

"آپ نے پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی اس کے بعد اردو میں لکھی۔ لکھنے کے بعد خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب، مولنا عبدالحی صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولنا یعقوب صاحب، مولوی خیرالدین صاحب مراد آبادی، مومن خاں صاحب شاعر، عبداللہ خاں صاحب علوی (استاد امام بخش صہبائی، و مولنا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے "تقویۃ الایمان" پیش کی اور فرمایا کہ یہ کتاب میں نے لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے .... ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے ضرور شورش ہوگی اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لئے میں اس کام سے معذور ہو گیا .... اگر آپ حضرات کی رائے اس کی اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہئے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہئے اس پر مولنا عبدالحی صاحب..... مومن خاں صاحب نے مخالفت کی .... یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے ......چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہو گئی۔ اشاعت کے بعد مولنا شہید حج کو تشریف لے گئے۔"

واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے ایک انقلاب پیدا کر دیا اور اس کے خلاف میں کتابیں بھی لکھی گئیں اور مولنا اسمٰعیل شہید پر ہر جگہ سے کفر کے فتوے دئے جانے لگے۔ چنانچہ اب تک بعض علما ان کو کافر ہی سمجھتے ہیں۔ ادارے کے کتب خانہ میں بھی اس کتاب کا ایک جواب "رد وہابیہ" موجود ہے جس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۱۸۵ میں درج ہے۔

آغاز :۔

"الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ ہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اور سچا دین اپنا بتایا اور سیدھی راہ پر چلایا اور اصل توحید سکھایا اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا۔"

اختتام :۔

اسی طرح اپنے فضل سے بدعت اور سنت کے معنے خوب سمجھا اور مجھے رسول اللہ کا مضمون خوب تعلیم کرا اور بدعت کے بد رسموں میں سے نکال سنی پاک مطیع سنت کر۔ آمین یا رب العالمین۔

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد رسالۂ "تقویۃ الایمان" بتاریخ ہشتم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ"

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

(۱۸۵) ردِ وہابیہ [۶۷۴]

اوراق ۴۴ - سطور ۱۷ -
تقطیع ۸½ × ۵½ - خط نستعلیق پاکیزہ
عنوانات سرخی میں - قدرے کرم خوردہ
مصنف محمد ظہور علی - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ
سنہ کتابت ۱۲۷۲ھ - بمقام کرنول -

اردو نثر کا یہ رسالہ مولٰنا اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" کے جواب میں لکھا گیا ہے اور اس میں مولوی سید احمدؒ مولوی عبدالحی (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ ۱۸۲ تا ۱۸۴) اور دیگر مشاہیر علمائے اہل حدیث کی غلطیاں بیان کی گئی ہیں -

سبب تالیف میں مصنف لکھتا ہے کہ آج کل مذہبی معاملات میں جو اختلاف پھیلا ہوا ہے اس کی تحقیق کے سلسلہ میں :-

"اس عاجز نے ایک شخص سے پوچھا کہ حقیقت اس قصے وجھگڑے کی کیا ہے"

اس عبارت میں لفظ شخص کی وضاحت حاشیہ میں اس طرح درج ہے :-

"از لفظ شخص راذات بابرکات جامع معقول و منقول حاوی فروع واصول مولٰنا فضل الرسول صاحب مدظلہ الواہب باید فہمید"

اس کے آگے کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مولف محمد ظہور علی مولٰنا فضل الرسول بدایونی کے مرید تھے - اور انہوں نے اپنے شکوک رفع کرنے کی خاطر اپنے مرشد سے دریافت کیا - اس کے بعد مولٰنا فضل الرسول کا طویل جواب درج کیا ہے جس کا ضروری اقتباس یہ ہے :-

"مولوی اسمٰعیل صاحب نے جب سے "تقویۃ الایمان" تصنیف کی یہ فساد ہندوستان میں پھیل پڑا کہ اوس میں باتیں خلاف عقاید اور مخالف مذہب اہل سنۃ کے ہیں .... اوس مذہب (وہابی) کا ایک رسالہ "کتاب التوحید" نام ہندوستان میں آگیا تھا - "تقویۃ الایمان" گویا اوسی کی شرح ہے"

اس سلسلہ میں ان دونوں کتابوں کی پانچ اہم غلطیاں واضح کی گئی ہیں -

یہ طویل بیان سن کر مصنف نے مولٰنا فضل الرسول سے اور سوالات کئے اور ان کے جواب تفصیل سے درج کئے ہیں - ہندستان کے مشاہیر علما وصوفیا سے مصنف نے جو مراسلت کی تھی وہ اس کے بعد شامل کردی گئی ہے -

آغاز :-

بعد حمد وصلواۃ کے جاننا چاہئے کہ اس زمانے میں عقائد ومسائل دینیہ کا اختلاف بہت پھیلا ہے - حق بات کا تحقیق کرنا ضرور ہوا - اور جو نہیں جانتے اون کو حکم ہے کہ جاننے والوں سے پوچھیں"

اختتام :-

"آپ کے موافقین فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے جواب سے سکوت بہتر تھا کیونکہ احتمال تھا کہ شاید کچھ جواب ہو - اس جواب سے لاجواب ہونا اعتراض کا ظاہر ہوگیا اتنا تو مجھ کو اور ہر دیکھنے والے"

یہ نسخہ ناقص الاخر ہے - آخر میں صرف ایک ورق غائب ہے - لیکن اس نسخے کے پہلے ورق پر جو عبارت درج ہے وہ ترقیمہ کا کام دیتی ہے اس لئے اس کو یہاں

قل کیا جاتا ہے :-

ہٰذا ردِ وہابیہ برائے نقل بہ تقاضائے کرنول دادہ شدہ
بود چنانچہ بتاریخ سیزدہم جمادی الاول ۱۲۴۲ ہجری
قدسی یوم چہارشنبہ از کتاب مشفقی عضدۃ الدولۃ
و دین والملت محمد سرفراز خاں صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ
نقل شدہ در آمد۔ و مزد کتابت مبلغ یک روپیہ چلنی
حیدرآبادی باآشنائے صادق مذکور دادہ شد۔
و کاغذ کتابت از نزد خود داده شده بود۔
"ملک سید امین الدین قادری۔ خمسۃ و عشرون اوراق"

اس عبارت سے دو باتیں اہم ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو
یہ کہ اس زمانے میں (۵۰) صفحات کی کتاب کی
ایسی پاکیزہ نقل صرف ایک روپیہ چلنی میں کی جاتی تھی۔
عہد حاضر میں اتنی کتابت کے لئے کم از کم پندرہ روپے
صرف ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ کرنول اس عہد میں وہابیوں کا
مرکز تھا اور وہاں کا نواب اپنی عقاید کی بنا پر انگریزوں
کے خلاف جہاد کرنے والا تھا کہ گرفتار کر لیا گیا۔ معلوم
ہوتا ہے کہ اس کی گرفتاری کے بعد کرنول میں "ردِ وہابیہ"
جیسے رسالے بہت مقبول ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس کتاب
کی نقل وہیں کرائی گئی تھی۔

اس کتاب میں مختلف مشاہیر مذہب کے (تقویۃ الایمان اور
اس کے مصنف اسمٰعیل شہید کے متعلق) جو بیانات اور
فتاوی شامل ہیں وہ تاریخی اور مذہبی دونوں لحاظ سے نہایت
اہم اور ساتھ ہی دلچسپ ہیں۔

(۱۸۶) حبیب المریدین [۶۸۲]

اوراق ۸۸ - سطور ۱۱-
تقطیع ۵½" × ۳½" - خط نستعلیق
مصنف محمد حبیب علی رضوی۔

اردو نثر کے اس رسالے میں محمد حبیب علی خلیفہ حافظ
محمد علی شاہ خیرآبادی نے پیری و مریدی کے فوائد بیان کئے ہیں۔
یہ کتاب مصنف نے غالباً اپنے حقیقی بھائی سید رضا علی
رضوی کی فرمایش پر لکھی تھی۔ کتاب کے آخر میں حافظ
محمد علی شاہ خیرآبادی کے سلسلہ ہائے بیعت کے متعدد شجرہائے خلافت
بھی بخط نسخ درج کئے گئے ہیں۔

اپنے موضوع کی مناسبت سے مصنف نے کئی قدیم
کتابوں سے بزرگوں کے حالات اور مریدوں کے استفادات
جمع کئے ہیں۔ اس قسم کی بعض کتابوں اور رسائل کے
نام یہ ہیں:-

جامع العلوم از مخدوم جہانیاں جہاں گشت
فوائد الفوائد از نظام الدین محبوب الٰہی
کشکول از شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی
ہدایت المنجیہ از شیخ محمد چشتی
رسالۂ عشق از شیخ جمال الدین ہانسوی
بحر الاسرار حسینہ از شیخ محمد چشتی
حجۃ السالکین از خواجہ مودود چشتی
حسرت نامہ از ضیاء الدین برنی
جوامع الکلم از خواجہ بندہ نواز
مجمع الاولیاء از خواجہ معین الدین چشتی
رسالۂ رویت از خواجہ بندہ نواز

وسیلۃ التائبین

سیر الاولیاء

مرأۃ المجواۃ

بقیۃ الغرایب

اسرار التوحید

لطائف اشرفی

ورق ۱۲ تک اولیاء و مرشدین پیشیں کے کمالات اور فیوض بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد مصنف نے خود اپنے مرشد یعنی حافظ محمد علی شاہ خیرآبادی کے روحانی کمالات و خرق عادات (ورق ۲۹ تک) درج کئے ہیں اور پھر ان کے شجرہائے طریقت آخر کتاب تک نقل کئے ہیں۔

کتاب کے آخری ورق کی حسب ذیل عبارت

"ماشاء اللہ۔ حبیب الفواد۔ ۱۳۰۳ہجری۔ در حیدرآباد طبع شد"

سے اندازہ لگتا ہے کہ شاید یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

آغاز:-

"امابعد کہتا ہے بندۂ گنہگار شرمسار بے مقدار خاک خدام درویشاں اور خاک پائے ان کا محمد حبیب علی غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ کہ یک حلقہ بگوشوں سے شیخ المشائخ سید السادات شمس الاولیا سلطان الاصفیا المرشد الہادی حضرت مولنا و استادنا خواجہ حافظ محمد علی شاہ چشتی الخیرآبادی قدس سرہ العزیز المبارک کا ہے"

اختتام:-

"نزد حضرت ما اس قدر سلسلے ہیں کہ تفصیل اوس کی ایسی ہے"

اس کے بعد حسب تفصیل ذیل طریقتی شجرے درج کئے ہیں:-

(۱) چشتیہ نظامیہ (ص۵۰) (۲ و ۳) چشتیہ مظلوم شہ (۱۴۱)۔ (۴ و ۵) بندہ نوازیہ (ص۸۲ و ص۸۵) (۶) کبیلہ (ص۹۲) (۷) اویسیہ (ص۱۰۰) (۸) چشتیہ ابوبکر صدیقی (ص۱۰۱) (۹) چشتیہ عمر فاروق (ص۱۱۶) (۱۰) شیخ عزیز اللہ (ص۱۲۳) (۱۱ و ۱۲) قادریہ (ص۱۲۸ و ص۱۳۵) (۱۳) نقشبندیہ (ص۱۴۱) (۱۴) سہروردیہ (ص۱۴۵)۔ (۱۵ و ۱۶) مغربیہ (ص۱۵۳ و ص۱۵۸)۔ (۱۷) ہمدانیہ (ص۱۶۴) (۱۸) نوربخشیہ (ص۱۶۹)۔

---

(۱۸۷) کشف الحاجتہ [۶۸۳]

اوراق ۴۳ - سطور ۱۳

تقطیع ½۵" × ۹" خط نستعلیق

عنوانات - سرخی میں۔

مصنف محمد نورالدین چاٹگامی - سنہ تصنیف ۱۲۶۲ھ

زمانہ کتابت اواخر تیرھویں صدی ہجری۔

اردو نثر کی یہ کتاب ترجمہ ہے "مالابدمنہ" مولفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا۔ اس کا مصنف محمد نورالدین ولد محمد انتظر اسلام آباد عرف چاٹگام کا رہنے والا تھا۔ اوائل عمر میں تحصیل علم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور وطن واپس ہوتے وقت جب کلکتہ میں پہونچا تو وہاں اس کے ہم وطن دوستوں نے "مالابدمنہ" کے ترجمہ کی فرمایش کی اور مصنف نے اس کام کو وسیلۂ نجات سمجھ کر مکمل کیا۔ اور کشف الحاجتہ اس کا نام رکھا۔ یہ سب واقعات مولف ہی نے سبب تالیف کے طور پر بیان کئے ہیں۔

یہ کتاب نو حصوں اور مختلف فصلوں میں تقسیم ہے جن کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) کتاب الایمان۔ نماز کے بیان میں ایک ہی فصل ہے۔

(۲) کتاب الطہارۃ۔ فصلیں ۱۔ وضو ۲۔ وضو توڑنے والی چیزیں
۳۔ غسل ۴۔ واجبات غسل ۵۔ نجاست
۶۔ نجاسات حکمی سے طہارت ۷۔ نجاست
حقیقی سے طہارت ۸۔ پانی جاری اور کثیر
۱۰۔ کنواں

(۳) کتاب الصلوٰۃ۔ فصلیں ۱۔ نماز کے اوقات ۲۔ نماز کی شرائط
۳۔ نماز کے ارکان ۴۔ واجبات نماز۔
۵۔ سجدۂ سہو اور جماعت و امامت۔
۶۔ نماز کا طریقہ و سنت ۷۔ نماز میں حدث ہونا۔
۸۔ قضائے نماز ۹۔ نماز کے مفسدات و مکروہات
۱۰۔ بیمار کی نماز ۱۱۔ مسافر کی نماز ۱۲۔ نماز جمعہ
۱۳۔ واجب نمازیں۔ ۱۴۔ نفلیں۔
۱۵۔ سجدۂ تلاوت۔

(۴) کتاب الجنائز۔ فصلیں ۱۔ شہید ۲۔ ماتم ۳۔ زیارت قبور۔

(۵) کتاب الزکوٰۃ۔ فصلیں ۱۔ مصرف ۲۔ صدقۂ فطر ۳۔ صدقۂ نفل

(۶) کتاب الصوم۔ فصلیں ۱۔ قضا اور کفارہ۔ ۲۔ نفل روزے ۳۔ اعتکاف

(۷) کتاب الحج۔ ایک ہی فصل ہے۔

(۸) کتاب التقویٰ۔ فصلیں ۱۔ کھانے کی چیزیں ۲۔ لباس ۳۔ وطی۔
۴۔ کسب اور تجارت۔ ۵۔ متفرقات اور
آداب معاشرت اور حقوق الناس۔

(۹) کتاب الاحسان والتقریب وخاتمہ۔ کلمات کفر اور بدعت کے
بیان میں۔

لیکن اس ناقص الآخر مخطوطے میں صرف تیسرے حصہ
(یعنے کتاب الصلوٰۃ) کی ساتویں فصل تک ترجمہ شامل ہے۔
اس کے بعد کاتب نے لکھتے لکھتے ناکمل چھوڑ دیا ہے —
اور کوئی اوراق غائب نہیں ہیں۔ ابتدا عربی حمد و نعت
سے کی گئی ہے۔

آغاز:—

"بعد حمد اور صلوٰۃ کے فقیر عصیاں آگیں محمد نور الدین
ولد محمد اشرف غفراللہ لہ ولوالدیہ متوطن اسلام آباد
عرف چاٹگام کا حضرات اہل دین کی خدمتوں میں
عرض کرتا ہے کہ عاصی پُر معاصی علوم تحصیل کرنے
کے قصد سے اول عمر میں حسب تقدیر ملک ہندوستان
میں گیا تھا۔"

اختتام:—

"اگر مقتدی ایک عورت ہے تو نماز دونوں کی
فاسد ہوگی اور اگر مقتدی ایک لڑکا تو اوس صورت
میں بھی یہی حکم ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے
کہ نماز امام کی فاسد نہ ہوگی اگر عورت یا لڑکے کو
خلیفہ نہ کیا ہو۔"

یہ کتاب اُس علمی ذوق اور ترجموں کے شوق کو ظاہر
کرتی ہے جو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے ترجموں کی وجہ
سے پیدا ہو گیا تھا۔ اور جس کے نتیجے کے طور پر دکن میں
بھی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تھا جن کا ذکر اس فہرست
کے صفحات ۱۶۰ تا ۱۶۷ پر درج ہے۔

۱۸۸) مثنوی محرمات شرعی [۶۸۵] و مثنوی تعزیہ

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۴ ۔

تقطیع ۴¾ × ½۷ ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔

مصنف محمدی مرید امین الدین و تجر۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۲۵ھ

کتابت ۱۲۷۸ھ

یہ دو چھوٹی اردو مثنویاں ہیں جو دو فارسی رسائل، نثر (مفصل المذاہب اور تحفۃ المشتاق) کے درمیان نقل کی گئی ہیں۔

پہلی مثنوی کل ۲۶ ابیات پر مشتمل ہے اس میں حضرت امین الدین کے مرید محمدی نے محمد اکبر کی خاطر سے اُن عورتوں کی تفصیل بیان کی ہے جن سے نکاح حرام ہے۔

آغاز:۔

پیشتر حمد تو خدا کی کر　　نعت بعد اوس کے مصطفیٰ کی کر

کیونکہ تو ہے محمدی مشہور　　چاہئے تجھ کو حمد و نعت ضرور

اختتام:۔

حمد پہ یہ تمام کرتا ہوں　　قطع اپنا کلام کرتا ہوں

جو کوئی اس کو پڑھ کے ہو دلشاد　　کرے مجھ کو دعائے خیر سے یاد

اس کے ساتھ ہی دوسری مثنوی شروع کر دی ہے جس میں ۱۳ ابیات ہیں۔ اس کے مصنف تجرؔ ہیں جو لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر تھے۔ اس میں تعزیہ داری کا مضحکہ فحش طریقے پر اڑایا گیا ہے۔

آغاز:۔

لکھنؤ کا میں سناؤں ماجرا　　رافضی یک تعزیہ داروں میں تھا

تھا مکلف رافضی کا ایک مکاں　　تھے وہاں موجود سب پیر و جواں

اختتام:۔

کھل گیا سارا تجلی کا گماں　　منفعل تھا رافضی ہر اک وہاں

تجر بس اب ذہن کر قطع کلام　　لیجئے کر اب اس حکایت کو تمام

ترقیمہ ۔ ان دونوں مثنویوں کے آخر میں تو کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن ان سے قبل اسی کاتب نے مفصل المذاہب کا جو فارسی رسالہ لکھا ہے اس کے آخر میں تاریخ کتابت اس طرح درج کی ہے:۔

"تمت الرسالۃ المسمی بہ مفصل المذاہب بروز دوم صفر ۱۲۷۸ ہجری"

اس جلد کی فارسی کتابوں کا تذکرہ فہرست فارسی مخطوطات میں درج ہوگا۔

---

۱۸۹) کہانی و قصہ [۶۸۷]

اوراق ۵ ۔ سطور ۱۳ ۔

تقطیع ۶" × ۹ ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف ۔ موقت؟ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۳۶ھ ۔

سنہ کتابت ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء ۔ بمقام بنارس ۔

یہ تقریباً ۱۰۵ ابیات کی ایک اُردو مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اس کو دولت رام نے ۲۴ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ م ۲۸ فروری ۱۸۲۱ء کو بمقام بنارس اپنے ایک دوست لالہ کندن لعل کی فرمائش پر ایک فارسی کتاب "قصۂ عجائب و غرائب" کے ساتھ نقل کیا ہے۔ موخر الذکر کا حال فہرست فارسی مخطوطات میں ملاحظہ ہو۔

اس مثنوی کا نام ہی "کہانی و قصہ" معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابتدائی و آخری ابیات سے ظاہر ہوگا۔

اس مثنوی میں موسیقی اور شاعری کا اثر دکھایا گیا ہے۔ یعنے

ایک بادشاہ کی محفل میں ایک گلفام رقاص نے صرف تین مصرع گاکر ایک نوجوان شہزادے کو اپنے حکمراں باپ کے قتل سے اور ایک نوجوان شہزادی کو عصمت فروشی سے بچالیا۔ وہ تین مصرع یہ ہیں :-

بہت کٹ گئی تھوڑی باقی رہی
گزر جاتی ہے یہ بھی اک آن میں
نہ غافل ہوا ے جان امان میں

قصہ بہت دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ مصنف باکمال شاعر معلوم ہوتا ہے۔ آخری مصرع میں ممکن ہے تخلص مودب درج ہو لیکن کاتب نے ادب لکھا ہے۔ لیکن یہ لفظ اس مثنوی کی بحر میں بھی نہیں آتا۔

آغاز :-

نہ ہو خواب غفلت میں اے دل فگار کہ بیدار ہے پاک پروردگار
کہانی و قصہ بھی ہے دروغ مگر حرف شیریں سے کچھ ہے فروغ

اختتام :-

یہ سن کر کے سلطان والا جناب تبسم کیا اور ہوا لاجواب
مادب کیا چاہئے اختصار کہانی و قصہ کا کیا اعتبار

ترقیمہ :-

"تمام شد کار من نظام شد۔ بست چہارم جمادی الاول ۱۲۳۶ ہجری روز چہارشنبہ برائے خاطر داشت للکنہا لعل تحریر یافت۔ ہر کہ دعویٰ کند باطل گردد ہر کہ بدیں نسخہ نظر بد کند کور شود چشم شکم درد کند۔ بخط خام دولت رام۔"

(۱۹۰) مناقب عادل [۲۰۳]

اوراق ۱۳ - سطور ۱۰
تقطیع ۳/۴ ۷" × ۱/۴ ۴" - خط نستعلیق - حاشیہ سرخی میں۔
مصنف عادل
زمانہ کتابت اوائل تیرھویں صدی ہجری۔

یہ ایک بیاض ہے جس میں کسی اچھے شاعر عادل کی چھ نظمیں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں دو مسدس ہیں اور چار مخمس۔ شاعر غیر معروف ہے لیکن کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاق اور اعلیٰ پایہ کا شاعر ہوگا۔ زبان کے لحاظ سے اوائل تیرھویں صدی کی نظمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- مسدس - ۷ بند ہیں ہر ایک بند کا تیسرا شعر فارسی ہے۔

آغاز :-

سرو گلزار نبوت ملک دیں کے شہسوار وازو ار کنز کنز حضرت دلدل سوار
اے امام ہر دو عالم شافع روز شمار جانشین مصطفیٰ تم راہ حق پہ ہوشیار
مظہر حق و علا اے محتج ہشت و چہار!
خاطرم بس شاد کن اے نائب پروردگار

اختتام :-

کوکب برج رسالت مہر چرخ انما قوت دین محمد ہادی راہ ہدا
دو جہاں کے تم ہو بے شک یا علی صاحب عطا عادلِ کمتر تمہارے نام اوپر ہے فدا
نقد جاں کردم فدا بر اسم تو لیل و نہار
جام کوثر کن عطا در روز محشر بار بار

۲- مخمس - ۷ بند ہیں۔

آغاز :-

ہے علی شیر خدا مظہر سبحان بے شک گوہر بحر کرم کوکب ایمان فلک
تیغ کی اوس کے اگر دیکھے کوئی بارڈ و جھلک الحذر مانگے سبھی جن و بشر حور و ملک

جاوے خورشید کی بھی دیکھ کے سب آنکھ جھپک

اختتام :-

دست ہو دوس کا لہاں بحق تو قسم آمادل ہے وہ خورشید عطا بہر کرم آمادل
لطف نور خدا میر حرم اسے عادل ! سرمۂ چشم بہشت خاک قدم آمادل
منقبت شاہ ولایت کا پڑھا کر تو کڑک

۳۔ مخمس - ۷ بند ہیں۔

آغاز :-

جز یاد حق نہ ضایع کوئی اپنا دم کرے محرم رہے تو دم سے نہ تو او ہم کرے
سر ہیچ عاشقی میں مثال قلم کرے بعد از خیال دعوئے جہل منم کرے
راضی رہے رضا پہ اگر کوئی ستم کرے

اختتام :-

جو فدوی نبی و علی ہے گا عادل اب محرم وہی بہ راز نبی ہے گا عادل اب
برہان کے لطف سری بسی ہے گا عادل اب فارغ ز درس و مکر سبھی ہے گا عادل اب
تحت سجدۂ خدا میں وہ گردن کو خم کرے

۴۔ مخمس - ۷ بند ہیں۔

آغاز :-

مظہر نور خدا معنی قرآں حیدر زور بازوے نبی دیں کے نگہباں حیدر
شافع روز جزا معدن احساں حیدر ہے وہ خورشید تھا سب کا نگہباں حیدر
محرم سر خفی مشکل آساں حیدر

اختتام :-

سب میں جو آپ کے ہو دل سے ہمیشہ معمور اوس سے راضی ہیں نبی اور وہ اللہ غفور
یا علی بہر خدا رکھئے نہ مجکوں رنجور ! آپ کے گھر کا یہ عادل ہے جہاں میں مشہور
اوس کے بر لاو تمام دل کے تم ارماں حیدر (د)

۵۔ مسدس - ۷ بند ہیں۔ ہر بند کا تیسرا شعر ایک ہی ہے -

خدا کے سجدے میں سر کو اپنے مجھو ہر دم رکھا کروں گا
وہ نعت احمد کو لوح دل پر بہ کلک ایماں لکھا کروں گا
میں نام حیدر مثال بسم بصدق دل سے جپا کروں گا
فدائے خیر النساء و حسنین ہمیشہ دل کو کیا کروں گا
بہ حب آل نبی میں دل کو سبھی اپنے ضیا کروں گا !
باسم مہدی امام آخر یہ نقد جاں کو فدا کروں گا

اختتام :-

بفضل مولا یہ مدح رنگیں کیا جو ہم نے نگار عادل
امام مہدی ہیں تیرے اب تو وہ جملہ حاجت برار عادل
تجھے مدد ہیں امام بارہ ہمیشہ میل و نہار عادل
عدو ہیں خستہ و دوست خرم بلطف و لادل سود عادل
بہ حب آل نبی میں اپنے سبھی دل کو ضیا کروں گا !
باسم مہدی امام آخر یہ نقد جاں کو فدا کروں گا

۶۔ مخمس - ۷ بند ہیں -

آغاز :-

جلوۂ دین نبی تا بہ حشر باقی ہے معجزہ اوس کا عیاں شق قمر باقی ہے
شام گر ہو چکے تجھ پہ تو سحر باقی ہے عالم لطف ہوا آگے قہر باقی ہے
کن تو وہ کہہ چکا پر حرف دگر باقی ہے

اختتام :-

لطف فرما ہیں ترے حال پہ مولا عادل خوف محشر کا نہیں تجھ کو ہے اصلا عادل
ہے گا میداں میں جو ہو دید کا اعلا عادل نفس سرکش کو زمیں مار کے ڈالا عادل
ملک اشجع میں ترا نام نشر بانی ہے

ترقیمہ :-

"تمام شد۔ عنایت جنگ ۱۳۴۰ھ۔ حیدر آباد"

یہ نسخہ نواب صاحب ہی کا عطیہ ہے۔ تمام شد کاتب نے لکھا ہے اور اس کے آگے نواب عنایت جنگ بہادر نے اپنے دستخط ثبت کیئے ہیں -

(۱۹۱) دیوان اوّل ناسخ [۱۴۲/ب]

اوراق ۴۶ - سطور ۱۴۔

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق شکستہ۔

مصنف - شیخ امام بخش ناسخ - زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ۔

کتابت - اواخر تیرھویں صدی ہجری۔

شیخ امام بخش ناسخ (۱۱۸۰ھ تا ۱۲۵۴ھ) لکھنؤ کے مشاہیر شعرا سے ہیں۔ اور دراصل انہی کی کوششوں اور استادانہ شہرت نے لکھنؤ کے ایک علاحدہ دبستاں کی بنا ڈالی۔ انہوں نے معانی و مطالب سے زیادہ زبان اور محاورے پر زور دیا۔

اس زیر نظر مخطوطے میں تقریباً سات سو پچاس اشعار ہیں۔ اور یہ ناسخ کے دیوان دوم (دیکھو مخطوطہ ۱۹۲) کے بعد ایک ہی جلد میں (ورق ۸۲ سے) درج ہے۔ دیوان دوم خاص اہتمام کے ساتھ خوش خط نقل ہوا ہے۔ لیکن یہ دیوان کسی معمولی اور کم سواد کاتب نے نقل کیا ہے جس کا خط خراب اور املا غلط ہے۔ ساتھ ہی مسلسل اور مکمل دیوان اول کی نقل بھی نہیں معلوم ہوتی بلکہ غالباً انتخاب ہے جس میں کاتب نے ترتیب ردیف کا بھی خیال نہیں رکھا۔ چنانچہ ابتدا میں ۱۰ صفحات مسلسل الف کی غزلیں لکھ کر ردیف ر شروع کر دی گئی ہے۔ ردیف الف اس شعر پر ختم کی ہے:۔

بن گیا خمیازہ ناسخ خندۂ جام شراب جب خیال آیا کسی کی نرگس مخمور کا

اس کے بعد ر کی ردیف کی ایک غزل لکھ کر مختلف ردیفوں میں بے ترتیب غزلیں لکھنی شروع کر دی ہیں۔ درمیان میں کہیں کہیں رباعیاں بھی درج ہیں۔ یہ سلسلہ ورق ۱۰۹ ب پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد مختلف شعرا مثلاً مومنؔ، دردؔ، سوداؔ، ناسخؔ وغیرہ کے فارسی، اردو اور ہندی کلام کے انتخابات لکھے ہیں۔ یہ سلسلہ ورق ۱۱۵ پر ختم ہوجاتا ہے۔

آغاز:۔

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا
کسی خورشید رو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے
کہ نور صبح صادق ہے غبار اپنے بیاباں کا (ورق ۸۲)

اختتام:۔

سیر گلشن مت سمجھ گلگشت اے نازک مزاج
باغ و بستاں اور ہے گنج شہیداں اور ہے
فرق ہے شاہ و گدا میں قول ناسخ ہے یہی
شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ اس کے بعد جو متفرق ابیات فارسی و اردو درج ہیں وہ اس فارسی شعر پر ختم ہوتی ہیں۔

ہمچو بسد وزن کسے در عاشقی مردانہ نیست
سوختن بر شمع مردہ کار ہر پروانہ نیست

یہ نسخہ محبوب علی خاں صاحب کا عطیہ ہے جو ۲۰ دے ۱۳۵۱ف کو ادارے میں داخل ہوا۔

---

(۱۹۲) دیوان دوم ناسخ [۱۴۲/ا]

اوراق ۸۲ - سطور ۱۴۔

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق - حاشیہ سرخی میں۔

مصنف - شیخ امام بخش ناسخ - زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۹۰ھ

کتابت اواخر تیرھویں صدی ہجری۔

یہ ناسخ (متوفی ۱۲۵۴ھ) کا دوسرا دیوان ہے۔ ان کا پہلا دیوان بھی اسی جلد میں محفوظ ہے۔ (دیکھو مخطوطہ ۱۹۱)۔

اس میں تقریباً دو ہزار دو سو پچاس (۲۲۵۰) اشعار ہیں۔ خوش خط اور مسلسل لکھا گیا ہے۔ دیوان اول کی طرح بے ترتیب نہیں ہے۔ لیکن یہ دیوان بھی مکمل نہیں ہے بلکہ ردیف ن پر ختم ہو جاتا ہے۔

آغاز:۔

خوب موزوں ہم سے وصف قد بالا ہو گیا
عالم بالا تک اپنا بول بالا ہو گیا
باعث گریہ ہوئی فرقت میں مجھ کو نے کشی
ساقیا اشکوں سے مے کا استغنا ہو گیا

اختتام:۔

دل دوڑتا ہے کوچۂ دلدار کی طرف | جیسے نہیں ہے طاقت رفتار پاؤں میں
دیا رن کتنے جو ہاتھ میں رکھتے ہیں پھول ہم | ناسخ چبھے اب اسکے عوض خار پاؤں میں

اس کے بعد ہی دیوان اوّل شروع کر دیا گیا ہے۔

یہ نسخہ محبوب علی خاں صاحب کا عطیہ ہے جو ۲۰ دے ۱۳۵۱ف کو ادارے میں داخل ہوا۔

---

(۱۹۴) چشمۂ فیض [۱۱۴]

اوراق ۸۵۔ سطور ۱۶۔
تقطیع ½۴" × ½۷"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
عنوانات اور تخلص سرخی ہیں۔ قدرے کرم خوردہ۔
مصنف۔ میر شمس الدین محمد فیض۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۸ھ۔
کاتب " " "۔ سنہ کتابت ۱۲۲۸ تا ۱۲۸۳ھ۔

حافظ میر شمس الدین محمد فیض (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۳ھ) آج سے ٹھیک سو سال قبل حیدرآباد کے ملک الشعرا اور استاد کل سمجھے جاتے تھے۔ یہ ایک اعلیٰ پایہ شاعر اور استاد سخن ہونے کے علاوہ بڑے مصنف عالم و فاضل اور صوفی بزرگ بھی تھے۔ ان کے بعد سے آج تک دکن میں کوئی ایسی متجمع الصفات ہستی نہیں پیدا ہوئی جس میں شعر و سخن، تصنیف و تالیف، علم و فضل، تصوف و تقویٰ اور اثر و اقتدار ایک ساتھ جمع ہو گئے ہوں۔

فیض نے کئی دیوان لکھے اور ان میں سے بعض شائع بھی ہو چکے ہیں لیکن زیر نظر نسخہ ان کے اوائل عمر کے کلام کا مجموعہ ہے جو شائع نہیں ہوا۔ البتہ اس میں کی بعض غزلیں خود شاعر نے اپنے بعد کے دیوانوں میں شامل کر لی تھیں۔ ردیف ب کی ایک غزل میں ایک جگہ شاعر لکھتا ہے ؎

ہے شمار سال عمر اپنا برس بائیس میں
ہو سکا اب تک نہ ہم سے کچھ سرانجام شباب

اس مجموعے کی تکمیل کی تاریخ خود فیض نے سر ورق پر اس طرح لکھی ہے۔

ع چشمۂ فیض اس کی ہے تاریخ
۱۲۳۸ھ

یہ نسخہ اس لئے بے حد اہم ہے کہ خود فیض کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس میں جگہ جگہ حاشیہ پر شاعر نے بعض اشعار اور الفاظ میں تبدیلی اور اصلاح کی ہے۔ اس نسخے میں دو ہزار سات سو سے زیادہ اشعار شامل ہیں۔

فیض کے تفصیلی حالات مرقع سخن جلد اول صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۶ پر شائع ہو چکے ہیں۔ اور راقم الحروف نے ان کے کلام کا جو انتخاب "فیض سخن" ۱۹۳۷ء / ۱۳۵۶ھ میں مرتب کر کے شائع کیا ہے اس کے مقدمہ میں بھی ان کے حالات مزید تحقیق اور جستجو سے شامل کئے ہیں۔ اور زیر نظر دیوان سے بھی اس مجموعہ "فیض سخن" کے لئے اشعار منتخب کئے ہیں۔

فیض کی دوسری فارسی و اردو کتابوں کے قلمی نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں جن کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر درج ہوگا۔

آغاز:۔

کیوں نہ ہر مصرع ہو اپنا ماہ نو کی شان کا
بیت ابروئے بتاں مطلع ہے اس دیوان کا
شکوہ کس منہ سے کروں اس تیر کے پیکان کا
ہے دہانِ زخم میں کیا خوب بیڑہ پان کا

اختتام:۔

یاد کیا ہے خاک قصہ کوہکن کو عشق کا
یا رشیریں کا فسانہ کوئی ہم سے سیکھ جائے
سر پہ سو سو زخم تیغ ابروے سفاک جھیل
خون میں ہر دم نہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ یہ غزل نامکمل رہ گئی ہے ممکن ہے فیض اس کو بعد میں مکمل کرلینا چاہتے ہوں اس لئے جگہ چھوڑدی ہے البتہ سرورق پر جہاں کتاب کا تاریخی نام درج کیا ہے اس کے برابر مصنف کی ایک مستطیل خوش نما مہر ثبت ہے جس میں شاعر نے اپنا نام اس مصرعہ سے واضح کیا ہے۔

"ہست حافظ میر شمس الدین محمد فیض ۱۲۴۵ھ"

اس کے نیچے خود فیض نے اپنے قلم سے اپنے فرزند عماد الدین محمد کی صحت یابی کا ایک قطعۂ تاریخ فارسی اور ایک قطعۂ تاریخ اردو لکھا ہے۔ یہ ان کے آخری کلام میں سے ہے کیونکہ اسی سال انہوں نے وفات پائی۔ اردو قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

وہ عماد الدین محمد جو کہ ہیں بابا میاں
دُملوں کے رنج و ایذا سے انہیں صحت ہوئی
سال صحت فیض صاحب ہم سے فرماتے تھے کل
میرے نور العین نے پائی ہے صحت آج ہی
۱۲۶۳ھ

یہ نسخہ نواب عزیز یار جنگ بہادر کا عطیہ ہے جو جنوری ۱۹۳۵ء میں ادارے کے کتب خانہ میں داخل ہوا۔ نواب صاحب موصوف فیض کے ایک جانشین مشرف جنگ فیاض کے فرزند اور دوسرے جانشین میر احمد علی عنبر کے شاگرد ہیں۔

---

(۱۹۴) فیض جاری [۱۳۵]

اوراق ۲۶۔ سطور ۱۴۔
تقطیع ۷ × ۱۲۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف حافظ میر شمس الدین محمد فیض۔ سنہ تصنیف ۱۲۵۶ھ
کاتب۔ محمد تقی۔ سنہ کتابت ۱۲۶۷ھ

یہ سات سو چوراسی ابیات کی ایک مثنوی ہے جو واحد باری اور اشرف باری کے طرز پر بطور عربی، فارسی و اردو لغت ۱۲۵۶ھ میں لکھی گئی ہے۔ اور یہ نسخہ مصنف کی زندگی ہی میں نقل کیا گیا ہے اس لئے اہمیت رکھتا ہے۔ فیض کے ایک دیوان (چشمۂ فیض) کا مخطوطہ بھی ادارے میں محفوظ ہے اور اس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۹۳ میں ابھی گزر چکا ہے۔

یہ رسالہ فیض جاری غالباً نواب شمس الامرا کے مدرسہ کے طلبہ کے لئے قلمبند کیا گیا تھا چنانچہ نواب صاحب موصوف کے سنگی چھاپہ خانے میں ۱۲۵۶ھ میں ۵ × ۸ کی تقطیع پر شائع بھی ہو چکا ہے۔ اس میں ۷۰ صفحات ہیں اور اس کے سرورق پر لکھا ہے کہ:۔

رسالہ فیض جاری عہد میں نواب فلک جناب بندگان عالی حضرت آصفجاہ نظام الملک نظام الدولہ فتح جنگ میر فرخندہ علی خاں بہادر دام ظلہ العالی کے شہر فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں واسطے تعلیم طلبا کے سرکار شمس الامرا بہادر امیر کبیر کے سنگی چھاپے خانے کے درمیان ۱۲۵۶ ہجری میں چھپا۔

راقم الحروف نے اپنے انتخاب "فیض سخن" میں اس کتاب "فیض جاری" سے ۹۷ ابیات بطور نمونہ شامل کی تھیں۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنا نام بڑی خوبی سے ظاہر کیا ہے

ملاحظہ ہو۔

ہے وہ حافظ جسے ہو قرآں یاد — شور ہنگامہ ہے فغاں فریاد
کہہ نبی فاطمہ کو سید میر — ہے مربت کا ترجمہ تعبیر
شمس ہے آفتاب دین اسلام — ایک معنی رکھیں درود سلام
فیض الہام ہے ضیا ہے نور — ہے جو تنویر جان اس کو تنویر

کتاب کا نام اس بیت میں لکھا ہے :—

فیض جاری رکھا ہے اس کا نام — تا ہوں سیراب اس سے تشنہ انام

تاریخ تصنیف مثنوی کی آخری بیت سے ظاہر ہوگی جو اختتامی ابیات کے سلسلہ میں نیچے درج ہے۔

آغاز :—

ہے جو اللہ جان اس کو خدا — ہے ملک تیرے ساتھ الگ ہے جدا
نیستی ہے بنود ہستی بود ! — عبد بندہ الہ ہے معبود

اختتام :—

فیض جاری ہوا مرتب جب ! — تب کہا سب نے ہے نصاب عجب
اوس کی تاریخ مجھ کو یوں بھائی — فیض کا یہ رسالہ ہے بھائی
۱۲۵۶

ترقیمہ :—

”رسالہ فیض جاری تصنیف کیا ہوا مولوی حافظ میر شمس الدین محمد المتخلص فیض کا پڑھنے والوں کی تربیت کے واسطے موافق عدد نام مولوی شمس الدین محمد کے چھے سو اناسی (۶۷۹) بیت پر سوائے دو بیتیں تاریخ سنہ بارہ سو چھپن (۱۲۵۶) ہجری میں مرتب ہوا۔

تمام شد این رسالہ در سن یک ہزار و دو صد و شصت و ہفت ہجری سید محمد نقی غفر اللہ لہ و لوالدیہ۔“

ترقیمے کے برابر دو مستطیل مہریں ”سید جعفر حسینی بادشاہ قادری“ اور ”جعفر علی شاہ فاروقی“ ثبت ہیں۔

(۱۹۵) دیوان عصر [۱۰۰]

اوراق ۱۴۴۔ سطور ۸۔
تقطیع ۴/۱ ۴ × ۴/۱ ۶۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔
مصنف میر احمد علی عصر قادری۔ سنہ تصنیف قبل ۱۳۱۳ھ۔
کاتب ” ” ۔ سنہ کتابت ۱۳۱۳ھ

یہ دکن کے ایک مشہور شاعر اور فیض کے شاگرد میر احمد علی عصر قادری (۱۲۴۵ھ تا ۱۳۲۲ھ) کی صرف رباعیات کا دیوان ہے جو خود انہی کا مسودہ ہے۔ اس لئے بے حد اہم ہے۔ اس میں غزلوں کے دیوان کی طرح رباعیوں کو ردیف وار مرتب کیا گیا ہے اور ہر ردیف کے بعد کئی کئی صفحات بعد کے اضافے کے لئے خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ جن صفحات پر لکھا گیا ہے صرف ان کی تعداد ۲۸۸ ہے۔

عصر کے تفصیلی حالات مرقع سخن جلد اول (صفحات ۷۰ تا ۹۲) پر شایع ہو چکے ہیں۔ ان کا ضخیم قلمی دیوانِ غزلیات کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اور وہ بھی ادارے کے اس دیوانِ رباعیات کی طرح خود انہی کا لکھا ہوا ہے اور اس میں بھی درمیان میں سادہ اوراق چھوڑ دئے گئے ہیں۔ البتہ اس کے آغاز میں عصر کی ایک مہر بھی ثبت ہے جس پر ”میر احمد علی عصر ۱۲۸۳ھ“ کندہ ہے۔

مولوی سید محمد صاحب ایم اے عصر کے عزیزوں میں ہیں اور ان کے یہاں بھی عصر کی مملوکہ بعض کتابیں محفوظ ہیں۔ ادارے کے کتب خانہ میں انشا کا جو دیوان ہے وہ بھی عصر کا مکتوبہ ہے (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۸۵)۔

عصر ایک باکمال استاد سخن تھے ان کے تلامذہ میں نواب آصف یار الملک وزیر، نواب عزیز یار جنگ عزیز، مہاراجہ کشن پرشاد شاد

اسؔد، سیفؔ، نظامؔ، ساجدؔ، تجملؔ، قیسؔ، کریمؔ، شرفؔ وغیرہ مشہور ہیں۔

ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ان کے موخر الذکر شاگرد حاجی سید شاہ روشن علی شرفؔ قادری شطاری نے اپنے مطبع صبغتہ اللہی رائچور میں چھپوایا تھا۔ اور یہ دیوان رباعیات بھی انہی کی فرمائش پر عصرؔ مرتب کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک رباعی میں لکھتے ہیں:۔

ہے پاس خاطر شرفؔ ہم کو میاں لکھا ہم نے رباعیوں کا دیوان
تھا ورنہ کسے نزانہ چار بیتی کا خیال آزادوں کو کہئے اتنی فرصت ہے کہاں (صفحہ ۱۹۷)

ایک اور رباعی میں اپنے اس شاگرد کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

روشن علی شرفؔ تخلص اے عصرؔ آباد رہے مراد کا اوس کی قصر
دیوان کی ترتیب میں مصروف ہے بس اب ہم بھی رباعیات کو کرتے ہیں حصر (صفحہ ۱۵۷)

اس مجموعہ میں جملہ ۱۲۸٦ رباعیات ہیں جن کی ردیف وار تفصیل یہ ہے:

ا - ۱۲۷	ب - ۲٦۰	پ - ۵	ت - ۵۴
ٹ - ۱۱	ث - ۳	ج - ۱۰	چ - ۱
ح - ۳	خ - ٦	د - ۴٦	ڈ - ۲
ذ - ۱	ر - ۱۴۳	ڑ - ۷	ز - ۱۴
س - ۱۳	ش - ٦	ص - ۲	ض - ۵
ط - ۲	ظ - ۴	ع - ۱	غ - ٦
ف - ٦	ق - ۱۰	ک - ۴	گ - ۱٦
ل - ۵٦	م - ۷۰	ن - ۳۱۲	و - ۴۴
ہ - ۲۰	ی - ۲٦۰		

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعیوں کی سب سے زیادہ تعداد ن، ی، و اور ر کی ردیفوں میں ہے۔

ان رباعیوں کے موضوع زیادہ تر اخلاقی ہیں۔ بزرگان دین اور شاہ وقت (میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس) کی مدحیہ رباعیوں کے علاوہ اپنے اکثر ہم عصروں اور تلامذہ مثلاً آصف یار الملک وزیر علی پاشا وزیرؔ، حکیم مظفر الدین مزاجؔ، سید محمد حسینی بادشاہ، مشرف جنگ فیاضؔ، نواب خانخاناں صارم جنگ، ڈاکٹر عبداللہ خاں اور حکیم غلام احمد وغیرہ کی تعریف و توصیف لکھی ہے۔ خاص کر اپنے استاد حافظ میر شمس الدین محمد فیضؔ (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۱۹۳ و ۱۹۴) کی تعریف و توصیف میں بیسیوں رباعیاں لکھی ہیں۔

اس دیوان میں چند رباعیات فارسی بھی شامل ہیں۔

رباعیات کے اختتام پر حسب ذیل معاصرین و تلامذۂ عصرؔ کے اردو و فارسی قطعات و رباعیاتِ تاریخی بھی درج ہیں۔

آصف یار الملک وزیرؔ۔ مشرف جنگ فیاضؔ۔ عزیزؔ (عزیز یار جنگ) کریمؔ، شورؔ، سیفؔ، عزیزؔ (مرزا عزیز بیگ) نظام الدین احمد نظامؔ۔ ساجدؔ (عبدالرحمٰن خاں) تجملؔ (شاہ فیض اللہ سبزواری) اسدؔ (میر مصطفےٰ علی) نامؔ (خواجہ سمیع اللہ) کرمؔ (مرزا رسول بیگ)۔ فیضؔ (خواجہ بدیع اللہ)۔

ان سب قطعات وغیرہ سے ۱۳۱۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان عصرؔ کی وفات سے ۹ سال قبل طباعت کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے شاگردوں شرفؔ اور فیاضؔ کے ارادہ کے باوجود نہ چھپ سکا۔

آغاز:۔

اے عصرؔ بھلا رقم ہو کیا وصف خدا کوزے میں سمائے کس طرح سے دریا
دم مار سکے کوئی یہاں کیا مقدور فرمائے رسول جب کہ لا احصیٰ ثنا

اختتام:۔

شبیر کا غم نجات کی ہے چٹھی ہمہ بخشش ہر عصیان کی ہے چٹھی (دو)
واللہ باللہ حبّ اولاد رسول اے عصرؔ مری برات کی ہے چٹھی (صفحہ ۲۷۹)

چونکہ اس کتاب کے آخر کا حصۂ قطعاتِ تاریخی بجائے خود ایک رسالہ ہے اور معاصرینِ عصرؔ کا یہ کلام بھی غیر مطبوعہ ہے اس لئے اس کے بھی ابتدائی و آخری اشعار درج ذیل ہیں:۔

آغاز:۔

عالی جاہ نواب میر وزیر علی خاں آصف یار الملک بہادر تخلص وزیر داماد رئیس دکن دام اقبالہٗ۔

نظم کردہ رباعیات عجیب — عصر علامہ شہرۂ آفاق
سال ترتیب آں نوشت وزیر — دل کشا گلستان بحر وفاق
۱۳۱۳

اختتام:۔

کرم نزار سول بیگ صاحب منشی دفتر خزانہ حضور پُر نور دام اقبالہٗ

کرد دیوان ترانہ موزوں — حضرت عصر بہر فن ممتاز
سال تاریخ کرم عرض نمود — دفتر دانش و دانائیء راز
۱۳۱۳

اس رباعی پر یہ دیوان ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس کے ابتدائی ورق پر عصر کے شاگرد شرف نے جو خط نواب مشرف جنگ فیاض کو لکھا تھا اس کی نقل درج ذیل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرف نے یہ دیوان عصر کی زندگی ہی میں برائے طبع ان سے حاصل کر لیا تھا لیکن جب چھپوا نہ سکے تو ان کی وفات کے بعد مشرف جنگ فیاض نے اس کو اپنے یہاں منگوا لیا تھا اور اس کے بعد یہ انہی کے کتب خانہ میں محفوظ رہ گیا۔ چنانچہ ان کے فرزند نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز نے اس کو ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کیا۔ شرف کا خط یہ ہے:۔

"بعالی خدمت جناب معلے القاب محمد فیاض الدین خاں صاحب المخاطب نواب مشرف جنگ دام فیضہٗ۔

بعد آداب تسلیمات کے عرض خدمت شریف ہے کہ کارڈ مرسلہ گرامی شرف صدور پا کر سرفراز کیا۔ مجموعۂ رباعیات حضرت اوستادنا عصر صاحب مرحوم و مغفور بمعیت مکرمی سید عباس صاحب قادری مرسل خدمت ہے۔

سابق رباعیات موصوفہ کو کمترین نے طبع کروانا آغاز کیا تھا چنانچہ چند اوراق مطبوعہ ملاحظہ کے لئے گزرانتا ہوں۔ مگر کاتب کے عدم دستیابی کے سبب سے ملتوی رہا۔

نیز یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ ناکامل ہے۔ ایک دوسرا مجموعہ مکمل جس میں کامل رباعیات حضرت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں کتابوں کی الماریوں میں ہے۔ مجھ کو خوب معلوم ہے۔ بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔

اخیر عرض یہ ہے کہ اگر یہ مجموعہ وہاں طبع ہو جاوے تو ایک جلد مرحمت فرمانا۔ مرقوم ۱۵ شوال ۱۳۲۳ھ مقام رائچور

کمترین روشن علی شرف"

اس دیوان کے ابتدائی ورق پر عصر نے ایک غزل (۱۰ شعر) بھی لکھی ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے:۔

مطلع۔ وصل میں دوستوں کے پہرے ہیں — چاہ والوں کو دیکھ گہرے ہیں
مقطع۔ مے اگر ہے حرام ہو، اے عصر — کس کی سنتے ہیں یار بہرے ہیں

---

(۱۹۶) دیوان اوّل مزاج [۱۷۱/د]

اوراق ۱۳۶۔ سطور ۱۴۔

تقطیع ½۷" × ۱۲"۔ خط نستعلیق شکستہ۔

مصنف۔ حکیم مظفر الدین خاں مزاج۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۶۱ھ۔

کاتب۔ غالباً مصنف۔ سنہ کتابت قبل ۱۲۹۱ھ۔

حکیم محمد مظفر الدین خاں مزاج (۱۲۳۱ھ۔ ۱۳۱۸ھ) استاد کل میر شمس الدین محمد فیض (دیکھو فہرست ہذا مخطوطات ۱۹۳ تا ۱۹۵) کے نہایت پُرگو اور مرفہ الحال شاگرد تھے۔ پائیگاہ رشید الدین خاں شمس الامرا کے خاندانی طبیب تھے۔ چنانچہ ان کے فرزند

نواب سرخورشید جاہ ان کے بڑے قدر دان تھے اور اسی پائیگاہ
سے مزآج کو منصب ملتا تھا۔

مزآج طبیب حاذق کی حیثیت سے بہت مشہور تھے اور
ان کے علاج اکثر و بیشتر کامیاب رہتے تھے۔ انہوں نے
شاعری میں بھی طب کے برابر شہرت حاصل کی تھی۔ اور
چار دیوان مرتب کئے تھے جن میں سے ابتدائی تین دیوان
ادارے میں محفوظ ہیں۔

ان کا ایک دیوان تین سو صفحات پر چھپ بھی چکا تھا
مگر افسوس ہے کہ شایع نہ ہوسکا۔ اس کے مطبوعہ اوراق
ان کے ایک عزیز نواب عزیز یار جنگ بہادر کے یہاں راقم الحروف
کی نظر سے گزرے تھے۔

مزآج کے صرف ایک فرزند حکیم محمد منورالدین خاں علآج
تھے جنھوں نے اپنے والد ہی کی زندگی میں عنفوان شباب
میں (مزآج کی وفات سے صرف ایک سال قبل) وفات پائی
اور اپنے بوڑھے باپ کی بقیہ ایک سالہ زندگی کو مایۂ رنج
والم بن گئے۔ علآج سے صرف ایک دختر یادگار تھیں جن کی
اولاد موجود ہے۔ گر مزآج نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ ؎

پڑھ کے اشعار مرے یاد کرے گی دنیا
بس رہے گا یہ مرا نام و نشاں میرے بعد

مزآج کے حالات اور نمونۂ کلام (مرتبہ اکبرالدین صدیقی صاحب
ایم اے) تذکرۂ مرقع سخن جلد دوم کے صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر
ادارۂ ادبیات اُردو نے شایع کر دیئے ہیں۔ اس لئے ذیل میں
ان کے صرف اس دیوان اول کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

اس دیوان میں تقریباً ساڑھے تین (۳۵) ہزار اشعار ہیں۔ یہ
غالباً مصنف ہی کا بیضہ ہے اور اس میں جگہ جگہ مصنف نے اپنے
قلم سے الفاظ اور مصرعوں میں اصلاح کی ہے۔ جس ورق سے
ردیف الف شروع ہوتی ہے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

"ردیف الف از دیوان اول"

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مزآج کا پہلا دیوان ہے۔
اس میں ردیفوں کے آخر میں اضافہ کے لئے متعدد سادہ
اوراق بھی چھوڑ دیئے گئے جن میں سے بعض پر اضافہ کیا گیا ہے
اور بعض سادہ ہی رہ گئے۔ اسی جلد میں مزآج کے اور دو
دیوان بھی ہیں۔ جن میں سے تیسرے دیوان کی تاریخ کتابت
۲ رجب ۱۲۹۱ھ درج ہے جس کے لحاظ سے یہ دیوان تو بہت
پہلے ہی نقل کیا گیا ہوگا۔ اس وقت مزآج کی عمر ۶۰ سال کی
تھی اور اگر (جیسا کہ مرقع سخن میں بتایا گیا ہے) انہوں نے پندرہ
بیس سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا تھا تو یہ دیوان اول ۱۲۶۱ھ
سے قبل کا کلام قرار پاتا ہے۔

آغاز:—

جو کچھ کہا ہے لوح و قلم نے بجا کہا — معبود لاشریک لہٗ ربنا کہا
صد شکر تو نے دیں ہیں آنکھیں جہاں نما — تیری خدائی دیکھ کے تجھ کو خدا کہا

اختتام:—

تا تری تیغ سے ہو جاؤں شہید — کی تیاری شہدا کی میں نے
دل کسی جا نہ لگا اپنا مزآج — دل میں جب یار کے جا کی میں نے

یہ نسخہ نواب عزیز یار جنگ بہادر کا عطیہ ہے

(۱۹۷) دیوان دوم مزاج [۱۷۱/ج]

اوراق ۶۹ - سطور ۱۸ -

تقطیع ۸" × ½ ۱۲" - خط نستعلیق پاکیزہ -

مصنف حکیم محمد مظفر الدین خاں مزاج۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۷۶ھ

کاتب غالباً مصنف۔ سنہ کتابت قبل ۱۲۹۱ھ -

مصنف کے لئے دیکھو دیوان اول مزاج مخطوطہ نمبر ۱۹۶ -

یہ مزاج کا دوسرا دیوان ہے جس میں تقریباً ڈھائی ہزار اشعار موجود ہیں - یہ دیوان ادارے کی جلد نمبر ۱۷۱ کے صفحات ۴۱۵ تا ۵۵۳ پر درج ہے - لیکن اس کے ابتدائی اور آخری اوراق غائب ہیں اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ اصل دیوان کتنا بڑا تھا اور کب نقل کیا گیا ہے - چونکہ تیسرا دیوان رجب ۱۲۹۱ھ میں نقل کیا گیا تھا اس لئے ظاہر ہے کہ یہ اس سے قبل مرتب اور نقل کیا گیا ہے - اس کا کاغذ اور خط دیوان اول کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ ہے اور یہ زیادہ اہتمام سے نقل کیا گیا ہے - شاعر کا تخلص ہر جگہ سرخ روشنائی میں درج ہے - اور اس میں اضافہ کے لئے صفحات سادہ نہیں چھوڑے گئے ہیں - البتہ بعض جگہ حاشیہ پر اشعار اور غزلوں کا اضافہ کیا گیا ہے -

آغاز :-

پھر راہ پہ لادے بتِ اعجاز منش کو
گر آہ میں اعجاز ہو موسیٰ کے عصا کا

بھر آئے جو آنکھ اور بلند آہ رسا ہو
سامان عیاں خلق میں ہو ابر و ہوا کا

اختتام :-

جب سے خط ان کے لب پر آیا ہے
خط کسی کو لکھا نہیں کرتے

مزۂ عشق سے جو واقف ہیں
درد کی وہ دوا نہیں کرتے

یہ دیوان نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کا عطیہ ہے -

---

(۱۹۸) دیوان سوم مزاج [۱۷۱/ب]

اوراق - ۸۰ - سطور - ۱۸ -

تقطیع - ۸" × ½ ۱۲" - خط نستعلیق پاکیزہ -

مصنف - حکیم محمد مظفر الدین خاں مزاج - سنہ تصنیف قبل ۱۲۹۱ھ

کاتب - غالباً مصنف - سنہ کتابت ۱۲۹۱ھ -

یہ مزاج (۱۲۳۱ھ تا ۱۳۱۸ھ) کا تیسرا دیوان ہے - ان کے پہلے دو دیوانوں کا ذکر مخطوطات ۱۹۶ و ۱۹۷ میں گزر چکا ہے - یہ دیوان مکمل ہے - اور اس میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں - مزاج کے کل چار دیوان تھے (دیکھو مرقع سخن جلد دوم صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۲) - لیکن چوتھا دیوان ادارے میں موجود نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اب وہ کہیں محفوظ بھی ہے یا نہیں - یہ ۱۲۹۱ھ سے قبل کا کلام ہے اور اس کے بعد مزاج ۲۷ سال اور زندہ رہے - اس عرصہ میں ایک اور دیوان ضرور مرتب کیا ہوگا - اور غالباً وہی دیوان چھاپا بھی گیا تھا جو شائع نہ ہو سکا - بلکہ اس کے مطبوعہ اوراق نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کے یہاں موجود ہیں اور راقم کی نظر سے گزرے ہیں -

ادارے میں ان کے جو تین دیوان ہیں ان میں صرف

غزلیں درج ہیں جن کے جملہ اشعار کی تعداد دس ہزار ہے۔ لیکن غزلوں کے علاوہ مزآج نے رباعیاں اور قطعات وغیرہ بھی لکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ہم عصر شاعروں کے مجموعوں میں اُن کے قطعات تاریخی بھی نظر سے گزرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کا کلام منتشر ہی رہا۔ اگر ان کے شاعر فرزند حکیم منورالدین کا ملآج ان کے بعد زندہ رہتے تو شاید ان کا پورا کلیات مرتب ہونے پاتا۔ یہ تین دیوان بھی اتفاقاً نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کی عنایت سے ادارے میں محفوظ ہوگئے ہیں۔ چونکہ مزآج ایک اچھے شاعر تھے اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے جملہ کلام کا ایک عمدہ انتخاب تلاش و جستجو کے بعد مرتب کیا جائے۔ ایک ایسے انتخاب کے بعد یقیناً واضح ہو جائے گا کہ مزآج اُردو کے بلند پایہ شعراء میں سے تھے۔

اس دیوان کے حاشیہ پر بیسیوں غزلوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اور یہ دیوان پختگی کلام اور اعلیٰ مضامین کی وجہ سے پہلے دو دیوانوں میں ممتاز ہے۔

آغاز:۔

مصرعۂ دیوان ہے قد اس بت دلخواہ کا
جس کی ابرو میں ہے خم محراب بیت اللہ کا
ہے مجھے مطلوب جس خورشید صورت کا وصال
یہاں سے اوس کے شہر تک ہے راستہ یک ماہ کا

اختتام:۔

تکمہ اگر ستارہ ہے اوس جامہ زیب کا
رشک ہلال عید گریباں تمام ہے
سطریں ہیں سرو برگ گل تر ورق ورق
دیوان یہ کتاب گلستاں تمام ہے
(ایک مصرع کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے)

بس اس غزل پہ تیسرا دیوان تمام ہے

ترقیمہ:۔

"بعونہ باتمام رسید بتاریخ دوم شہر رجب ۱۲۹۱ھ ہجری"

یہ دیوان نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کا عطیہ ہے۔

---

(۱۹۹) قصۂ ابو شحمہ [۶۱۱]

اوراق ۸۔ سطور ۱۰۔
تقطیع ½۷ × ½۱۰۔ خط نستعلیق معمولی۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ
کاتب۔ سید عبدالغفار۔ زمانۂ کتابت قبل ۱۳۰۰ھ۔

یہ قصہ ۱۰۹۰ھ میں مثنوی کی شکل میں گولکنڈے کے ایک شاعر امینؔ نے قلمبند کیا تھا۔ اور اس کا ایک قلمی نسخہ جو سرینگ پٹن میں نقل کیا گیا تھا۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ (فہرست بلوم ہارٹ نمبر ۱۷)

مثنوی ابو شحمہ میں ۶۰۷ ابیات تھیں جن کا کچھ انتخاب اور قصہ کا خلاصہ مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی نے کتاب "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۶ پر شائع کیا ہے۔

زیر نظر مخطوطہ قصیدے کی شکل میں ہے اور اس میں جملہ ۱۵۵ اشعار ہیں۔ مصنف نے اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کیا اور نہ سنہ تصنیف ہی لکھا۔ زبان و اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیرھویں صدی کا کوئی شاعر تھا جس نے امینؔ کی طویل مثنوی کا خلاصہ لکھا ہے۔ مضامین بالکل اسی ترتیب سے لکھے ہیں جو مثنوی ابو شحمہ کی ہے۔ اس قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک حسین و جمیل اور

خوش لحن فرزند ابوشحمہ کو شراب پینے اور زنا کے جرم میں کوڑوں کی سزا دی جس کے اثنا میں وہ انتقال کر گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ٹیپو سلطان کے زمانہ میں میسور اور سرینگ پٹن میں بہت مقبول تھا۔ چنانچہ انڈیا آفس کا نسخہ وہیں نقل کیا گیا تھا۔

اور بعد کو اس قصہ کی اتنی مانگ ہوئی کہ زیر نظر مخطوطہ بنگلور میں شائع بھی کیا گیا جس کا حال اس نسخہ کے سرورق پر اس طرح درج ہے۔

"مطبع احمد قلندر معسکر بنگلور زیب طبع ہوا باہتمام بندۂ درگاہ کریم ابراہیم بن نائب شیخ احمد قلندر عفی عنہ"

آغاز:۔

وصفِ رب الحمد للہ بولتا ہوں ابتدا
شوق سوں اپنے دیکھو روشن کیا ہر دوسرا
نور سوں اپنے نبی نوربنی سوں دو جہاں
تاج شاہی دے کیا ہے جن کو ختم الانبیاء

اختتام:۔

حور و غلماں سب کھڑے ہیں صف بصف خدمت میتے
دیکھو شحمہ کے مراتب کیوں ہے از فضل خدا
سن انا کر ختم ضم (ع) فاتحہ پڑ دل سیتے
لاویں گے شحمہ نے بی سب دل کی نیرے مدعا

اس کے بعد ایک نعتیہ غزل بھی اس مخطوطے میں درج ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے۔

مطلع۔ چمکا جہاں میں جب مہ اقبال مصطفےٰ
اہ سپہر ہو گیا پامال مصطفےٰ

مقطع۔ کافی ہے اپنے واسطے گر منکر و نکیر
دکھلائیں لاکے قبر میں تمثال مصطفےٰ

ترقیمہ:۔ "کتبہٗ عاصی بندۂ جبار سید عبد الغفار"

یہ کتاب حضرت قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانے کی ہے اور انہی کی فرمائش پر ان کے حقیقی بھانجے سید عبد الغفار نے ۱۳۰۰ھ کے قریبی زمانہ میں نقل کی ہے اور اس کو راقم الحروف نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کیا ہے۔

---

(۲۰۰) روپ سنگار [۱۰۷]

اوراق ۱۹ سطور ۱۱۔
تقطیع ۸/۱ × ۲/۱۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
عنوانات سرخی ہیں۔
مصنف۔ محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ۔
زمانۂ کتابت۔ قبل ۱۲۹۹ھ۔

محمد باقر آگاہ ویلوری (۱۱۵۸ھ۔ ۱۲۲۰ھ) کی کئی کتابیں (مثلاً عقائد نامہ، تحفۃ النساء، ہشت بہشت کے آٹھوں رسائل، محبوب القلوب، ریاض الجنان، مراثی آگاہ) ادارے میں محفوظ ہیں اور ان کا ذکر اس فہرست کے مخطوطات نمبر ۴۹ تا ۶۳ اور ۸۹ و ۹۰ میں گزر چکا ہے۔ اور آگاہ کے تفصیلی حالات بھی انہی کے سلسلہ میں درج ہو چکے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف "روپ سنگار" کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

یہ ۲۷۰ ابیات کی ایک اردو مثنوی ہے جو مختلف فارسی رسائل مثلاً "محبت نامہ" "عروض سیفی" وغیرہ کے درمیان ایک ہی جلد میں اوراق ۸۱ تا ۹۹ پر نقل کی گئی ہے۔

آگاہ نے کتاب کا نام اس بیت میں لکھا ہے:۔

بنا جب حسن کا آئینہ دتار رکھا میں نام اوس کا روپ سنگار
(ورق ۹۷ ب)

اس کے علاوہ آخر میں جو قطعۂ تاریخ کتاب لکھا ہے اس کے پہلے شعر میں بھی یہی نام لکھا ہے۔ اس قطعے کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے :—

مطلع۔ ہے یہ روپ سنگار وہ فارسی کہ جو بہ اپنا دیکھے وہاں حسن و عشق
مقطع۔ ہر جب سال تاریخ چاہا سرو شا کہا میں عجب گل فشاں حسن و عشق
۱۲۱۵

مثنوی کے ابتدائی حصہ میں بھی مصنف نے حسب ذیل بیت میں سنہ تصنیف واضح کر دیا ہے :—

ہے اب ہجرت سے باراسو پہ پندرہ کہ اعجاز اوس کا ہے جیسے کالویا

آگاہ نے سبب تالیف میں اپنی ایک اور کتاب "من درپن" مصنفہ ۱۲۰۳ھ کا ذکر اس بیت میں کیا ہے ؎

وجوہ اعجاز قراں کے ہیں بسیار میں کچھ بولا ہوں من درپن میں آیار
(۸۲ ب)

"من درپن" کا قلمی نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۵۸)

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولنا باقر آگاہ عربی، فارسی اور اُردو کے علاوہ سنسکرت اور برج بھاشا کے بھی ماہر تھے۔ چنانچہ درمیان کتاب میں خود اپنے بعض دوہے اور کبت درج کئے ہیں۔

یہ کتاب نائکا بھید کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ سنسکرت شاعری میں عورتوں کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور ان کے جو مختلف جذبات واضح کئے گئے ہیں ان سے مصنف نے اس کتاب میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

اس مثنوی کے آغاز میں عربی زبان اور ادب کے کمالات بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد سنسکرت کی تعریف کی ہے۔ سنسکرت کے لئے مصنف نے ہندی کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس موضوع پر اس کی چند ابیات یہ ہیں :—

تعریف زبان سنسکرت

زبانیں جو مروج ہیں بہ عالم کہ شہرت سے ہوئے ہیں وہ کرم
سنے ہم بعض اور بعضوں کو دیکھے نگاہ غور سے سب کو پرکھے
نہیں کوئی ان میں ہی ہندی کے مانند ہے جس کا نام سنسکرت اے خردمند
ہے وسعت اوس کی بے حد آگے گرامی فصاحت اور تفرد سے ہے نامی

اس کے بعد عربی و سنسکرت کی مشابہتیں دکھائی ہیں کہ دونوں میں جنسیں تین ہیں (یعنے مذکر، مونث، مخنث) اور واحد تثنیہ و جمع کے صیغے بھی دونوں میں موجود ہیں۔ اسی سلسلہ میں امیر خسرو کی وہ ابیات نقل کی گئی ہیں جو انہوں نے سنسکرت کی تعریف میں لکھی تھیں۔ یہ ابیات ان کی مثنوی "نہ فلک" سے منقول ہیں۔

ہندوستان اور سنسکرت کی تعریف کے بعد مصنف نے ان خصوصیات کو تفصیل سے ظاہر کیا ہے جو سنسکرت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ہر خصوصیت ایک نئے عنوان سے شروع کی ہے جس پر بجائے موضوع کا عنوان لکھنے کے صرف "فائدہ" لکھا ہے۔ ایسے فائدوں کے موضوعوں کی تفصیل یہ ہے :—

۱۔ رس کی تعریف اور اس کی اقسام (۸۵) ۲۔ اسباب عشق (۸۶) ۳۔ مقولات عشق (۸۶ ب) ۴۔ نایکا بھید (۸۷ ب) آخری سرخی کے تحت عورتوں کی تمام قسمیں بیان کی ہیں۔ اور ہر عورت کے جذبات کی خصوصیات سنسکرت شاعروں نے جس طرح قلمبند کی ہیں ان کی وضاحت کے لئے آگاہ نے خود ہی دُہرے اور کبت تصنیف کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کبت درج ذیل ہے جو دھیرا نایکا کا ترجمان ہے۔

کبت از زبان دھیرا نایکا

نہیں یہ کاجل رحل طرح کا ہلال لب پر ترے پیارے
کیا ہے بل مہر تجھ دہن پر سیاہ بختی نے میری آرے

نہیں ہوئی ہے گی شب کی جگی سے لال ایسی نین تمہاری
وہ آرسی سے نگہہ کے جو ہر ہوئے ہیں رنگیں حزہ بار نے (۹۲)

کتاب کے آخر میں آگاہ نے اپنے ایک معاصر میر غلام علی آزاد بلگرامی سے اختلاف کیا ہے اور ان کی غلطی بتائی ہے آزاد نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا تھا کہ اگرچہ عربوں نے بھی عورتوں کی قسمیں بیان کی ہیں لیکن وہ ہندیوں جیسی کثیر قسمیں نہ بنا سکے۔ اس کے بعد آزاد کی پیش کی ہوئی تفصیل لکھی ہے۔ اور آخر میں اس کے جواب کے طور پر کہتے ہیں: ۔

لکھا ہے اس قدر ہی میر آزاد — یہ تحریر اوس کی ہے گی حیرت ایجاد
غلط ہے یہ بیاں بے شبہ واللہ — تو صادق جان بے شک حرف آگاہ
یہ اتنا فرق ہے ہند و عرب میں — ہے تخصیص اون کے مضمونوں کے ڈھب میں

اس کے بعد اس موضوع کی اپنی طرف سے کچھ وضاحت کی ہے۔

یہ کتاب آگاہ نے بڑی محنت اور تحقیق سے لکھی ہے۔ اور جگہ جگہ بعض کتابوں کے حوالے دئیے ہیں مثلاً

بہہ فلک و رسالۂ عشقیہ و شمامۃ الکافوریہ فی وصف المعاہد الایلوریہ از امیر خسرو غایۃ الاحسان از جلال الدین سیوطی وغیرہ۔

آغاز:۔

بس از حمد خدا و نعت مختار — سن اس مضموں کو گوش دل سوں ایک بار
کہ ہے تازی زباں کی طرز تازی — کرے ہے نت فلک پر ترکتازی

اختتام:۔

درود بھیج ہر دم اوس پہ یا رب — اور اوس کے آل اور اصحاب پر سب
اور اوس کے تابعانِ خاص اوپر — خصوص اوس پر جو ہے محبوب اکبر

آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن خط اسی کاتب کا ہے جس نے آگاہ کی ایک اور کتاب ریاض الجنان لکھی تھی (دیکھو مخطوطہ نمبر ۶۲)

یہ نسخہ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے راقم الحروف کو عطیہ دیا تھا اور اس کے سرورق پہ ان کے یہ دستخط ثبت ہیں: ۔

"محبی ڈاکٹر زور کی خدمت میں تحفہ۔ ہاشمی"۔ میں نے اس کو ادارے میں بطور عطیہ داخل کر دیا ہے۔

---

(۲۰۱) مثنوی علی [۴۵۱]

اوراق ۴ - سطور ۱۷-
تقطیع ۵"×۹" - خط ثلث -
مصنف علی - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ -
کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ -

علی تخلص کے تین اور شاعروں کی کتابوں (مناجات [مخطوطہ نمبر ۷] پند دلبند [مخطوطہ نمبر ۲۲] اور نامۂ علی [مخطوطہ نمبر ۲۳]) کا تذکرہ اس فہرست میں پہلے گزر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ مخطوطات نمبر ۷ و ۲۲ کا مصنف زیر نظر مثنوی کا بھی مصنف ہو۔

یہ ایک ناقص الاول مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ صرف (۱۳۱) ابیات ہیں۔ اس کا موضوع تصوف ہے اور اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عشق مجازی انسان کو عشق حقیقی تک پہنچا دیتا ہے۔ کاتب کم سواد معلوم ہوتا ہے۔ اکثر الفاظ کا املا غلط لکھا ہے۔ چنانچہ مجازی کو ہر جگہ "مزازی" لکھا ہے۔

یہ مثنوی دراصل کسی طویل قصہ کا آخری حصہ ہے اس میں ایک درویش کی ایک شاہزادی کے ساتھ عاشقی بیان کی گئی ہے جو دراصل عشق حقیقی کا بہانہ تھی۔ آخری اشعار میں شاعر خود بھی ویسی ہی محبت کے لئے خدا سے دعا مانگتا ہے۔

آغاز:۔

اوٹیاں شاہ ترکاں دیا مار مار — گیا تھا اس لشکر کیرا جنگ بار
ہوا جب جہاں روشن از آفتاب — سو اوس وقت وو شاہ عالی جناب

اختتام:۔

خدایا علی کوں تو دے صدق سوز   عطا کرتوں اس وقت او نیک روز

ترے صدقے میں بونکہ اور د نیکہ   دیا جو اپس کا ترا خلوتا دیکہ!

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد کار من نظام شد۔ الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر"

یہ مثنوی ایک ضخیم بیاض کے ابتدائی اوراق میں درج ہے۔ اس بیاض میں کئی رسالے اور نظمیں شامل ہیں جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں شریک ہے۔ یہ بیاض عبیداللہ حسینی صاحب کا عطیہ ہے۔

(۲۰۲) قصہ ہرنی کا [۳۵۲]

اوراق ۲۔ سطور ۱۶۔

تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث۔

زمانۂ تصنیف قبل سنہ ۱۱۰۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب سنہ ۱۲۰۰ھ۔

یہ ۱۹ اشعار کی ایک نظم ہے جو بطور قصیدہ لکھی گئی ہے۔ لیکن اس میں شاعر نے (جس کا نام معلوم نہ ہو سکا) صرف ردیف کا خیال رکھا ہے قافیہ کی پروا نہیں کی۔

اس نظم میں آنحضرت نبی کریم کا مشہور معجزہ قلمبند کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک ہرن جس کے آنحضرتؐ ضامن ہوئے تھے، وعدہ کے مطابق واپس آئی۔ مصنف کوئی صوفی شاعر ہیں۔ اسی لئے شاعری کے معمولی لوازم کا بھی خیال نہیں رکھا ہے۔ کاتب نے ہر مصرع کو دو ٹکڑے کرکے اس طرح لکھا ہے کہ گویا بجائے ۱۹ کے ۳۸ شعر ہیں۔

آغاز:۔

پیدا کیا حق نے نبی ایسا نہ کوئی نبیوں منے

دیتا بڑائی ان کے تئیں نبیاں ستی محشر منے

سب انبیاں ہور اولیاں کر گئے ہیں دل میں آرزو

پاویں دو جگ میں ہم شرف ہوویں جو اس امت منے

اختتام:۔

جنگی جنا در ہیں جتے لاگے نبیؐ کے آچرن

توڑیا کفر دل کا سبھی لا صدق سب کا دل منے

نیکی عبادت تم کرو غافل نہ ہو ہشیار ہو

پینا پیا لا موت کا دنیا جو ہے فانی منے

(۲۰۳) مناجات غفار [۳۵۳]

اوراق ۲۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵"×۹"۔ خط ثلث۔

مصنف۔ غفار۔ زمانۂ تصنیف قبل سنہ ۱۱۰۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانۂ کتابت قریب سنہ ۱۲۰۰ھ۔

قصیدے کے طور پر یہ ایک مرصع نظم ہے جس کے تقریباً ہر شعر میں چار مقفیٰ ٹکڑے لائے گئے ہیں اور ہر شعر کا آخری حصہ وہی ہے جو پہلے شعر کے آخر میں آیا ہے۔ اس طرح ۲۰ شعر لکھے ہیں جن میں حضرت رسول اکرم سے ہدایت نیک کی التجا کی ہے۔ شاعر کا تخلص غفار ہے جس کا کوئی اور کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔

آغاز:۔

ہمیشہ منجہ عاصی کوں نبی جی آسرا تیرا

جہنم کے خلاصی کوں نبی جی آسرا تیرا

قیامت کا کٹھن رہ ہے سوا دن سب پہ مشکل ہو

گنہ منجہ سر پو سنگیں ہے نبی جی آسرا تیرا

اختتام :۔

ہمیں امت تمارے ہیں غریب عاجز بچارے ہیں

تمیں صاحب ہمارے ہیں نبی جی آسرا تیرا

رکھیا اعتقاد سرسیا کر محمدؐ کے قدم اوپر

گنہ میرے سو بخشو کر نبی جی آسرا تیرا

کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ یہ نظم اسی بیاض (نمبر ۶۸) کے اوراق ۳ و ۴ پر درج ہے ۔ جس کا کاتب شیخ عبدالقادر ہے۔

---

(۲۰۴) کشف المعراج [۳۵۴]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۷ ۔

تقطیع ۵ × ۹ ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ مواہب ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ

یہ ۴۱ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں کسی صوفی شاعر مواہب نے اپنے عقید تمندوں کے لئے تصوف و اخلاق کی مفید نصیحتیں قلمبند کی ہیں ۔ یہ ایک غیر معروف شاعر ہے لیکن کلام سے پختہ مشقی ظاہر ہوتی ہے ۔

آغاز :۔

الحمد للہ قادر سبحان عزّ و جل ہے

احمد سوں لے احد لگ یک نکتہ میں جل ہے

باطن میں تھا سو قدرت ظاہر کیا محمدؐ

ان کا طفیل معراج مومن پو پل میں پل ہے

اختتام :۔

یک دم ہے زندگی تجہ لیکن ہے نیم دم سب

اس نیم دم میں کرلے پھر کر نہ آج کل ہے ۔

جب ہوئے فانی فی اللہ تب ہوئے باقی باللہ

کر ختم توں مواہب ہر نکتہ سہ غزل ہے

ترقیمہ ۔ "تمت تمام شد کار من نظام شد الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر"

---

(۲۰۵) کلام شغلی [۳۵۵]

اوراق ۸ ۔ سطور ۱۷ ۔

تقطیع ۔ ۵ × ۹ ۔ خط ثلث

مصنف ۔ شغلی بیجاپوری ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۰۹۶ھ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ

شغلی بیجاپور کے صوفی شعرا میں سے تھے ۔ محمد باقر آگاہ ویلوری نے جو بیجاپوری الاصل تھے ان کا ذکر کیا ہے ۔ زیر نظر بیاض میں ان کا جو کلام درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے ۔ "دکن میں اردو" صفحہ ۱۶۹ میں ان کی ایک کتاب "پندنامہ" کا ذکر درج ہے ۔

چونکہ شغلی کے کسی کلام کا کوئی نمونہ اب تک منظر عام پر نہیں آیا ہے اس لئے اس بیاض میں ان کی جو نظمیں ہیں ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے ۔ کاتب نے بہت غلط نقل کیا ہے اس لئے بعض شعر یقیناً مسخ ہو گئے ہیں ۔

۱ ۔ غزل ۔ ۵ شعر ہیں ۔ (ورق ۷ ﴿)

مطلع ۔ بے چوں کر بولیا جگت کاڑی کے اوجل پہاڑ ہے

سبحانہ کوئی اب تلک کاڑی کے اوجل پہاڑ ہے

مقطع ۔ شغلی (ترا) اینا درم انی انا اللہ کا مرم !

ناکوں اتنا رکھ مبرم کاڑی کے اوجل پہاڑ ہے

۲ ۔ غزل ۔ نہایت مرصع اور اعلیٰ پایہ کی غزل ہے جس میں ۵ شعر ہیں ۔ (ورق ۷ ب)

مطلع۔ تجہ حسن کا دیپک جنے دیکھیا سو پروانا ہوا
تیرے ادھر کا مئے جنے جا لکھیا سو دیوانا ہوا

مقطع۔ انگشت نما ہو در جگت پھرتا ہوں ہو تیرا بھگت
پن توں کدھیں یوں نیں کہت شغلی کدھر آنا ہوا

۳۔ غزل۔ تسعون میں ۔ اشعار کی غزل ہے (ورق ۸ب و ۹ الف)

مطلع۔ سنجے لخط نے پیالا دیا ساقی جو وحدت کا
چڑھی منجہ کیف قرب حق نقش چا لکھیا ہدایت کا

مقطع۔ جلا کر گیان کی پوتی اندھارا گھر کیا جوتی
صفت نکتہ کیا ذاتی ہے شغلی شغل حالت کا

۴۔ غزل بعنوان پر لکھا ہے کہ شغلی کی غزل ہے۔ لیکن اس میں مقطع نہیں ہے۔ اس غزل میں ۸ شعر ہیں۔ غالباً یہ شغلی ہی کی ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس کا لقب باقی باللہ ہو۔

مطلع۔ نظر کی گو دہیں دیدہ دیدے میں نظر دستا
سو اوس دیدے کے ہوئے میں سو جلی باہر بھیتر دستا

مقطع۔ بقی باللہ پیمبر پیر و مرشد کی شفاعت سوں
کریا کی نظر میں سب رحیا کا ہنر دستا !

۵۔ نظم وحدت ۔ ۰۰ اشعار کی ایک نظم ہے جس میں دو غزل نما بند ہیں۔ ان میں وحدۃ الوجود کا مسئلہ مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ ہر بند کے ابتدائی اور آخری شعر یہ ہیں۔ (ورق ۱۱ الف و ب)

پہلا بند۔ لئے ذات اصل نور عشق جمالی جلال صفت
نزول عروج ہو اس نقل میں نقل میں ہوں

مقطع۔ چور میں چور، چور ہیں ٹھگ میں ٹھگ میں متیاں
فن میں فریب، فریب ہیں بگل میں جھگل ہیں ہوں

دوسرا بند۔

مطلع۔ مصحف میں جز ہے، جز میں صورت میں صورت میں ہوں
ترس میں حرف حرف میں ارت میں ارت میں ہوں

مقطع۔ سچ شغلی میں صنم ہے صنم میں محو ہے غم۔ غم میں
شغل میں شغل میں، پرت میں پرت میں ہوں

۶۔ نظم۔ یہ ۴۷ اشعار کی ایک طویل مرصع نظم ہے جو بجائے خود ایک رسالہ ہے اور جس میں امام حسین علیہ السلام کا فلسفۂ شہادت بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک بڑی نظم ہے اس لئے ابتدا اور آخر کے دو دو شعر درج ذیل ہیں:

آغاز:۔

جب گنج مخفی توں انھا تب تخم تھارے یا حسین
اب او تخم سوں توں شجر ظاہر دیسا رے یا حسین
جگ میں طریقہ تج نوا بولن مجے لازم ہوا
روشن ہوا منجہ دل دیوا تیری عطارے یا حسین

اختتام:۔

توں ذات سلطانی منیر درماندگاں کوں دستگیر
جیوں منجہ کیا روشن ضمیر توں ہیں پکارے یا حسین
یا کوئی منجہ کا فر کہو، یا شیخ یو کوئی شاکر رہو
تجہ غم شغل میں ہو محو شغلی ہوا رے یا حسین (ورق ۱۶ و ۱۷ الف)

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد۔ کار من نظام شد۔ الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر
ایں خط است سہ"

۷۔ قصیدہ۔ یہ ۱۳ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں صوفیانہ مضمون لکھے گئے ہیں اور کسی کے مرید ہونے کی طرف رغبت دلائی گئی۔

مطلع۔ شہ رگ تے رب تیرے ہے توں بھاگتا ہے کیوں بعید
گر نے سنیا توں سن ونحن اقرب الیہ حبل الورید

مقطع۔ شغلی خدا کوں کھوے کر، خود میں خدا کوں جوے کر
یوں ال رہا یک ہوے کر، جوں قطرہ فی البحر العقید

شغلی کا یہ تمام کلام ادارے کی بیاض نمبر ۳۵۱ میں مختلف مقامات پر درج ہے یہاں سب کا تذکرہ ایک ہی جگہ کیا گیا ہے۔

---

۲۰۶) کلام سلطان [۳۵۶]

اوراق ۱۰ - سطور ۱۷ -

تقطیع ۶ × ۹ - خط ثلث -

مصنف - سلطان - زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ -

کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانۂ کتابت قبل ۱۲۰۰ھ

یہ ایک بڑے صوفی شاعر تھے - ان کا ایک مکمل دیوان راقم الحروف کی نظر سے گزرا تھا جو غالباً ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی ملک ہے - ممکن ہے کہ وہ کرنول یا اس کے قرب وجوار کے رہنے والے ہوں -

سلطان میراں شاہ معروف کے خلیفہ تھے چنانچہ افضل نے نجی الدین نامہ میں لکھا ہے کہ :- (دیکھو مخطوطہ ۲۱۲)

میراں شاہ معروف او دستگیر   کہ دل میرا کر پاک روشن ضمیر
دیئے دست پنجہ بھوے سات میں   دئے منجکو سلطان کے ہاتھ میں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معروف نے اپنے خلیفہ سلطان کے سپرد افضل کو کیا تھا - مرتضیٰ بھی سلطان کا مرید تھا - چنانچہ وہ کہتا ہے -

کہ سلطان مرشد ہے روشن منیر   کیا عاشقاں میں سو منجکوں امیر
(دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۰)

ادارے کی اس بیاض میں سلطان کی ۹ غزلیں محفوظ ہیں جن کا تفصیلی ذکر یہ ہے :-

۱ - یہ ۵ شعر کی مرصع غزل ہے جس میں مسلسل تصوف کا مضمون باندھا گیا ہے - (ورق ۷ ب)

مقطع - تس ذات کی (رے) بحر تے قابل ہو جب تے گل ہوا
تب صفت سوں موجاں اُپل تس بحر میں یک کل ہوا

مطلع - دیکھے سکل جب یو ہنر تب جا ہوئی سب جا خبر
سلطان جگ آیا لگر پھر دو جہاں میں غل ہوا

۲ - یہ بھی ۵ شعر کی غزل ہے جس میں تصوف کے مضامین باندھے گئے ہیں -

مطلع - دل میں تے دور کرنوں دنیا کی آس مطلق
حق کا پکڑ طلب توں ہو کر نراس مطلق

مقطع - بن چھل حق اچوا کوئی ہیں غیبت میں عمر کھوتے
سلطان کا ادن کوں ہے نت وصال مطلق (ورق ۸ ز)

۳ - تصوف کے مضامین میں ۶ اشعار کی غزل ہے - (ورق ۸ ب)

مطلع - جب لگ نہ تھا اس کو اسم تب (الگ) اتھا نابود ہو
جب جا نے پایا اسم تب آئیا محمود ہو

مقطع - نجہ عشق کے سلطان سوں ملنے ہنر کس کوں نہیں
دن رین پھر اس شغل میں ہر عشق بیں موجود ہو

۴ - اس غزل میں ۶ شعر ہیں -

مطلع - جدھاں تے منج لگیا ہے چرصنم تے عشق بازی کا
ندان تے میں سخن بھاتا منجے قصہ درازی کا

مقطع - جہاں میں چھل ہو تب تے ہوا سلطان لاابالی
بدھاں نے قرب دھرتا ہو گر بندہ نوازی کا (ورق ۹)

۵ - ۵ شعر کی اس غزل میں عارفانہ مضامین باندھے ہیں -

مطلع - غافل سنو حیوان سوں انسان نے پایا شرف
انسان کے مظہر ستی سبحان نے پایا شرف

مقطع - بد کیا برا ہے عاشقاں ہر بد پو ہر دم شکر ہے
ابلیس بینے دین کے سلطان نے پایا شرف

۶ - ۵ شعر - معرفت حق کے مسائل بیان کئے ہیں -

مطلع ۔ بھریا ہے او تو سب جاگا ہوا کیوں نانو خالی کا
سمجھ کر دیکھ عارف یو معما رین کالی کا

مقطع ۔ قدیش انا اکبر توں الاضی و لا یذکر
کر اے سلطان تازہ تر سخن توں بول حالی کا

۷ ۔ مرف ۶ شعر ہیں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں

مطلع ۔ من عرف کے اپس میں لئے ہیں بیاں سچ
دیتا ہوں تج خبر دلے اس کے نشاں سچ

مقطع ۔ سلطان جاں ملک ۔ رہنا سو بھید پائے کر
گنج خفی کا اصل و خصوص میں نہاں سچ (ورق ۱۸)

۸ — عارفانہ مضامین ۔ ۴ اشعر کی غزل ہے ۔

مطلع ۔ سماء ے بجز مٹانا خطرہ سورہ خطر کا
تب لگ نہ دور ہوسے پردہ نظر اُپر کا

مقطع ۔ جن گنج کے تخت کا سلطان ہو رہیا ہے
امید اوس کوں کیا ہے بھی ملک و سیم و زر کا
(ورق ۴۲)

۹ ۔ پند و موعظت میں ایک غزل نما نظم ہے جس میں ۱۱ اشعر ہیں ۔

مطلع ۔ دنیا کی سوں پرت بند گرفتار نکو ہو
کھو دین کی نعمت اس اپیں خار نکو ہو

مقطع ۔ تج مغز کے اسرار کے سلطان ستی مل
توں ہو غنی عاجز دلے ناچار نکو ہو (۲۲ ب)

یہ تمام غزلیات ادارے کی بیاض نمبر ۳۶۴ میں مختلف شعرا کے کلام کے درمیان درج ہیں ۔ یہاں ان کا تذکرہ ایک جگہ لکھ دیا گیا ہے ۔ اس بیاض کا کاتب شیخ عبدالقادر ہے جس نے اپنا نام اکثر نظموں اور غزلوں کے آخر میں لکھا ہے ۔

(۲۰۷) مناظرۂ عقل و عشق [۲۵۷]

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۷ ۔
تقطیع ۵ × ۹ ۔ خط ثلث ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ۔
کاتب شیخ عبدالقادر ۔ کتابت قریب ۱۱۰۰ھ ۔

یہ ۲۹ ابیات کی ایک مکمل مثنوی ہے جس میں کسی دکنی شاعر نے عقل و عشق کا نہایت پرلطف اور عارفانہ مناظرہ پیش کیا ہے ۔ اس قسم کی نظمیں بعد کو بھی اردو میں لکھی گئی ہیں لیکن یہ نظم اپنی قدامت کی وجہ سے خاص کر قابل قدر ہے ۔

آغاز ۔

عقل بولی نا دیوانے شان لے — عشق بولیا سر کفن توں باندے
عقل بولی کر اندیشہ ہور فکیر — عشق بولیا کر فنا اپنا سریر

اختتام : —

عقل بولی چل مذہب کی بندگی — عشق بولیا کر مذہب سوں رندگی
عقل بولی کر توں روزہ ہور نماز — عشق بولیا کر پرستی کا اواز
عقل بولی عشق کوں کر بندگی

اس کے بعد بغیر کسی ترقیمے کے شغلی کا ایک ترکیب بند شروع کر دیا گیا ہے ۔ جس کا موضوع بھی عقل و عشق سے متعلق ہے ۔ شغلی کے لئے دیکھو مخطوطہ نمبر (۲۰۵) ۔

۲۰۸) کلام اسمٰعیل [۳۵۸]

اوراق ۱۰۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث۔

مصنف شیخ اسمٰعیل زمانہ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ۔

شیخ اسمٰعیل کوئی دکنی صوفی شاعر تھے جو شاعری سے زیادہ تصوف میں محو تھے اسی لئے ان کا کلام شاعرانہ لوازم سے معریٰ ہے۔ اس نام کے دو بزرگ دکن میں گزرے ہیں

(۱) شیخ اسمٰعیل بن شمس الدین متوفی ۹۸۵ھ جن کی قبر ایلچپور میں واقع ہے۔ عماد شاہ والی برار ان کا معتقد تھا۔ صاحب کرامت تھے (محبوب ذی المنن جلد اول، صفحہ ۱۲۱)

(۲) شاہ اسمٰعیل بن سید حسن تیلوری متوفی ۸۰۱ھ جن کی قبر تیلور میں ہے۔ محمود شاہ بہمنی اول کا معتقد تھا۔ ان کی بھی کرامتیں مشہور ہیں۔ (محبوب ذی المنن جلد اول ص ۸۲)

لیکن زیر نظر کلام بعد کے زمانے کا معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کے مصنف ان دونوں کے بعد کے کوئی صوفی ہوں گے جن کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ ان کی حسب ذیل نظمیں ہیں۔

۱۔ تشریح کلمۂ توحید۔ یہ ۴۲ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں قافیوں کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے۔ مصنف نے کلمہ پڑھنے والوں کو کلمہ کے مفہوم سے بہ تفصیل آگاہ کیا ہے۔

آغاز:۔ کلمہ جو بولتے ہیں کلمہ کو سمجھتے نیں
کلمہ زباں سوں پڑتے دل میں سو کفر ہوتے

اختتام:۔
کلمے سوں روشنی پایا دل میں کا کفر دھایا
روشن ہوا سو منج دل بولیا سو شیخ سماعیل

۲۔ معرفت وجود باری۔ یہ اصل میں ۱۹ ابیات کی ایک مثنوی ہے لیکن اس کو شاعر نے ترکیب بند کے طور پر لکھا ہے یعنے ہر دو دو ابیات کے بعد پہلی بیت دہرائی گئی ہے۔ قافیہ ردیف اور وزن سے شاعر بالکل بے پروا ہے۔

آغاز:۔
کیتا سووے گا ہوشیار ہو تو
تیرے دل میں موجود ہے او
اول کامل مرشد پانا آخر تجے نجات ہونا
یو بوجھ ہر کئیں نوں بوجھ بنا تیرے دل کوں ثابت کرنا
کیتا سووے گا ہوشیار ہو تو تیرے دل میں موجود ہے او

اختتام:۔
بولے سو شیخ اسماعیل نے آیا دل میں شاہد ہونے
پایا ہوں میں محرم ہوکر بھریا آکر موجود ہوکر
کیتا سووے گا ہوشیار ہو تو تیرے دل میں موجود ہے او

۳۔ مثنوی مقامات۔ ۱۴ ابیات کی اس مثنوی میں شاعر نے عشق حقیقی کی منزلیں اور مقامات بیان کئے ہیں۔

آغاز:۔
اول شریعت میں ڈھونڈیا میں اندھارا سو دیکھیا منجہ میں

اختتام:۔
منزل سوں ہور مقامات سوں بولیا ہوں شیخ اسماعیل یوں
اسے ہر کوئی سمجھے گا سو ملے گا آن دیداں سو او

۴۔ مثنوی۔ تصوف کے مضامین میں ۱۲ ابیات کی مثنوی ہے جس کی بعض بیتیں زمانۂ حال کی بے قافیہ نظموں کی جھلک دکھاتی ہیں۔

آغاز:۔
سدا معشوق سوں لگنا ہے چشم میں رکھ جھلانا ہے

اختتام :- بدے سو شیخ اسمٰعیل ہیں ہو اقالیم صفائی ہیں

۵۔ مثنوی۔ ۱۶ ابیات ہیں۔

آغاز:- مخفی ہیں کن کہیا ہے کن ہیں سو سب عیاں ہے

اختتام :- بتیا ہوں وجہ سو سال پایا سو شیخ اسماعیل

۶۔ تفسیر سورۂ اخلاص۔ ۲۹ ابیات کی مثنوی ہے۔

آغاز :- قل ہو بولیا ہے اللہ احد او ہے

اختتام :-

دیتا ہوں جو مے وصل ہو بولیا سو شیخ اسمٰعیل (ورق ۳۹)

(۲۰۹) رسالۂ وجودیہ [۲۵۹]

اوراق ۱۱۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵ × ۵۔ خط ثلث۔

مصنف شاہ میراں جی حسینی خدا نما۔ سنہ تصنیف قبل ۱۰۷۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ۔

اسی نام کا ایک اور اُردو رسالہ ادارے میں محفوظ ہے جس کا تذکرہ اس فہرست میں پہلے گزر چکا ہے (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۶۶) لیکن وہ رسالہ بالکل مختصر ہے اور اس کی زبان بھی بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ قاضی نور دریا کے ایک رسالۂ وجودیہ کا قلمی نسخہ بھی کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے نور دریا کا تذکرہ اس فہرست میں مخطوطات ۱۱۹ و ۱۲۰ میں درج ہے۔

زیر نظر رسالہ طویل ہے۔ زبان اور مطالب دونوں کے لحاظ سے یہ کسی بڑے مصنف کی کتاب ہے۔ شاہ امین الدین اعلیٰ نے بھی ایک مختصر مثنوی اسی موضوع پر لکھی تھی اور اس کا نام بھی رسالۂ وجودیہ مشہور ہے۔ لیکن یہ نثر کی کتاب ہے اور اگرچہ اس میں مصنف کا کہیں نام درج نہیں مگر یہ وہی رسالۂ وجودیہ ہوگا جو میراں جی حسینی خدا نما کی تصانیف میں مشہور ہے۔ اور چونکہ اس کا کوئی اور نسخہ اب تک کسی کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہوا اس لئے اس کو خدا نما کی تصنیف سمجھنا ناگزیر ہے۔

میراں جی خدا نما کے حالات اس فہرست میں (صفحہ ۶۴ پر) درج ہو چکے ہیں۔ ان کا منظوم "چکی نامہ" (مخطوطہ نمبر ۳۸) ادارے میں محفوظ ہے۔ ان کی دو اور نثر کی کتابیں بھی مشہور ہیں۔

۱۔ شرح تمہیدات عین القضات

۲۔ شرح مرغوب القلوب

پہلی کتاب کتب خانہ آصفیہ میں اور دوسری کتب خانہ حکیم محمد قاسم میں دستیاب ہو چکی ہے۔ خدا نما کے لئے دیکھو دکن میں اردو ص ۹۹-۱۰۰۔ اور اُردوئے قدیم صفحات ۱۱۷ ملحقات ۵۹۔ تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ص ۹۵۵

چونکہ یہ کتاب اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کے آغاز اور اختتام سے ایک ایک پورا صفحہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے کتاب کے حجم کا اندازہ ہوگا۔ پوری کتاب میں اسی طرح کے ۲۱ صفحات ہیں۔

آغاز:- "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایں رسالۂ وجودیہ اللہ محمد کے راز رمز کے باتاں کسی نامحرم کے انگے نا بولنا۔ بولیں گے سو کافر ہویں گے۔ وسنینگے سو دیوانے ہویں گے۔ اون کوں دیوانے بھی نہ کرنا۔ اپنے کافر بھی نہ ہونا۔ زبان سوں ذکر کرنا اللہ اللہ۔ جوں زبان سیں کہتے ہیں تو دم آوتے جاتے اللہ اللہ کہنا۔ سارا دن ساری رات کیا کام کرتے ہیں سو اللہ کی یاد سوں کرنا۔ یوں سنبھال کر برتے تو ذکر جلی اللہ کی یاد سوں کیا۔ تس کا فائدہ کیا۔ اور

اللہ کی یاد سوں نہ کیا ضایاں گیا۔ جوں شرع بیچ
میں کیا سو حرام ہے۔ اور درست رکھے سو حلال ہے۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی یاد سوں
فعل کیا سو حلال ہے۔ اور اللہ کی یاد سوں نہ کیا
حرام جیا وہ حرام تے۔ ایسے حرام ہے ابلیس کی طرف
نیچے یاد کی طرف ثابت کیا سو شاہد ہے۔ یعنے اللہ
ہمارے نزدیک ہے تن کے۔ فعل کرتے ہیں سو دیکھتا ہے۔
بولتے ہیں سو سنتا ہے۔ برا خطرات لاونا بری بات
نہ بولنا۔ برے فعل نا کرنا۔ یو اللہ حاضر ناظر ہے۔
ایسے تن واجب الوجود اس کا مقام شیطان تے
راہ شریعت ذکر جلی نفس۔" (ورق ۱۰۸ ب)

اختتام:۔

"شغل پانچواں۔ حروف ت کوں تمامت میں رکھا ہے۔
دعوت اس کا تنقل فی کہتر نعمتک یا اللہ۔ یعنے بار
خدایا تمام نعمت تیری بار کر پہنچے۔ شغل چھٹا حروف
ب کوں بسم اللہ میں رکھا ہے۔ دعوات اوس کا
بدرنائی بخنک یا اللہ۔ یا بار خدایا برکت دے پہنچے
اپنی برکتوں سیں تا اون برکتوں سیں برکت پاؤں۔
شغل ساتواں۔ حروف الف کوں ذات اللہ
کی میں رکھا ہے۔ دعوت اس کا احد نا فی احدک
یا اللہ۔ یعنے یا بار خدایا احد کر منج کوں تا کہ تیری
احد ذات میں احد ہوں۔ واحد الوجود کا سگن نرگن
مرنا سو سگن اور مرکے جیونا سو نرگن۔ چہار روح
نامیہ روح متحرکہ روح ناطقہ روح قدسی۔ چہار دل۔
واجب الوجود ممکن ممتنع عارف قلب مضغہ قلب منعم قلب
سلیم قلب شہید۔ نفس دل روح نور ایک سب یعنی شاہد
فعلوں خارج دیکھو۔ حدیث قدسی انّ فی جسد آدم مضغۃً
وفی المضغۃ قلبٌ وفی القلب فؤادٌ وفی الفؤاد روحٌ
وفی الروح سرٌّ وفی السرّ نورٌ وفی النور انا۔ یعنے اس تن
میں چھ چیز یعنے ایک نفس۔ ایک دل۔ ایک روح۔ ایک سر
ایک نور۔ ایک ذات ان چھ چیز سو جسد کا سارا حساب ہے" (ورق ۱۰۸ ب)

ترقیمہ:۔ "تمت تمام شد ہ زمن نظام شد"

یہاں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ لیکن اس بیاض کے دوسرے
رسائل کے آخر میں اسی عبارت کے بعد "الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر"
درج کیا ہے۔ یہ مخطوطہ اور اس جلد کے دیگر مخطوطے مولوی حمید اللہ حسینی صاحب کا عطیہ ہیں۔

---

(۲۱۰) وصل نامہ [۳۶۰]

اوراق ۱۰ سطور ۱۷۔
تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث۔
مصنف۔ مرتضیٰ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ۔
کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت ۱۲۰۰ھ۔

یہ ۳۱۹ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں وحدۃ الوجود
کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ادعا کیا گیا ہے کہ اگر انسان خدا میں
گم ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے پہلے ضروری ہے کہ کسی کا مرید ہو کر
اپنے مرشد میں گم ہونا سیکھے۔

کتاب کا نام شاعر نے آخری ابیات کے علاوہ درمیان میں بھی
ظاہر کیا ہے جہاں وہ کہتا ہے کہ:۔

ہوا ختم خطبہ وصل کا تمام   کہ آزادگی کا سو پایا مقام

اس کے بعد کی ابیات میں مصنف نے اپنا نام اور اپنی
مثنوی کی خصوصیات یوں واضح کی ہیں:۔

سنو مرتضیٰ تے نئیں اپ سخن   بچن کے سو دھک تے کاڑیا رتن

اسی ہر رتن کا پرویا ہوں مال رکھیں گے سو عاشق گلے اپنے گھال
دیا فہم کے بل کوں میں یہ تبیہ ہندیا ہوں یو بیتاں سوں میں آ عزیز

اسی حصۂ کتاب میں کچھ اوپر مصنف اپنے مرشد سلطان کا ذکر اس طرح کرتا ہے:۔

کتا ہوں سو صفت یو مرشد کی کہ دو جہاں کے سو خورشید کی
کہ سلطان مرشد ہے روشن منیر کیا عاشقاں میں سو مجکوں امیر
اول سید تحفہ دیا میں تجے دیا تخت سب معرفت کا منجے
ہدایت کیا ملک مخزن تمام محیط گے ملک کا کیا منجہ امام (ورق ۲۷)

ان مذکورۂ بالا ابیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا نام مرتضیٰ تھا اور وہ ایک بزرگ سلطان کے مرید اور خلیفہ تھے ۔

مرتضیٰ نام کے دو بزرگ قدیم دکن میں مشہور ہیں اور دونوں بیجاپور کے مشاہیر صوفیا سے ہیں ۔ ان کے متعلق مختصر معلومات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ شاہ مرتضیٰ حسینی علوی خلف شاہ ہاشم حسینی (برادرزادہ شاہ وجیہہ الدین گجراتی) اپنے والد کے خلیفہ اور صوفی تھے اور انہی کی زندگی میں ۱۰۴۵ھ میں کسی مخالف کے تیر سے شہید ہوئے۔ بیرون حصار زہرہ پور کے دروازہ میں مدفون ہوئے ۔

۲۔ شاہ مرتضیٰ قادری خلف سید شرف الدین قادری گجراتی جو شاہ عبداللہ بن شاہ وجیہہ الدین گجراتی کے فیض یافتہ تھے ۔ بیجاپور میں قیام پذیر ہوئے اور ۱۰۲۰ھ میں فوت اور بیرون دروازہ ابراہیم پورہ مدفون ہوئے ۔

دونوں کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو تذکرہ شعرائے اولیائے دکن جلد دوم ص ۷۰۶ تا ۷۰۹) لیکن زیرِ نظر مخطوطے کے مصنف ان دونوں کے بعد کے کوئی صوفی شاعر تھے ۔ ان کے مرشد سلطان بھی ایک بڑے صوفی اور اعلیٰ شاعر تھے ۔ اور ادارے میں ان کا منتخب کلام موجود ہے جس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۲۰۶ میں گزر چکا ہے ۔

آغاز :۔

اول توں، تھا گنج مخفی کے بیچ دیا صفت ساتوں اپس بینچ کھینچ
کبریوں رہا بے خودی کے اندر سمندر کی سیپیاں میں ہے جوں گہر

اختتام :۔

سوے بیت پوری یہ تین سو اونیس ۳۱۹ ہو نسخے کی سو پانی کا گنج (بیس)
ہوا وصل نامہ مرتب تمام بحق محمدؐ علیہ السلام

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد کار من نظام شد من الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر خط"

یہ مثنوی بیاض کے اوراق ۲۹ ب تا ۳۸ ب پر درج ہے ۔

---

(۲۱۱) مراثی مرزا [۳۶۱]

اوراق ۔ ۶ ۔ سطور ۱۷

تقطیع ۔ ۵" × ۹" ۔ خط نلث ۔

مصنف ۔ مرزا بیجاپوری ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۰۸۲ھ ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانۂ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ ۔

مرزا، عہد علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۸ھ تا ۱۰۸۳ھ) کا مشہور مرثیہ گو شاعر ہے جس نے سوائے مرثیے کے کسی اور صنف سخن میں کلام نہیں لکھا بلکہ جب بادشاہ نے مدحیہ قصیدے کی فرمائش کی تو ایک مرثیہ لکھ کر اس میں بادشاہ کا تخلص شاہی داخل کر کے پیش کیا ۔ اُردو شہ پارے ص ۱۳۵ میں اس کا تذکرہ لکھا جا چکا ہے ۔ خافی خاں نے منتخب اللباب جلد سوم ص ۲۵۹ میں بھی مرزا کا ذکر لکھا ہے ۔ مرثیہ خوانی میں اس کی بڑی شہرت تھی اور اس کے مرثیے اس کے بعد بھی عرصے تک دکن میں رائج رہے اور دور دور تک پہنچے ۔ شب عاشورہ سے مجلس میں مرثیہ پڑھ کر باہر نکلا تھا کہ

کسی دشمن نے شہید کر دیا اور اس کا جنازہ بھی شہر کے علموں اور تعزیوں کے پیچھے نکلا۔ شاہ مرتضیٰ قادری (دیکھو تذکرہ مخطوطہ نمبر ۲۱) کے مقبرے میں مدفون ہوا۔ ادارے کی بیاض میں مرزا کے حسب ذیل مرثیے موجود ہیں :-

۱ - سلام۔ ہر بند کے آخر میں ایک ہی مصرع "آل نبی صلو علیہ" دہرایا ہے۔ جملہ ۱۴ بند ہیں۔ ہر بند چار مصرعوں پر مشتمل ہے۔

آغاز۔ یاراں دیکھو یو تاج ہے — آل نبی صلو علیہ
ہر دو جہاں کی ساج ہے — آل نبی صلو علیہ
یاراں دیکھو ان کا قدر — بعد از محمدؐ نامور
امت کے ہیں خیرالبشر — آل نبی صلو علیہ

اختتام۔ یاراں دیکھو شہ کا یو غم — مرزا کے دل میں سب ستم
تا حشر لگ ہوئے نہ کم — آل نبی صلو علیہ (ورق ۲۴ ب)

۲ - مذکورۂ بالا سلام دوبارہ ورق ۴۰ پر نقل کیا گیا ہے لیکن اس میں ۱۳ بند ہیں۔

۳ - یہ ۸ بند کا ایک مرثیہ ہے جس میں ہر بند کا آخری مصرع ہے "شاہ سلامٌ علیک"

آغاز۔ مومن کامل تمام ! — شاہ پہ بھیجو سلام
صدق سوں ہر دم مدام — شاہ سلامٌ علیک

اختتام۔ اے شہ دیں شیر نر — کر توں کرم کی نظر
لطف سوں مرزاں اوپر — شاہ سلامٌ علیک (ورق ۶۰)

کاتب چونکہ کم سواد ہے اس لئے اس عہد کے تلفظ کے مطابق ہر جگہ مرزا کو مرزاں لکھا ہے۔

عطیہ مولوی حمید اللہ حسین صاحب بی۔اے

(۲۱۲) محی الدین نامہ [۳۶۲]

اوراق ۵ - سطور - ۱۷ -

تقطیع - ۵" × ۹" - خط ثلث .

مصنف - افضل . تقریب ۱۱۰۰ھ -

کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانہ کتابت قریب ۱۱۱۰ھ

یہ محمدؐ افضل قادری کی ایک مشہور مثنوی ہے جو کسی زمانہ میں بہت مقبول تھی . اس کے نسخے صرف یورپ کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ برٹش میوزیم کا نسخہ (اورینٹل نمبر ۶۵۰۵) ۴ محرم ۱۲۷۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ انڈیا آفس میں جو نسخہ ہے اس کا ذکر بلوم ہارٹ نے اپنی فہرست کے نمبر ۳۵ پر کیا ہے۔

اس وقت تک افضل کا نام قدیم اردو ادب میں تین مواقع پر لیا جاتا ہے -

۱ - مصنف بکٹ کہانی ۲ - مصنف محی الدین نامہ اور ۳ - بہ حیثیت مرثیہ نگار

اول الذکر غالباً نارنول کے باشندے تھے اور بکٹ کہانی (یا بارہ ماسہ) ۱۰۳۵ھ سے قبل لکھی تھی - اس کا ایک مخطوطہ جو ۱۱۰۳ھ کا لکھا ہوا ہے ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (دیکھو اردو شہ پارے ص ۱۲۶) اس کا ذکر اردوئے قدیم میں بھی ص ۴۹ پر درج ہے۔

ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانے میں افضل کے جو مرثیے ہیں ان کے متعلق معلومات "اردو شہ پارے" میں شایع ہو چکے ہیں۔ وہ دکھنی شاعر تھا اور غالباً محی الدین نامہ کا مصنف بھی وہی ہے۔

محی الدین نامہ کا تذکرہ اردو شہ پارے (صفحات ۱۲۶۔ ۱۲۷) اور یورپ میں دکنی مخطوطات (صفحات ۱۷۵۔ ۱۷۷)

میں درج ہے۔ خود اس کی کتاب سے یہ امر واضح ہے کہ افضل ایک دکنی شاعر تھا۔ اس نے خواجہ بندہ نواز کی مدح لکھی ہے۔ اور اپنے مرشد میراں شاہ معروف کی صفات بھی تفصیل سے پیش کی ہیں۔ خواجہ بندہ نوازؒ نے حضرت محبوب سبحانی کو خواب میں جس طرح دیکھا تھا اس کی تفصیل کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان کی ہے۔

میراں شاہ معروف کی مدح اور ان کے خلیفہ سلطانؒ کا ذکر آخری ابیات میں اس طرح کرتا ہے:۔

مدح میراں شاہ معروف

میراں شاہ معروف اود ستگیر کہ دل میرا کریا یک روشن ضمیر
دیئے دست پنجہ بھر سات میں دیئے منجکو سلطان کے ہات میں
کہ افضل خلیفاں میں معروف شاہ لیوے ناؤں اس کا تو جاوے گناہ
میراں شاہ معروف اکمل ولی سو جیو داں دے عبد قادر علی
میراں شاہ معروف مقبول ہے محی الدین کے باغ کا پھول ہے
محی الدین دریا او موتی ہے جان سچے شاہ معروف میراں سو جان
محی الدین کا لاڈلا جانیا او ثانی محی الدین ہو آئیا
میراں شاہ کامل محی الدین صمد یو دو نین ظاہر ہے باطن احد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل میراں شاہ معروف کو محی الدین ثانی سمجھتا تھا اور ان دونوں میں اس کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا۔ میراں شاہ کے خلیفہ سلطانؒ تھے جن کو افضل کی روحانی تربیت سپرد کی گئی تھی۔ سلطانؒ اور ان کے مرید مرتضیٰ کا کلام ادارے میں محفوظ ہے اور ان دونوں کا ذکر مخطوطات نمبر ۲۰۶ و ۲۱۰ میں گزر چکا ہے۔

البتہ میراں شاہ معروف کی نسبت ٹھیک طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون بزرگ تھے۔ اور ان کا زمانہ کیا تھا۔ دکن کے صوفیائے کرام میں سید شاہ معروف نام کے ایک بزرگ شہر رائچور میں مدفون ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کا سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے کچھ حالات تذکرۂ اولیائے رائچور میں درج ہیں کہ وہ سید شاہ قیس بن ابی الحیاتؒ سادھوری کے فرزند اور حضرت محبوب سبحانی کی اولاد سے تھے۔ رائچور سے دس میل کے فاصلے پر موضع کاڈلور میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر مدفون ہوئے۔ ہر سال ۲۲ محرم کو عرس ہوتا ہے۔ ان کے فرزند سید شاہ میراں قادری تھے جن کے پوترے کا نام بھی سید شاہ معروف تھا جنھوں نے ۱۱۶۶ھ میں وفات پائی تھی۔ (ص۲۲۶) اس لحاظ سے ان کے دادا میراں شاہ معروف نے غالباً ۱۱۰۰ھ سے قبل وفات پائی ہوگی۔

لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ افضل نے جن شاہ معروف کا ذکر کیا ہے وہ یہی رائچور کے بزرگ تھے یا ان سے قبل کے کوئی اور صوفی۔ کیونکہ افضل نے ہر جگہ اپنے مرشد کا نام میراں شاہ معروف لکھا ہے اور رائچور کے مذکورہ بالا بزرگ صرف سید شاہ معروف تھے البتہ ان کے فرزند کا نام سید شاہ میراں تھا۔

افضل نے اپنی اس مثنوی میں حضرت محبوب سبحانی کی کرامتیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ شیخ صنعا کا قصہ اور اس بڑھیا کا واقعہ جس کا مردہ بیٹا زندہ ہو گیا تھا اس مثنوی میں بھی درج ہے۔

آغاز:۔

تہیں قطب عالم محی الدین قدیر دو جگ ہے ترے ہات توں دستگیر
توں ہے چاند تجہ نور دو جگ منے توں سلطان روشن ہے ربی کنے (۵ہ و)

اختتام:۔ اگر اس بیاں میں جو کوئی خطا کیا ہے گنہگار عاصی ہو دوزخ میں جائے
تصدق کیا جیو اوس دو ہر پر کیا ختم افضل ثنا سربسر (۲۹ ب)

یورپ میں دکھنی مخطوطات میں لکھا ہے کہ

"اس مثنوی کے کسی اور نسخے کا پتہ نہیں چلا"

یہ ادارے کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اس نادر کتاب کا مخطوطہ بھی حاصل ہوگیا ۔

---

(۲۱۳) بیاض مراثی [۳۶۳]

اوراق ۱۰ ۔ سطور ۱۷ ۔

تقطیع ۔ ۵" × ۹" ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ یتیم احمد، شفیع، مشہور، اشرف، قلندر، حیرت،
برہان، اشرف، کمتر، شاہی وغیرہ ۔

زمانۂ تصنیف ۔ قریب سنہ ۱۱۰۰ھ ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانۂ کتابت قبل سنہ ۱۲۰۰ھ ۔

اس بیاض میں ۵ مشہور ۵ غیر معروف اور ۲ نامعلوم شعرا کے مرثیے شامل ہیں ۔ مشہور شعرا میں علی عادل شاہ ثانی شاہی اور نصرتی جیسے شعرا ہیں ۔ اور غیر معروف شعرا کا کلام پہلی دفعہ اردو دنیا میں روشناس ہو رہا ہے ۔ ان بارہ مرثیوں کی تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ **یتیم احمد** ۔ ۴ بند ہیں ۔ ہر بند میں چار مصرعے ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ اس برہان پوری شاعر کے سات مرثیے (جن میں ۶۰ شعر ہیں) ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض مراثی میں موجود ہیں ۔ اس کا تذکرہ اردو شہ پارے میں تفصیل سے کیا گیا ہے (دیکھو ص ۱۴۲-۱۴۳)

آغاز ۔ کیوں ظالماں شہ کو مارتے ہے ۔ یوں ظلم کر بے شمار ہے ہے
ویران کئے سب دیار ہے ہے ۔ رو رو بیتیاں پکار ہے ہے

اختتام ۔ پوچھو اپنا شہاں پووارے ۔ یتیم احمد دو کھوں پکارے
کیوں ظالماں ظلم کر کو مارے ۔ او بن کے تاجدار ہے ہے

۲ ۔ **شفیع یا شفیق** ۔ غزل کی شکل میں ۸ شعر ہیں ۔ شاعر کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ شفیع ہے یا شفیق کیونکہ کاتب کم سواد ہے اور اس نے عام تلفظ کے مطابق صرف شفی لکھا ہے ۔ اگر شفیق ہے تو ممکن ہے کہ لچھمی نارائن شفیق ہو ۔

مطلع ۔ سب جانتے امام ہمارا حسین کوں ۔ کیوں نہ تمام خلق پکارے حسین کوں
مقطع ۔ مشکل گھڑی ہو کیوں نہ علی کام آئیں گے ۔ جس دن شفیع نے دل سے پکارے حسین کوں (۵۲)

۳ ۔ **نامعلوم** ۔ چار چار مصرعوں کے چار بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ چونکہ کوئی تخلص نہیں ہے اس لئے مصنف کا پتہ نہ چل سکا ۔

آغاز ۔ آج آل نبی پو دکھ بھاری ۔ آج خنجر ہوا گلے کاری
ہے ہے ایسے گلے پو خنجر چلیا ۔ کیا ظلم کیا جفا ستم گاری

اختتام ۔ آج نوک تیراں گلے میں دیکھو ۔ آج بھر بھر (رہے) ہونے نین میں دیکھو
سب شہید الدگل رن بن دیکھو ۔ کیا پہ کیا سوار کیا تلواری (۵۲)

۴ ۔ **مشہور** ۔ جملہ ۱۰ بند ہیں ۔ ہر بند میں چار مصرعے ۔ آخری مصرع ہر ایک بند میں مشترک ہے ۔ شاعر غیر معروف ہے اب تک اس کا کوئی اور کلام دستیاب نہیں ہوا ہے ۔

آغاز ۔ اے شاہ دُلدل سوار توں ۔ کیوں جا بسایا کربلا
اے قاتل کفار توں ۔ کیوں جا بسایا کربلا

اختتام ۔ مشہور کوں اپنا کر حسین ۔ توں پیار منجہ پر دھر حسین
کھول عشق کا توں در حسین ۔ کیوں جا بسایا کربلا

۵ ۔ **نامعلوم** ۔ جملہ ۵ شعر ہیں ۔

مطلع ۔ لڑے جب شہاں لہو میں بکتر ہوا تر ۔ اے زخماں کے جریاں سوں دفتر ہوا تر
مقطع ۔ سونا تھا سو تریں سو غم بادشاہ کا ۔ جگر پھوٹ سرخی میں ماتم ہوا تر (۵۱ ب)

۶ ۔ **اشرف** ۔ یہ مرثیہ مربع کی شکل میں ہے جس میں ۷ بند ہیں ۔ ہر بند میں چار مصرعے اور ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ اشرف کے متعلق تفصیلی معلومات اردو شہ پارے

صفحات ۱۴۷ و ۱۴۸ میں درج ہیں۔ اس کے ۱۳ مرثیے (۱۴۰ شعر) ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض میں محفوظ ہیں۔ برٹش میوزیم میں اس کی ایک مثنوی "جنگ نامہ" موجود ہے۔ (دیکھو ایڈیشنل نمبر ۱۵۹۰)

آغاز۔ شاہ دیں جگ پہ غم تمارا ہے ۔۔۔ تماندان بر الم تمارا ہے
لھو میں دستار نم تمارا ہے ۔۔۔ درد منجہ سب جنم تمارا ہے

اختتام۔ سچ نواسا ہے توں پیمبر کا ۔۔۔ ہے تو والی یقین کوثر کا
خوف اشرف نہیں ہے محشر کا ۔۔۔ اس پہ فضل و کرم تمارا ہے
(۵۷)

۷۔ **قلندر**۔ یہ مرثیہ بھی مرثیہ نمبر ۶ کی شکل میں ہے۔ جملہ ۱۱ بند ہیں۔ یہ ایک غیر معروف شاعر ہے جس کا کوئی اور کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔

آغاز۔ آج قاسم کی من موہن روتی ۔۔۔ لھو بھریا شاہ دیک تن روتی
رن میں قاسم کگر گگن روتی ۔۔۔ توڑ سہرا کنگن دولن روتی

اختتام۔ اے قلندر توں کربلا کوں جا ۔۔۔ درد غم سوں گلے میں کفنی بجا
شاہ کے دوکھ سوں خاک لے مونہ لا ۔۔۔ خلق جوگی ہو چو کدن روتی
(۵۸ الف ب)

۸۔ **حیرت**۔ یہ ایک طویل مرثیہ ہے جس میں ۱۷ بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے اس طرح کل ۴۴ شعر ہیں۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔ شاعر غیر معروف ہے۔ لیکن کلام میں قوت اور پختگی پائی جاتی ہے۔

آغاز۔ کیوں باغ مصطفےٰ کے دیکھو یاسمن کے تئیں
کاٹیا علیؑ کے دل کے نول پھول بن کے تئیں
ظالم دکھوں کے زور سوں خاتوں کے من کے تئیں
تب سوں ہوا ہے غم یو ہر اک مرد و زن کے تئیں

اختتام۔ مپتلیوں کی کر سیاہی ملکوں کی کر قلم
قصہ لکھیا یو سوز کا باندیا تمام غم
حیرت غلام کمتر یو شاہ ذی کرم
روشن کر دو جگ میں نم اس کے نین کے تئیں (۵۹ ب)

۹۔ **برہان**۔ غزل کی شکل کا مرثیہ ہے جس میں ۱۱ شعر ہیں۔ یہ غالباً سیدی برہان کا مرثیہ ہے۔ شاہ برہان الدین جانم (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ ۲) اس سے بہت پہلے کے شاعر ہیں۔ ان کا تخلص بھی برہان تھا۔ سیدی برہان کے لئے دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ ۲۴۴

مطلع۔ شاہ جب تیغ یاں پہ چڑ کر ڈہایا اللہ اللہ کر
لھوا کفار پر یاداں بجایا اللہ اللہ کر

مقطع۔ نہ طوفاں کیوں ہوا برہان کہ دبتا خلق اس غم سوں
کہ جس وقت گور میں شہ کوں چھپایا اللہ اللہ کر (۶۱)

۱۰۔ **اشرف**۔ اس مرثیہ میں ۲۵ شعر ہیں۔ اشرف ایک مشہور مرثیہ گو شاعر ہے۔ ایڈنبرا کی بیاض میں بھی اس کے مرثیے موجود ہیں۔ اردو شہ پارے میں اس مرثیہ کا انتخاب شائع ہوچکا ہے (دیکھو ص۱۳۰)

مطلع۔ سیج پھولوں کی میں بناتی تھی ۔۔۔ پیارے اصغر کوں تب سلاتی تھی

مقطع۔ شہر بانو کی شور کی آواز ۔۔۔ اے شرف لامکاں کوں جاتی تھی

کاتب نے بجائے شرف کے حضرت لکھا ہے جو غلط ہے۔

۱۱۔ **کمتر**۔ آٹھ بندوں کا ایک مرثیہ ہے۔ جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہیں۔ آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔ کمتر کا ایک مرثیہ کمبرج کی بیاض میں بھی موجود ہے (دیکھو یورپ میں دکنی مخطوطات ص۱۶۲) یہ فقیر کمتر شاہ دکنی کے نام سے مشہور تھے۔ صوفی شاعر تھے۔ اکثر مراثی اور مثنویاں ان کو زبانی یاد تھیں۔ حیدرآباد کے امرا اور فقرا میں بہت ہر دل عزیز تھے۔ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ (محبوب الزمن جلد دوم ص۹۲۷)

آغاز۔ کہے فاطمہؓ آج نیارا حسینؓ ۔۔۔ پڑیا جگ میں غم کا انذارا حسینؓ
زمیں سوں گگن لگ وھلارا حسینؓ ۔۔۔ تجے ظلم سوں مل کے مارا حسینؓ

اختتام۔ کمیناں میں کمتر کمینہ غلام ۔۔۔ ہے طالب تمارا میں حضرت امام
علیک الصلوٰۃ وعلیک السلام ۔۔۔ کرم جگ پو سارا تمارا حسینؓ (۶۱ ب)

۱۲- شاہی - یہ علی عادل شاہ ثانی شاہی (۱۰۶۶ھ تا ۱۰۸۳ھ)
کا مرثیہ ہے۔ اس کا دیوان دفتر دیوانی و مال و ملکی میں محفوظ ہے۔
اور اس کا تذکرہ اُردو شہ پارے (صفحات ۵۱، ۵۲) میں درج
ہو چکا ہے۔ ۱۳ اشعار کا مرثیہ ہے جس کے سب شعر مربع ہیں۔

مطلع۔ دل دن کروں زاری یو میں   یک دم سوں رو رویا امام
اب کن ہوے انجواں مرے   تجھ غم سوں رو رویا امام

مقطع۔ عادل علی شاہ راجناں ملکِ ملک تم ساجناں
تجھ دیکھ غم جیوں بھاگناں تجھ غم سوں رو رویا امام (۵۳)

نوٹ۔ اس مرثیہ کا ہر شعر چار مصرعوں کا ایسا بند بھی بن سکتا ہے
جس کا آخری مصرع ہر بند میں مشترک ہے۔ مثلاً

ترلوک (۱) یو غم سے کئے   سب حشر کوں برہم کئے
شاہی کے تیں پرغم کئے   تجھ غم سوں رو رویا امام

(۲۱۴) مراثی قادر [۳۶۴]

اوراق ۳- سطور ۱۷
تقطیع ۵" × ۹"- خط ثلث۔
مصنف- قادر- زمانہ تصنیف قریب ۱۱۲۰ھ۔
کاتب- شیخ عبدالقادر- زمانہ کتابت قبل ۱۲۰۰ھ۔

یہ دکن کا ایک مشہور مرثیہ گو ہے جو مرزا بیجاپوری کے بعد
سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض میں
اس کے ۱۷ مرثیے (۳۰۰ اشعار) موجود ہیں۔ اس کا تفصیلی
تذکرہ اُردو شہ پارے (ص ۱۵۱) میں درج ہے۔ اس نے اوائل
بارھویں صدی میں وفات پائی۔ ہاشم علی نے اپنے مرثیوں
میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے اور وہ قادر کو دکن کا استاد
مرثیہ گو سمجھتا تھا (دیکھو اُردو شہ پارے ص ۱۵۰ تا ص ۱۶۱)۔

ادارے کے اس مخطوطے میں قادر کے تین مرثیے (۴۰ اشعار)
محفوظ ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) مربع۔ سات بند ہیں۔ ہر بند میں چار مصرعے۔ ہر بند کا آخری
مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

آغاز۔ حیف چیرا حسینؑ اصل تیرا   لہو میں مظلوم تن پھول تیرا
سر گیا تن سوں شام چل تیرا   تن دھیا خاک خوں میں مل تیرا

اختتام۔ ہے حضوری خواہش تجھ قادر   جی سوں دربار میں سدا حاضر
سبز بانا ہی جس کوں ہوں خاطر   جس کوں خدمت ہی مور چھل تیرا (۵۱)

(۲) غزل نما مرثیہ ہے جس میں ۱۵ شعر ہیں۔

مطلع۔ ہیں خدا کے برگزیدے شہ سواراں لہو میں لال
فاطمہؓ کے نور دیدے تن پیاراں لہو میں لال

مقطع۔ ہے زخم ہر تار غم کا سبز بانا قادرا
دل پو کاری کھرگ ہے یو جس کی دھاراں لہو میں لال (۵

(۳) غزل نما مرثیہ ہے جس میں ۱۱ شعر ہیں۔

مطلع۔ فاطمہؓ کے جیو کا توں گوشوارا یا حسینؓ
احمد مختار کا توں ہے پیارا یا حسینؓ

مقطع۔ پھر سینے میں قادرا کے سوز کے شعلے اٹھے
تو زباں یوں بولتی ہے غم شرارا یا حسینؓ (۵۶-ب)

یہ تمام مرثیے بیاض ۳۶۱ میں دوسرے کلام کے درمیان درج ہیں
یہاں ان کا تذکرہ اوراق کی وضاحت کے ساتھ ایک سلسلہ میں
درج کر دیا گیا ہے۔

(۲۱۵) دکنی منظومات [۳۶۵]

اوراق ۱۲۔ سطور ۱۷۔
تقطیع۔ ۵ x ۹ خط ثلث۔
مصنف۔ عبداللہ قطب شاہ۔ معجز۔ محی الدین وغیرہ۔
زمانۂ تصنیف۔ قبل۔ ۱۱۵۰ھ۔
کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ سنہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ۔

اس بیاض میں تین شعرا عبداللہ قطب شاہ معجز، اور محی الدین کے کلام کے علاوہ ۴ ایسی نظمیں بھی موجود ہیں جن کے مصنفوں کا پتہ نہ چل سکا۔ ان سب نظموں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ترکیب بند۔ ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کا آخری مصرع ایک ہی ہے۔ اس نظم میں حروف تہجی کی تشریح کی گئی ہے جو زیادہ تر اسمائے باری پر منطبق ہوتی ہے۔ مصنف کا پتہ نہ چل سکا کوئی صوفی بزرگ ہیں۔

آغاز۔ الف اللہ ظاہر نور دسے — بے باطن ہو کر آپ لیسے
تے تج بن نہیں کوئی کسے — دیک وہی وہی دیک وہی وہی

اختتام۔ لا رب سوں لٹ پٹ رہے — (دیکھو) تو سب میں ساکن رہے
ی یقین جانو سب پر رہے — دیک وہی وہی دیک وہی وہی (ورق ۴ م)

۲۔ ترکیب بند۔ اکثر بندوں میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کا آخری مصرع "شاہد اللہ واحد اللہ" ہے۔ اس نظم میں صفات الٰہیہ بیان کی گئی ہیں۔ ممکن ہے شاعر کا تخلص یا لقب "من عرف" ہو۔

آغاز۔ اول اللہ کوں سرانا — وہی ہے پاک نورانا
جسد ہور جسم نا کہنا — اسے ہر دم سہرانا
وہی دانا وہی بینا — وہی پروردگارا

اختتام۔ افلا تبصروں جب سوں — سیا من عرف ہو تب سوں
دوی چھوڑیا ہوں سب سوں — شاہد اللہ واحد اللہ (ورق ۴۴)

۳۔ غزل۔ ۸ اشعر ہیں۔ شاعر مشاق اور نازک خیال معلوم ہوتا ہے۔ غالباً ناقص الآخر ہے۔ کوئی تخلص نہیں ہے۔

آغاز۔ آج محبت کی رات کرسیجی گشت پھوتیاں ہیں دو ہلال انکھیاں
بیاز کا ناچ نا چنیا بلیاں تا ال پلکوں سے نور بھی (ڈال) انکھیاں
جسے دیکھیاں او تیج دیکھ رہیاں کیا کروں کیوں رکھوں سنبھال انکھیاں

اختتام۔ دل چلیا ہے دیکھیلا ہر بیکو چلیا ہر دل کی نال انکھیاں
پھر گیا، زرد روز جانے میں سرخ رو منجہ کیا اپنا لال انکھیاں

۴۔ غزل محی الدین۔ پند و موعظت میں ایک غزل نما نظم ہے۔ (۴۴ ب) مقطع میں محی الدین تخلص درج ہے۔ اسی نام کے ایک شاعر کی مثنوی "قصۂ ابراہیم ادہم" انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (دیکھو نمبر ۴۷)۔ اس مثنوی میں (۴۲) اوراق اور تقریباً پانچ سو بیس (۵۲۰) ابیات ہیں۔ مصنف نے اپنا تخلص ان ابیات میں استعمال کیا ہے:-

حکایت محی الدین کر مختصر — ادب سات یاراں سنو کان دھر (۶۸ و)
کہ عرفاں کوں توں اپس سات کر — اپنا توں محی الدین مناجات کر (۸۰ و)

یہ شاعر ظہیر الدین اولیا کا مرید تھا اور اس نے ان کی مدح شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد ہی لکھی ہے۔ سید ظہیر الدین (۱۰۰۰ھ تا ۱۱۰۰ھ) بالاپور (برار) میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا تذکرہ عبدالجبار خاں نے محبوب ذی المنن جلد اول کے صفحات ۸۰۴ تا ۸۰۸ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن یہ محی الدین جن بزرگ کے مرید تھے وہ غالباً اس عہد سے قبل کے کوئی صوفی ہوں گے۔

اس نظم کا مطلع و مقطع یہ ہے:-

مطلع۔ سب میں غلیظ میں ہوں منجہ سوں غلیظ کوئی نئیں
غفلت میں عمر کھویا اس سوں غلیظ کوئی نئیں

مقطع ۔ میم کی نشاں احد کی ہے گی نشاں اللہ کی
محی الدین کو کوئی نہ جانے اس سوں غلیظ کوئی نیں (۶۳)

۵۔ **معرفت باری** ۔ یہ ۷ شعر کی ایک غزل نما نظم ہے جس میں مطلع کا پہلا مصرع موجود نہیں ہے ۔ عارفانہ مضامین درج ہیں ۔ مصنف کا پتہ نہ چل سکا ۔

ابتدا ۔ صورت بسا یا من کی پھو خواب کوں جاگا کہاں
شعلہ سجن کے نور کا دیکت کسی کوں تاب نہیں
افتاب جا بے تاب ہو مہتاب کوں جاگا کہاں

اختتام ۔ اس عشق کے بازار میں بیپار کوئی کیا کر سکے
لیکے بدل جیو جائے کر پھر لاب کوں جاگا کہاں (۶۳ ب)

۶۔ **ریختی معجز** ۔ ان کا ایک مرثیہ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض مراثی میں شریک ہے ۔ اس بیاض کا تفصیلی ذکر اردو شہ پارے ص ۱۵۲ اور یورپ میں دکنی مخطوطات ص ۲۶۷ میں درج ہے ۔
محبوب الزمن میں معجز (۱۱۷۳ھ تا ۱۲۲۹ھ) کا تذکرہ جلد دوم ص ۹۸۹ میں شامل ہے ۔ ان کا نام غلام محی الدین تھا ۔ اور وہ مولوی باقر آگاہ (دیکھو فہرست ہذا مخطوطات ۱۵۰ ۔ ۶۳) کے شاگرد اور عظیم الدولہ نواب ارکاٹ کے استاد تھے ۔ نہایت سنجیدہ اور عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ تعجب ہے کہ انھوں نے ریختی میں بھی کلام لکھا تھا ۔

اس زیر نظر ریختی میں مقطع سے پہلے تین ابیات مثنوی کی بھی شامل ہیں جن کا نظم سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا اس لئے یہاں درج کی جاتی ہیں ۔

آغاز ۔ کیسا کر پیا نے میرے سنگات کرگئے ۔ باتاں میٹھیاں لگا کر کئی دغا سو کر گئے
اختتام ۔ منجہ برہنی کا برہا لکھنے وقت سجن کوں ۔ سینہ پھٹیا قلم کا جل راخ ہو تھر گئے

مثنوی ۔
آخر کو موت یاراں کی سب گئے الٹ کر ۔ تربت میں جا رہنا ہے مو پر کفن لپٹ کر
غفلت کی راہ میاں تم نے بہوت بھرے ہیں ۔ رکھنا قدم سمجھ کر خطرے بہت بڑے ہیں
جب تک ترا رزق ہے ملکے ملک پھرے گا ۔ جب تک تیری حیاتی ہے تب لک نہ او مرے گا

مقطع ۔ معجز کوں کوئی کہو جا یو درد دو کہ سمجھتا
دے داغ دل کے اوپر باتاں دو دن کی کر گئے (۶۴ ب)

۷۔ **غزل عبداللہ قطب شاہ** ۔ ۸ شعر ہیں ۔ اس بادشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کا دیوان مجلس دکنی مخطوطات کی طرف سے شائع ہو رہا ہے ۔ اور اس کی موسیقی کی نظمیں نواب نصیر الدین خاں ناظم دیوانی و مال کے کتب خانے میں محفوظ ہیں ۔ اس کا تذکرہ اردو شہ پارے (ص ۱۰۳) میں درج ہو چکا ہے ۔
اس بیاض میں عبداللہ کی غزل کی شرکت ظاہر کرتی ہے کہ اس کو بعد کے زمانہ میں بھی ایک اچھا شاعر سمجھا جاتا تھا ۔

مطلع ۔ اغیار نا پاسے او سے عاشق سوں اپنے پار کا ۔ جو جنت ہور دوزخ کوں تج طالب ہے دیدار کا
مقطع ۔ الحمد للہ شکر ہے بولا نہیں غافل ہو کر ۔ عبداللہ ذاکر سیں سنو حق ذکر کے اذکار کا (۶۵)
(آخری مصرع میں اذکار کی جگہ کاتب نے مذکور لکھا ہے)

(۲۱۶) وصایائے نبیؐ [۳۶۶]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۷ ۔
تقطیع ۵ x ۹ ۔ خط ثلث ۔
زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ ۔
کاتب ۔ شیخ عبد القادر ۔ زمانۂ کتابت قبل ۱۲۰۰ھ ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس میں حضرت رسالت پناہ کی وہ نصیحتیں درج ہیں جو موقع بموقع حضرت علیؓ کو کی گئی تھیں ۔ مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا ہے ۔ لیکن زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے قطب شاہی عہد اور اس کے قریبی زمانے کے کوئی صوفی معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ رسالہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کی ضخامت کے اندازہ کے لئے اس کی ابتدا اور اختتام سے نصف نصف صفحہ یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

آغاز :۔
"حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بولے کہ یا علی جکوئی فجر کا نماز کرکے بیٹھے خدائے تعالیٰ کے
ذکر میں آفتاب اوپر آوسنے تلک تو خدائے تعالیٰ اوس بندے
کی گند دوزخ کی آگ تھے خلاص کرے گا۔ یا علی جکوئی
جمعہ کا غسل کرے گا تو دُسرے جمعہ لک بخشائے جائے گا۔
ہور او غسل نور ہے سات طبق زمین آسمان میں۔ اپنے
ماں پر خوش حال نکو ہو کہ خدائے تعالیٰ کا دوست نہیں
جو کہ ماں پر خوش حال ہونے ہیں۔ یا علی جکوئی مسواک
بہوت کرے (تو) بہشت و چہار خصلت نیک بخت کے
زیادہ ہوتا ہے۔ یا علی جکوئی سوتے وقت ہور اُٹھتے
وقت والسماء والطارق پڑے گا تو .....''

اختتام:۔

''یا علی کھانا کھا دیں گے تو اول نمک چاکھو دُسری علت
کوں فائدہ دیتا ہے۔ یا علی نوے کپڑے پہنیگے تو جونی کپڑے
درویشاں کوں دیو۔ یا علی راضی اپنے ماں باپ سوں خدائے
تعالیٰ کا راضی ہنا ہے۔ ہور غصہ ماں باپ کا سو خدائے تعالیٰ
کا غصہ ہے۔ یا علی عورت کی رائے (یادائی) کوں گھر میں
نکو آن دیو براہے۔ یا علی وستاد کوں ہور اوستاد کے
فرزنداں کوں بہوت پیار کرو کہ دو جہاں میں خوبی ہے۔
یا علی ہور سامنے ہو کا پانی نکو سٹو۔ یہ نصیحت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین کوں فرمائے ہیں۔

برضو ہے (؟)۔

ترقیمہ: ۔''تمت تمام شد کار من نظام شد''

اس کے ساتھ ہی ایک اور رسالہ نثر ''حکمت سلیمان پیغمبر''
شروع کردیا گیا ہے۔ اس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۲۱۷ میں درج ہے
اس رسالہ کا نام ''وصایائے نبی'' راقم الحروف نے اپنی طرف
سے لکھا ہے خود رسالہ میں کوئی نام درج نہیں۔

(۲۱۷) حکمت سلیمان پیغمبر [۳۶۷]

اوراق ۲۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث۔

زمانہ تصنیف۔ قبل ۱۱۵۰ھ

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ

یہ تقریباً ۵۰ سطروں میں اُردو نثر کا ایک رسالہ ہے
جس کے مصنف کا پتہ نہ چل سکا۔ ممکن ہے کہ اس کا مصنف
بھی وہی ہو جو ''وصایائے نبی'' کا ہے۔ اس رسالے میں بچہ
نہ ہونے والی عورتوں کی سات بیماریاں اور ان کے علاج بیان
کئے گئے ہیں۔ مصنف نے تشخیص کے بہت اچھے طریقے بیان
کئے ہیں۔ ماہرین طب کے لئے اس کی مندرجہ معلومات بہت
مفید ہیں۔

آغاز:۔

''یو حکمت سلیمان پیغمبر سوں ہے۔ یک روز پانچ عورتاں
جمع ہو کر سلیمان کنے آکر فریاد کیاں کہ ہمارے مرداں ہمنا
فرزنداں نیں ہوتے کر کر دُسری عورتاں کرنے منگتے ہیں۔
ہماری مراد تمیں دیو۔''

اختتام:۔

''ہور اگر کوئی جاگا نیں دُکتا ہے تو سمجھنا کہ دیو ہور پری
کا دھکا ہے۔ اوسے اے تعویذ کے کردینا۔ ایک گلے
کوں بندنا ہور ایک بازو کوں بندنا۔ ہور ایک دھو کر پلانا۔
خدا کے حکم سوں فرزند ہووے گا۔''

اس کے بعد تین تعویذ درج کئے گئے ہیں۔

(۲۱۸) درالاسرار [۳۶۸]

اوراق ۶ - سطور ۱۷ -

تقطیع ۵×۹ - خط ثلث -

مصنف - مرید سلطان - زمانہ تصنیف قریب سنہ ۱۱۰۰ھ۔

کاتب - شیخ عبدالقادر - سنہ کتابت قریب سنہ ۱۲۰۰ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس کا مصنف مشہور صوفی شاعر سلطان (دیکھو مخطوطہ ۳۰۶) کا مرید تھا۔ اس نے سبب تالیف میں اپنے مرشد کا ذکر اس طرح کیا ہے: —

"بعد از اے بھائی حق کی توفیق سوں ہور اوس ہادی شاہ سلطان کی مدد سوں سالکان ہور طالبان کے واسطے اوس بقا کے موتیاں چن کر لیا یا ہوں ہور راز کے معنی کے تاگے میں پرویا ہوں - تب اس رسالے کا ناؤں درالاسرار کر رکھیا ہوں - اس رسالے تے سالکاں کوں باٹ دسے گی - ہور طالباں کوں طلب زیادہ ہووے گا۔ ہور عاشقاں کوں عشق پیدا ہوئے گا - ہور کوئی پڑنے والے ہور سننے والے خدا کی طلب میں آویں گے - ہور جو کوئی درالاسرار کوں پڑنے منگے ..... "

اس عبارت میں مصنف نے اپنی کتاب کا نام دو جگہ ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ خود اپنا نام کہیں نہیں لکھا۔

کتاب کا آغاز حمد و نعت کے مضامین سے کیا گیا ہے۔ اور پوری کتاب مسلسل بغیر کسی ذیلی سرخی کے لکھی گئی ہے - جگہ جگہ آیات قرآنی کے ذریعے سے وحدۃ الوجود اور تحقیق کائنات کے اسرار واضح کئے گئے ہیں - اور مصنف سالکوں سے ہر جگہ "اے بھائی" کے الفاظ سے مخاطب ہے - اسی رسالہ کا ایک اور نسخہ ادارے میں "در اسرار" کے نام سے موجود ہے اور اس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۷۰ میں گزر چکا ہے - اور اس کے کاتب نے اس کو خواجہ "بندہ نواز" سے منسوب کیا ہے - ان دونوں رسالوں میں عبارت اور زبان میں جو فرق ہے وہ ذیل کی عبارتوں سے بھی واضح ہو سکتا ہے -

آغاز: —

"کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اعرف فخلقت الخلق یعنے او سلطان اپنی ذات کے دریا میں چھپیا راز گنج رکھیا تھا - بقا کے موتیاں سوں بھر کر ہو کر اوس حال میں پاک - یک اوس گنج طرف نظر کیا ہور اوس موتیاں کا اوجالا دیکھ کر عاشق ہوا ہور مصلحت تجویز میں آیا جو ایسے راز کے موتی چھپا کر رکھنا خوب نہیں بلکہ عشق کے بازار میں ظاہر کرنا بھلا ہے"

اختتام: —

"یعنے اوس کا معنا اس آیت کا معما رہیا - اینال تو اگر منگتا ہے - توں پوچھے تو صاحب حال سوں پوچھ لے - ساتواں دَر اے ہے - ذلہ تعالے - موتو قبل ان تموتو - یعنے خدا کہیا مرنے کے دنگے مرنا - ہور بعضے محققاں کہتے"

عبارت ختم کئے بغیر کاتب نے یہ رسالہ نا تمام چھوڑ دیا ہے اور اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں لکھا -

یہ مخطوطہ اور اس کے علاوہ مخطوطات نمبر ۲۰۱ تا ۲۱۹ مولوی حمید اللہ حسینی بی اے کا عطیہ ہیں - یہ سب ایک ضخیم جلد میں شامل ہیں -

(۲۱۹) مرات المصلی [۳۶۹]

اوراق ۷ ۔ سطور ۱۱ ۔

تقطیع ۵" × ۹" ۔ خط ثلث ۔

زمانہ تصنیف قریب ۱۱۷۵ھ ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت قبل ۱۲۳۰ھ ۔

یہ ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جس میں حسب ذیل سرخیاں ہیں :۔

حمد، نعت، صفت اصحاب، اسباب کتاب، ایمان، ارکان ایمان، احکام ایمان، شرائط ایمان، بیان مفصل ایمان فرائض شریعت، واجبات شریعت، سنتہائے شریعت، حکمہائے شریعت، فرائض وضو، سنتہائے وضو، مستحبات وضو، شکنندۂ وضو، فرائض تیمم، فرائض غسل، واجب غسل، مستحب غسل، فریضۂ غسل، سنتہائے غسل، مسح موزہ، شکنندۂ مسح موزہ، احکام حیض و نفاس، حکمہائے نفاس حیض، فریضہ ہائے نماز، واجبات نماز، محرمات نماز، سنتہائے نماز، سنتہائے قیام ۔

آخری عنوان کے بعد اوراق غائب ہیں ۔ بحالت موجودہ اس مثنوی میں ۲۳۵ ابیات ہیں ۔ مصنف نے ابتدائے کتاب میں اپنی زبان اور وطن کی اس طرح وضاحت کی ہے :۔

یو مسلیاں کو دکھنی کیا اس سبب فہم کرکے دل میں کریں یاد سب (۱۲ ل)

سکت تے بی گزریا تو اتنا سبھی کتا ہوں یو مسلیاں کوں دکھنی سبھی (۱۲ ل)

لیکن مصنف نے اپنا نام باوجود کتاب کی باضابطہ ترتیب کے کہیں نہیں لکھا ۔ زبان ۱۱۷۵ھ کے قریبی زمانے کی ہے ۔ کتاب کے اوپر اس کا نام اس طرح لکھا ہے :۔

"ایں کتاب مرات المصلی است"

آغاز :۔

الہٰی دے توفیق انسان کوں جو بندگی کرے تیری دل جان سوں

توں پیدا کیا محض بندگی کرتیں کہ او چھوڑ پڑے ہیں گندگی کے تیں

اختتام :۔

اہیں سات سنت سو یو در قیام بھی ہیں سات دسرے رکوع میں تمام

سو تسرے ہیں سجدے منے سات یو چہارم ہے قعدے منے سات او

دربیان سنتہائے قیام گوید

اس کے بعد اس بیاض میں اوراق غائب ہیں ۔

---

(۲۲۰) بیاض قدیم [۲۷۰]

اوراق ۳۱ ۔ سطور ۱۴ کہیں ۱۰ ۔

تقطیع ۴½" × ۸" ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ مرزا، شاہی، شاہ راجو، روحی، خوشنود، وغیرہ ۔

زمانہ تصنیف ۔ قبل ۱۱۰۰ھ ۔

زمانہ کتابت قبل ۱۱۱۶ھ ۔

اس بیاض میں متعدد معروف و غیر معروف شعرائے دکن کی ۳۰ سے زیادہ نظمیں ہیں ۔ جن میں سے بعض نہایت اہم ہیں کیونکہ پہلی دفعہ اردو دنیا ان سے واقف ہو رہی ہے ۔ مرزا بیجاپوری کے مراثی ایک اور بیاض میں بھی ادارے میں موجود ہیں (دیکھو مخطوطہ ۲۱۱) لیکن اس بیاض میں اس کے مزید دس مرثیے اور سلام ہیں ۔ اور ممکن ہے کہ بعض دیگر مرثیے جو ناقص الآخر ہیں اور جن کے مقطع محفوظ نہیں ہیں وہ بھی مرزا ہی کے ہوں ۔

سید شاہ راجو حسینی (مرشد ابوالحسن قطب شاہ) اور ملک خوشنود کے مرثیے اس سے قبل کہیں دستیاب نہیں ہوئے تھے اور نہ یہ معلوم تھا کہ وہ مرثیے بھی لکھتے تھے ۔ صرف اس بیاض کی

وجہ سے ان کے اس کلام کا علم حاصل ہوا۔

علی عادل شاہی کا بھی ایک مرثیہ اس میں محفوظ ہے جو بہت اہم ہے۔ بعض مرثیہ گو مثلاً نجیبؔ، مرادؔ وغیرہ پہلی بار اردو دنیا میں اس بیاض کی وجہ سے روشناس ہو رہے ہیں۔

افسوس ہے کہ یہ بیاض نہایت ناقص حالت میں ادارے میں داخل ہوئی اور اس کا بہت سا کلام تلف ہو گیا۔

اب اس کی جملہ نظموں کی تفصیلی ترتیب بیاض کے مطابق درج کی جاتی ہے:۔

۱۔ مرثیہ مرزا۔ چار شعر ہیں۔ آخری شعر پڑھا نہیں گیا۔

مطلع۔ اے عزیزاں سب جنم زاری کرو اس غم منیں
حیف او سرور ہوا مظلوم اس عالم منیں

کاغذ کی بوسیدگی کی وجہ سے مقطع تلف ہو گیا ہے۔ بحالت موجودہ یہ شعر آخری ہے:۔

مصطفیٰ کی آل گئی اس جگ سوں ہو مظلوم حیف
ہے یہی حسرت جنم بھر اہل قرآنی منیں
(۴ ا)

۲۔ سلام مرادؔ۔ ۱۲ شعر ہیں یہ ایک غیر معروف شاعر ہے۔

آغاز۔ نبی کا کرم مرتضیٰ..... انھالے تمس پر سلام علیک

اختتام۔ فدا جیو اپس کا کیا ہے مرادؔ تمارے چرن پر سلام علیک (۳ ا)

۳۔ غزل سراجؔ۔ چار شعر ہیں جن میں سے ابتدائی پڑھے نہیں جاتے۔ مقطع یہ ہے:۔

ہے شاد اپنے پھول سے اے بلبل سراجؔ
وہ یار نو بہار ہمارا کب آوے گا (۳ ب)

۴۔ مرثیہ۔ ۱۰ شعر ہیں۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ یہ مرزا کا مرثیہ ہو۔

آغاز۔ اے عزیزاں دسیا ہے چاند عاشور
سب دلاں میں ہوا ہے لو غم پور

اختتام۔ ہے سدا غم پو دل میں .....
سرخرو ہے توں مصطفیٰ .....

۵۔ مرثیہ شاہ راجو۔ ۴۴ شعر ہیں۔ سید شاہ راجو ابوالحسن قطب شاہ کے مرشد تھے۔ اور انہی کی پیشین گوئی کے مطابق ابوالحسن کو بادشاہت ملی تھی۔ اس دور کے بعض شاعروں مثلاً طبعی نے اپنے کلام میں ان کی مدح لکھی ہے۔ لیکن اب تک یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ خود شاہ راجو بھی اردو میں شاعری کرتے تھے۔ انہوں نے زوال گولکنڈہ سے قبل غالباً ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی۔ (اولیائے دکن جلد اول۔ ص۳۴۱)۔

آغاز۔ سینا کے ماتم سوں آل حرم پر ہوا ہے قیامت سو یارب سراسر
جنھوں پیو داں تھا علی کے برج کا نبی کے درج کا سو او لعل گوہر

اختتام۔ شفاعت دے منج شاہ اپنی بقا کا ہمیشہ لگا منج ترا عشق اکبر
جم شاہ راجو حسینی یہ اپنا تری چھانوں میں رکھ شہنشاہ سرور (۵ ب)

۶۔ مرثیہ قربان علی۔ ۲۰ شعر۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض میں بھی ان کے مرثیے موجود ہیں۔ یورپ میں دکنی مخطوطات میں ان کے ایک مرثیہ کا انتخاب شائع ہو چکا ہے (دیکھو ص۶۵)

آغاز۔ کہو محب علی ہور و روشنیہ عرب ہور عجم کہاں ہے
او نور اعظم حبیب عالم او صابر درد و غم کہاں ہے

اختتام۔ ہمیشہ لیل و نہار دایم کھیا سو قربان علی ع ۲۰ ایوں
کہو محب علی ہور و رو امیر ملک بقا کہاں ہے (۶ ا)

۷۔ مرثیہ شاہی۔ علی عادل شاہ ثانی۔ ۸ شعر۔ اس بادشاہ کا ایک اور مرثیہ ادارے کی ایک دوسری بیاض میں بھی موجود ہے (دیکھو مخطوطہ ۲۱۳)

آغاز۔ دکھو چند رہی بھری..... جگت کوں دس دن درد لگایا
جدیاں تے بعضیں پر ہوا کھترا پو تدہاں تے ماتم نے سر ہلایا

اختتام۔ نبی کے گھر کا انتھا دیپک یو بدی کا بارا لگا بجھا یا
فراق دل میں لگا کے شاہی اسیچ غم سوں انجھو بہایا (۶ ب)

۸۔ مرثیہ خوشنود ۔ ۱۱ شعر۔ ملک خوشنود گولکنڈہ کا شاعر تھا جو خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم کے جہیز میں بیجاپور روانہ کیا گیا تھا۔ وہاں اس نے شاعر کی حیثیت سے عروج حاصل کیا اور ۱۰۵۶ھ میں ایک مثنوی ہشت بہشت لکھی۔ اس کا تذکرہ اردو شہ پارے ص ۹۴-۹۶ میں درج ہے۔

آغاز۔ زاری کرو عزیز و غم کا نہ ہوا ہے اس درد کا ... کا تپ .....
جم درد کی اگن سوں جلتا ہے دل نبی کا جو تھا خوشی علی کا ملک عدم ہوا ہے

اختتام۔ سارا ہیار کت ہو سب تن جلیا ہے دکھو ماتم حسینؑ کا جم تلنل کو غم ہوا ہے
اللہ مصطفےٰ کا خوشنود نے کیا ہو ماتم حسینؑ کا جم تس پر کرم ہوا ہے (۷ الف)

۹۔ مرثیہ روحی ۔ ۱۰ شعر۔ یہ حیدر آباد کے پیرزادے اور مشہور مرثیہ گو ہیں۔ ایڈنبرا کی بیاض میں پانچ اور کیمبرج کی بیاض میں ایک مرثیہ موجود ہے۔ ان کا تذکرہ اُردو شہ پارے ص ۱۵۳-۱۵۷ میں درج ہو چکا ہے۔

مقطع۔ محرم کا چندر پھر کہن ایسا ..... ہوا پیدا
محباں کے دلاں میں سب شہاں کا غم ہوا پیدا

مطلع۔ جلی قلبی میں غم بنتا سو روحیؔ میں عیاں دستا
یو ہو میرے سوں دالبنہ خفی جانم ہوا پیدا (۸ ب)

۱۰۔ مرثیہ حسنی ۔ مربع ۔ یہ ایک غیر معروف مرثیہ گو ہے۔

آغاز۔ پھر چاند کہن پر خم ہوا ...... عالم پہ کیسا غم ہوا اے شہ تیرے وتیاگ سوں
تن گال کر ایسا چندر تارے انجو کے بوند کو رتا پھرے اسمان پر آشہ تیرے وتیاگ سوں

اختتام۔ نس دیس غم کا ہاٹ ہے دو کھ درد واٹا داٹ ہے
سب عیش بارا باٹ ہے اے شہ تیرے وتیاگ سوں
حسنیؔ سو شہ کا داس ہے اے شہ تری منجہ آس ہے
غم اس کوں بارا ماس ہے اے شہ ترے وتیاگ سوں (۹ ب)

۱۱۔ مرثیہ ۔ ۱۲ شعر۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

مطلع۔ اس جگ میں بنا جب تھے کہ عاشور ہوا ہے
ہر شے کا دیکھو تب سوں جگر چور ہوا ہے

مقطع۔ مقبول تیادت کوں نبیٔ پاس اچھے او
.... سوں رنجور ہوا ہے (۱۰ الف)

۱۲۔ مرثیہ ۔ ناقص الاول ۔ ۶ شعر۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

ابتدا۔ فانی جہاں شہ چھوڑ کر دار البقا کر گئے سفر
بنت غم ہوا عالم اوپر تابوت جب لے کر چلے

اختتام۔ تابوت اٹھائے جس وقت اندکار ہوا سارا جگت
رونے لگیا عالم سگٹ تابوت جب لے کر چلے (۱۰ ب)

۱۳۔ مرثیہ مرزا ۔ ۱۱ شعر ہیں۔ مرزا کے متعلق دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۱۔

مطلع۔ حسینؑ کے غم سوں یاراں ہوا کلیجا لہو کا دھارا
کہ یو ظلمات ماتم کا کیا ہر جگ میں اندکارا

مقطع۔ کہ مرزا سوز سرور کوں رکھیا ہے جیو کے جوہر کوں
اچھے گا روز محشر کوں حسین سرور کنے پیارا (۱۱ ب)

۱۴۔ مرثیہ صادق ۔ ۳۱ شعر۔ یہ کوئی غیر معروف شاعر ہیں اس سے قبل ان کا کوئی کلام دستیاب نہیں ہوا۔

مطلع۔ حسنؑ ہور حسینؑ دو گوہر ہائے ستارے دو شمس و قمر ہائے ہائے
مقطع۔ یو صادق ترا ہے امام ناں کھیا روے یو سر بسر ہائے ہائے (۱۲ ب)

۱۵۔ مرثیہ مرزا ۔ ۱۱ شعر۔ دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۱۔

مطلع۔ آیا عاشور جگ میں سب جگ ہرا ہوا ہے
زاری کرو محباں غم کا نوا ہوا ہے

مقطع۔ جل بجھ ہوا انگیٹھی سینہ اسی فراقوں
مرزا ان کے دل میں شہ کا یو داغ گھر ہوا ہے (۱۳ ب)

۱۶۔ سلام فصیح الدین ۔ ۳ بند۔ یہ بھی کوئی غیر معروف شاعر ہیں۔ پہلی بار یہ نام اُردو ادب میں آیا ہے۔

آغاز۔ محباں جہاں کر کو اہلِ رسول — کرن ذکر میں ہوئے خاطر ملول
محبت سوں کرنا سعادت حصول — سوا آچھن پر سلامٌ علیکم
اختتام۔ نصیب الدین تجہ پر شہ کا کرم — رکھیں گے تری دو جہاں بیچ نرم
مدح میں اماموں کے ہو گرم — کہیا پنجتن پر سلامٌ علیکم (۱۵)

۱۷۔ مرثیہ مرزا۔ ناقص الاول ہے۔ اس میں ۳۰ بند ہیں۔

آغاز۔ آوے جہاں میں جب عشور — ہووے جگر اس غم تے چور
ہر شئے رہے ہے سکھ سوں دور — زاری کرو اے موناں
غم سوں ملائک تلملے — سب عرش کرسی کھلبلے
سورج دو کھوں تس دن جلے — زاری کرو اے موناں
اختتام۔ اس غم سوں مرزا کا جگر — جلتا اچھے ساری عمر
کاری زخم ہے دل اوپر — زاری کرو اے موناں

۱۸۔ مرثیہ مرزا۔ ۱۴ شعر۔

مطلع۔ محرم چاند ماتم کا جہاں میں جب یو آتا ہے
.... جگ کوں جلاتا ہے
مقطع۔ محباں غم یو کاری ہے کہ ہر ماہ محرم میں
سدا مرزا دو دل پر ہزاراں داغ کھاتا ہے (۱۸)

۱۹۔ مثنوی مناظرہ عقل و عشق۔ از معظم۔ ۸ شعر۔ یہ شاعر شاہ امین الدین اعلیٰ کا معتقد اور قادر کا شاگرد تھا۔ اس کی ایک کتاب گنج مخفی ادارے میں محفوظ ہے اور اس کا تذکرہ اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۱۲ میں گزر چکا ہے۔ اس نظم کے آخری مصرع میں اپنے استاد قادر کا ذکر کیا ہے۔ قادر کے مراثی بھی ادارے میں محفوظ ہیں۔ دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۴۔

آغاز۔ عقل کہتی علم پڑنا لکھنا سیکھ
عشق کہتا درس کا توں مانگ بھیک
عقل کہتی علم سوں تو یار ہو
عشق کہتا علم سوں بے زار ہو
اختتام۔ عقل کہتی سیکھ کچھ کیمیا گری
عشق کہتا چھوڑ کر بازی گری
عقل کہتی ابے معظم کام کر
عشق کہتا قادر سوں مل آرام کر (۱۹)

۲۰۔ مرثیہ مرزا۔ ۱۳ شعر۔

مطلع۔ یاراں یو غم کے چاک کر دل سینۂ غمناک میں
بھرتا ہے ہر شام و سحر بھر بھر نمک ہر چاک میں
مقطع۔ دل غم سوں مرزا کا جلے جوں شمع رو رونے لگے
پلکھاں سوں ڈھلاں یوں چلے جوں ہی جھڑای خاشاک میں (۲۰)

۲۱۔ رباعی گوہری۔ یہ بھی کوئی غیر معروف شاعر ہے لیکن تخلص قدیم اساتذۂ دکن کی طرح کا ہے۔

کر صاف تیرے دل کے توں آئینہ کاموں
تس موں نقش بھا دیک اپس پی کوں توں
بعد از تو اوس کوں پوچھ تیرا راز جو ر نیاز
.... دو جس راز کا سوں (۲۱)

۲۲۔ سلام۔ ۸ بند ہیں۔ ناقص الآخر ہے اس لئے شاعر کا تخلص معلوم نہ ہو سکا۔

آغاز۔ نبی کے نبی پر سلامٌ علیکم — علی کے رتن پر سلامٌ علیکم
سو خاتونؓ کے من پر سلامٌ علیکم — شہِ پاک تن پر سلامٌ علیکم
اختتام۔ ہزاراں کوں ایک تن محمد کی آل — نہایت کو جد سوں کریں او خوشحال
شجاعت سوں کرنے انتے پائمال — ہر ایک سو رن پر سلامٌ علیکم (۲۱)

۲۳۔ مرثیہ مرزا۔ ۱۲ شعر۔

آغاز۔ اے عزیزاں جگ میں یو ماتم ہنوز — حشر لگ تانا ہے شہ کا غم ہنوز
شہ کے غم سوں جگ پریشاں ہے ہنوز — زخم یو ہر دل میں پنہاں ہے ہنوز
مقطع۔ غم مرزاں کوں کہیں گے خشیں — تو حسین سر در پہ قرباں ہے ہنوز
(۲۲)

۲۴۔ مرثیہ مرزاؔ۔ ۱۵ شعر ہیں۔

آغاز۔ توں شہیدی تخت بیٹھا ہے جلوہ اے شاہ قاسم

(کاتب نے ہر جگہ غالباً ہے جلوہ کو ہجلو ہا لکھا ہے)

بن رسول کے رخت بیٹھا ہے جلوہ اے شاہ قاسم

بی بی کوں سنگار سارے جیاں مل تجے سنوارے

ہو موں آہ مارے ہے جلوہ اے شاہ قاسم

اختتام۔۔۔۔ منظر کا آیا یو جلوا مرزاؔ کو دے ہوگا دے زہرا

طبن بجا چندر سورج کا ہے جلوہ اے شاہ قاسم (۲۴)

۲۵۔ مرثیہ۔۔ ۱۲ شعر۔ مقطع کا ابتدائی مصرع تلف ہو گیا ہے اس لئے تخلص محفوظ نہیں رہا۔ غالباً مرزاؔ کا مرثیہ ہے۔

مطلع۔ لایا ہے چاند جگ میں ماتم حسینؓ کا

ہراک سینے میں آگ بھریا غم حسینؓ کا

مقطع۔۔۔۔ ۔۔۔۔ سوں اچھو شاہ اولیا

یک دم سوں مانتا ہے سدا دم حسینؓ کا (۲۵)

۲۶۔ مرثیہ شرفؔ۔ ۱۲ بند۔ یہ ایک مشہور مرثیہ گو ہے۔ اس کا اور کلام مخطوطہ نمبر ۱۱۳ میں بھی محفوظ ہے۔ اور شرفؔ کے حالات بھی اسی کے تذکرے میں درج ہیں۔

آغاز۔ السلام اے شاہ سرور السلام اے شاہ سرور

ہردم اس روح صفا پر السلام اے شاہ سرور

شاہ تخت کربلا توں صابر درد و بلا توں

نور چشم مصطفےٰ توں السلام اے شاہ سرور

اختتام۔۔۔۔ صف بصف سوں رو رو کربلا شرفؔ سوں

۔۔۔۔۔۔۔ رف سوں السلام اے شاہ سرور (۲۶)

۲۷۔ سلام مرزاؔ۔ ناقص الاول ۱۲ بند

آغاز۔ صدق سوں ہردم مدام شاہ سلامٌ علیک

ہے توں حسینِ علی شاہ سلامٌ علیک

کاملِ اکمل ولی شاہ سلامٌ علیک

اختتام۔ اے شہیدِ شبیر مز دھر توں کرم کی نظر

لطف سوں مرزاؔ اوپر شاہ سلامٌ علیک (۲۷)

۲۸۔ مرثیہ محبتؔ۔ ۱۲ شعر۔ یہ بھی کوئی معروف شاعر ہے۔

مطلع۔ یہ۔۔۔۔ غم نوکھن اوپر وھل عرش ہور منبر پڑیا

کیوں نا ہووے جگ تل اوپر او حیدر صفدر پڑیا

مقطع۔ محبتؔ بند الیس دن روتا ہے کفنی بھاگلے

نگیں ہوا ہر دو جہاں غم کا ہر یک اچھر پڑیا (۲۷ ب)

۲۹۔ مرثیہ مرزاؔ۔ ۱۲ شعر۔

مطلع۔ شہیدِ حسینؓ سرور کے پایو غم عزیزاں

دھر ونت یو داغ دل پر کرو غم جنم عزیزاں

مقطع۔ شہ کربلا پہ مرزاؔ ں دل و جاں فدا کیا ہے

مگر اس شرف سوں بخشے منجے حشر کو او سجاں (۲۸ ب)

۳۰۔ مرثیہ۔ ۱۹ شعر۔ ناقص الآخر ہے اس لئے مصنف کا پتہ نہ چل سکا۔

مطلع۔ یو محرم چاند ماتم کا تمارا یا علیؓ

ہیچیج یوں غم سوں ہوا ہاریک سارا یا علیؓ

مقطع۔ تو یو غم کرنا ہمن پر فرض ہے نت شاہ کا

ہے ہمارے دین کا روشن ستارا یا علیؓ (۳۰)

اس کے بعد چند اوراق نصف سے زیادہ پھٹے ہوئے ہیں اور دو دو تین تین شعر مختلف مرثیوں کے ان میں پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن نہ تو ابتدا ہے نہ انتہا اس لئے ان کا تذکرہ بے کار ہے۔

یہ بیاض ۱۱۱۶ھ سے قبل نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ ورق ۱۴ کی پیشانی پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس میں لکھا ہے:۔

”اللہ محمد علی ۱۱۱۶ھ“

کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

(۲۲۱) ابراہیم نامہ [۱۸۱]

اوراق ۔ ٦۴ ۔ سطور ۔ ۱۲ ۔
تقطیع ۔ ۷ ½ × ۱۳" ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف ۔ عبدل بیجاپوری ۔ سنہ تصنیف ۱۰۱۲ ھ
کاتب ۔ سید محی الدین قادری زور ۔ سنہ کتابت ۱۳۵۵ ھ ۔

یہ تقریباً سات سو پچاس ابیات کی قدیم دکنی مثنوی ہے جس میں بیجاپور کے ایک شاعر عبدل نے ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کے حالات قلمبند کئے ہیں ۔ یہ ایک نادر مثنوی ہے اور اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ راجۂ اونڈہ میں محفوظ ہے اور ایک نسخہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں اور موخر الذکر نسخے ہی سے راقم الحروف نے یہ مخطوطہ بغرض اشاعت نقل کیا تھا لیکن اب تک یہ کتاب شایع نہ ہوسکی اس لئے اس کی نسبت ذیل میں تفصیلی وضاحت درج ہے ۔

اس نسخے میں مشکل اور غیر معروف الفاظ کے نیچے ان کے معانی درج کئے گئے ہیں اور اس کو بغرض طباعت مرتب کیا گیا ہے یہ نقل صفحہ بہ صفحہ بلکہ سطر بہ سطر کی گئی ہے تاکہ اصل مخطوطہ کی ترتیب اور اوراق کا حوالہ محفوظ رہے ۔

یہ مثنوی حمد، نعت، مدح یاران رسول، تعریف مرشد سید محمد گیسو دراز، اور تعریف حضرت استاد شاہ عالم پناہ ابراہیم عادلشاہ کے عنوانات سے شروع کی گئی ہے ۔ اس کے بعد سبب تالیف کے طور پر ابراہیم عادل شاہ کی نصیحت بہ عنوان

"پند فرمودن حضرت استاد درباب شعر"

لکھی ہے اور اس سے قبل کی ابیات میں لکھتا ہے کہ میرے استاد بادشاہ نے مجھ کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ نئے مضمون کی ایک ایسی کتاب لکھ کہ جس کا جواب کسی سے نہ بن پڑے ۔ دنیا میں شعر کے سوا تیری کوئی اور یادگار باقی نہ رہے گی ۔ چنانچہ اسی لئے خود بادشاہ نے بھی بطور یادگار ۔ جو کلام (غالباً نورس نامہ کی طرف اشارہ ہے) قلمبند کیا ہے اس کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ یہ حکم سن کر شاعر نے "شاہ استاد" جگت گرو سے پوچھا کہ کس زبان میں کہوں کیونکہ میں سوائے زبان ہندوی اور دہلوی کے کوئی اور زبان مثلاً عرب یا عجم کی زبان نہیں جانتا ۔ اس استفسار پر بادشاہ نے جواب دیا کہ جس زبان میں چاہے کہہ ۔ فن شعر کی خوبیاں اور عشق کے اسرار تو ہر زبان میں یکساں طرح نمایاں رہتے ہیں ۔ اور پرکھنے والے جوہر کو خواہ وہ کسی رنگ یا روپ میں ہو پرکھ ہی لیتے ہیں ۔ کمال خواہ کسی زبان میں ہو اپنی قدر ضرور کرا لیتا ہے ۔ اس حصۂ کتاب سے چند منتخب شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں :—

اوہی شاہ استاد کر سو نظر	بلایا جو عبدل کوں سر ہاتھ دھر
نوی بات مضمون کر اک کتاب	نہ کوئی کر گو نہ دیا ہے تس کا جواب
نہ باقی رہے کچھ تو عالم نشان	اگر کچھ رہے تو یہ شعر جان
سو یوں بچن سن شاہ استاد تاں	پوچھیا جگت گرو شعر کہہ کس زباں
زباں ہندوی مجھ سوں ہور دہلوی	نہ جانوں عرب ہور عجم مثنوی
کہیا شاہ استاد عبدل سو یوں	توں ہر اک زباں کر شعر بات کوں
فن شعر سب ملک میں ایک دھات	عشق ایک پرگٹ جیسیں روپ نات

وغیرہ (ورق ۹)

اسی طرح متعدد ابیات لکھ کر دو اور عنوانات ۱ ۔ درتعریف سخن و الفاظ شعر گفتن ۔ ۲ ۔ در تعریف قلم کاغذ و حرفاں) قائم کئے گئے ہیں جن کے بعد اصل مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے :—

ابتدائے کتاب ابراہیم نامہ در مدح حضرت شاہ عالم پناہ

کروں ابتدا شہ براہیم نام	کہ جس صفت عالم بھریا ہے تمام
سرگ مرت پاتال ہر یک دھرا	رہیا روپ سرور ہو عالم بھرا (۱۳)

اس طرح ۵۵ ابیات لکھی ہیں جن کے بعد دوسرا عنوان شروع ہوا ہے ۔

س کتاب میں حسب ذیل عنوانات پر شاعر نے معلومات فراہم کئے ہیں۔
۱۔ تعریف سخاوت بادشاہ (۱۸) ۲۔ شہر بیجاپور (۲۰)
۳۔ خرابہ وحصار و محل (۲۰) ۴۔ صفت ماہران رقص و موسیقی (۲۴)
۵۔ تعریف دربار بادشاہ (۲۶) ۶۔ نورس محل بادشاہ (۲۸)
۷۔ مجلس شاہ عالم پناہ (۳۱) اس کے تحت کئی ذیلی سرخیاں ہیں۔
۸۔ شکار و ہیبت لشکر (۳۶) ۹۔ تعریف فیلان بادشاہ (۳۸)
۱۰۔ تعریف اسپان بادشاہ (۴۰) ۱۱۔ سلحداران بادشاہ (۴۲)
۱۲۔ مجلس باغ جہاں پناہ (۴۴) ۱۳۔ ہنگام بہار (۴۵) اس کے تحت بھی کئی سرخیاں ہیں۔ ۱۴۔ میزبانی سالگرہ (۵۲) اس کے تحت بھی کئی سرخیاں ہیں۔ ۱۵۔ تواریخ ختم کتاب۔

اس مثنوی کی تاریخی اہمیت اس کی ادبی اور لسانی اہمیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں شاعر نے دکن کے ایک جلیل القدر حکمران ابراہیم عادل شاہ ثانی کی خانگی زندگی کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ وہ خدمت ہے جو مورخوں کے بس کی بات نہ تھی۔

اس کتاب کے مصنف کی نسبت زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اس کا تخلص عبدل تھا جو کتاب میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اور ایک جگہ اس نے اپنا پورا نام عبدالکیتی لکھا ہے جو شاید عبدالغنی ہو۔ یہ نام آخری عنوان کی پہلی ہی بیت میں اس طرح درج ہے:—

وعبدالکیتی صفت کرشہ بیاں رہے ہے سو بھر کر زمین آسماں

عبدل خواجہ بندہ نوازؒ کے خاندان میں مرید تھا۔ اور خلفائے راشدین کی مدح کے بعد خواجہ صاحب کی خاص طور پر تعریف لکھی ہے جس کے آخر میں دعا کرتا ہے کہ میرے اشعار میں خوبی پیدا کر اور ان کو شرف قبولیت عطا ہو۔

مرشد کی مدح کے بعد اپنے استاد یعنے جگت گرو نورس شاہ کی مدح لکھی ہے اور خود کو کئی بار بادشاہ کا خاص شاگرد بیان کیا ہے۔ تاریخ تصنیف کتاب کی آخری ابیات میں درج ہے۔

آغاز۔ الٰہی زباں گنج توں کھول منجہ اسولک بہاکر جکو جیہ بول منجہ
کہوں باسم اول تو اللہ لائے گئے سو کہہ کھلے جیب پکڑے اولائے

اختتام۔ بچن پھول گوندیا براہیم نام کیا سہس پر برس بارہ تمام ۱۰۱۲
خدایا تو عبدل بچن پھول کر بحضور عارفاں چیت سو مقبول کر

ترقیمہ:—

"۱۳۵۵ھ میں نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے مخطوطے سے یہ کتاب نقل کی گئی۔ سید محی الدین قادری زورؔ۔
رمضان ۱۳۵۵ھ"

راقم نے اس کو ادارے میں بطور عطیہ محفوظ کر دیا ہے۔

---

(۲۲۲) کلیات محمد قلی قطب شاہ [۱۸۲]

اوراق ۴۰۶۔ سطور کہیں ۳۵ اور کہیں ۱۷۔
تقطیع ۸″ × ۱۳″۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ محمد قلی قطب شاہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۰۲۰ھ
کاتب۔ سید محی الدین قادری زورؔ۔ سنہ کتابت ۱۳۵۳ھ۔

یہ سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) بانی حیدرآباد کا کلیات ہے جو نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے تین مختلف نسخوں کو ملا کر ایک جگہ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ تینوں نسخے خود محمد قلی قطب شاہ اور اس کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ کے عہد کے مکتوبہ ہیں۔ اس کلیات کے نسخے کسی اور کتب خانہ میں موجود نہیں ہیں۔ اور یہ مسودہ راقم الحروف نے بغرض اشاعت مرتب کیا تھا۔ چنانچہ یہ کلیات ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ اور اس بادشاہ

کے سوانح حیات بھی ایک علحدہ کتاب ("حیات محمد قلی قطب شاہ") میں راقم الحروف نے قلمبند کرکے شائع کردئے ہیں اس لئے یہاں زیر نظر مخطوطے کی مختصر سی وضاحت درج ہے۔

اس نسخے میں ابتدائی ۱۸۵ اوراق میں بادشاہ کا دیوان غزلیات درج ہے۔ اور اس کے بعد اس کی حسب ذیل موضوعوں کی نظمیں شامل ہیں۔

۱۔ حمد (۱۸۶) ۲۔ نعت (۱۸۹) ۳۔ منقبت (۱۹۳)
۴۔ مدح حضرت فاطمہؓ (۱۹۰) ۵۔ شاعر کا مذہب (۱۹۸) ۶۔ میلاد نبیؐ (۱۹۹)
۷۔ بعثت نبیؐ (۲۰۴) ۸۔ شب معراج (۲۰۹) ۹۔ عید سورہ (۲۱۰)
۱۰۔ عید مولود علیؑ (۲۱۵) ۱۱۔ عید غدیر (۲۲۰) ۱۲۔ شب برات (۲۲۹)
۱۳۔ عید رمضان (۲۳۳) ۱۴۔ بقر عید (۲۳۱) ۱۵۔ عید نوروز (۲۴۹)
۱۶۔ بسنت (۲۵۱) ۱۷۔ دوسری عیدیں (۲۵۴) ۱۸۔ سالگرہ (۲۵۷)
۱۹۔ جلوہ اور دیگر رسوم (۲۶۵) ۲۰۔ لوازمات شاہی (۲۷۳) ۲۱۔ کھیل (۲۷۹)
۲۲۔ برسات اور رنگی بہاریں (۲۸۱) ۲۳۔ محلات شاہی (۲۹۱) ۲۴۔ بارہ پیاریاں (۲۹۶)
۲۵۔ دوسری پیاریاں (۳۳۰) ۲۶ مختلف نظمیں (۳۴۳) ۲۷۔ قصائد (۳۸۶)
۲۸۔ رباعیات (۳۹۵) ۲۹۔ ریختی (۴۰۵)

اس نسخے میں جملہ مشکل اور غیر مانوس الفاظ کے نیچے معنی لکھ دئے گئے ہیں اور ہر غزل یا نظم کے بعد اس نسخہ کا حوالہ درج ہے جس سے وہ نقل کی گئی ہے۔

آغاز:۔

دلا منگ خدا کن کہ خدا کام دیوے گا
تمن من کے مراداں کے بھرے جام دیوے گا
خوارج کی اگن قہر کے پانی سوں بوجھا گا
براہیم تمن مجھ کوں سکھ آرام دیوے گا

اختتام:۔

موسر بھرنہ رکھو سار دو فی کا ہت کہ چوری چھری تم سوں بولی ہی چاڑی
نبی بوج سوں قطب پیاری ملی کرتم ہم کوں کیا بوجھتی او گنواری

ترقیمہ:۔

"۱۳۵۵ھ میں نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے مختلف قلمی نسخوں سے نقل کیا۔ سید محی الدین قادری زورؔ"

یہ کلیات راقم الحروف نے بعد نقل ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کردیا ہے۔

---

(۲۲۳) پھولبن [۱۸۰]

اوراق۔ ۱۶۲۔ سطور کہیں ۱۲ اور کہیں ۱۴۔
تقطیع۔ ½۸" × ۱۳"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ ابن نشاطی۔ سنہ تصنیف۔ ۱۰۶۶ھ۔
کاتب۔ عبدالقادر سروری۔ سنہ کتابت ۱۳۵۵ھ۔

ابن نشاطی کی اس مثنوی کا ایک اور نسخہ ادارے میں محفوظ ہے۔ اور اس کا تذکرہ اس فہرست کے صفحہ ۴۹ پر (نسخہ نمبر ۴۲) گزر چکا ہے۔ یہ نسخہ اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں کاتب نے جملہ مشکل اور نامانوس الفاظ کے معنی لکھ دئے ہیں اور اس کو حسب ذیل پانچ نسخوں کے مقابلہ کے بعد خاص طور پر بغرض اشاعت مرتب کیا ہے (۱) نسخہ کتب خانہ آصفیہ مورخہ ۱۱۹۳ھ (۲) نسخہ کتب خانہ آغا حیدر حسن صاحب (۳) نسخہ نواب سالار جنگ بہادر مورخہ ۱۱۷۶ھ (۴ و ۵) نسخہ دوم وسوم نواب سالار جنگ بہادر۔ پروفیسر سروری کا مرتبہ یہ نسخہ ۱۳۵۶ھ میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

اس نسخے کے ابتدائی ۹ اوراق سروری صاحب کے مقدمہ کے مسودے پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد ورق ۱۰ سے اصل مثنوی شروع ہوتی ہے۔ اصل مثنوی کا آغاز و اختتام یہ ہے۔

آغاز:۔

اول ہیں حمد رب العالمیں کا دل و جاں سوں کہوں جاں آفریں کا
خداوندا تجے ہے جم خدائی ہمیشہ تجکوں ساجے کبریائی!

اختتام :-

کریں گے جو ہراوا پولبن سیر   کہو یکبارگی کرعاقبت خیر
کیا میں ختم خاتم کے کرم سوں   محمد مصطفےٰ مولی العجم سوں

ترقیمہ :-

"ختم مقابلہ از نسخہ ۵ (جدید تر) از کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر
بالقابہ مورخہ ۲۵ فروردی ۱۳۴۷ف"

پروفیسر سروری نے یہ نسخہ ادارے کے کتب خانہ میں بعد تکمیل بطور عطیہ داخل کیا ہے -

(۲۲۴) تاریخ ہندستان [۶۵]

اوراق ۱۸۰ - سطور ۱۵ -
تقطیع ۵½ × ۹ - خط نستعلیق - عنوانات سرخی میں -
زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۶ھ -
زمانۂ کتابت " " -

یہ اردو نثر میں ایک ضخیم (۳۶۰ صفحات کی) تاریخ ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - لیکن کتاب کے مختلف اختتامی حصص سے سنہ تالیف کا اندازہ ہو سکتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مولف نے ۱۱۹۵ھ کے بعد ہی اس کی تالیف ختم کردی - راقم نے پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی صدر شعبۂ تاریخ جامعۂ عثمانیہ کو یہ کتاب بغرض تحقیق حال دکھلائی اور انہوں نے اس کے متعلق جو رائے تحریر فرمائی ہے (اور جو اس کتاب میں چسپاں کردی گئی ہے) اس کا اقتباس یہ ہے -

"یہ در اصل فارسی کتاب ملخص التواریخ سے ماخوذ ہے جسے فرزند علی الحسینی ساکن مونگھیر نے ۱۱۵۳ھ میں تالیف کیا تھا - بعض حصے تو ملخص التواریخ کا ہو بہو ترجمہ ہیں اور اکثر عنوانات تقریباً وہی ہیں - زیر نظر تاریخ میں ۱۱۶۶ھ تک کے واقعات دیئے ہوئے ہیں اس لئے اس میں چند بیانات مستزاد ہیں - کتاب کے نام یا مولف کا پتہ نہیں چلا - نہ یہ معلوم ہوا کہ کہاں لکھی گئی - لیکن زبان شمالی ہے دکھنی نہیں - بعض جگہ حاشیہ پر عیسوی سنہ بھی درج ہے جیسے خود محرر نے ہجری سنہ کی مطابقت میں لکھ دیا ہے"

اس مخطوطے کا آغاز اس عنوان سے ہوتا ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اوپر پہلے ورق کی پیشانی پر سرخ روشنائی میں درج ہے -

"ذکر امیر تیمور گورگان صاحبقران"

تیمور کے بعد اس کے فرزندوں اور اولاد کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے جو ورق ۱۰ کے ختم تک جاری ہے -

یہاں سے شیر شاہ افغان کا ذکر شروع کیا ہے جو نہایت تفصیل سے گیارہ صفحات میں لکھا ہے - ورق ۱۵ ب سے ہمایوں کی کامیاب واپسی اور رحلت کا بیان شروع ہوتا ہے - اور اس سلسلہ میں اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، اورنگ زیب اور بہادر شاہ کے حالات صفحہ ۲۴ تک لکھے ہیں -

شاہ عالم بہادر شاہ کے جانشینوں اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں کا تذکرہ ورق ۴۳ ب تک درج ہے جہاں سے سکھوں اور ان کے سرگروہ کا حال شروع کیا ہے جو ورق ۴۸ ب پر ختم ہوتا ہے -

دکن اور عظیم آباد کے حالات لکھنے کے بعد مولف نے بادشاہ فرخ سیر اور سادات بارہہ کی کشمکش کا ذکر ورق ۵۲ سے شروع کیا ہے - اس کے بعد دہلی کی طوائف الملوکی اور مرہٹوں کے عروج اور پھر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا تفصیلی بیان ہے -

ورق ۹۳ سے احمد شاہ بادشاہ کا ذکر درج ہے جس کے سلسلہ میں بعض امرائے سلطنت مثلاً امیر خاں عمدۃ الملک، قمر الدین خاں اور نظام الملک آصف جاہ کے خاندانی و ابتدائی حالات (ورق ۹۷ تک) قلمبند کئے ہیں -

ورق ۱۰۵ تک آصف جاہ اور ان کے فرزند ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ کی خانہ جنگیاں بیان کی گئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس ورق کے بعد ہی اس نسخے میں کئی اوراق غائب ہیں۔ چنانچہ ورق ۱۰۶ پر بنگال اور سراج الدولہ کے واقعات درج ہیں۔ اور یہ سلسلہ ورق ۱۱۰ ب تک جاری ہے۔

اس تاریخ کے آخری حصہ میں سکھوں، مرہٹوں، حیدرآباد، میسور، لکھنؤ، بنگالہ، اور دہلی کے وہ حالات درج ہیں جو انگریزوں کے اثر و اقتدار کو ہندستان میں بڑھانے کا باعث ہوئے۔ مورخ ہر ملک و قوم کے حالات نہایت بے تعصبی سے لکھتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض اوراق درمیان سے غائب ہیں اور بعض جلد بندی کے وقت بے ترتیب آگے پیچھے ہوگئے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف نے اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ کے مذہب، سادات بارہہ کے واقعات اور محمد امین خاں وزیر کا ذکر جس اسلوب سے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شیعی المذہب تھا۔

یہ کتاب ۱۱۹۶ھ میں تالیف ہوئی ہے۔ اس کے ثبوت اس طرح فراہم ہوتے ہیں کہ مختلف مقامات اور گروہوں کے جو واقعات اس میں درج ہیں وہ ۱۱۹۵ھ تک بیان کر کے سلسلہ کو ختم کردیا گیا اور نیا بیان شروع کیا گیا ہے مثلاً

(۱) ورق ۶۱ ب سے بعنوان "ایک نئے مذہب کا پھیلنا" فرقہ لودوں اور نمودوں کی جس مذہبی تحریک کی تاریخ بیان کی ہے اس کو (ورق ۶۳ ب پر) اس عبارت پر ختم کرتا ہے:—

"صرف ایک شخص نما نمود بار اپنی عورتوں سمیت ۱۱۹۴ھ میں مرشدآباد میں موجود تھا اور وہاں کے امیروں کی مدد سے اپنی اوقات بسر کرتا تھا"

(۲) ورق ۱۱۰ پر سراج الدولہ کے خاتمہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:—

"گورنر بہادر نے ۱۱۹۵ھ ہجری میں رجب کے مہینے کلکتے سے کوچ کیا"

یہی عبارت اور چند سطروں تک جاری رکھ کر ۲۳ رجب تک کا حال لکھ کر ختم کردیا ہے اور نئی سرخی "نواب فخرالدولہ کا حال" قائم کی ہے۔

(۳) احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سکھوں کے حالات بھی ۱۱۹۵ھ تک ہی لکھے ہیں اور یہ بیان ورق ۱۲۹ ب پر اس طرح ختم کیا ہے:—

"۱۱۹۵ھ ہجری میں مرزا نجف خاں امیرالامرا کی فوج لاہور کے قریب تک پہونچی اور بہت سی لڑائیاں ہوکر غالب ہوئی"

اس کے بعد ہی نئی سرخی مرہٹوں سے متعلق قائم کی ہے جو یہ ہے:—

"مرہٹے کا حال اور اون کی اصل بنیاد کا ذکر اور اون کے اقتدار کے اسباب کا مجمل بیان"

(۴) انگریزوں اور حیدر علی والی میسور کی لڑائیوں کا حال بھی رمضان ۱۱۹۴ھ تک لکھا ہے۔ چنانچہ ورق ۱۶۸ پر لکھا ہے:—

"جرنیل کوٹ تین چار پلٹن لے کر رمضان کے مہینے ۱۱۹۴ھ ہجری میں جہاز پر سوار ہو کے مدراج کو روانہ ہوا"

یہ بیان اس واقعہ پر ختم کیا ہے:—

"حیدر نائک ہی کی فوج غالب ہوئی۔ غرض کہ وہ مدراج کے قلعے سے باہر سارے صوبہ ارکاٹ پر غالب ہوگیا" (۱۶۸ ب)

آغاز:—

"تیمور بادشاہ جس کے خاندان کی سلطنت ہندوستان میں چار سو برس کے قریب رہی اس کا حال یوں بیان کرتے ہیں"

اختتام:—

"نادر شاہ کی طرف کے قزلباش صمصام الدولہ اور امیرالامرا پر دوڑ کر لوٹ مار کرنے لگے۔ پانچ چھے گھڑی کے عرصے میں"

لیکن یہ اختتامی عبارت دراصل کسی درمیانی ورق کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں خود نادرشاہ کی وفات اور احمدشاہ ابدالی کے جملہ حملوں کا ذکر آچکا ہے۔ میرے اصل میں ورق ۷۸ کی مکرر عبارت ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ اصل کتاب کس عبارت پر ختم ہوتی ہے۔

کوئی ترقیمہ نہیں ہے اور نہ کاتب و مقام کتابت کا پتہ چل سکا۔

(۲۲۵) ترجمہ شرح چغمنی [۱۵۴]

اوراق ۱۸۹۔ سطور ۱۰۔

تقطیع۔ ۶" × ۸½"۔ خط نستعلیق —— عنوانات سرخی میں۔
متعدد رنگین نقشے بھی شامل ہیں۔

مولف۔ شاہ علی متوطن ادھونی۔ سنہ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ۔

کاتب۔ غالباً مصنف۔ سنہ کتابت " " (؟)

علم ہیئت کی مشہور فارسی کتاب شرح چغمنی کا یہ ایک آزاد اردو ترجمہ ہے جس کو شاہ علی متوطن ادھونی نے نواب شمس الامرا کی سرپرستی میں ۱۲۵۰ھ کے قریبی زمانہ میں مرتب کیا۔ مترجم نے اپنا اور کتاب کا نام دیباچہ میں اس طرح لکھا ہے:۔

"اس ذرۂ بےمقدار شاہ علی متوطن ادھونی نے مشہور شرح چغمنی کو کہ جس کی عبارت کی دقت اور معانی کی نزاکت باریک بینانِ نازک خیال پر ظاہر و باہر ہے زبان ہندی میں بہ عبارت سلیس و صاف ترجمہ کرکے اوس مہر منیر (شمس الامرا) کی رائے روشن سے مسائل اصل میں تقدیم و تاخیر کی اور مسئلہ ضعیف کی قوی سے تبدیل"

اس سے قبل مصنف نے مادری زبان میں تعلیم و تدریس کے فوائد بیان کئے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں لکھتا ہے:۔

"دانایانِ روزگار اور عاقلانِ تجربہ کار پر پوشیدہ نہیں کہ جس قوم میں زبان مروج سے جو فن تحریر و ترقیم پاتا ہے صاحب زبان نہایت آسانی کے ساتھ اوس فن کا فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ بہ نسبت دوسری زبان کے مدت قلیل میں حاصل اور کمال ہوتا ہے۔ کیونکہ جو مدت وہاں معرفت الفاظ میں جاتی ہے یہاں وہ تحصیل معانی میں کام آتی ہے"

اس کے بعد نواب شمس الامرا کے مساعی کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے کس طرح ذاتی توجہ سے فنون ریاضی اور علوم طبیعی کو یوروپین زبانوں سے اردو و فارسی میں منتقل کیا۔ اور اس سلسلہ میں رغبت دلائی ہے کہ ہمیں بھی ان کے اس فیض کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نواب شمس الامرا نے اس قسم کی جو کتابیں چھپوائی ہیں ان میں سے حسب ذیل ادارے میں موجود ہیں۔

(۱) اصول علم حساب۔ مطبوعہ ۱۲۵۲ھ۔ صفحات ۷۸+۱۰

(۲) علم جرثقیل (ستۂ شمسیہ جلد اول) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۲۸۴+۴
مترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۳ھ۔

(۳) منتخب البصر (دوربنا) مطبوعہ ۱۲۵۷ھ۔ صفحات ۲۱۳+۱۳
مولفہ رتن لعل ولد چھنیا لعل مولفہ ۱۲۵۳ھ۔

(۴) علم آب (ستۂ شمسیہ جلد سوم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۳۱۲+۱۰
مترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۴ھ

(۵) علم ہوا (ستۂ شمسیہ جلد چہارم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۳۳۵+۸
ترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۴ھ۔

(۶) علم مناظر (ستۂ شمسیہ جلد پنجم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۲۷۸+۸
ترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۵ھ۔

(۷) علم برقک (ستۂ شمسیہ جلد ششم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۲۳۴+۸
ترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۵ھ۔

نوٹ - اس ایڈیشن کا ایک رسالہ علم ہیئت (ستہ شمسیہ جلد دوم)
ادارے میں موجود نہیں ہے ۔

(۸) رسالہ علم داخال کرے کے بیان میں - مطبوعہ ۱۲۵۷ھ - صفحات ۳۶۸ ۔
مترجمہ رتن لال - مشر جوزہ سنہ تالیف ۱۲۵۵ھ -

(۹) تعلیم الصبیان - مطبوعہ ۱۲۷۲ھ - صفحات ۲۲۹ ۔
مرتب کا نام درج نہیں سنہ تالیف قبل ۱۲۶۳ھ -

(۱۰) فوائد الصبیان - مطبوعہ ۱۲۷۳ھ - صفحات ۱۸۴ ۔
مرتب کا نام درج نہیں سنہ تالیف ۱۲۷۳ھ

نوٹ اوپر کے جملہ رسائل شمس الامرا کے سنگی چھاپہ خانے کے
مطبوعہ ہیں - ذیل کے رسائل جو دراصل ستہ شمسیہ کی چھٹی جلدیں ہیں ذرا
بڑی تقطیع (رائل) پر مطبع اسلامیہ مدراس میں ۱۲۷۳ھ و ۱۲۷۴ھ
میں چھپے ہیں ۔

(۱۱) علم جر ثقیل ۹۸ صفحات (۱۲) علم ہیئت ۱۳۳ صفحات
(۱۳) علم آب ۱۱۲ " (۱۴) علم ہوا ۱۱۷ "
(۱۵) علم انظار ۱۰۰ " (۱۶) علم برنگ ۱۲۴ "

شمس الامرا کے حسب ذیل فارسی مطبوعہ رسائل بھی ادارے
میں موجود ہیں ۔

(۱۷) شمس الہندسہ (مطبع شمس الامرا) مطبوعہ ۱۲۵۱ھ - صفحات ۲۵۵
مولفہ نواب فخر الدین خاں سنہ تصنیف ۱۲۴۱ھ -

(۱۸) رفیع الصنعت (مطبع جامع الاخبار مدراس) مطبوعہ ۱۲۶۹ھ صفحات ۱۳+۲۵۱ -
مولفہ نواب رفیع الدین خاں سنہ تصنیف ۱۲۶۹ھ -

یہ سب مطبوعات اب نایاب ہیں اور ان کے علاوہ بھی متعدد کتابیں
مثلاً فیض جاری وغیرہ نواب شمس الامرا نے چھپوائی تھیں لیکن یہ معلوم
نہ ہو سکا کہ ادارے کا زیر نسخہ "شرح چغمنی" زیور طبع سے آراستہ
ہوا تھا یا نہیں ۔

یہ نسخہ غالباً خود مصنف کا مکتوبہ ہے کیونکہ اس میں جگہ جگہ
حاشیہ پر اصلاحیں، تشریحیں، اور اضافے درج ہیں - تعجب ہے کہ
آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔

یہ کتاب بالکل اسی تدریسی طرز پر لکھی گئی ہے جو شمس الامرا کی
دوسری مطبوعات کے لئے استعمال کیا گیا ہے - یعنے شاگرد کے سوالات
اور استاد کے جوابات - درمیان میں نہایت اچھے رنگین نقشے بھی
مضامین کی وضاحت کے لئے اتارے گئے ہیں ۔

آغاز :-

"سبحان اللہ کہ جس کی قدرت کا ذرا سا نمونہ یہ ہے کہ اجرام علویہ
اور اجسام سفلیہ کو عدم سے وجود میں لایا اور ان کے فعل و انفعال
سے انواع و اقسام کے مصنوع ایک سے ایک بہتر سطح زمین پر بنایا"

اختتام :-

"اون کے نزدیک سال قمریہ اصطلاحیہ اور شمسیہ حقیقیہ میں تفاوت
دس یوم گیارہ ساعت بارہ دقیقے ہے اور موافق ثبانی دس یوم
گیارہ ساعت کسر کے کم یعنے ایک دقیقہ تین خمس دقایق ساعت
سے اور موافق بطلیموس دس یوم گیارہ ساعت تین خمس خمس ساعت ہے"

اس کے بعد حسب ذیل سرخیاں قائم کرکے فارسی عبارتیں لکھی گئی ہیں ۔

۱ - "ترکیب بر آوردن روز ماہ نو"
۲ - "حساب دانستن قمر کہ در کدام برج است"
۳ - "حساب قمر در عقرب"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے - سرورق پر ان کے دستخط
"عنایت جنگ ۱۳۴۲ھ" ثبت ہیں ۔

(۲۲۶) تفسیر سورۂ اذا جاء [۱۷۱]

اوراق ۴۴ - سطور ۱۳ -

تقطیع - ۸/۵ × ۸ - خط نستعلیق شکستہ -

عنوانات - سرخی میں - زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ -

کاتب - امین الدین - سنہ کتابت - ۱۲۰۶ھ -

یہ بظاہر سورۂ نصر (اذا جاء) کی قدیم اردو نثر میں ایک تفسیر ہے لیکن دراصل مصنف کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور رسالت پناہ کے حالات وفات قلمبند کئے جائیں - کتاب کے سرورق کی پیشانی پر سرخی میں لکھا ہے :-

"سورۃ النصر مدینۃ وھی ثلث آیۃ"

اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ قرآن شریف کی کسی مکمل تفسیر کا حصہ ہے - لیکن رسالہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بجائے خود ایک کتاب ہے - اور اس کا مصنف کوئی دکھنی عالم ہے جس نے قرآن اور حدیث کا گہرا مطالعہ کیا ہے - اور جس کو لکھنے کی بھی اچھی مہارت حاصل ہے - مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - لیکن یہ رسالہ دکھنی کتابوں میں خاص اہمیت رکھتا ہے - اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ دکھنی مفسروں نے قرآن شریف کی تفسیریں کس شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہیں -

۱۹۳۷ء میں سٹی کالج میں یوم ولی کی تقریب میں دکنی مخطوطات کی جو نمائش کی گئی تھی اس میں ضخیم دکنی تفسیریں بھی شامل تھیں - کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں کامل شاہ دکنی کی ایک تفسیر ہندی کا قلمی نسخہ موجود ہے جو ۱۱۷۲ھ کا مکتوبہ ہے -

ادارے کا زیر نسخہ سنہ کتابت کے لحاظ سے قدیم ہے اور زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے اوائل بارھویں صدی ہجری کی تالیف معلوم ہوتا ہے -

اس کتاب میں ابتدائی ۳ صفحات میں سورۂ اذا جاء کی تفسیر لکھی ہے جو اس عبارت پر ختم ہوتی ہے :-

"ہے توبہ کرنے ہارا مغفرت چاہنے والوں سے"

اس کے ساتھ ہی اس آیت کا محل وقوع اور آنحضرتؐ کی وفات کے واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا ہے جس کے پہلے جملے یہ ہیں :-

"جس وقت کہ یہ سورہ نازل ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سن کر روئے - حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پوچھے کہ اے عباس تم کس واسطے روتے ہو - حضرت عباس عرض کئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم اس کے نازل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تئیں دنیا سے سفر کرنے کا حکم ہوا ہے۔"

اس کے بعد مختلف احادیث اور روایات کی شہادتوں سے آنحضرت کے آخری زمانے کی مصروفیات اور وصیتیں تفصیل سے بیان کی ہیں - یہ سلسلہ ۳۲ صفحات تک جاری رہتا ہے - اور ورق ۱۶ ب کے آخر میں ایک نیا عنوان "احوال قرب وصال" قائم کر کے آنحضرتؐ کی وفات کے حالات بھی نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں - آخر کتاب میں تفسیر دُرج الدُرر اور تفسیر بیضاوی سے سورۂ اذا جاء کے فوائد اور اس کے پڑھنے کے ثواب بیان کئے گئے ہیں -

آغاز :-

پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کے بھیجنے میں خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ مکارم اخلاق کو تمام کرنا اور بناء کلمۂ توحید کی مضبوط کرنا - اور دین اسلام کو ظاہر کرنا اور خلایق کو ہدایت کرنا جس وقت کہ یہ امور بوجہ احسن تمام ہوئے تو خدا تعالیٰ اپنے رسول صلعم پر یہ آیت نازل کیا۔"

اختتام :-

" اور جو شخص کہ سورت کے تئیں خواب میں پڑھا تو خدا تعالیٰ اوس کو دشمنوں پر فتح دے گا اور تمام مشکلات اوس کے

حل ہوئیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خواب دلالت کرتا ہے

موت کے نزدیک ہونے پر فقط"

ترقیمہ:—

تمام شد تفسیر سورۂ اذا جاء بخط بے ربط بندۂ سرافگندہ

عاصی خاکسار کمترین امین الدین بتاریخ بست نہم ذی الحجہ [۱۹]

۱۲۳۰ھ - برائے خاطر حافظ منصب علی صاحب تحریر یافت"

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی صفوی رفیق

ادارہ کا عطیہ ہے۔ اس جلد میں میرحسن کی مثنوی سحرالبیان

(مکتوبہ ۱۲۳۹ھ) شیخ سعدیؒ کی گلستان (مکتوبہ ۱۲۶۱ھ)

انشائے تسکین (جس کو غفور علی تسکین نے تعلقہ اڈاور سرکار

گلشن آباد میدک میں ۱۲۳۵ھ میں مرتب کیا) اور دعائے سریانی

(عربی و فارسی) کے قلمی نسخے بھی محفوظ ہیں۔

آغاز:—

کروں پہلے توحید یزداں رقم جھکا جس کے سجدے میں اول قلم

سرلوح پہ رکھ بیاض جبیں کہا دوسرا کوئی ایسا نہیں!

اختتام:—

سنی جب کہ تاریخ یہ مثنوی تو مخطوط ہو فکر تاریخ کی

یہ مصرع پڑھا دل نے باوکر فرح ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

ترقیمہ:—

"تمت تمام شد کتاب مثنوی میرحسن بتاریخ پانزدہم [۱۵]

شہر ذیحجہ ۱۲۳۹ھ بوقت نماز پیشین بروز چہارشنبہ

تحریر یافت"

یہ نسخہ مولوی میرزا ضامن علی صاحب غازی صفوی کا عطیہ ہے۔

اور "تفسیر سورۂ اذا جاء" (دیکھو مخطوطہ ۲۲۶) کے ساتھ ایک ہی

جلد میں شامل ہے۔

(۲۲۷) سحرالبیان [۳۷۳]

اوراق - ۸۶ - سطور ۱۳ -

تقطیع - ۵½" × ۸" - خط نستعلیق پاکیزہ - عنوانات سرخی میں۔

مصنف - میرحسن - سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ -

سنہ کتابت - ۱۲۳۹ھ -

میرحسن کی مثنوی "بے نظیر و بدر منیر" کا یہ پاکیزہ نسخہ

کتاب کی تصنیف سے صرف ۴۰ سال بعد نقل کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے اور چار قلمی نسخے (دیکھو نمبر ۶۸ تا ۷۰ و ۹۹)

ادارے میں محفوظ ہیں جن میں سے ایک نسخہ ۱۲۲۳ھ کا بھی

مکتوبہ ہے۔ مصنف اور کتاب کی تفصیلات مذکورہ نسخوں

کے بیان میں درج ہو چکی ہیں۔

زیر نظر نسخے میں تقریباً دو ہزار دو سو ابیات ہیں۔ (۲۲۰۰)

(۲۲۸) کتاب ادویات [۳۴۹]

اوراق - ۴۴ - سطور ۱۵ -

تقطیع ۶" × ۹" - خط نستعلیق شکستہ -

زمانۂ تصنیف - قبل ۱۲۴۹ھ -

کاتب - الف خاں - سنہ کتابت ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۰ء -

اردو نثر میں یہ رسالہ مغربی طب کی کسی انگریزی کتاب کا

ترجمہ ہے اور اسی طرح کے حسب ذیل دو مطبوعہ ترجموں کے

ساتھ ایک ہی جلد میں شریک ہے۔

(۱) تپ اور اسہال کا رسالہ از جیمس ہچنسن مطبوعہ اگسٹ ۱۸۳۱ء

کلکتہ - ۳۲ صفحات -

(۲) بیان سانپ کے کچھ کا مترجم و مصنف نامعلوم مطبوعہ اگسٹ ۱۸۳۱ء

کلکتہ - ۷۳ + ۸ صفحات -

یہ دونوں کتابیں نستعلیق لیتھو میں چھپی ہیں اور اُردو کی قدیم ترین پتھر پر چھپی ہوئی کتابوں میں سے ہیں۔ اِن میں اعراب اور رسم الخط کے لئے جو اشارے استعمال کئے گئے ہیں وہ اُردو کے محققین کے لئے خاص کر قابلِ توجہ ہیں۔

زیرِ نظر قلمی نسخہ ان مطبوعات سے دو ایک سال قبل ہی تالیف اور نقل کیا گیا ہے۔ اور اُردو میں مغربی طب کی ایک نہایت قدیم کتاب ہونے کی حیثیت سے خاص طور پر اہم ہے۔ لیکن اس کتاب کا نام معلوم ہو سکا اور نہ مصنف ہی کا۔ پہلے ورق کی پیشانی پر لکھا ہے "کتاب ادویات است" اور اس کے بعد ہی پہلا باب شروع کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں جملہ ۵۷ باب ہیں۔ ہر باب کسی خاص مرض اور اس کے علاج کے لئے وقف ہے۔ نمونہ کے طور پر ابتدائی پانچ ابواب کی سرخیاں یہاں درج ہیں:۔

(۱) تپ کے علاج میں جو کہ سردی سے ہوتی ہے (۷ صفحات)

(۲) ہیضہ کے علاج میں (ورق ۴)

(۳) اردغ ترش کے علاج میں (ورق ۵)

(۴) قے کے علاج میں (ورق ۶)

(۵) ذات الجم کے علاج میں (۶ ب)

ہر مرض اور دوا کے اُردو نام کے ساتھ انگریزی نام بھی اُردو رسم الخط ہی میں لکھے گئے ہیں۔ چھتّر ابواب کی تکمیل کے بعد "دوائی متفرقات" کے عنوان سے مختلف نسخے درج کئے گئے ہیں جو ۲۰ صفحات پر حاوی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ آخری حصہ کوئی جداگانہ کتاب ہو اس لئے پہلے "کتاب ادویات" کی آغازی و اختتامی عبارتیں نقل کر کے پھر "دوائی متفرقات" کی عبارتیں درج کی جاتی ہیں۔

کتاب ادویات۔آغاز:۔

"باب پہلا تپ کے علاج میں جو کہ سردی سے ہوتی ہے۔فیور ......حمی یعنے تپ دو قسم کا مزاج رکھتی ہے۔ایک سردی سے جسے انگریزی میں ایگوانڈفیور اور فارسی میں تپ لرزہ اور عربی میں حمیٰ ناقص کہتے ہیں۔"

اختتام:۔

"پوڈرمدار کے درخت کا کہ اڑھائی ہاتھ سے زیادہ ہووے جڑ پیڑ سے سوکھا کے مکھی اس کی پانچ گرین سے پندرہ تک کھلانے سے بہت فائدہ کرتا۔ تمام شد"

دوائی متفرقات

آغاز:۔

"ونسخۂ جاری شدن حیض۔ سلفیٹ او ایرن ایک اسکروپل اکسٹریکٹ سنکونا آدھ ڈرام مصری کے شیرے کے ساتھ میں پل بناوے ایک صبح اور ایک شام کھلاوے"

اختتام:۔

"پس پیچھے وہی پھلتے ہوئے پانی کو لے کے پکاوے کہ اسپرٹ کم کے مانند گاڑھا جاوے بعد اس کے پوڈر اور مکھی کو ٹلے کے ایک ساتھ کے اسس (۶) چیز کے برابر ہووے ملا کے چلاوے۔فقط تمام شد"

اس کے ختم پر کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اسی کاتب نے دوسری کتابیں "بیان الکٹرسٹی" و "بیان رحم" شروع کر دی ہیں۔

اور سب کے آخر میں یہ ترقیمہ ہے جس کے چند لفظ پڑھے نہیں جاتے۔

"دو کتابہ نسخہ جات متفرقات ترکیب انگریزی۔ ..... برائے خاطر مشفق شفیق برادر ہم کیشی مونسی مخلصی محرم راز خفی و جلی واقف اسرار الم یزلی برادرم شیخ محمد علی ڈاکٹر..... تلمہ کالنجر روحی فداک: نخط خام ..... الہام فقیر حقیر پر تقصیر

بندہ الف خاں...... پچمنٹ تحریر یافت۔ تحریر بتاریخ
بست پنجم ماہ ذیقعدہ ۱۲۴۹ھ ہجری مطابق ماہ مئی ۱۸۳۳ء
بنہایت پہنچی جیسا کہ"

(۲۲۹) مسائل طبیعی [۳۴۸]

اوراق ۱۹۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ۶" × ۹"۔ خط نستعلیق شکستہ۔
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۹ھ۔
کاتب۔ الف خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۰ء۔

اس رسالہ میں مختلف سائنسی موضوعات کو اردو نثر میں سمجھایا گیا ہے۔ اور یہ غالباً اس موضوع پر اُردو کی قدیم ترین کتب میں سے ہے۔ اس رسالہ کی ذیلی سرخیاں یہ ہیں۔
(۱) الکٹریسیٹی (۲) ماتا (۳) ابر (۴) تشریح شعر (۵) ہضم غذا (۶) جریان ہوا (۷) بالائی ہوا کا دباؤ (۸) کا لیسم (۹) گیس۔

مولف نے اُردو میں بے دھڑک انگریزی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ کتاب اور مصنف کے نام کا پتہ نہ چل سکا۔ اوپر جو نام لکھا گیا ہے وہ راقم الحروف نے موضوع کی مناسبت سے قرار دے لیا ہے۔

آغاز:۔

"علم الیکٹریسیٹی کا مانند اور علموں کے پہلے تھوڑا تھا مگر رفتہ رفتہ اب بہت ہوا ہے۔ چنانچہ آگے یہ جانا تھا کہ عنبر اور لاک کو جہاں ہاتھ سے یا اور کسی چیز سے مَل کر ہلکی چیزوں کے پاس لے گئے وہی ہلکی چیزیں اوس کی طرف کھنچ جاتی ہیں۔"

اختتام:۔

"ہوا کے پھیلنے سے ریزہ ریزہ یعنے چور ہو گئی اور اگر گول شیشی ہوتی تو نہ ٹوٹتی۔ اس واسطے کہ اوس میں ہوا گھومتی رہتی ہے اور چوپہلی میں ہوا گھوم نہیں سکتی ہے۔"
ترقیمہ کے لئے دیکھو نسخہ نمبر ۲۲۸۔

(۲۳۰) بیان رحم کا [۳۴۷]

اوراق ۴۴۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ۶" × ۹"۔ خط نستعلیق شکستہ۔
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۹ھ۔
کاتب۔ الف خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۰ء۔

اس رسالے کا مصنف بھی وہی ہوگا جو مخطوطات نمبر ۲۲۸ و ۲۲۹ کا ہے۔ اس میں رحم اس کی نشو و نما، ایام حیض، حمل، زچگی وغیرہ سے متعلق تفصیلی معلومات طبی نقطۂ نظر سے قلم بند کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر اُردو میں یہ ایک نہایت قدیم کتاب ہے اس لئے اہم ہے۔

آغاز:۔

"جاننا چاہئے کہ یوٹرس ایک لاٹن لفظ ہے کہ جس کو انگریزی زبان میں اوبنہ اور عربی میں رحم اور فارسی میں زہدان اور ہندی میں دھرن اور کوکھ اور سنسکرت میں گربھ استھان کہتے ہیں۔"

اختتام:۔

"گر آرٹری یعنے شرائیں کہیں زیادہ اور کہیں کم ہیں۔ اونہوں کے باندھنے کا خیال ہر ایک جگہ رکھنا ضرور ہے۔ اس واسطے ان سب کی تفصیل اور نام جدا جدا لکھا جاتا ہے باندھنے کے دو آرٹریز باندھے جاتے ہیں۔ (اس کے بعد انگریزی نام لکھے ہیں)۔"

ترقیمہ:۔ یہاں جو ترقیمہ درج ہے وہ مخطوطہ نمبر ۲۲۸ کے آخر میں لکھا جا چکا ہے۔ ترقیمے کے بعد امساک اور قوت باہ کے متعدد نسخے لکھے گئے ہیں۔

(۲۳۱) مطبوع صبیاں [۷۰۱]

اوراق ۲۷ - سطور ۸ -
تقطیع - ½۶" × ۹" - خط نستعلیق -
عنوانات - سرخی ہیں -
مصنف - صفیؔ - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ -

یہ ایک مثنوی ہے جس میں مشہور درسی کتاب "خالق باری" میں تضمین کے ذریعہ سے مفید اضافے کئے گئے - خالق باری امیر خسرو سے منسوب ہے اور فارسی و اُردو لغت کی ایک قدیم کتاب ہے جو کچھ عرصہ قبل تک ہندوستان کی مقبول و مستند درسی کتاب سمجھی جاتی تھی -

اس رسالہ کو ۲۸ ابیات کے ایک فارسی دیباچہ سے شروع کیا گیا ہے جس میں مصنف نے حمد و نعت کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے -

میرے ایک شاگرد گوبند رام نے ترغیب دلائی کہ امیر خسرو کی خالق باری کو تنظیم و تردیف کے ذریعے سے زیادہ واضح اور مفید بناؤں - کیونکہ اس کی ابیات میں فن عروض و قوافی کے لحاظ سے وضاحت درج نہیں ہے - غرض میں نے دوستی کی خاطر یہ کام شروع کیا اور ہر بحر کی ابیات کو بحر کے نام اور ارکان کی وضاحت کے ساتھ الگ الگ مرتب کیا - امیر خسرو نے جملہ ایک سو ستر ابیات لکھی تھیں جن میں اضافہ کر کے اب اس کتاب کو تین سو پچپن (۳۵۵) ابیات پر مشتمل کر دیا گیا ہے -

اس فارسی دیباچہ کی چند ابیات یہ ہیں جن سے کتاب اور مصنف کا نام واضح ہوگا -

جو بیت کہنہ ز نور اکنی گنج ... شوند سی صد دگر پنجاہ وہم پنج
صفیؔ را گرچہ این رغبت نہ بودہ ... برائے خاطر یاراں نمودہ
چو ہر کو دکاں گردید مینا د ... مسمیٰ یافتہ "مطبوع صبیاں"

اس کے مصنف صفیؔ کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور نہ سنہ تصنیف ہی کا پتہ چل سکا - یہ نسخہ ناقص الآخر ہے - اس لئے کاتب و سنہ کتابت کا بھی علم نہ ہو سکا - البتہ کاغذ اور نہج کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰۰ھ سے قبل کا نسخہ ہے -

خالق باری کو صفیؔ نے جن حصوں میں تقسیم کیا ہے ان میں سے ابتدائی دس عنوان اور ہر عنوان کی پہلی بیت درج ذیل ہے تاکہ زبان اور نہج ترتیب کا اندازہ ہو سکے -

۱- بحر متدارک - ۱۷ ابیات -
اول حمد خدا کا یار ... جس سوں ہے دو جگ اظہار

۲- بحر مسدس رمل مقصور ۳۸ ابیات -
ہے مرے سر پر وہی رب غفور ... مجھ گناہاں کوں کرے گا وو چہ دور

۳- بحر مقصوری رمل - ۳۰ ابیات -
جب سوں دیکھا ہوں ترے مکھ کا قراں ... ورد بسم اللہ کا پایا ابرواں

۴- بحر رمل المحذوف - (۱۲) ابیات
اے سجن تجہ بن جلا میرا جگر ... وصل کے پانی سنی کر سر د تر

۵- بحر رمل مثمن مقصوری - ۲۴ ابیات
اے سجن تجہ سانہ دیکھا دائما اندر جہاں
یاد تیرے لطف کا مجکو ہوا ہے ورد جاں

۶- بحر مضارع اخرب مکفوف - ۱۹ ابیات
تن میں مرے فراق سوں تیرے رہا نہ پاس
دکھلا سجن اپس کا درس تا پھکے ہو لاس

۷- بحر مضارع مثمن محذوف - ۷ ابیات
مشتاق تجہ وصال کا دن رات اے سجن
درسن دکھا کے مجہ سوں میٹھے بول دو بچن

۸۔ بحر تقارب مثمن ۔ ۲۳۔ابیات ۔

سورج نو سکے نئیں سجن کے برابر   چندراوس کے مکھ کے آگے چوں کہ اختر

۹۔ بحر رمل سریع مکفوف ۔ ۱۵ ابیات

حق نے کیا ہے تجکو مہ چار دہ شبہ

رخ سوں تیرے روشنی پایا ہے مہ

۱۰۔ بحر ہزج مسدس محذوف ۔ ۱۰ ابیات ۔

سجن تجہ ہجر میں بے تاب ہوں میں

ادہر کا دے پیالہ پی کے جیوں میں

اسی طرح ہر بحر کی جملہ ابیات یک جا لکھی گئی ہیں اور جب بیت سے نئی بحر شروع ہوتی ہے اسی کے ہم قافیہ صفی نے دو دو شعر اور لکھ کر نیا عنوان شروع کیا ہے ۔ گویا ہر بحر کے آغاز میں تین تین شعر کے قطعہ کے بعد اصل مثنوی کی ابیات درج کی ہیں ۔

اس کتاب کے فارسی دیباچہ کا آغاز و اختتام یہ ہے ۔

آغاز ۔ بحمد اللہ کہ از فضل وعنایت   ہدایت را رساند او نہایت

اختتام ۔ بحق خواجۂ عالم گناہم   کنی عفو و نمائی نیک راہم

اصل کتاب کا آغاز و اختتام یہ ہے : ۔

آغاز ۔ اول حمد خدا کا یار   جس سوں ہے دوجگ اظہار

فعلن فعلن فعلن فاع   ہے متقارب کا بستار

خالق باری سرجن ہار   واحد ایک بڑا کرتار

اختتام ۔ راجا بادشاہ سلطاں   ہے گنوار دہقانی جاں

فلک چرخ اسمان اکاس   طالع گرہ برج ہے راس

چونکہ یہ مثنوی ناقص الآخر ہے اس لئے آخری عنوان کے ابتدائی اشعار بھی درج کر دئے جاتے ہیں : ۔

بحر متقارب ۔

جب سو نیر ہو ساجن گیرا   ہردے مانہہ جو کیتا ڈیرا

فعلن فعلن فعلن فاع   ہے متقارب کا یہ پھیرا

یار سنے یو سرجن بیرا   خصم منے توں درجن بیرا

---

(۲۳۲) ترجمۂ کریما [۲۰۷ و ۱۹۱]

اوراق ۲۰ ۔ سطور ۱۱ ۔

تقطیع ۵½" × ۹" ۔ خط نستعلیق معمولی ۔

زمانہ ترجمہ قبل ۱۲۵۰ھ ۔

زمانہ کتابت ۔ ۱۲۶۶ھ ۔

شیخ سعدیؒ کی 'کریما' خالق باری (نسخہ ۲۳۱) کی طرح یہ فارسی کی ایک قدیم درسی اور مشہور اخلاقی کتاب ہے جو اب تک مقبول عام ہے ۔ کسی غیر معروف مصنف نے اس کا اُردو میں ترجمہ کر دیا ہے جو اس نسخے میں شامل ہے ۔

زیر نظر نسخے میں ہر فارسی بیت کے نیچے ہی اردو بیت میں ترجمہ لکھا گیا ہے ۔ ترجمۂ کریما کا یہ نسخہ جلد بندی کے وقت غلطی سے دو جلدوں میں آدھا آدھا شریک ہو گیا ہے ۔ چنانچہ جلد نمبر ۲۰۷ میں اس کے ابتدائی ۱۰ اوراق ہیں اور جلد نمبر ۱۹۱ میں بقیہ ۱۰ ورق ۔ دونوں جلدوں کی جملہ ابیات کی تعداد ۲۱۰ اردو اور ۲۱۰ فارسی ہے ۔ پہلی جلد اس بیت پر ختم ہوتی ہے ۔

.... ہے سرنگی سے پھرائے   کہ طاعت سے دولت کو لاریب پائے

دوسری جلد اس بیت سے شروع ہوتی ہے : ۔

سعادت ہو طاعت سے حاصل مدام   ہو دل نور طاعت سے روشن تمام

مترجم نے سعدیؒ کے سہل ممتنع کلام کا بہت کامیاب ترجمہ کیا ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر فارسی بیت کا ترجمہ ایک ہی اُردو بیت میں کر دیا ہے ۔ مثال کے طور پر یہاں چند اصل فارسی ابیات اور اُن کا اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے : ۔

فارسی	اردو
بنی آدم از علم یابد کمال	شرف پادے ہے علم سے آدمی
نہ از حشمت وجاہ و مال و منال	نہ مال و حشم جاہ سے ہو کبھی
چو شمع از پئے علم باید گداخت	تو پڑھنے میں جوں شمع تن کو گلا
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت	کہ بے علم پہچانے کب تو خدا
خردمند باشد طلبگار علم	سیانا طلبگار ہے علم کا
کہ گرم است پیوستہ بازار علم	سدا گرم بازار ہے علم کا
کسے را کہ شد در ازل بخت یار	ازل میں جو کوئی ہوا بختور
طلب کردن علم کرد اختیار	وہ کوشش سے سیکھے ہے علم و ہنر

اس کتاب کا آخری حصہ نسخہ تنبیہہ النسا (دیکھو تذکرۂ ہذا نسخہ نمبر ۱۳۹) کے ساتھ مجلد ہے اور یہ پوری کتاب بھی اسی کے ساتھ ۱۲۶۶ھ میں نقل کی گئی ہے۔

آغاز:۔

کرم سے ہمیں اپنے بخش اے خدا کہ ہیں ہم گرفتار حرص و ہوا
نہیں ہے ہمیں دادرس تجھ سوا تو ہی بخش دے عاصیوں کی خطا

اختتام:۔

نہ ایسا درخت اس چمن میں اگا کہ ضرب تبردار سے وہ بچا
نہ رکھ انس دنیائے فانی سے یار یہی بات رکھ یاد سعدی سے یار

ترقیمہ:۔ چونکہ یہ نسخہ تنبیہہ النساء کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لئے کاتب نے موخر الذکر کتاب کے آخر میں ترقیمہ لکھا ہے جو اس کے بیان میں تذکرۂ ہذا کے صفحہ ۱۷۳ پر درج ہو چکا ہے۔

(۲۴۳) ترجمہ چہل حدیث [۳۴۸]

اوراق ۴ ۔ سطور ۲۰ ۔
تقطیع ۶ × ۴ ½ ۔ خط نستعلیق و نسخ ۔
زمانہ ترجمہ قبل ۱۲۴۲ھ
کاتب ۔ میر فخر الدین ۔ سنہ کتابت ۱۲۴۲ھ ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو چالیس حدیثیں راوی ثقاۃ کے تسلسل سے ایک جگہ جمع کی تھیں ان کا اردو ترجمہ اس نسخے میں اصل احادیث کے نیچے لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ غالباً مترجم کا قلمی ہے کیونکہ اس میں حاشیہ پر مترجم نے اپنے ترجمہ کی نہایت تفصیل کے ساتھ جگہ جگہ وضاحت کی ہے۔ ترجمہ چہل حدیث کے بعد اسی کاتب نے فارسی میں حفظ قرآن کا طریقہ (جو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو سمجھایا تھا) بیان کیا ہے۔ یہ ترجمہ اوائل تیرھویں صدی میں کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ مترجم نے اپنا نام نہیں لکھا۔ غالباً اس کے کاتب میر فخر الدین ہی اس کے مترجم ہیں۔

آغاز:۔

"بعد تعریف خدا کے اور درود مصطفےٰ کے یہ چالیس حدیثیں متصل ہیں صحیح سند کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ ان کے بول تھوڑے ہیں اور مقصد بہت ہیں کہ پڑھے ان کو بھلی بات چاہنے والا واسطے امیدواری اس کے کہ بیٹھے عالموں کے جتھے میں۔ بموجب فرمانے نبیؐ کے (اون پر درود اور ثنا) جو یاد رکھے میری امت کے واسطے نفع کے چالیس حدیثیں دین کے مقدمے میں۔ اوٹھاوے گا قیامت میں اللہ تعالےٰ اوس کو فقیہہ اور میں ہوں گا اوس کا قیامت کو سفارشی۔ اور گواہ۔ کہتا ہے فقیر ولی اللہ معاف ہو بھول چوک اوس کی کہ"......

اختتام :-

گئی ہے کہ تمنا بھی کفر ہو جائے ! سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے
مجلسیں امانت داری کے ساتھ ہوتی ہیں سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے

(۲۳۴) تاریخ بدر [۱۴۵]

اوراق ۲۴ - سطور ۱۱ -

تقطیع - ۵/۶ × ۱۳ - خط نستعلیق پاکیزہ -

حاشیہ، عنوانات اور اسماء سرخی ہیں -

مصنف - واجد علی شاہ - سنہ تصنیف ۱۲۷۶ھ -

کاتب - حبیب الدین احمد - سنہ کتابت ۱۲۷۶ھ

واجد علی شاہ اختر آخری بادشاہ اودھ کی ایک بیگم نواب بدر عالم نے بادشاہ کی کلکتہ میں جلاوطنی کے بعد جو خط ان کے نام ۱۲۷۳ھ اور ۱۲۷۶ھ کے درمیانی زمانے میں لکھنؤ سے لکھے تھے ان کو خود واجد علی شاہ نے تاریخ وار مرتب کیا ہے - اور ابتدا میں (پانچ صفحات کا) اردو نثر میں ایک دیباچہ لکھا ہے جس میں حمد و نعت کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے - وہ لکھتے ہیں :-

"اما بعد راقم الحروف ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زماں سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ حوالہ صفحہ (ج) بیان کرتا ہے کہ جب سپہر بوقلموں نے نیا رنگ دکھلایا اور سفر کلکتے کا اتفاق ہوا - بعض محلات سلطانی کہ جلباب دوری اور پردۂ مہجوری میں رہیں اکثر خطوط تو دو آمیز بھجواتی تھیں اور اشتیاق اور محبت کو یاد دلاتی تھیں - بپاس مراسم الفت کے ملمع نظر ہوا کہ وہ قراطیس حسن تالیف پاویں تاکہ رائگاں نہ جاویں - لہذا ماہ ذیحجہ ۱۲۷۶ھ ہجری میں خطوط نواب بدر عالم صاحبہ کو زیور ترتیب عطا کیا اور تحریرات ہر سال کو مقدمہ اور ہر ماہ کو فصل قرار دیا - اور تاریخ بدر نام رکھا۔"

اس طرح خود بادشاہ نے مجموعہ کا نام اور تاریخ ترتیب بھی درج کر دی ہے - یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱ - باب اول - ۱۲۷۳ھ - ایک فصل (یعنے ایک خط)

۲ - باب دوم - ۱۲۷۵ھ آٹھ فصلیں (یعنے آٹھ خط)

۳ - باب سوم - ۱۲۷۶ھ دو فصلیں (یعنے دو خط)

اس طرح جملہ ۱۱ خط ہیں جن میں سے ہر ایک پر تاریخ کتابت درج ہے - یہ نسخہ خود واجد علی شاہ کا مبیضہ ہے اور اس کے سرورق پر بادشاہ کی مہر "سے نام واجد علی سلطان عالم بر کتاب ...... و پر تو بادا تا فروغ آفتاب ۱۲۸۰ھ" ثبت ہے - اس مستطیل مہر میں دو مچھلیاں اور ان کی دموں پر شاہی تاج بھی شامل ہے - شاہان اودھ کے کتب خانہ کی اور کتابیں بھی ادارے میں محفوظ ہیں جن پر شاہی مہریں ثبت ہیں - چونکہ وہ فارسی ہیں اس لئے فہرست فارسی مخطوطات میں ان کا ذکر درج ہوگا - یہ نسخہ خاص اہتمام سے لکھوایا گیا ہے - خط نہایت جلی، حاشیہ سرخ و سبز اور تمام نام سرخی میں ہیں -

ان خطوط میں نواب بدر عالم نے اپنے بادشاہ شوہر کے فراق کی مصیبتیں نہایت درد انگیز پیرائے میں بیان کی ہیں - زبان و اسلوب نہایت شاعرانہ اور پرتکلف ہے - اور ان میں واجد علی شاہ کی خانگی زندگی، مختلف بیگمات کی خصوصیات، امرائے شاہی کے حالات، اور دیگر تاریخی امور بھی محفوظ ہو گئے ہیں۔

واجد علی شاہ نے اپنی شاہی کے زمانے میں اور بعد کو میٹیا برج کلکتہ کے قیام کے عرصہ میں بھی متعدد کتابیں لکھیں اور لکھوائی تھیں۔ انڈیا آفس (لندن) کے کتب خانہ میں ان میں سے اکثر محفوظ ہیں اور بلوم ہارٹ نے اپنی فہرست اردو مخطوطات میں ان کی تفصیل درج کی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں شایع بھی ہو چکی ہیں۔

زیر نظر مجموعہ خطوط بھی غالباً چھپ چکا ہے لیکن یہ نسخہ چونکہ خود بادشاہ کا مبیضہ ہے اور ان کے کتب خانہ کا ہے اس لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس کتاب کے سرورق پر شاہی مہر کے نیچے یہ عبارت کسی صاحب نے لکھی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ مجموعہ چھپ بھی چکا ہے:۔

"یہ کتاب انجمن ترقی علوم قدیمہ نے ۱۳۲۳ھ میں طبع کرادی ہے۔ مطبع قاسم پریس محلہ چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہے۔ اور انجمن کے دفتر واقع کوٹلہ اکبرجاہ سے بہ قیمت ۵ر دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ دفتر زمانہ کانپور سے بھی مل سکتی ہے۔ فقط ۷ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (دستخط پڑھے نہیں جاتے) معتمد انجمن ترقی علوم قدیمہ"۔

اس عبارت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حیدرآباد میں آج سے چالیس سال قبل ایک انجمن بنام "انجمن ترقی علوم قدیمہ" قایم تھی۔ لیکن یہ کب تک قائم رہی اور اس نے کیا کام انجام دئے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

کتاب "تاریخ بدر" میں جگہ جگہ اردو اشعار، قطعات، اور غزلیں بھی شامل ہیں جو نواب بدر عالم نے اپنے خطوط کے درمیان اپنی محبت اور اشتیاق کے اظہار کے لئے شامل کی ہیں اور بعض خط تو منظوم ہی ہیں۔ یہ سب خطوط ایک فرقت زدہ بیوی اور مظلوم ہندوستانی عورت کی دل کی پکار ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں کہ واجد علی شاہ کی جلاوطنی کے بعد ان کے متعلقین پر کیا گزری۔ اور ان کے دلوں میں معزول بادشاہ کی کیسی گہری محبت اور عقیدت موجزن تھی اور خود بادشاہ اپنے وابستوں کے حالات اور پریشانیوں سے کتنے متاثر رہتے تھے۔

اس کتاب کو واجد علی شاہ نے اس طرح شروع کیا ہے:

آغاز:۔

"اللہ اکبر کیا شان کبریائی ہے۔ ہر شئے میں اعجاز نمائی ہے
کہیں گل ہے، کہیں خار اور کہیں جنگل ہے، کہیں گلزار۔
کبھی نشا ہے کبھی ضیف پُر اصرار، کہیں کفر ہے کہیں ایمان
کبھی وصل ہے کبھی ہجراں"۔

اس مجموعہ کا پہلا خط یوں شروع ہوتا ہے:۔

"مہر تمثال، یوسف جمال، داؤد الحاں، سلیمان زماں، جان عالم خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ۔ ستم دیدۂ مہاجرت، آفت رسیدۂ مفارقت بدر عالم بعد عالم عالم ارادت و نیاز وجہاں جہاں تمنائے دولت مواصلت مسرت آغاز، کی ملتمس یہ ہے کہ"

مجموعہ خطوط کی آخری عبارت یہ ہے:۔

"میں سنتی ہوں کہ جب یہاں سے محبت نامہ جاتا ہے تو اوس کا خلاصہ ہو کر تمہارے مشاہدے میں آتا ہے۔ کیفیت ہماری تم کو کیونکر معلوم ہو۔ حقیقت حال کس طرح مفہوم ہو۔ خدا کے لئے ایسی بے اعتنائی نہ کیا کرو۔ خط تو تمام وکمال پڑھ لیا کرو۔ زیادہ اشتیاق۔
محررہ غرۂ صفر ۱۲۷۵ھ ہجری قدسی"۔

خطوں کے اختتام پر کاتب نے عربی میں ایک خاتمہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ واجد علی شاہ اور بدر عالم کی

زندگی میں ترتیب و تالیف کے صرف چھ ماہ بعد خاص اہتمام سے نقل کرایا گیا ہے۔

خاتمہ:-

"الحمد للہ الذی نور العالم بنور الشمس والبدر وجلی الدنیا وما فیہا بالضوء والبیضا والقمر۔ والصلوٰۃ علی رسولہ معدن الحب ومخزن الادب وعلی آلہ واہل بیتہ مجمع الشرف ومنبع النسب صلوٰۃ اللہ وسلام علیہم اجمعین علی اتمام مکاتیب مودت وسالیب نواب بدر عالم ابقاہا اللہ تعالیٰ تحت ظل عنایات حضرت سلطان عالم ادام اللہ بقادہ وملکہ الی بقاء العالم۔ سید الکاتب الداعی ببقاء سلطنتہ ظل سبحانی حبیب الدین احمد بردھلی فقط۔ وقد وقع الفراغ ۲ جمادی الآخرۃ ۱۲۷۶ھ من الہجرۃ القدسیہ الباہرہ"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے چنانچہ ترقیمہ کے نیچے ان کی بیضوی مہر "مصور الطاف وعنایت حسین ۱۳۳۶ھ" اور پہلے ورق کے حاشیہ پر ان کے دستخط "عنایت حسین ۴ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ حیدرآباد" ثبت ہیں۔

---

(۲۳۵) حکمت بزرجمہر [۳۴۶]

اوراق ۵۔ سطور ۱۴۔

تقطیع۔ ½۵" × ۸"۔ خط نستعلیق ثلث آمیز۔

زمانۂ تصنیف۔ قبل ۱۰۵۰ھ۔

یہ تقریباً ۹۰ ابیات کی ایک قدیم دکنی مثنوی ہے جس کے آگے مصنف نے فارسی نثر میں دیباچہ لکھ کر موضوع کی وضاحت کی ہے۔ اس دیباچہ میں حمد و نعت کے بعد مصنف لکھتا ہے کہ نوشیروان کے فرزند کے لئے خواجہ بزرجمہر نے یہ حکمات عجائب قلمبند کئے تھے تاکہ خوبرویان ہوش مجلس آرائی کے وقت کوئی چیز ہاتھ میں چھپا لیں تو اس چیز کی ماہیت بتا کر ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا جائے۔

یہ نسخہ بہت قدیم ہے۔ اس کا کاغذ اور سیاہی پانی اور نمی سے بدرنگ اور بوسیدہ ہوگیا ہے۔ اور اتفاق سے جلدبندی میں حاشیہ اتنا زیادہ کٹ گیا ہے کہ عبارتیں ناقص ہوگئی ہیں اس لئے مصنف کا پتہ نہ چل سکا اور نہ سنہ کتابت ہی معلوم ہو سکا لیکن جس زمانہ میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے وہ ۱۰۵۰ھ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تعجب کہ یہ کتاب محمد قلی قطب شاہ کی فرمائش پر مرتب کی گئی ہو کیونکہ اس بادشاہ کو ایسے امور کا خاص شوق تھا۔

فارسی دیباچہ کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے:-

"شکر و سپاس بے قیاس مر بادشاہ را کہ ذات النسائی را منبع معلوم موضوعات گردانید۔ وصلوات واکتاب بروح منظہر صدر صفۂ صفائی و بدر حلقۂ وفائی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و آل امان۔ بدانکہ ایں حکمات عجائب وافر"

آغاز:-

عجب کیا جو عاشق کوں ہوے گدگلی
دیکھت دھن کے رخ پر مدن کی کلی

ہے تجہ موں پہ نیکی کے موتی کا آب
بدی کا کنکا ہت تے ست دے شتاب

اختتام۔ روکھی کھچڑی کھانے سوں کھانا بھلا
لطسن ہم نین رکہ چپکے کرتا گلا

ہریالب ہوا ہے یکندر جنگل
چھپاتا ہے سبزی تجے کیا ہے بیل

کوئی ترتیب نہیں۔ بلکہ ختم مثنوی کے بعد امیر خسرو کی ۹ فارسی ابیات لکھی گئی ہیں جن میں پہلی اور آخری یہ ہے :۔

گرچہ پرسداے خرد افسردز کہ چہ رفتہ و چہ ماندہ است شب و روز
یک باید ترا وقوف تمام تا گر چاشت را نگوئی شام

(۲۳۶) قصۂ دائی حلیمہ [۲۰۰]

اوراق ۔ ۴ ۔ سطور ۱۶ ۔
تقطیع ۔ ½ ۵" × ½ ۸" ۔ خط نستعلیق ۔
زمانہ تصنیف و کتابت قبل ۱۲۵۰ھ ۔

یہ ناقص الطرفین مثنوی آنحضرت سرور کائنات کی ابتدائی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے اور اس میں دائی حلیمہ کی آنحضرتؐ سے غیر معمولی محبت، آنحضرتؐ کا اپنے رضاعی بھائی سے سلوک، اور آپ کی دو تین سال کی عمر کی زندگی خوبی سے بیان کی گئی ہے ۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مثنوی کتنی طویل تھی ۔ بحالت موجودہ اس میں پہلا ایک ورق یعنے ابتدائی ۱۵ ابیات غائب ہیں ۔ جس کے بعد ۹۷ ابیات محفوظ ہیں ۔ اس آخری حصہ میں انحضرتؐ کے معجزہ شق صدر تک حال بیان کیا گیا ہے ۔

مصنف اور سنہ تصنیف کا علم نہ ہو سکا ۔ کاغذ اور کتابت کے لحاظ سے ۱۲۵۰ھ سے قبل کا نسخہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت قادر بی بی کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا اور راقم الحروف نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کیا ۔

آغاز :۔

گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار
کبھی کر بیٹھتی بے ساختہ شور چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور

اختتام :۔

جان جائے مرا جانی بچ جائے وہ مرا یوسف ثانی بچ جائے
گھر اوسے لے کے سلامت جاؤں آمنہ کی میں امانت پاؤں

(۲۳۷) واحد باری [۱۲۹]

اوراق ۲۷ ۔ سطور ۔ ۱۵ ۔
تقطیع ۔ ¾ ۳" × ¾ ۳" ۔ ۱۰ ۔ خط نستعلیق پاکیزہ ۔
مصنف ۔ اشرفؔ ۔ زمانہ تصنیف قریب ۹۰۹ھ ۔
سنہ کتابت ۔ ۱۲۳۰ھ ۔ بمقام حیدرآباد ۔

یہ مثنوی زبان و اسلوب کے لحاظ سے بھی اسی اشرفؔ کی تصنیف ہے جس کی ایک اور مثنوی "نوسرہار" (۹۰۹ھ) ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور جس کا بیان اس تذکرے کے مخطوطہ نمبر ا (صفحہ ۱۷) میں گزر چکا ہے ۔ اشرفؔ کے حالات بھی اسی جگہ درج ہیں ۔

نوسرہار اور "واحد باری" دونوں مثنویاں ایک ہی بحر میں لکھی گئی ہیں اور شاعر نے اپنا تخلص بھی دونوں میں ایک ہی طرح لکھا ہے ۔ مثال کے طور پر دونوں کی متعلقہ ابیات درج ذیل ہیں :۔

نوسرہار	واحد باری
ہجرت نبی نو سو نو	واحد باری ہوئی تمام
کہیا اشرفؔ نوسرہار (۱۱ب)	دنیا میں رہے اشرفؔ کا نام (۲۶ب)
لکھیا اشرفؔ یہ بکھان	اشرفؔ دین سے یہ ہے جان
توحید حق کے موزوں آن (۳ا)	اوس سا نہیں کوئی ۔۔۔۔ (کرم خوردہ) (۲۱ا)

دونوں کتابوں میں مصنف نے اپنے نام کے ساتھ ایک ہی بیت میں اپنی کتاب کا نام بھی لکھ دیا ہے ۔ لیکن

"واحد باری" میں سنہ تصنیف نہیں لکھا۔ البتہ اس کتاب سے مصنف کے پورے نام کا پتہ چلتا ہے جو اشرف الدین تھا۔ "نوسرہار" کے ترقیمہ میں "از گفتار شیخ اشرف" درج ہے۔ غالباً مصنف کا پورا نام شیخ اشرف الدین ہے۔

یہ مثنوی امیر خسرو کی "خالق باری" (دیکھو مخطوطہ ۲۳۱) کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔ لیکن اس کی بحر برخلاف خالق باری کے شروع سے آخر تک ایک ہی ہے۔ یہ نہ صرف عربی، فارسی و اردو کی ایک لغت ہے بلکہ اس میں عروض وقافیہ، موسیقی اور نجوم کی اصطلاحوں اور مطالب کو بھی سمجھایا گیا ہے۔

مثلاً عروض کی نسبت لکھا ہے :۔

بحر ہے دریا آپ فراخ　　کلام موزوں ہے ڈالی شاخ
حروف قافیہ نہہ جو آئے　　نوزدہ بحر ہیں تجھے بتائے
ردیف قید تاسیس روی　　دخیل نائرہ مصحف نوی
خروج مزید وصل پہچان　　حرکات قافیہ شش ہیں جان
وافر طویل بسیط مدید　　سریع قریب خفیف جدید
مجتث متدارک اور شاکل　　مقتضب مضارع اور کامل
منسرح ہزج ہے جان رجز　　متقارب رمل ناتواں عجز
نیم بیت کو مصرع بول　　دو مصرع کی بیت ہے کھول
رباعی کیا چو مصرع جان　　مخمس کیا پنج مصرع خواں
چند بیت کو قطعہ تو جان　　از شعر و غزل سے کاٹ کے آن
کم از پنج بیت نہ آوے غزل　　ہو ذکر فراق محبت مثل
قصیدہ غزل کا اول مطلع　　تخلص آخر بیت کا مقطع
ردیف بعد از قافیہ آر　　ایک گھوڑے پر دو سوار

الیٰ آخرہ (ورق ۹ ب و ۱۰ الف)

اس نسخہ کی آخری دو ابیات سے قبل ایک فارسی بیت (دوسری بحر میں) میں لکھی گئی ہے کہ :۔

یکہزاراں بیت آمد در شمار　　درگناہم روز و شب اینست کار

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی میں ایک ہزار بیتیں ہیں لیکن زیر نظر نسخے میں تقریباً آٹھ سو ابیات ہی ہیں۔

اس فارسی بیت سے قبل کی ابیات میں مصنف نے موضوع کتاب کے اظہار کے طور پر لکھا ہے کہ علم لغت بہت وسیع ہے اس لئے اس بحر ذخار میں سے جتنے بھی قطرے ہاتھ لگیں غنیمت ہے۔ اس کی ابیات ہیں :۔

علم لغت دریا ہے نگزشت　　شنا ورخلق نہ پایا انت
دانستن علم لغت اصوات　　جو لیوے سو قطرہ ہات

آغاز :۔

واحد باری ایک خدائے　　فعلن فعلن فعلن فاع
نبی رسول پیغمبر جان　　صحب اصحاب یار پہچان

اختتام :۔

واحد باری ہوئی تمام　　دنیا میں رہے اشرف نام
چار حروف جو فرس کہ آئے　　اون حرفوں کے رقعہ بنائے

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد کار من نظام شد۔ بتاریخ دوازدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۳۰ھ ہجری در بلدہ حیدر آباد ترقیم یافت"

(۲۳۸) گنج عرفاں [۷۰۳]

اوراق - ۴۴ - سطور - ۱۲ -
تقطیع - ۵ ۳/۴ × ۹" - خط نستعلیق -
مصنف - امام الدین حسینی عارف - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ (م)

یہ مخمس کی شکل میں ایک طویل عارفانہ نظم ہے جس کا دیباچہ فارسی نثر میں لکھا گیا ہے - یہ دیباچہ سات صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں مصنف نے سبب تالیف نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے - پہلے حمد و نعت لکھی ہے پھر اصل مطلب یوں ظاہر کیا ہے :-

"این نقیر سراپا تقصیر خوشہ چین ارباب یقین و ذلہ ربائے مایدۂ اصحاب دین امام الدین حسینی المتخلص بعارف غفر اللہ ذنوبہ و ستر اللہ عیوبہ اکثر بمطالعۂ قصیدۂ کرامت وثیقہ تصنیف زبدۃ الموحدین وقدوۃ المحققین عالم علوم لدن واقف رموز کان وکن کعبۂ صوفیان صفوت نہاد قبلۂ موحدان وحدت نژاد شہید تیغ کفار حضرت فرید الدین عطار نیشاپوری قدس سرہ العزیز اشتغال می نمود"

اس سلسلہ میں آگے چل کر لکھا ہے کہ یہ قصیدہ اتنا پسند آیا کہ میں نے صاحبان عرفان کی خاطر اس کا ہندی میں ترجمہ کرنا ضروری سمجھا - اس موقع پر وہ لکھتا ہے :-

"آں محجلہ نشینان محمل عربی و پردہ گزینان برقع فارسی را بنانہ و کرشمۂ الفاظ ہندی آشنا گردانند"

مصنف نامی کیا بھی اچھا ادیب معلوم ہوتا ہے اور انشا پردازی کے تکلف و لزوم و تکلفات سے اس نے اپنے دیباچہ میں کام لیا ہے - اصل اردو نظم ناقص الآخر ہے - اس لئے نہ سنہ تصنیف معلوم ہو سکا اور نہ سنہ کتابت - بحالت موجودہ اس میں ۱۹۲ بند ہیں - ہر بند میں ابتدائی تین مصرعے اردو ہیں جن کے آخر میں قصیدۂ عطار کا ایک ایک شعر درج ہے - اس طرح یہ نظم قصیدہ عطار کی ایک مکمل تضمین ہے - بعض بند پورے کے پورے فارسی ہیں - چونکہ مصنف خود ایک صوفی ہیں اس لئے عطار کے عارفانہ اشعار کی بہت کامیاب تضمین کی ہے اور تصوف و موعظت کے مضامین میں اچھے اچھے مصرعے فراہم کئے ہیں -

مصنف کے حالات معلوم نہ ہو سکے اسی نام کے ایک بزرگ سید امام الدین (سنہ ۱۱۱۰ھ تا سنہ ۱۱۶۵ھ) بالاپور برار میں گزرے ہیں جن کے خوارق عادات مشہور ہیں اور عبد الجبار خاں ملکاپوری نے ان کے حالات تذکرہ اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۶۵ پر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن نہ ان کا تخلص لکھا اور نہ تصنیفات کا ذکر کیا اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہی اس نظم کے مصنف ہیں -

اس نظم کی زبان اور طرز کتابت و کاغذ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۵۰ھ سے قبل نقل کی گئی ہے -

آغاز :-

ذات حق جلوہ گر ہے لیل و نہار   اوس کو ہر سمت دیکھ لے اے یار
خواہ گھر میں وخواہ در بازار   چشم بکشا کہ جلوۂ دیدار
متجلی است از در و دیوار

جتنی خلقت ہے یہ بلند و پست   یہ سبھی نیست ہیں وہی ہے ہست
اوس کو تو ڈھونڈ آپ میں ہو مست   نحن اقرب الیہ آمدہ است
دور افتادۂ تو از پندار

اختتام :-

مصطفےٰ کہے کہ یکھیں تیغ و مجن   گو بظاہر گیا تو چھوڑ وطن

فرض ہے یہ بھی ایک جان من   حج چہ باشد زخود سفر کردن
بکجا جانب ہدایت کار
کرچکا جب کہ حج ۔۔۔۔ ے منت   سب بجا لایا فرض اور سنت
ایک نا تے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ناقص الآخر

اسی نام کی ایک فارسی کتاب قاضی محمود بحری کی بھی ادارے میں موجود ہے۔ جس کا تذکرہ فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا۔

(۲۳۹) بیاض غزلیات [۴۰۷]

اوراق ۱۰۔ سطور کہیں ۸ اور کہیں ۱۲۔
تقطیع ½۴ × ⅞۶۔ خط نستعلیق معمولی۔
مصنف۔ آبرو، میر، سوز، یقین، کمتر، لطیف، رضا شاداں، حسن، مستان وغیرہ۔
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ۔ زمانہ کتابت قبل ۱۲۵۰ھ۔

یہ ایک ناقص الطرفین مجموعۂ غزلیات ہے جس میں دکن اور شمالی ہند کے چند قدیم شعرائے اُردو کی ۲۱ منتخب غزلیات درج ہیں جن کی تفصیل بلحاظ ترتیب بیاض یہ ہے۔

۱۔ غزل سوز۔ ۵ اشعار سید محمد میر سوز (متوفی ۱۲۱۳ھ) دہلی کے مشہور شاعر ہیں جنھوں نے لکھنو اور مرشد آباد کا سفر کیا تھا اور آخر کار لکھنو میں وفات پائی۔ جملہ تذکروں میں ان کا حال درج ہے۔

مطلع۔ محبت کو داہم بلا جانتا تھا   بعضا میں تو اے دل یہ کیا جانتا تھا
مقطع۔ دلاسا تو دے سوز کو چلتے چلتے   مگر تو بگر ہی چلا جانتا تھا

۲۔ غزل ملنگ شاہ سائیں۔ ۴ شعر۔ ملنگ شاہ غالباً کوئی دکنی صوفی تھے۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مطلع۔ مرا درد و غم تجھ پہ اظہار ہوگا   اُدھر منزل عشق بسیار ہوگا
مقطع۔ ملنگ شاہ سائیں تو روشن ہے ہم سے   اُدھر لعل و گوہر کا بازار ہوگا

۳۔ غزل کمتر۔ ۶ شعر۔ کمتر کا کلام ادارے کے مخطوطہ نمبر (۲۱۳) میں بھی درج ہے اور وہیں اس کے حالات بھی لکھے گئے ہیں۔

مطلع۔ خریدار سے کب نہاں بیچتا ہوں   متاع دل اپنا عیاں بیچتا ہوں
مقطع۔ لیکا نام پر اس کے وہاں میں کمتر   اب آگے۔ ہا کیا عیاں بیچتا ہوں

۴۔ غزل حیدر۔ ۴ شعر۔ میر حیدر شاہ دکنی سپاہی تھے۔ ولی کے دیوان کی تخمیس کی اور حافظ کے کلام کی تضمین۔ بنگال میں نواب سرفراز خاں کے ملازم تھے۔ ہگلی میں تقریباً سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ (دیکھو گلزار ابراہیم)

مطلع۔ باغ محفل میں تری کل تو عجب دھوم رہی   راہ پائی نہ کہیں باد صبا گھوم رہی
مقطع۔ قافیہ ٹھیک نہ تھا کیا کرے یہ حیدر تھا   قفل پلنے کی طرح اپنے تئیں لوم رہی

۵۔ غزل ناکمل۔ ۵ شعر۔ کسی دکنی شاعر کی ناقص الآخر غزل ہے کیونکہ اس کے بعد کا ورق غائب ہے۔

مطلع۔ چپ چپاتے چپ کی باتیں تم نے دیکھی یار جب   مے بھی چپ پینے بھی چپ ساغر بھی چپ مینا بھی چپ
آخری مصرع۔ سطر بھی چپ ... آہ بیٹا ... اگے اوصنم جنگ ..... (ناقص الآخر)

۶۔ غزل حسینؔ۔ اس غزل کا صرف مقطع موجود ہے۔ اس سے آگے ایک ورق غائب ہے۔ اس تخلص کے چار شعرا کا ذکر اسپرنگر نے کیا ہے (دیکھو یادگار شعرا ص ۷۲) لیکن میسور میں ایک شاعر حسینؔ گزرے ہیں جن کی ایک اُردو مثنوی کا قلمی نسخہ خود ٹیپو سلطان شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے (دیکھو میسور میں اُردو ص۹) ممکن ہے کہ یہ غزل انھی کی ہو۔

ملنے کا حسینؔ اس کے نہ پیغام تجھے ہی   عہد ہے کے لئے سر افراز کھڑا ہوں

غزل لطیفؔ۔ ۵ شعر۔ غلام علی خاں لطیف سلطان عبداللہ قطب شاہ کے امرائے قزلباش سے تھا۔ اس کی مثنوی "ظفرنامۂ"

محمد حنیف ۱۰۹۵ ہجری کی تالیف ہے جس میں ۵۵۰۰ ابیات ہیں مرثیے بھی لکھا کرتا تھا (دکن میں اُردو ص۸۶) لیکن یہ غزل زبان کے لحاظ اس قطب شاہی شاعر کی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ ایک میسوری شاعر سید سیف الدین عبداللطیف کی ہوگی جن کا دیوان ۱۲۸۳ھ میں مرتب ہوا اور ۱۲۹۱ھ میں مطبع فردوسی مدراس میں شائع ہوا تھا۔ دیکھو مدراس میں اردو ص۹۰ اور میسور میں اُردو ص۲۳)

مطلع۔ نام ہی دلبر کا ہم سمرن بنایا چاہتے ہیں اور اغیار وں سے اسکا سن اٹھایا چاہتے ہیں
مقطع۔ عاشق و معشوق میں پردہ نہ تھا ہرگز لطیف اب ستم گر ظلم سوں چلون لگایا چاہتے ہیں

۸۔غزل رضاؔ۔ ۵ شعر یہ غزل ورق ۴ ب پر شروع ہوتی ہے اور ۷ ب پر ختم ہوتی ہے۔ درمیانی دو اوراق جلد ساز کی غلطی سے آگے پیچھے ہوگئے ہیں۔ رضاؔ دکن کا ایک مرثیہ گو تھا (دیکھو اُردو شہ پارے صفحات ۱۵۳۔ ۱۷۱) اس تخلص کے ۱۳ شعرا کا تذکرہ اسپرنگر نے کیا ہے (دیکھو یادگار شعراء ص۹۱) لیکن یہ غزل غالباً محمد رضا خاں رضاؔ کی ہوگی جو چندا صاحب کی اولاد میں سے تھے اور مرزا دبیر کے شاگرد (مدراس میں اردو ص۸۵)

مطلع۔ خواہ نزدیک رکھو خواہ رکھو دور ہمیں دیکھنا ایک نظر تم کو ہے منظور ہمیں
مقطع۔ اب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی ہم کو رضاؔ اس قدر آہ کیا عشق نے مجبور ہمیں

۹۔غزل حسنؔ۔ ۴ شعر۔ میر حسن کا تخلص بھی حسن تھا۔ مصنف سحرالبیان (دیکھو تذکرہ ہذا المخطوطات ۶۸ و ۲۲۷) اس تخلص کے ایک شاعر محمد حسن خاں مدراس میں سرکار کمپنی کے مدرس تھے جنھوں نے ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی (مدراس میں اردو ص۱۳۷) غالباً یہ غزل انہی حسن کی ہے۔

مطلع۔ کروں شکوہ تو ہے وسواس یہ اُسکے نہ آنے کا نہو دھڑکا یہ میرے دل میں گر اسکے روٹھ جانے کا
مقطع۔ حسنؔ تو ہر کسی سے حال دل کہتا پھرے ہے کیوں عبث بدنام ہوگا نہیں کچھ اس میں پانے کا

۱۰۔غزل ازہرؔ۔ ۴ شعر۔ مرتضیٰ ... اردو شاعر تھے۔ (ان کا دیوان ...

فارسی و اُردو ادارے میں موجود ہے (دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطہ نمبر ۸۸)

مطلع۔ دم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا دم کے جانے کا نہایت غم رہا
مقطع۔ صبح گزری شام ہونے آئی میرؔ تو نہ چیتا دن نہایت کم رہا

۱۱۔غزل میرؔ۔ ۳ شعر۔ یہ میر کی مشہور غزل ہے۔

مطلع۔ جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

۱۲۔غزل شاداںؔ۔ ۶ شعر۔ یہ چندو لال شاداںؔ نہیں بلکہ ان سے قبل کے کوئی شمالی ہند کے شاعر ہیں۔ میر رجب علی شاداںؔ کا ذکر تذکرہ جات قاسم و سرور میں درج ہے اور لالہ لبھاون لال شاداںؔ عظیم آبادی کا ذکر تذکرہ شورش میں ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کی غزل ہو۔

مطلع۔ معشوق کے آنے کی شتابی خبر آوے اللہ کرے دل کی یہ امید بر آوے
مقطع۔ شاداںؔ تو خوشی اپنی سی کہہ مطلع ثانی معشوق جو آغوش میں تیرے اگر آوے

۱۳۔غزل ناکمل۔ پانچ شعر ہیں بعد کا ورق غائب ہے اس لئے مقطع محفوظ نہ رہا۔

مطلع۔ جبریل امیں جس کی سدا خاک قدم لے کرتا تھا عجب کحل بصر عرش پہ دم لے

۱۴۔غزل رونقؔ۔ ۷ شعر۔ عارف الدین خاں رونق (متولد ۱۱۹۲ھ) برہانپور کے ایک فارسی شاعر تھے وہاں سے مدراس گئے اور محمد باقر آگاہؔ کے شاگرد ہوئے۔ مشاعرہ اعظم میں شرکت کی حیدرآباد میں وفات پائی۔ (محبوب الزمن ص۴۶۵) میر غلام حیدر رونقؔ عظیم آبادی کا ذکر تذکرہ جات سرور و عشقی میں موجود ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غزل کس رونقؔ کی ہے۔

مطلع۔ تا بکے ضبط فغاں آہ مجھے تاب نہیں ناصحا صبر کی واللہ مجھے تاب نہیں
مقطع۔ غم ہجراں سے ہوئی رونقؔ بیدل کو نجات آگے غمخواری کی یا شاہ مجھے تاب نہیں

۱۵۔غزل مستاںؔ۔ ۴ شعر۔ قبل کا ورق غائب ہونے کی وجہ سے مطلع محفوظ نہ رہا۔ مستان علی صدیقی نے ۱۲۴۶ھ میں ایک مثنوی ... لکھی تھی ... [illegible]

میں محفوظ ہے ممکن ہے کہ یہ غزل انہی کی ہو۔

آغانہ آفریں بوٹے سے قد پر چار دن کے واسطے   عاشقوں کے دل پہ کیا کیا گل کھلایا آپ نے

مقطع۔ بات کہنے میں دعوا نکلے ہے منہ سے بار بار   اس قدر رشتاں کا دل صاحب جلایا آپ نے

۱۶۔ غزل رونق ۔ ۵ شعر۔ اس شاعر کی ایک اور غزل اس مخطوطے میں موجود ہے ۔ دیکھو غزل نمبر ۱۴۔

مطلع۔ وہ کہاں جیتے رہے جو بے وفائی کر گئے   مر گئے آخر جو کس سے آشنائی کر گئے

مقطع۔ رہ گیا او صاحب رونق آخرش دو نو گئے   جو بھلائی کر گئے اور جو برائی کر گئے

۱۷۔ غزل آبرو ۔ ۳ شعر ابتدائی حصہ غائب ہے۔ نجم الدین علی شاہ مبارک آبرو دہلی کے پہلے اردو شعرا میں سے تھے۔ آرزو کے شاگرد اور عزیز تھے۔ ان کا ذکر اردو کے جملہ تذکروں میں درج ہے۔ دیوان کم یاب ہے۔

مقطع۔ بہت بیدل کو مت آبرو کو   مسافر ہے شکستہ ہے گدا ہے

۱۸۔ غزل نامعلوم ۔ ۵ شعر۔

مطلع۔ مرتا ہوں ترے عشق میں ٹک شانہ خبر لے   ٹک میرے دل زار کی آ یار خبر لے

مقطع۔ ہے نازنیں جو ناز اٹھانے ترے دل پر   پوچھیں گے سبھی کوچہ و بازار خبر لے

۱۹۔ غزل یقین ۔ ۵ شعر۔ یقین کے دیوان بھی ادارے میں موجود ہیں۔ (دیکھو مخطوطات نمبر ۵۷ و ۸۳)۔

مطلع۔ کرتے ہیں اپنے بال دکھا مبتلا مجھے   اس پیچ سے جنوں کے نکالے خدا مجھے

مقطع۔ میں گر رہا ہوں یار کے پاؤں اوپر یقین   آئی ہے راست سایۂ گل کی ہوا مجھے

۲۰۔ غزل نامعلوم ۔ ۵ شعر۔

مطلع۔ تجھے تو تم پردہ نشیں خانہ نشیں کیوں نہ ہوے   دل تمہارے کا مرکا دل کے مکیں کیوں نہ ہوے

مقطع۔ جب سے دیکھا تمہارا نام نگیں کے اوپر   خون ہوتا ہے یہ دل ہم دو نگیں کیوں نہ ہوے

۲۱۔ غزل نامعلوم ۔ ۵ شعر۔ اس کے بعد کے اوراق غائب ہیں

مطلع۔ ہزار بار جو ہم عجز سے بلاتے تھے   تو کس غرور سے تم ایک بار آتے تھے

یہ بیاض ناقص الآخر ہے اور اسی غزل کے ان سے عوض پر ختم ہوتی ہے

لب شکر یہ عجب دن تھے ہوتے ہی نہیں
تمہارے منہ سے جو ہم گالیاں بھی کھاتے تھے
اگرچہ روٹھ کے جاتے تھے پھر بھی ہم تم کو
لگے ہے . . . .

۲۴۰۔ اسرار غوثیہ [۷۳]

اوراق ۔ ۳۳ ۔ سطور ۔ ۱۶ ۔

تقطیع ½۶" × ½۸" ۔ خط نستعلیق ۔ عنوان سرخی میں ۔

زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۰ ھ

کاتب ۔ سید شاہ بدیع الدین ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۴ ۔

بمقام ۔ قندھار شریف ۔

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم کے حالات زندگی اور مناقب میں یہ ایک دکنی رسالہ ہے جس کے دو تین ابتدائی اوراق غائب ہیں اس میں غوث اعظم کی کرامتوں اور خرق عادات سے متعلق نہایت تفصیلی معلومات درج ہیں ۔ اس مخطوطے کی ابتدا چھٹے مناقب کی آخری ۱۳ سطروں سے ہوتی ہے ۔ ہر عنوان سرخ روشنائی سے شروع کیا گیا ہے ۔ اس طرح کل ۹۰ مناقب یا عنوانات ہیں ۔ اختتام سے قبل کے ایک ورق کا کچھ حصہ غائب ہے ۔

آغاز :—

"اقرار کئے اے پروردگار جب تک تو اپنے ہاتھ سے مجھے کھانا نہیں کھلائے گا جب تک میں نہیں کھانے کا۔ اس طور سے یک برس گزرا جب حکم ہوا حضرت سلطان ابوسعید مبارک مخزمی قدس اللہ سرہ العزیز کو کہ تم جاؤ میرے محبوب کو کھانا کھلاؤ اور کہو اے محبوب میرے یہ ہاتھ خدا کا ہے"۔

اختتام :-

سیوم ہفتہ ملکوت اعلیٰ کی جان   پھر آئے مقامات عالی عیاں
جب اس طور سے اربعین ہو تمام   عجائب غرائب نظر آئیں کام

ترقیمہ :-

"این کتاب اسرارِ غوثیہ بروز پنجشنبہ بوقت چہار گھڑی روز
برآمدہ بتاریخ بیست دوئیم شہر شوال ۱۲۶۵ہجری در قصبہ
قندہار در مکان حضرت قبلہ پیرو مرشد سید شاہ برہان اللہ حسینی
مدظلہ۔ کاتب الحروف فقیر حقیر نیاز آگیں سید شاہ بدیع الدین"

اس نسخہ کے کاتب سید شاہ بدیع الدین رفاعی (۱۲۲۱ھ۔ ۱۳۰۹ھ) مولف فہرست ہذا کے پردادا تھے وہ قندہار شریف کے مقدس بزرگ حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان (متوفی ۷۸۴ھ) کی اولاد میں مشہور صاحب علم گزرے ہیں۔ چنانچہ مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ مرحوم استاد حضرت سلطان العلوم آصف جاہ سابع و معین المہام امور مذہبی سرکار عالی انہی کے شاگرد تھے۔ سید شاہ بدیع الدین کا سلسلۂ نسب حضرت سید علی سانگڑے سلطان تک اس طرح پہنچتا ہے۔

شاہ بدیع الدین خلف سید شاہ محمد خلف سید شاہ جلال الدین رفاعی خاں خلف سید شاہ سالار ثانی، خلف سید شاہ احمد ثانی خلف سید شاہ سالار خلف سید شاہ میراں جی، خلف سید معین الدین خلف سید احمد منجھلے چلہ دار خلف سید علی سانگڑے سلطان۔

سید شاہ بدیع الدین کے حالات تاریخ قندہار دکن مولفہ ابو حمزہ (ص۱۸۲) اور مشاہیر قندہار دکن مولفہ اکبر صدیقی ایم اے (ص۵۴۔۵۶) میں شایع ہو چکے ہیں۔ اور خود شاہ صاحب کے فرزند سید شاہ عنایت اللہ حسینی (۱۲۷۳ھ۔ ۱۳۲۶ھ) کی سوانح عمری "روضۂ شہید" مولفہ شمس الدین ابو حمزہ میں بھی تفصیل سے درج ہیں جو ۱۳۲۶ھ میں شایع ہوئی تھی۔ حاجی شاہ عنایت اللہ حسینی شہید راقم الحروف کے حقیقی دادا تھے۔

سید شاہ بدیع الدین اپنے خاندانی سلسلہ میں اپنے ہم جد سید شاہ برہان اللہ حسینی برادری سجادۂ درگاہ سانگڑے سلطان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ چنانچہ یہ نسخہ اپنے مرشد ہی کے مکان میں ان کی وفات سے چھے سال قبل نقل کیا ہے۔ شاہ برہان اللہ حسینی (متوفی ۱۲۷۱ھ) قندہار کے ایک اور بزرگ مولانا شاہ رفیع الدین (دیکھو فہرست ہذا صفحہ ۱۶۰) کے داماد تھے۔ اور جب ان کے فرزند شاہ رحمت اللہ حسینی ۱۲۷۵ھ میں درگاہ حضرت سانگڑے سلطان کے سجادہ مقرر ہوئے تو اس نسخہ کے کاتب شاہ بدیع الدین ہی سے خرقۂ خلافت و اجازت حاصل کی۔ کیونکہ اس خاندان میں وہی سب سے زیادہ بزرگ اور مقدس سمجھے جاتے تھے۔ (دیکھو روضۂ شہید ص۲۲ اور مشاہیر قندہار دکن ص۵۴)۔

شاہ بدیع الدین نے اور کئی کتابیں نقل کی تھیں اور خود بھی تصنیف و تالیف کا ذوق رکھتے تھے لیکن ان کا سارا تحریری اثاثہ ۱۳۲۶ھ کی طغیانی رود موسیٰ میں ان کے فرزند شاہ سید عنایت اللہ حسینی کے مکان کے ساتھ بہہ گیا جو چادر محل کے گڈے پر واقع تھا۔

اس نسخہ کے آخر میں شاہ بدیع الدین نے فارسی میں اُن پانچ ایام کے روزوں کی تفصیل بیان کی ہے جن کا ثواب معمولی روزوں سے ہزار گونا زیادہ ہے۔ اور آخری ورق پر اپنی جاگیر موبہ کی اس سالانہ آمدنی کا ذکر لکھا ہے جو ۱۲۵۶ف اور ۱۳۰۰ف کے درمیانی زمانہ میں ان کو وصول ہوئی تھی۔

یہ نسخہ راقم الحروف کے والد حافظ سید غلام محمد شاہ قادری واعظ کے کتب خانہ کا ہے جس کو موصوف کی دوسری قلمی کتابوں کے ساتھ ادارے میں بطور عطیہ داخل کردیا گیا ہے۔

(۲۴۱) نظم شادی [۷]

اوراق ۵ ـ سطور ۱۴ ۔

تقطیع ۔ ۴½ × ۸ ـ خط نستعلیق ۔ حاشیہ سرخی میں ۔

مصنف ـ عظیم الدین شاہ قادری ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۳۱ھ ۔

زمانہ کتابت اوائل تیرھویں صدی ہجری ۔

عظیم الدین کوئی صوفی شاعر ہیں ۔ غالباً دکن یا گجرات کے رہنے والے تھے ۔ ان کا کچھ کلام کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ کی ایک بیاض "گلدستہ گلشن معانی (ے ز م) مکتوبہ ۱۲۳۱ھ میں محفوظ ہے ۔ پروفیسر سروری نے فہرست اُردو مخطوطات صفحہ ۱۰۱ پر اس کا ذکر کیا ہے ۔ مزید حالات معلوم نہ ہوسکے ۔ زیر نظر نظم کے سرورق پر کاتب نے لکھا ہے :۔

"غزل من عظیم الدین شاہ صاحب قادری قدس سرہ"

حالانکہ یہ نظم ہے اور مسدس کی شکل میں جملہ ۱۴ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرعہ ایک ہی ہے ۔ اس میں معرفت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں ۔ اور دنیا بیزاری کی تلقین کی گئی ہے ۔ اس کا نام آخری بند میں خود مصنف نے ظاہر کردیا ہے ۔

آغاز :۔

جیا سن توں دل سا میرے سخن کوں ‏ صریحا جو بھاوے ترے خوب من کوں

ہمیں سربسر چھوڑ اپنے وطن کوں ‏ تماشے کوں نکلے ہیں سیر چمن کوں

ہمیں کیا کریں گے کہ اس مال دھن کوں

اوٹھو جی چلو جائیں اپنے وطن کوں

اختتام :۔

عظیما نے کیا خوب شادی گنایا ‏ لے ناسوت کے شو کوں لاہوت لایا

لجا گنج مخفی کے مندر سے ملایا ‏ ملا ملک وحدت کی شاہی دلایا

دلا خوش کیا سربسر اپنے من کوں

اٹھو جی چلو جائیں اپنے وطن کوں

اس نظم کے خاتمہ پر ایک غزل بعنوان "ریختہ" لکھی ہے جو غالباً عظیم ہی کی ہوگی ۔ اس کا مطلع و مقطع یہ ہے ۔

مطلع ۔ سفر میں جس مرد کوں سردم خدا کا دھیان ہے

تحقیق کر جانو سہی جگ میں وہی انسان ہے

مقطع ۔ مرشد سے سن یہ بات لیو نام محمد سات لیو

ہو گان وحدت بات لیو یہ گوے یہ چوگان ہے

اس کے بعد آخری صفحہ پر ایک مختصر فارسی مثنوی ہے جس کا عنوان ہے ۔ "قاعدۂ شناختن وقت از حضرت امیر خسرو"

یہ نظم شادی ایک فارسی رسالہ تصوف "در بیان روح" مؤلفہ عبدالرحمن کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے ۔ رسالہ بیان روح کا تذکرہ فارسی مخطوطات کے تذکرے میں درج رہے گا ۔

---

(۲۴۲) وفات نامۂ زہرا [۳۴۵]

اوراق ـ ۱۱ اشعار فی صفحہ ۔

تقطیع ـ ۴¾ × ۷½ ـ خط نستعلیق ۔

مصنف ـ کثیر ۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۲۷ھ

یہ تقریباً ۱۱۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں آنحضرت پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کی زندگی جس رنج والم میں گزری اس کو بیان کیا گیا ہے آخر میں ان کی وفات کے وقت ان کی وصیتیں اور ورثاء کی پریشانی اور رنج و ملال کا تذکرہ بھی درج ہے ۔

غالباً یہ نسخہ ناقص الآخر ہے ۔ ابتدائی صفحہ پر اس کا عنوان "قصیدہ کثیر" درج ہے ۔ کثیر تخلص کے کسی شاعر کا

حال معلوم نہ ہو سکا۔ زبان کے لحاظ سے یہ مثنوی ۱۲۵۰ھ و ۱۲۷۵ھ کے درمیانی زمانہ کی تصنیف ہے۔ اس موضوع پر کئی اور کتابیں بھی لکھی گئی تھیں جن میں سے بعض ادارے میں بھی موجود ہیں۔ دیکھو تذکرۂ ہذا مخطوطات نمبر ۱۴۰ و ۱۴۱۔

آغاز:۔

آنکھوں سے کر خون جگر کا رواں عاشق شیدا کی سنو داستاں
ہو گئی ہے وفات نبیؐ فاطمہ زہراؓ کو ہوئی بے کلی

اختتام:۔

سوتے ہو کیا اس گھڑی ہو بے خبر ہاں سے لو بیاکے ذرا جلد تر
نالی سے اسرار جو یہ پائے ہم چونک کے اب نیند سے یاں اٹھے ہم

نواب عنایت جنگ بہادر کا علیہ ہے۔ آخری بیت کے نیچے ان کے دستخط "عنایت حسین ۹۳ھ" درج ہیں۔

---

(۲۴۳) بیاض اشعار [۳۴۴]

اوراق ۷۔ ۸ شعر فی صفحہ۔

تقطیع ۳ ۳/۴ × ۱/۲ ۶۔ خط نستعلیق

مصنف ادبؔ، شکوہؔ، امیرؔ، لطفؔ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۷۵ھ۔

اس بیاض میں نعت و منقبت میں ۵ نظمیں درج ہیں۔ یہ ناقص الاول ہے۔ اور غالباً کسی بڑی بیاض کا حصہ ہے۔ اس کے آخر میں ایک مکمل نظم "وفات نامۂ زہرا" شامل ہے جس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۲۴۲ میں علحدہ کیا جا چکا ہے۔ اس کی مختلف نظموں کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ نعت۔ ۴ شعر ہیں۔ شاعر کا تخلص ممکن ہے "بیکار" ہو جیسا کہ آخری شعر سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ نعت ناقص الاول ہے۔

ابتدا۔ یا فخر جہاں منزل اول سے وہاں تک
بدلے نہ کوئی قافلہ سالار ہمارا

اختتام:۔

از بس یہ تمنا ہے ارکہ اے خواجۂ کونین
فرماؤ یہ ہے بندۂ بیکار ہمارا

۲۔ **نعت ادبؔ۔** ۷ شعر۔ غلام محمد شریف ادبؔ بنگلور کے ایک شاعر تھے۔ (دیکھو مدراس میں اردو ص ۱۸۷) ممکن ہے کہ یہ غزل انہی کی ہو۔

مطلع۔ منہ دکھاؤ مجھے رسول اللہ تم جلاؤ مجھے رسول اللہ

مقطع۔ آہ و زاری سے ہے ادبؔ عاجز تم ہنساؤ مجھے رسول اللہ

۳۔ **منقبت غوث اعظم۔** از شکوہؔ۔ یہ نظم ایک ترکیب بند ہے جس کے ہر بند میں چار چار مصرع ہیں۔ اس طرح جملہ ۱۳ بند ہیں۔ اس بند کا آخری مصرع ہم قافیہ ہے۔ شکوہؔ تخلص کے دو شاعروں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) محمد رضا شکوہؔ لکھنوی تھا جو مرزا قتیل کے دوست تھے (تذکرہ مصحفی و قاسم)

(۲) سید شکوہ علی شکوہؔ ساکن سراوہ جنھوں نے ۱۲۰۱ھ سے قبل وفات پائی (تذکرہ سرور)

لیکن اس منقبت کا مصنف کوئی دکنی شاعر ہے جیسا کہ زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔

آغاز:۔

یا غوث الاعظم مظہر سبحاں دونوں جہاں کے تم ہو سلیماں
نور چراغ روضۂ رضواں رونق روئے ماہ درخشاں

اختتام:۔

اے شکوہؔ تم ہو غوث کے طالب غوث تمہارے دیں گے مطالب
غوث کا طالب سب سے ہے غالب غوث پہ ہر دم دل سے ہو قرباں

۶۔ **مرثیہ اصغر**۔ از امیرؔ۔ ۱۱ شعر۔ کوئی دکنی شاعر ہیں۔
علامہ عبد القادر امیرؔ میسور کے ایک شاعر تھے جو ٹیکنڈہ میں
ڈپٹی کمشنر تھے۔ (میسور میں اردو ص۱۴۱)۔ معلوم نہ ہوسکا کہ
مرثیہ انہی کا ہے یا ان سے قبل کے کسی دکنی شاعر کا۔

آغاز: —

ہی تھی روکے بی بی سکینہ تم اٹھو جی میرے بھائی اصغر
ہے غم نے چھیدا ہے سینہ تم اٹھو جی میرے بھائی اصغر

اختتام: —

مختصر کر بھائی عزا کو یاد رکھ یہ امیرؔ گواہ کو!
دم بدم بولتی تھی یہ بی بی سکینہ تم اٹھو جی میرے بھائی اصغر

۷۔ **غزل نعتیہ** از لطفؔ۔ ۷ شعر۔ مرزا علی لطفؔ مولف
تذکرہ گلشن ہند کے علاوہ ایک اور شاعر میر لطف علی تماں
لطفؔ برار کے رہنے والے تھے ۱۲۰۰ھ میں وفات
پائی (محبوب الزمن جلد دوم ص۹۷۳)۔ ممکن ہے یہ انہی کی غزل ہو۔
مطلع۔ محبوب خدا عرش پہ پہنچا شبِ معراج کیا کھل گیا امت کا نصیبا شبِ معراج
مقطع۔ اے لطفؔ جو معبود نے چاہا وہی پایا باقی نہ رہا ایک تمنا شبِ معراج
(بیاض، نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

(۲۴۴) کلام برہان [۷۰۵]

اوراق ۱۰۔ سطور مختلف تعداد میں۔
تقطیع ½۵"×۴"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ سیدی برہان دکھنی۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ۔

سیدی برہان کوئی دکھنی شاعر ہے جس نے زیادہ تر
حُب اہل بیت نبیؐ میں نظمیں لکھی ہیں۔ شاعر نے اپنے وطن
دکھن کا کئی جگہ مقطعوں میں ذکر کیا ہے۔ اور خود ستائی بھی
کی ہے کہ تجھ جیسا شاعر دکن میں اور کون ہے۔ لیکن اس خودستائی
کے باوجود یہ شاعر اب تک غیر معروف ہے۔ پہلی بار اس مخطوطے کے
ذریعہ سے وہ روشناس ہو رہا ہے۔

اس مخطوطے میں اس کے چار مستزاد ہیں۔ ان میں سے
ہر ایک بعنوان "عشق" لکھا گیا ہے۔ گویا نعت نگاروں نے
اس صنف سخن کا نام ہی "عشق" قرار دیا ہے۔ آخر میں ایک
طویل مثنوی ہے جو بہ لحاظ ایک علمی رسالہ غالباً اسی شاعر کا
ایک مرثیہ مخطوطہ نمبر ۲۱۲ میں بھی درج ہے جس کا ذکر ص۲۵۶
پر گزر چکا ہے۔

۱۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ معرکۂ کربلا میں حضرت عباسؓ کے حملہ کا نقشہ

آغاز۔ جس وقت علمدار نے جھنڈا کھڑا کیا میدان میں آیا
نقارہ کیا فوج میں تب اور دوبارہ وار تیغ چلایا

اختتام۔ کیا خوف ہے حشر میں تجھے سیدی برہان بس عشق ہے کافی

۲۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ شہادت اصغرؔ کا واقعہ بیان کیا ہے۔

آغاز۔ اصغر کو آکے تیر لگا جب دہن کے بیچ چشموں سے آشکار
سرور نے ہاتھ امتوں کی دعا سے سخن کے بیچ امت کا ہے گنہگار

اختتام۔ صد مرثیہ ہے سیدی برہان آپ کو کیسا لکھے ہو عشق
شاعر کہاں ہے ایسا یہ ملک دکھن کے بیچ سادات نامدار (ورق ۴)

۳۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ حضرت اکبر کی شہادت بیان کی گئی ہے۔

آغاز۔ فارغ ہوا جو حضرت اکبر نماز سے در دشت کربلا
کوئی کہے کہ اٹھے پیمبر نماز سے در دشت کربلا

اختتام۔ ملک دکھن میں سیدی برہاں کے عشق کا مسند اورنگ (؟)
فرماؤ کون سی شے ہے بہتر نماز سے اے میرے پیشوا (ورق ۵ ب)

۴۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ معرکۂ کربلا کے واقعات بیان کئے ہیں۔

آغاز۔ فرمائے حکم جلدی سے ہاں کیجئے ڈنکا اوس شیر ببر کا
معلوم کئے ساروں نے اب ہو چکا... شبیر کے گھر کا

اختتام۔ برہاں کو چرن آپ کی برداری ہیں بخشش — کچھ کیجئے یا شہ
ہر وقت سناتا ہوں یہ دین کا ڈنکا — عباس کے گھر کا

۵۔ مثنوی۔ ۱۳۴ ابیات۔ یہ طویل مثنوی بجائے خود ایک علٰحدہ کتاب ہے۔ اس میں آنحضرت سرور کائنات کی وفات سے قبل کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک شخص نے مہر نبوت چومنے کی غرض سے ایک ڈھونگ رچایا اور اس نے دعوی کیا کہ حضرت نے ایک وقت میری پیٹھ پر کوڑے مارے تھے اب اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ بی بی فاطمہ اور حسنین کو اس خبر سے بڑی تشویش ہوئی اور موخر الذکر دونوں نواسوں نے کہا کہ حضرت کی جگہ ہم سے بدلہ لے لے۔ مگر اس شخص نے نہ مانا۔ جب آخر کار حضرت نے اپنی پیٹھ پر سے کمبل ہٹائی تو اس شخص نے جھپٹ کر مہر نبوت کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں نے اسی غرض سے یہ حرکت کی ہے۔

اسی موضوع پر ادارے میں ایک اور مخطوطہ موجود ہے لیکن اس میں اصحاب نبیؐ کے پیش کش کا بھی ذکر ہے۔ سیدی برہان نے یہ ذکر حذف کر دیا ہے۔ لیکن وہ اپنی نظم کے آخر میں اصحاب کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

پہلے حضرت ابابکر صدیقؓ — ہیں خلیفہ رسولؐ کے تحقیق
بعد اُن کے عمرؓ ہیں پھر عثمانؓ — چاریں خاص ہے بشیر مرداں (بیت نمبر ۱۳۱)

یہ مثنوی حسب قاعدہ حمد و نعت سے نہیں بلکہ اصل واقعہ سے شروع کر دی گئی ہے۔

آغاز۔ سنو اے مومنو کرتے کیجے طول — یہ بیاں ہے گا از وفات رسول
یوں روایت کئے ہیں حضرت انس — کئے خدمت نبیؐ کی دس دہ برس

اختتام۔ اونکا خادم ہے سیدی برہان — دو جہاں میں ہے امن اور آمان
ہے رسول خدا کا سب احسان — گفت صلواۃ سیدی برہان

سیدی برہان کا یہ سب کلام ایک ضخیم بیاض میں شامل ہے جس میں اردو و فارسی نثر و نظم کے کئی رسالے شامل ہیں۔ اور یہ بیاض "فاضل بیگ" کے لئے لکھی گئی تھی۔ کاتب نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ سنہ کتابت۔ کاغذ اور طرز تحریر سے ۱۲۵۰ھ سے قبل کی مکتوبہ بیاض معلوم ہوتی ہے۔ اور نواب عنایت جنگ کی عطیہ ہے۔ اس بیاض کے متعلق دیکھو مخطوطات ۱۰۲،۰۰۰

---

(۲۴۵) کلام میرن [۷۰۶]

اوراق ۵۔ سطور مختلف تعداد میں۔
تقطیع ۵½ × ۴½۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ میرن سبزواری۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۹۰ھ

میاں میرن سبزواری دلی کے شاعر ہیں۔ وہاں کسی نے زخمی کر دیا تھا۔ آخر عمر میں لکھنؤ چلے گئے تھے۔ اور وہیں مکان کی چھت سے گر کر فوت ہوئے۔ چاند کی ہر اکیسویں تک پانچ منقبت لکھ لیا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر منقبت ہی لکھا کرتے تذکرۂ قاسم میں صحیح لکھا ہے کہ "کلام میں غلط و صحیح اور رطب یابس بہت ہوتا تھا" کیونکہ ادارے میں ان کا جو کلام محفوظ ہے اس سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کا حال تذکرہ شورش (مولفہ قریب ۱۱۹۳ھ) اور اسپرنگر کی فہرست کتب خانجات شاہان اودھ" میں درج ہے۔

ادارے میں ان کی تین نظمیں ایک طویل بیاض میں درج ہیں۔ ایک نظم کے آخری حصہ میں انہوں نے اپنے وطن سبزوار کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس بیاض میں امیر خسرو اور شاہ بوعلی قلندر کی فارسی غزلیں بھی شامل ہیں۔

میرن کی نظموں کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ منقبت ۔ اس نظم میں ۸ بند ہیں۔ ہر بند میں چھے مصرعے۔ گویا یہ ایک مسدس ہے۔

اس میں جملہ حروف تہجی کے متصوفانہ مطالب ظاہر کئے گئے ہیں۔ ہر بند کا آخری مصرع مشترک ہے۔

آغاز۔ نام مولا پہ جھکایا ہوں اس کے قدموں سے سر لگایا ہوں
نام پر اوس کے میں بکایا ہوں ڈھونڈ مضمون یہ لے آیا ہوں
نام مرشد کو دل میں لایا ہوں
الف اللہ میں بھید پایا ہوں

اختتام۔ لام الف ہے عجب وصل میرن ذکر ہمزہ تو ہے بدل میرن
ی سے یادِ علیؑ اول میرن واحمدؐ ہے اب اصل میرن
فدوی اوس شاہ کا کہایا ہوں
الف اللہ میں بھید پایا ہوں (ورق ۲۶ ب)

۲۔ مرثیہ۔ ۲ بند۔ یہ ایک مخمس ہے جس کے ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

آغاز۔ ماتم حسین سے سب کو رولاوں تو صحی ایکدم دل سے خوشی سبکی بھولاو تو صحی
آہ کر کونین میں غوغا مچاؤں تو صحی جوں شفق چشم فلک سے خوں بہاؤں تو صحی
عرش سے کرسی حقیقت یہ لیجاؤں تو صحی

اختتام۔ اور تو شاعر ہیں میرن میں تو کچھ شاعر نہیں کیا کروں امیر حسینؑ صادل مرا ماضر نہیں
مدح کے کہنے میں سچ ہے یہ زباں قادر نہیں تیرے کہنے میں سے میں تو اب باہر نہیں (م)
عالم بالا سے مضمون ڈھونڈ لاؤں تو صحی (ورق ۲۲ الف ب)

۳۔ **مناجات**۔ یہ ۱۲ اشعار کی ایک قصیدہ نما نظم ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ آخری شعر میں شاعر نے اپنے وطن سبزوار کا ذکر کیا ہے۔

آغاز۔ خواب میں ایک روز کیا باغ ارم میں گزار دیکھو تو کیا خوب ہے سبز گل نو بہار

اختتام۔ نام ہے کے حضرت حسینؑ میں تو ہوں میرن غریب سبز ہے حشر تک میرا وطن سبزوار

اس نظم کے نیچے کاتب نے ترقیمہ لکھا ہے کہ :-

"بپاس فاضل بیگ نوشتہ"

نہ تو سنہ کتابت لکھا ہے اور نہ اپنا نام۔ یہ بیاض نواب عنایت جنگ بہادر کی عطیہ ہے اور اس کے لئے دیکھو مخطوطات نمبر ۲۴۴ و ۲۴۶۔

(۲۴۶) بیاض نظم و نثر [۷۰۷]

اوراق ۲۶۔ سطور مختلفہ۔

تقطیع۔ ۵½ × ۴¼"۔ خط نستعلیق و نسخ۔

مصنف۔ حیدر۔ دلفگار۔ دبیر۔ طپاں۔ ناسخ۔ نثار۔ سکندر۔ امیر۔ مولائی۔ علائی۔ گوہر۔ رسا۔ لطیف وغیرہ۔ زمانۂ تصنیف، قبل ۱۲۰۰ھ۔

یہ ایک ضخیم بیاض ہے جس کو ایک کم سواد کاتب نے فاضل بیگ کے لئے غالباً سنہ ۱۲۵۰ھ سے قبل نقل کیا۔ اس میں زیادہ تر کلام سنہ ۱۲۰۰ھ سے قبل کا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو درمیان کی خالی جگہ میں کسی اور کاتب یا مالک بیاض نے دوسرے شعرائے مابعد مثلاً ناسخ، دبیر اور فیض وغیرہ کا کلام بھی شامل کر دیا ہے کیونکہ بعد کے کاتب کا خط بہت بہتر ہے۔

اس بیاض میں سیدی برہان دکنی اور میاں میرن دہلوی کی کئی نظمیں بھی شریک ہیں۔ اس لئے ان دونوں کی نظموں کو علحدہ عنوانات کے تحت (مخطوطات ۲۴۴ و ۲۴۵) لکھا گیا ہے کیونکہ وہ کلام اتنا زیادہ ہے کہ بجائے خود جداگانہ مخطوطے ہیں۔

بقیہ شعرا میں بعض شمال کے ہیں اور بعض دکن کے اور ان میں سے اکثر غیر معروف ہیں۔ اس بیاض کی ۱۶۰ نظموں اور دو نثری رسائل کی تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ مناجات حیدر ۔ ۱۵ بند ہیں ایک مخمس کی شکل میں جس کے ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ اس طویل نظم میں حضرت علی مشکل کشا کی منقبت لکھی گئی ہے ۔ اور ان سے مدد چاہی گئی ہے ۔ فقیر اللہ شاہ حیدر کی تین کتابیں (ثنا ولی ۱۲۴۴ھ، نظم انور ۱۲۴۷ھ، چہار کرسی) ادارے میں محفوظ ہیں ۔ دیکھو مخطوطات نمبر ۱۲۵، ۱۲۶ و ۱۵۸ ۔ حیدر تخلص کے ایک اور دکنی شاعر کی ایک غزل ادارے کے مخطوطہ نمبر ۳۹۲ میں بھی درج ہے ۔ لیکن یہ غالباً اول الذکر کی نظم ہے کیونکہ انہوں نے اپنی دوسری نظموں میں بھی اس امر کا ذکر کیا ہے کہ ان کا نام پہلے حیدر رکھا بعد کو فقیر اللہ شاہ مشہور ہوئے ۔

آغاز ۔ سب طرف سے اب تو ہوں لاچار یا مشکل کشا بیکسی میں کوئی نہیں یار یا مشکل کشا
غیر سے کہنے کا ہے انکار یا مشکل کشا درد میرا تم سے ہو اظہار یا مشکل کشا
مت کرو مطلب کو میرے بار یا مشکل کشا

اختتام ۔ یا علی روزِ ازل سے ہوں تمہارا میں غلام ظاہر علی سے میرا حیدر آزاد نام
تم سوا کس سے کہوں میں بنا دو کھ میرے امام صدق سے کہتا ہوں تم پر اے مرے سرور سلام
ہر گھڑی ہر پل میں سو سو بار یا مشکل کشا

۲۔ مجرا ۔ یہ وقار کا ۲۰ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں معرکۂ کربلا کا تذکرہ اور حضرت امام حسینؓ کی مدح و منقبت بطور سلام درج ہے وقار کوئی غیر معروف شاعر ہے ۔ ممکن ہے کہ کاتب نے غلط تخلص درج کر دیا ہو ۔

آغاز ۔ جلوہ ہے جو غبار در بوتراب میں اے مجرئی وہ نور کہاں آفتاب میں
پڑھ مجرئی سلام وہ شہ کی جناب میں جس کو لکھیں فرشتے بیاض ثواب میں

اختتام ۔ رن میں جلا تشنہ کے خیام فلک شکوہ تا بشعاع صرف تھے جن کے طناب میں
ہے وقت گریہ آہ شرربار کر وقار تابندہ برق ہوتی ہو اکثر سحاب میں

۳۔ سلام ۔ یہ دبیر کا ایک سلام ہے جس میں ۷ اشعار ہیں ۔ مرزا سلامت علی دبیر (متوفی ۱۲۹۲ھ) لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو ہیں جن کے حالات چھپ چکے ہیں ۔

مطلع ۔ کہوں جو مجرئی وقت فنا حسین حسین سدا مزار سے نکلے صدا حسین حسین
مقطع ۔ پڑا ہے ڈھیر میں گور و کفن کو محتاج مرا امام مرا مقتدا حسین حسین

۴۔ مناقب بلہار ۔ یہ ایک مسدس ہے جس میں ۱۱ بند ہیں ۔ اگرچہ عنوان پر مناقب لکھا ہے لیکن یہ اصل میں ایک مرثیہ ہے ۔ شاعر کی نسبت معلومات حاصل نہ ہو سکیں ۔

آغاز ۔ راوی نے یوں لکھا ہے روایت حسینؓ کی ہے جب تب صبر و شکر و سخاوت حسینؓ کی
نکلی سواری جب کہ لیاقت حسینؓ کی زینے تھے خضرؑ و نوحؑ نقابت حسینؓ کی
تھا شور کون دیوے شراکت حسینؓ کی
ہے آج کربلا میں شہادت حسینؓ کی

۵۔ غزل ناسخ ۔ ۸ شعر ہیں ۔ امام بخش ناسخ کے دو قلمی دیوان بھی ادارے میں محفوظ ہیں ۔ دیکھو مخطوطات نمبر ۱۹۱ و ۱۹۲ ۔ اس بیاض میں یہ غزل بعد کا اضافہ ہے ۔

مطلع ۔ چشم جاناں اور ہے چشم غزالاں اور ہے وضع انساں اور ہے ترکیب حیواں اور ہے
مقطع ۔ فرق ہے شاہ و گدا میں قول ناسخ ہے صحیح شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے

۶۔ نظم بوڑھاپا ۔ از نظیر اکبرآبادی ۔ یہ ایک مشہور و مقبول مسدس ہے جس میں ۲۰ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری شعر مشترک ہے ۔ یہ نظم بعد کو کسی اور کاتب نے بیاض میں شامل کی ہے ۔

آغاز ۔ کیا قہر ہے یارو جسے آ جائے بوڑھاپا اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بوڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بوڑھاپا ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بوڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بوڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بوڑھاپا

اختتام ۔ گر ہوتی جوانی کو بڑی آج کو بنی تو کاہے کو سنتے یہ سخن اور کہ گو بنی
جڑہ بیٹھتے جھاتی کے ابرا کے کھٹی لے ڈالتے ایک دم میں ہر یک خندہ کو بنی
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بوڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بوڑھاپا

۷۔ **مناقب نثار** ۔ ۱۳ شعر بطور غزل کے لکھے ہیں۔ اس تخلص کے ۸ شعرا کا تذکرہ اسپرنگر نے اپنی فہرست میں کیا ہے (دیکھو یادگار شعرا صفحات ۲۰۴ و ۲۰۵) لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس نثار کی غزل ہے۔

آغاز ۔ اے دل محب پاک کہا نا علی علی ہر عشق دل کے بیچ سمانا علی علی

اختتام ۔ بس ختم کر نثار پڑھ اب یا سنی کلام یک رنگ محب پاک کو ٹھانا علی علی

۸ ۔ **مخمس عشقیہ** ۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ کل پانچ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔

آغاز ۔ شوق تو تیرا ہی اب مجھ کو صنم باقی ہے آفتِ عشق ہے اور درد و الم باقی ہے

ایک جفا کر چکے دوسرا یہ ستم باقی ہے تیغ بسمل کو مرے ابروئے خم باقی ہے

روز وصلت ہی ترے ہجر ستم باقی ہے

اختتام ۔ نشۂ حسن نہیں ہوش نہ جانا مغرور سچ کہو آپ کا کیا ہوئیگا بھلا یہ دستور

تم کو ہر طرح کی سوگند کھلانا منظور اب تو تم پر ہیں فدا جان اور ایمان سرور

سب قسم کھا چکے یک حق کی قسم باقی ہے

۹ ۔ **مناقب سکندر** ۔ یہ پانچ بندوں کا ایک مخمس ہے ۔ سوائے پہلے بند کے باقی کے چار بندوں کا آخری مصرع ہم قافیہ ہے ۔ اور قافیے یہ ہیں ۔ بہادر ۔ دلاور ۔ مقرر ۔ سکندر غالباً وہی خلیفہ محمد علی پنجابی ہیں جن کا ذکر سودا نے اپنی ہجو میں کیا ہے ۔ یہ آخر عمر میں حیدرآباد چلے آئے تھے اور یہیں وفات پائی ۔ ان کا حال جملہ تذکروں میں درج ہے ۔

آغاز ۔ اب لکھا آگے تری ایسی شجاعت یا علی عرش پر چاہتے ہیں تجھی کی حمایت یا علی

اور کرسی پر لکھی تیری ولایت یا علی عرش پر کہتے ہیں سب حور و ملایک یا علی

ثانی یہ تیرے نہیں کس میں کرامت یا علی

اختتام ۔ بس مناقب کو لکھا تو نے غریبانِ غریب پنجتن کے سائے میں کہتا غریبانِ غریب

دین میں پایہ ترا ہے گا غریبانِ غریب سب صبح کی پہر میں لکھا غریبانِ غریب

ملک اس دکھن میں آس (ج) سکندر یا علی

۱۰ ۔ **ہجو کنیز** ۔ یہ ۱۱ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں ایک فاحشہ کنیز کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ بعض بیتیں فحش ہیں ۔ مصنف کا پتہ نہ چل سکا ۔

آغاز ۔ کیا بال جال ہے یار و زود بلا ہے کھڑا ..... مثال بادشاہ

اختتام ۔ بی بی گر پوچھے کہاں کا ہے حمل بولیو ہوں میرے میاں کا ہے حمل

۱۱ ۔ **مسدس ہجویہ** ۔ پانچ بندوں کا ایک مسدس ہے جس میں مولویوں اور شائخوں کی ہجو کی گئی ہے ۔ ہر بند کا آخری شعر ہم قافیہ ہے ۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔

آغاز ۔ دل ہے دیوانہ زلف کی لٹ کا کہہ تو شحنہ سے دیوے مت جھٹکا

جسے عشق کھا گیا ہے گھونگٹ کا گھورنے کا لگا ہے کیا چسکا

اب سراتا ہے تیری چوکھٹ کا

کیوں تو کرتا ہے آسرا پٹ کا

اختتام ۔ تیری آمد بھلا دے اے ساقی بن ہی جاتے ہیں احول و ناقی

دور پینگ نشہ میں تریاقی بے خودی میں رہے نہ کچھ باقی

اف رے عالم تری چھپر کھٹ کا

کیا مزا تھا ہر ایک کروٹ کا

۱۲ ۔ **مناقب امیر** ۔ ۵ بندوں کا ایک مسدس ہے جس میں عارفانہ مضامین لکھے گئے ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرع مشترک ہے ۔ امیر تخلص کے ۵ شعرا کا تذکرہ اسپرنگر نے لکھا ہے ۔ دیکھو یادگار شعرا صفحات ۳۱ ۔ ۳۲ ۔ لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کونسے امیر ہیں ۔

آغاز ۔ دیکھو ہم خوش ہیں جام جم کے سات شب کو خلوت ہے اوس صنم کے سات

دید کا بید ہے حرم کے سات دید ہستی میں رہو عدم کے سات

تم پھرو جاؤ جی حشم کے سات

ہم بھی حاضر ہیں دم قدم کے سات

اختتام ۔ عشق نہیں جس کا ہو چکا ہے امیر خاک کا بستر ا بچھا ہے امیر

کیوں تو اپنے میں گم رہا ہے امیر پنجتن کا لے آسرا ہے امیر

شافع حشر میں امم کے سات

ہم بھی حاضر ہے دم قدم کے سات

۱۳۔ مخمس ۔ ۱۰ بندوں کا ایک مخمس ہے جس میں ہر بند کا آخری مصرع ہم قافیہ ہے ۔ اس نظم میں کسی غیر معروف شاعر نے حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ اول کی ہجو لکھی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ایک مسافر مدینے میں آیا اور خلیفہ کو ڈھونڈھ کر چند سوالات کئے۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا کیونکہ وہ سوالات سمجھ میں نہ آتے تھے ۔ حضرت علیؓ نے ان سوالات کا جواب دیا جس کی بنا پر شاعر نے حضرت علیؓ کو خلافت کا مستحق اور حضرت ابوبکرؓ کے طرفداروں کو خارجی قرار دیا ہے ۔

آغاز ۔ روایت ہے یاروں کہ بعد از پیمبر جواں ایک آیا مدینہ کے اندر

لگا پوچھنے سب سے ہو کر سخنور کہ اس شہر کا ہے گدا و تو نگر

خلیفہ اوسے کون ہے بعد سرور

اختتام ۔ بس اے خارجی قوم کہتا ہوں تم سے میں واقف نہیں ہوں کسی نام گم سے

جب اپنے بندے تم نے بکرے کی دم سے ولا علی ہیں گے مست او کی خم سے

جو ساقی ہے میرا وہ ساقی کوثر

۱۴۔ غزل مولائی ۔ ۷ شعر ۔ اس تخلص کے ایک مرثیہ گو بھی گزرے ہیں ممکن ہے یہ غزل انہی کی ہو ۔

مطلع ۔ کل سے گر و مجھے دینے کی تدبیریں گل یہ نیا اور کھلا آج کی تقریریں گل

مقطع ۔ رو رو دل میں ہے یہ مولائی کے اپنا مولا نت پڑا یا کروں میں روضۂ شبیر میں گل

۱۵۔ مناجات غلامی ۔ یہ ایک مخمس ہے جس میں ۷ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری شعر مشترک ہے ۔ غلامی عہد ابوالحسن قطب شاہ کا ایک شاعر تھا جس نے کتاب "پدماوت" دکنی نظم میں لکھی تھی (اردو شہ پارے) لیکن یہ مناجات شاہ غلام محمد غلامی کی ہو گی جو شاہ حاتم کے دوست اور درویش منش شاعر تھے اور ان کی طرح تکیۂ شاہ تسلیم میں بیٹھتے تھے دیکھو تذکرہ سرور و مصحفی ۔

آغاز ۔ مجھے یا شاہ شاہاں کب کروگے تفضل مجھ پہ ارزاں کب کروگے

میرے اسباب ساماں کب کروگے میرے دشمن خراساں کب کروگے

کرم یا شاہ مرداں کب کروگے

مری مشکل کو آساں کب کروگے

اختتام ۔ غلامی کے نہیں ہو شاہ حامی یہ دولت جب تلک تیری غلامی

تری دہلیز کا کل ہوں مدامی ترے ہوں آستانے کا سلامی

کرم یا شاہ مرداں کب کروگے

مری مشکل کو آساں کب کروگے (ورق ۲ ب)

۱۶۔ غزل گوہر ۔ ۷ شعر ۔ شاعر کی نسبت کوئی علم نہ ہو سکا ۔

مطلع ۔ دل کہ ہے منظر اپنے صنم کا جو کے جھگڑا پا دیں گے

دیکھو مر کر صاف وہ صاحب یہاں سے کہاں تم جاویں گے

مقطع ۔ رکھیو بغل میں اپنے پریرو ابتو ہمیشہ اے گوہر

دیکھ منور حسن پریرو ہاتھ ہلا سر کا دیں گے (۴ ب)

۱۷۔ غزل رسا ۔ ۴ شعر ۔ اس تخلص کے تین شاعروں (علیم اللہ رسا ۔ مرزا لچھمی رسا اور مرزا تقی رسا کا ذکر) کا اور سرور کے تذکروں میں ملتا ہے ۔ معلوم نہیں کہ یہ غزل کس رسا کی ہے ۔

مطلع ۔ مرے تو وصل سے گلرو کی آرزو گئی بہار گو کہ گئی پر وہ جستجو نہ گئی

مقطع ۔ ہزار طرح سے سمجھایا میں نے تجھ کو رسا یہ خوئے بدتری آہ رو بھو نہ گئی

۱۸۔ غزل فیض ۔ ۵ شعر ۔ مقطع نہیں ہے ۔ البتہ مطلع میں لفظ فیض درج ہے اور غزل پر بھی غزل فیض لکھا ہے ۔ اس تخلص کے ۵ شاعر معروف ہیں ۔ دیکھو یادگار شعرا ص۱۵۹) ۔ یہ غزل غالباً شمس الدین فیض دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۹۴ کی ہو گی ۔

مطلع ۔ ہم تو سنتے تھے کوئی فیض سا ہوشیار نہیں آج دیکھا تو مجنوں کا سزاوار نہیں

۱۹۔ غزل نامعلوم ۔ ۶ شعر ۔

مطلع ۔ کیوں کہتے ہو پاس اپنے بلانے کے نہیں ہم

اور اپنی جھلک تم کو دکھانے کے نہیں ہم

۲۰۔ غزل لطیف ۔ یہ ۷ اشعار کی غزل ہے جس کے زیادہ تر اشعار اخلاقی ہیں ۔ لطیف کی ایک غزل کا تذکرہ اور حالات نمبر ۲۳۹ کے بیان میں درج ہیں ۔

مطلع ۔ ترے باغ حسن بیچ اے صنم نہ تو گل طا نہ ثمر طا گر ایک شاخ جدائی کا جو طا سو خار جگر طا

مقطع ۔ کبھی در پہ دیکے جا بار کبھی تو حرم سرا گزار یہ سبب دل کہ لطیف کو کہیں ٹھا نہیں گھر طا

۲۱۔ جواب سوال ہندوستانی ۔ اس عنوان کے تحت فارسی جملے اور ان کا اردو ترجمہ مسلسل لکھا گیا ہے ۔ یہ ایک مربوط عبارت ہے جس میں تقریباً ۶۰ سطریں ہیں ۔ نمونے کے طور پر ابتدا اور آخر کی دو دو سطریں درج ذیل ہیں ۔ مولف کے نام کا پتہ نہ چل سکا ۔

ابتدا " کسے آنجا است کوئی وہاں ہے ۔
نہ صاحب نہیں صاحب ۔
نوکراں آمدہ اند نوکراں آئے ہیں ۔
ہمیں ہمہ نیامدہ اند سب نہیں آئے ہیں ۔
کدام نیامد کون نہیں آیا ۔"

اختتام ۔ من می خواہم کہ سفر دریا کنم میں چاہتا ہوں کہ دریا کا سفر کروں
سفر خشکی بسیار خوب است خشکی کا سفر بہت اچھا ہے ۔"

ترقیمہ " تمام شد بخاطر فاضل بیگ نوشتہ است "

۲۲۔ نورنامہ ۔ یہ فارسی نثر میں نور محمدی سے متعلق ایک رسالہ ہے جس کے ایک ایک جملے کا اردو نثر میں ساتھ ہی ساتھ ترجمہ کیا ہے ۔ اس میں جملہ ۱۷۰ سطریں ہیں ۔ لیکن اردو ترجمہ صرف ابتدائی ۲۵ سطروں ہی کے ساتھ درج ہے ۔ بعد میں صرف فارسی لکھی گئی ہے ۔ اردو ترجمہ کا آغاز و اختتام یہ ہے ۔

آغاز نقل است ۔ نقل ہے ۔ کہ چوں ۔ کہ جب ۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم را آفریدہ است ۔ اللہ تعالی جب رسول خدا کو پیدا کیا ۔ در حدیث آمدہ است ۔ بیچ حدیث کے آیا ہے ۔

اختتام " اے حبیب من وائے برگزیدۂ من ۔ اے دوست میرے وائے قبول کئے گئے میرے ۔ برخیزد خود را بجنباں ۔ اٹھو اپنے تئیں حرکت دو ۔ تا قدرت مارا مشاہدہ نمائی ۔ چوں نور من خود را بجنبانید ۔ کہ جب قدرت میری غور سے دیکھنا کرے جب نور میرا اپنے پروبال کو حرکت دیا ۔"

اصل فارسی عبارت ان جملوں پر ختم ہوتی ہے : ۔

" باز پرسید ۔ ہمہ گروہ پیشتر در بہشت کہ خواہد درآمد ۔ گفت گروہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اول در بہشت درآیند ۔ باز پرسید کہ جائے ایشاں ندا آفریدہ است ۔"

یہ بیاض نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے ۔ اس کے آغاز و اختتام پر ان کی بیضوی مہر اور دستخط " عنایت اللہ حیدرآباد " ثبت ہیں ۔

---

(۲۴۷) دیوان شرف [۸۰۰]

اوراق ۳۲ ۔ سطور ۱۵ ۔

تقطیع ۸" × ۱۲½" ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف ۔ شرف النساء بیگم ۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۳۰۰ھ ۔

کاتب ۔ زیادہ تر مصنفہ ۔ زمانۂ کتابت قریب ۱۳۲۵ھ ۔

شرف النساء بیگم زوجہ سید غلام دستگیر قادری ٹیپو سلطان کے مشہور سپہ سالار میر میراں سید اشرف کی پوتی تھیں ۔ بعد زوال سلطنت ان کے دادا کو لارڈ ولزلی نے سند اور ماہوار عطا کی تھی ۔ یہ ۱۲۴۵ھ کے قریب پیدا ہوئیں اور ۸۶ سال کی عمر میں ۱۳۳۰ھ سے قبل وفات پائی ۔ ان کے فرزند مولوی سید احمد قادری مرحوم (نائب صدر محاسب سرکار آصفیہ) اپنے تدین، وجاہت اور وضعداری کی وجہ سے مشہور تھے اور پوتے مولوی رحمت اللہ بیرسٹر اٹ لا ناظم محکمۂ رجسٹریشن سرکار عالی ایک نیک دل اور

قابل عہدہ دار ہیں جنہوں نے نائب معتمد امور عامہ اور پروفیسر جاگیردار کالج کی حیثیت سے اپنی علمی و انتظامی قابلیتوں کی بناء پر شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کی زوجہ محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ ادارۂ ادبیات اُردو کی مخلص رفیق اور اس کے شعبۂ نسواں کی روح رواں اور سرگرم معتمد ہیں۔

شرف النساء بیگم قدیم طرز کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ شعر و سخن سے ذوق تھا لیکن قدیم زمانہ کے معزز خاندانوں کی خواتین کی طرح مذہبی کتب کا زیادہ مطالعہ کیا تھا اور اپنے کلام میں بھی صرف عشق حقیقی اور نعتیہ مضامین پر اکتفا کیا ہے۔ یہ مخطوطہ غالباً ان کا مکمل مجموعۂ کلام اور خود ان کا مبیضہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طباعت کے لئے اس کو مرتب کر رہی تھیں اور تکمیل کی خاطر کسی استاد سے اس مجموعہ پر اصلاح لی تھی۔ چنانچہ جگہ جگہ حاشیہ پر اصلاحی الفاظ اور مصرعے درج ہیں اور بعض مقامات پر استاد نے ہدایتیں بھی لکھ دی ہیں۔ ان ہدایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد عربی فارسی کے بھی عالم تھے۔ بعض ہدایتیں نمونے کے طور پر درج ذیل ہیں:۔

(۱) چونکہ یہ بحر اُردو میں مستعمل نہیں اس لئے ہر شعر غیر موزوں نظر آتا ہے اس لئے بجائے ہمارا مرا ردیف ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ بحر اُردو میں بالکل ناجائز ہے۔ ہاں عربی قصیدہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ (ورق ۳ ا)

(۲) محبوب خدا خاص لقب آنحضرت صلعم کا ہے اور حضرت محبوب سبحانی رض لقب ہے حضرت غوث پاک رض کا۔ (ورق ۱۶ ا)

(۳) مناسب ہوگا کہ اسی ردیف میں دوسری غزل قافیہ درست کر کے لکھی جائے۔ وہ صحیح کر دی جائے گی (ورق ۷ ا)

استاد کی اصلاحوں کی وضاحت کے لئے اب شرف کے بعض اصل مصرعے اور ان کی اصلاح شدہ شکلیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

اصل مصرع

اے رسول خدا ہوں میں بے قرار ترے ہجر سے دل ہے زار و نزار

اصلاح شدہ مصرع

محبوب خدا اے شاہِ امم ترے ہجر سے دل ہے خانۂ غم

اصل مصرع	اصلاح شدہ مصرع
دکھلا کے قدم اپنے شرف دے مجھے شتا آ	دکھلا کے اپنا جلوہ شرف دے مجھے شتا آ
پائی ہے شرف دیکھ تجھے تیری پرستار	پائی ہے تجھے دیکھ شرفِ تیری پرستار
بس کافی ہے اک نظرِ کرم میری شفا کو	بس کافی ہے اک ترچھی نظر میری شفا کو
تیرے مریض عشق کو درماں نہیں درکار	تیرے مرض عشق کو درماں نہیں درکار

اس مجموعے میں تقریباً ایک ہزار شعر ہیں جو زیادہ تر غزلوں کی اور کچھ مختصر نعتیہ قصیدوں اور مستزادوں کی شکل میں ہیں۔ اس مجموعہ کی وجہ سے دکن کی ایک اچھی شاعرہ اُردو دنیا سے روشناس ہو رہی ہیں۔ اُردو کی بہت کم خواتین ایسی ہیں جن کے کلام کا اتنا مکمل مجموعہ محفوظ ہے۔

اس وقت تک دکن میں صرف ماہ لقا بائی چندا کو صاحب دیوان کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے۔ اور وہ بھی چونکہ طبقہ طوائف سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اس کا کلام نسوانی ذہنیت کا مکمل نمونہ نہیں سمجھا جا سکتا اس لئے موجودہ معلومات کی حد تک شرف دکن کی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ایک مکمل دیوان مرتب کیا جو اب تک محفوظ ہے اور جس پر جگہ جگہ مصنفہ نے خود اپنے قلم سے اضافے کئے ہیں

یہ مخطوطہ غالباً مصنفہ ہی کی اولاد کے یہاں محفوظ رہا۔ چنانچہ اس پر سید محمد قادری کے دستخط ہیں۔ اور ادارے کو ملکنڈہ سے ۱۳۵۹ھ میں بطور عطیہ حاصل ہوا۔

آغاز:۔

مظہر کبریا نہیں ملتا | سرور انبیا نہیں ملتا
جان لب پر ہے ہجر میں جس کے | وہ مسیحا مرا نہیں ملتا
شب فرقت کی تیرگی کب تک | شہ بدرالدجیٰ نہیں ملتا
جان و دل اپنا میں کروں قرباں | مجھ کو تیرا اوری نہیں ملتا

اختتام:۔

سیر کی افلاک کی اک آن میں | ایسی برتر شان والا کون ہے
نور سے تیرے ہوا پیدا جہاں | تو ہی نور رب ہے تجھ سا کون ہے
رب سے جو مانگا وہی تجھ سے ملا | اور نبیا حق کا پیارا کون ہے
جان دے آخر نبی کے عشق میں | جز شرف مشتاق ایسا کون ہے

اس کے بعد پانچ چھے اوراق اور شامل ہیں جن میں مختلف غزلیں زیادہ تر مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی درج ہیں۔ درمیان میں ایک صفحہ پر خضاب کا نسخہ اور طریقہ استعمال بھی اُردو نثر میں لکھا ہوا ہے۔

---

(۲۴۸) بہارِ گلشن [۷۸]

اوراق ۲۹۔ سطور ۱۷ (۳۴ ابیات فی صفحہ)
تقطیع ۷" × ½ ۱۱"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ شوقؔ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ۔
سنہ کتابت۔ ۱۲۹۴ھ۔

مولوی قدرت اللہ شوقؔ رامپوری کا بیان اس تذکرۂ مخطوطات صفحات ۱۸۸۔۱۹۰ میں گزر چکا ہے۔ انہوں نے اردو شعرا کا ایک تذکرہ گلشن بے خار لکھا تھا۔ غالباً یہ مثنوی "بہار گلشن" بھی نام کی مناسبت کی وجہ سے انہی کی تصنیف ہے۔ ایک اور شوقؔ (محمد علی) کی کتاب "چہار درویش" منظوم کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۰۱ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس عہد کے ایک اور شوقؔ (نواب مرزا حکیم تصدق حسین خاں لکھنوی) مشہور مثنوی گو تھے لیکن ان کی مثنویوں (زہر عشق، بہار عشق، فریب عشق، لذت عشق اور خنجر عشق) کی فہرست میں "بہار گلشن" نام کی مثنوی شامل نہیں ہے۔ البتہ "بہار عشق" ایک مثنوی ہے جو زیر نظر مثنوی "بہار گلشن" سے بالکل جدا اور دوسری بحر میں ہے۔

یہ مثنوی تقریباً دو ہزار ابیات پر مشتمل ہے اور اس میں حمد و نعت و مناجات کے بعد اصل داستان شروع کی گئی ہے جو شاہ عجم کے فرزند ماہ عالم اور شہزادی یاسمن کے معاشقہ پر مشتمل ہے۔ مصنف نے قدیم مثنویوں کی طرح فوق فطری عناصر سے پلاٹ کی تکمیل میں مدد لی ہے۔ اور قصہ کا آغاز و اختتام بھی بالکل روایتی ہے۔ یعنے شہزادے کی پیدائش تعلیم و تربیت اور ایک تاجر کے یہاں یاسمن کی تصویر دیکھ کر اس پر عاشق ہونا اور پھر اس کی تلاش میں نکلنا۔ راستہ میں طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو کر آخر منزل مقصود کو پہنچنا۔ شادی۔ وطن کو واپسی اور جشن و خوشی۔

شاعر نے مثنوی کے درمیان میں جو غزلیں لکھی ہیں ان کے مقطع سے بھی مصنف کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ ہے:۔

ہاتھ آئے گی کاکل ایک دن شوقؔ | باقی جو نفس کا سلسلہ ہے (ورق ۱۶و)

آغاز داستان سے قبل "عجز و خاکساری بدرگاہ جناب باری" کی سرخی کے تحت جو ابیات لکھی ہیں اس کے آخر میں مصنف نے اپنا تخلص اور مثنوی کا نام اس طرح درج کیا ہے۔

اس نسخہ کو کیمیا پہ ہو فوق | یہ گل ہو بہارِ گلشن شوقؔ

آغاز:۔ اللہ کی حمد ہے زبان پر | ہے آج دماغ آسمان پر
وصف اوسکے لکھیں جو لکھنے والے | کونین کے دو ورق ہوں کالے

اختتام:۔

اختر کے محل میں زہرہ آئی ظاہر کی فقط تھی یہ جدائی

یک دل رہے آشکار ہے سب ہمدم رہے ہم نوار ہے سب

ترقیمہ:۔

"مثنوی بہ ابحال شاہزادہ ماہ عالم و شاہزادی یاسمن

حسب فرمائش جناب فیض ماب محمد اجد علی خاں صاحب مہتمم

بر حبہ اخبار تحریر کرد ۱۲۹۲ھ"

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ پہلے ورق کی پیشانی پر ان کی بیضوی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۳۳۶ھ" ثبت ہے۔

(۲۴۹) دیوان یقین [۷۰۸]

اوراق۔ ۳۳۔ سطور ۱۶۔

تقطیع ۵ × ۸½۔ خط نستعلیق۔ عنوان اور تخلص سرخی ہیں۔

مصنف۔ انعام اللہ خاں یقین۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۶۱ھ

کاتب۔ بنکٹ پرشاد۔ سنہ کتابت ۱۲۴۵ھ

یقین کے اور دیوان ادارے میں محفوظ ہیں۔ (دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطات ۱۷، ۷۵، ۸۳) یہ دیوان بالکل مکمل ہے اور اچھے اہتمام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ہر مقطع میں تخلص سرخ روشنائی میں درج کیا گیا ہے۔ اس میں تقریباً ایک ہزار شعر ہیں۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ اس میں ادارے کے پہلے تین دواوین کے مقابلہ میں زیادہ اشعار ہیں اور مکمل دیوان ہے نیز اس کا کاتب خود ایک شاعر ہے اور ایک بڑے شاعر اور ادیب کا شاگرد۔

آغاز:۔

کون کر سکتا ہے اوس خلّاقِ اکبر کی ثنا

نارسا ہے شان میں جس کی پیمبر کی ثنا

سر ا اس منہ سے ہو سکتی ہے کب نعتِ رسول

یا ابابکر و عمر عثمان و حیدر کی ثنا

اختتام:۔

مسافر ہو کے آئے ہیں جہاں میں تب سے وحشت میں

قیامت ہے اگر ہم اس خرابے میں وطن کرتے

کوئی فرہاد جیسے بے زباں کو قتل کرتا ہے

یقین ہم وہاں اگر ہوتے تو ایک دو ذبح کرتے

ترقیمہ:۔

تمت تمام شد دیوان یقین بتاریخ شانزدہم جمادی الاول ۱۲۴۵ھ

بروز پنجشنبہ بوقت یک پاس روز برآمدہ۔ در فرخندہ بنیاد

حیدرآباد برائے پاس خاطر حضرت برحق او ستادِ کامل

منبع فضائل، ہادیٔ شاگرداں گمراہ منزل محسن میاں

المخاطب بہ محسنؔ ساکن بودن و خطیب قصبۂ مذکور بدست

احقر العباد بندہ بنکٹ پرشاد المتخلص بہ عاشق (یا عیاش) بود۔

کاتب نے اپنے جن استاد محسنؔ کا ذکر کیا ہے وہ بھی ایک بڑے عالم و فاضل اور ادیب و شاعر تھے۔ ان کی ایک فارسی کتاب "گلدستۂ محسنی" ادارے کے فارسی مخطوطات کے ذخیرے میں محفوظ ہے اور اس کا ذکر "تذکرہ مخطوطات فارسی" میں شائع ہوگا۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں نواب شمس الامرا کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ اور اس میں بودھن کی تاریخ بھی ایک علحدہ باب میں درج ہے۔ بودھن کو شکر کے کارخانے کی وجہ سے زمانہ حال میں خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ محمد محسن محسنؔ بودھن ہی کے متوطن اور خطیب تھے۔ نواب شمس الامرا جو نکہ

علما وفضلا کے قدردان تھے اس لئے انھوں نے ممالک محروسہ کے اضلاع و دیہات کے اکثر ادیبوں اور شاعروں کو اپنے یہاں بارسوخ کیا تھا جن میں ادھونی کے شاہ علی اور بودھن کے محمد محسن بھی شامل تھے ۔ محسن راقم الحروف کے پرنانا تھے ۔ ان کے فرزند اور راقم الحروف کے حقیقی نانا منشی وقارالدین حضرت قادری بی (دیکھو مخطوطات ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۲) کے داماد اور مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ کے بہنوئی تھے ۔ وہ بھی پائیگاہ آسمانجاہی کے منصبدار تھے اور وہیں تعلقداری کے درجہ تک پہنچے ان کو بھی علم وفضل اور انشا پردازی کا خاص ذوق تھا چنانچہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں ان کی نقل کی ہوئی کئی قلمی کتابیں محفوظ ہیں جن میں سے اکثر ادارے میں بطور تحفہ داخل کردی گئی ہیں ۔ اور ان کا ذکر اس تذکرے میں بعد کو درج ہوگا ۔

ان کے فرزند مولوی ریاض الدین خطیب بودھن اب اپنے دادا محمد محسن کے موروثی معاش و انعامی اراضی پر قابض ہیں ۔

---

(۲۵۰) روضۃ الاقطاب [۷۰۹]

اوراق ۸۸ ۔ سطور کہیں ۲۰ اور کہیں ۱۶ ۔
تقطیع ۔ ۸" × ۱۳" ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف رونق علی ۔ سنہ تصنیف قریب ۱۳۱۹ھ ۔
کاتب ۔ وقارالدین ۔ سنہ کتابت ۱۳۳۲ھ ۔

یہ ضخیم کتاب روضۂ خلدآباد اور اس کے اطراف واکناف کی درگاہوں اور قدیم آثار کی مفید تاریخ ہے جس کی ترتیب میں مصنف نے بڑی محنت اور کاوش سے قدیم کتابوں اور خود مقامی باشندوں نیز اس زمانہ کے صاحبان علم وفضل اور مورخین سے مواد جمع کیا تھا ۔ اسی زمانہ میں دکن کے ایک مشہور مورخ منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ تاریخ قندہار دکن مرتب کر رہے تھے (جو ۱۳۱۵ھ میں تکمیل کو پہنچی) ان سے بھی مولف نے تاریخی امور میں مشورہ کیا چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے :۔

"یہ کمی یوں پوری ہوئی کہ مکرمی جناب منشی محمد امیر حمزہ صاحب نائب سررشتہ دار ناظم ٹپہ خانہ جات سرکار عالی مدظلہ العالی بتقریب دورہ خلدآباد آئے ۔ چونکہ تاریخ قندہار دکن ان کے زیر تالیف تھی جس کی وجہ سے بہت سا سرمایہ ان کے پاس موجود تھا ۔ لہذا حسب ضرورت دو ایک نسخے انھوں نے مرحمت فرمائے" (ورق ۵ و)

اس تاریخ کے مرتب رونق علی بھٹولی ضلع بارہ بنکی کے باشندے تھے لیکن مدرسۂ خلدآباد عرف روضہ کے صدر مدرس تھے اس لئے وہاں عرصہ تک قیام کا موقع ملا اور اس طرح یہ تاریخ مرتب ہو سکی ۔ چونکہ یہ کتاب بعد کو چھپی تھی اس لئے اس کی مزید وضاحت غیر ضروری ہے ۔

آغاز :۔

"ناظرین کے سامنے تالیف کے یہ چند اجزا پیش کرنے کے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اسباب تالیف بھی تھوڑے سے بیان کردیں ۔ اگرچہ اس کے تحریر کرنے میں نہ کوئی خوبی ہے اور نہ کسی قسم کی دلچسپی ۔ لیکن اس قدر ضرور ہے کہ بزرگوں کے نام نامی کے ساتھ ان سر پرست احباب کے نام بھی یادگار رہ جائیں گے جو کتاب کے مسبب ہیں ۔"

اختتام:۔

"حاجی صاحب کے گنبد کے علاوہ کاغذی پورے اور اوس کے محدود میں اور بھی بزرگواروں کے مزارات ہیں اور وہ سب برہان الدین صاحب غریب کے اصحاب مشہور ہیں۔ فہرست ذیل سے اون کے اسمائے گرامی کا علم ہو جائے گا۔"

(اس کے بعد ۱۴ اصحاب کی فہرست معہ تاریخ عرس و وضاحت مدفن درج ہے)۔

یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اور کاتب کا کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن کتاب کے سرورق کی پیشانی پر راقم تذکرہ ہذا کے والد مرحوم حضرت حافظ سید غلام محمد شاہ قادری الرفاعی المتخلص بہ زخمؔ نے یہ عبارت لکھی ہے:۔

"درحالات بزرگاں قصبۂ خلد آباد شریف ضلع اورنگ آباد کہ مولوی رونق علی صاحب، صدر مدرس مدرسہ اورنگ آباد تحریر بود کہ خسرم محمد وقار الدین صاحب مرحوم قبل از وفات خود در ۱۳۳۳ھ بدست خود تحریر نمود۔"

یہ محمد وقار الدین وہی خطیب بودھن ہیں جن کے والد محمد محسنؔ کا ذکر اس تذکرہ کے مخطوطہ نمبر ۲۴۹ میں گزر چکا ہے۔ منشی وقار الدین خود بھی ایک ادیب اور فاضل تھے اور پائیگاہ آسمانجاہی میں تعلقداری کی خدمت پر فائز تھے۔

یہ کتاب میں نے ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کی ہے۔

---

(۲۵۱) چار گلزار [۷۱۰]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۶۔
تقطیع ۸" × ۱۳"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ فضل الرحمان۔ سنہ تصنیف ۱۲۸۰ھ۔
کاتب منشی محمد وقار الدین۔ سنہ کتابت قریب ۱۳۲۵ھ۔

یہ خلفائے راشدین کی ایک تاریخ ہے جس کو مفتی فضل الرحمن منصف عدالت سرکار عالی نے ۱۲۸۰ھ میں بمقام حیدرآباد مرتب کیا۔ یہ نسخہ ناقص الاول ہے۔ ابتدا کے صرف ۲ ورق غائب ہیں۔

مصنف نے ہر باب کو کتاب کے نام کی مناسبت سے ایک گلزار قرار دیا ہے۔ اور ہر گلزار میں چار چمن یعنے ذیلی ابواب لکھے ہیں۔ اور ہر چمن کو پھر ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب کے جملہ ابواب کی تفصیل یہ ہے:۔

گلزار پہلا۔ حالات حضرت ابوبکر صدیقؓ (صفحات ۵ تا ۱۹)
چمن پہلا۔ کیفیت اسلام (ناقص الاول)
" دوسرا۔ فضائل حضرت ابوبکرؓ (ص ۶)
" تیسرا۔ وفات " (ص ۱۴)
" چوتھا۔ کرامات " (ص ۱۸)

گلزار دوسرا۔ حالات حضرت عمر فاروقؓ (صفحات ۱۹ تا ۳۵)
چمن پہلا۔ کیفیت اسلام عمر فاروقؓ (ص ۱۹)
" دوسرا۔ فضائل " " (ص ۲۲)
" تیسرا۔ شہادت " " (ص ۲۷)
" چوتھا۔ کرامات " " (ص ۳۲)

گلزار تیسرا۔ حالات حضرت عثمان غنیؓ (صفحات ۳۵ تا ۵۱)
چمن پہلا۔ کیفیت اسلام عثمانؓ (ص ۳۵)

چمن دوسرا ۔ فضائل عثمانؓ (ص۳۵)

" تیسرا ۔ شہادت " (ص۳۹)

" چوتھا ۔ کرامات " (ص۴۴)

گلزار چوتھا ۔ حالات حضرت علی مرتضیٰ (صفحات ۵۱ تا ۶۸)

چمن پہلا ۔ کیفیت اسلام علی (ص۵۱)

" دوسرا ۔ فضائل علیؓ (ص۵۲)

" تیسرا ۔ شہادت " (ص۵۷)

" چوتھا کرامات " (ص۶۰)

کتاب کے آخر میں مشاہیر شعرائے معاصرین مثلاً حافظ میر شمس الدین فیض ۔ شیخ خواجہ غلام احمد احمدؔ ' احمد علی عصرؔ ' منشی عبدالصمد صمدؔ اور قادر حسین نسقؔ وغیرہ کے قطعاتِ تاریخی ' فارسی و اردو درج ہیں ۔ اس تاریخ کے مصنف فیضؔ کی جو تعظیم کرتے تھے اس کا اندازہ ان القاب سے ہو سکتا ہے جو ان کے قطعۂ تاریخ کے اندراج سے قبل لکھے گئے ہیں یعنے :۔

" قطعۂ تاریخ شہنشاہ کشور شاعری و سریر آرائے
شہرستان سخنوری جناب مولوی حافظ میر شمس الدین
فیضؔ مدظلہ العالی"

یہ فیض کا آخری زمانہ تھا اور اس کتاب کا قطعۂ تاریخ ان کا تقریباً آخری کلام ہے ۔ فیضؔ کا ایک غیر مطبوعہ اردو دیوان اور مثنوی "فیض جاری" ادارے میں موجود ہے ۔ (دیکھو تذکرۂ ہذا مخطوطات نمبر ۱۹۳ ' ۱۹۷)

حمدؔ نے اس کتاب کا سنہ تصنیف اس مصرع سے نکالا ہے ع

چار گلزار نسخۂ اصحاب
۱۲۸۰ھ

آغاز :۔

"کہ جب حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرف خلایق کے واسطے تبلیغ احکام کے مبعوث کیا اور معجزات آپ سے ظاہر ہونے شروع ہوئے "

اختتام :۔

" ایک روز وہ بدبخت اپنے شتر کو قلاوہ سے دروازہ کے باندھ کر مسجد نبوی میں اندر مجلس کے آکر بیٹھا ۔ وہ شتر بعد تھوڑی دیر کے مسجد میں آکر اپنے مولا کو منہ میں پکڑ کر اٹھا اپنے سینے کے نیچے لے کر مل ڈالا"

اختتام حصۂ قطعات تاریخی ۔

نسخۂ در حال اصحاب نبی تصنیف کرد تا مفصل حال بر دلہائے ما گردد پدید
سال اتمامش چنیں تحریر کردم احمدا شد عجب ایجاد نامی چار گلزار شہید
۱۲۸۰ھ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اس کے بعد رسالہ حسن جلد دوم نمبر ۱۱ کے ۲۲ صفحات نقل کئے گئے ہیں ۔

اس نسخے کے کاتب راقم الحروف کے حقیقی نانا منشی وقار الدین خطیب بودہن ہیں جن کا ذکر مخطوطات نمبر ۲۴۹ و ۲۵۰ میں درج ہے ۔ یہ کتاب میرے والد مرحوم حضرت حافظ سید غلام محمد شاہ قادری کے کتب خانے کی ہے جس کو میں نے ادارے میں بطور تحفہ داخل کیا ہے ۔

(۲۵۲) منتخب دیوان ناظم [۳۴۲]

اوراق ۳۹ ۔ سطور ۱۵ ۔

تقطیع ۵½ × ۹½" ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف ۔ سید یوسف علی خاں ۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء

کاتب ۔ سورج بھان میکش تھانوی ۔ سنہ کتابت ۱۳۰۶ھ ۔ بمقام حیدرآباد ۔

یہ نواب سید یوسف علی خاں فردوس مکاں متوفی ۱۲۸۱ھ کا منتخب دیوان ہے جس کو اردو کے ایک مشہور شاعر اور صوفی

سورج بھان میکش نے (جو بعد کو مسلمان ہو کر شمس الحق سجاد علی صوفی کے نام سے مشہور ہوئے) منتخب اور نقل کیا ہے۔

نواب یوسف علی خاں غالب کے شاگرد اور سرپرست تھے۔ بچپن میں قیام دہلی کے زمانہ میں غالب سے فارسی پڑھی تھی اور والی رامپور ہونے کے دو سال بعد مولانا فضل حق خیرآبادی کے ایما سے غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ناظم تخلص غالب ہی کا عطیہ ہے۔ انہی کی دعوت پر ۱۸۶۰ء میں غالب نے رام پور کا سفر کیا اور نواب نے بڑی قدر و منزلت کی تھی۔

ناظم نے شاعری کا آغاز ۱۸۵۷ء ہی سے کیا اور اس کے بعد آٹھ سال زندہ رہے۔ اس عرصہ میں ایک دیوان مرتب ہو چکا تھا جس میں غزلوں کے علاوہ سلام بھی شامل تھے چنانچہ غالب ان کے جانشین نواب سید کلب علی خاں کو خط میں لکھتے ہیں:—

> حضرت فردوس مکاں سپہر آستاں کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین مہینے پہلے سلام پانچ سات لکھتے تھے اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ فراہم ہو چکتے تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح کر کے بھیج دیا کرتا تھا۔ اب کی برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے...... بھیجتا ہوں کہ وہ ..... حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے"

(مکاتیب غالب ۱۵)

ناظم نے اپنے اکثر مقطعوں میں بھی اپنی شاگردی کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ اس منتخب دیوان کے بعض ایسے مقطعے یہ ہیں:—

کیوں نہ غالب کے ہوں اشراق کا قائل ناظم
دور سے جس نے سکھایا مجھے ایسا کہنا (ورق ۳ ب)

استاد نے راہیں مجھے بتلائی ہیں ناظم
اب اور ہی انداز کے اشعار کہوں گا (ورق ۷ ب)

مبداء فیاض سے دونوں ہیں ناظم بہرہ یاب
یں بھی ہوں اوستاد کے حسن طبیعت کا شریک (ورق ۸۱ ب)

اس میں غالب کے اس مشہور شعر کی طرف اشارہ ہے ؎

آنچہ در مبداء فیاض بود آن من است
گل جدا ناشدہ از شاخ بداماں من است

اپنے اوستاد کے انداز پہ میرا ہے کلام
مجھ کو ناظم ہوس پیروی میر نہیں (ورق ۲۳ ا)

بعض لوگوں نے نواب یوسف علی خاں کو امیر لکھنوی کا بھی شاگرد لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ اپنی وفات تک مسلسل غالب کو کلام دکھاتے رہے۔ نواب کی شاعری اور علم دوستی کے تفصیلی حالات مکاتیب غالب (مطبوعہ مطبعۂ قیمہ بمبئی) کے دیباچہ میں مولوی امتیاز علی صاحب عرشی نے قلمبند کئے ہیں۔

یہ مخطوطہ دو وجوہات سے اہم ہے۔ پہلی یہ کہ ایک حکمران شاعر کا غیر مطبوعہ کلام ہے اور دوسری وجہ یہ کہ ایک ایسے بلند پایہ صوفی شاعر نے انتخاب کیا ہے جس کی تبدیلی مذہب کی تاریخ اس کے ترقیمے سے متعین ہوتی ہے۔ جس کا ذکر آگے درج ہے۔

اس میں تقریباً ۲۳۰ غزلوں کے ایک ہزار شعر درج ہیں۔ کلام میں جگہ جگہ غالب کا رنگ جھلکتا ہے اور متعدد غزلیں انہی زمینوں میں ہیں جن میں غالب کی غزلیں مشہور ہیں۔

آغاز:—

محتاج نہیں قافلہ آواز درا کا — سیدھی ہے رہ بتکدہ احسان خدا کا
خوشنودی معشوق ہے رنجوری عاشق — بے درد ہے وہ خستہ کہ لے نام دوا کا

اختتام:— عدو کے دل کا نہیں ٹھکانا نگہ تم اس پر نہ آزمانا
ہدف نہ ہو جب جگہ پہ قائم تو کیوں نہ ناوک خطا کریں گے

کیوں خضر سکندر کو گیا راہ بتانے بیچارہ کو گمراہ کیا راہنما نے

تمت تمام شد

اس کے بعد دوسرے صفحے سے میکش نے شاہی اور میر کے کلام کے منتخبات نقل کئے ہیں جن کا ذکر آئندہ ایک علٰحدہ عنوان کے تحت درج ہے۔ انتخاب دیوان میر کے بعد یہ ترقیمہ لکھا ہے:۔

"بقلم ناقص راقم بندہ سورج بھان سکنہ تھانہ بھون حال وارد حیدرآباد دکن حسب فرمایش جناب خان محمد صدیق خان سلمہ اللہ تعالیٰ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ"

دیوان ناظم کے پہلے صفحہ کے ناصیہ پر ایک چھوٹی سی ہشت پہلو مہر ثبت ہے جس پر محمد صدیق خاں ولد علی بخش درج ہے۔

اس کتاب کے کاتب پنڈت سورج بھان گوڑ قوم کے برہمن اور تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ اوائل شباب ہی سے درویشی کا شوق تھا چنانچہ یوگیوں کے شغل واشغال میں مصروف ہو گئے۔ اتفاق سے ان کے ایک ہم وطن صوفی منشی میر امداد علی حیدرآباد سے اپنے وطن کو گئے تو وہاں سورج بھان ان کے معتقد ہو گئے اور قدیم تذکروں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ وہیں سلمان بھی ہو گئے لیکن اس مخطوطے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیدرآباد آنے سے قبل مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غرض امداد علی علوی کے فراق میں ۲۷ صفر ۱۳۰۵ھ کو حیدرآباد پہنچے اور چونکہ بے روزگار تھے غالباً کتابت پہلے ذریعہ معاش تھی بعد کو محکمۂ صفائی میں بھی کچھ دن ملازمت کی یہ نسخہ ان کی آمد حیدرآباد کے ٹھیک ایک سال ایک ماہ بعد نقل کیا گیا ہے اور اس وقت تک تو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے ورنہ اپنے ہندو نام کی جگہ مسلمان نام لکھتے۔ اس طرح آمد حیدرآباد سے قبل کے جو حالات تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر سوم کے صفحات ۵۲ تا ۵۴ میں لکھے گئے ہیں غلط ثابت ہوتے ہیں۔

امداد علی علوی کے علاوہ حیدرآباد کے ایک اور بزرگ حضرت سردار بیگ بھی میکش کے حال پر مہربان تھے اور دراصل انہی بزرگوں کے فیض صحبت اور باطنی توجہ نے میکش کو شمس الحق بنا دیا۔ ان کو حیدرآباد میں ایک اعلیٰ پایہ صوفی اور شاعر مانا جاتا تھا چنانچہ ان کی وفات (۱۳۲۲ھ) کے بعد ان کے شاگرد مولوی حبیب الدین صغیر ہر سال ان کی یاد میں مشاعرہ منعقد کیا کرتے اور اس مشاعرے کی غزلوں کا مجموعہ "بزم رندان" کے نام سے چھپا کرتے تھے۔ میکش کی تصویر اداریے کے مرتبہ "مرقع سخن" جلد دوم ص ۳۲۵ پر شایع کی جا چکی ہے۔ تزک محبوبیہ جس وقت لکھی گئی اس وقت میکش صرف ۴۲ سال کے تھے اور اس درجہ کو پہنچ چکے تھے کہ مولف نے شعرا کے علاوہ اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے سلسلہ میں بھی ان کے تفصیلی حالات اور فضائل درج کئے اور ان کا نام ان القاب کے ساتھ زیب عنوان کیا:۔

"مستغرق دریائے توحید، مستہلک بحر تفرید، غواص محیط سرمدی، غواط قلزم بیخودی، عارف ربانی، میکش خمخانہ معانی، حضرت شمس الحق سجاد علی صاحب میکش چشتی نظامی" (ص ۵۲)

میکش نہایت پرگو شاعر تھے اور ان کے چھے دیوان (میخانۂ عشق، خانۂ خمار، خرابات میکش، جوش میکش، شراب الصالحین، اور پیمانۂ میکش) ۱۳۲۰ھ تک شایع ہو چکے تھے۔

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی کا عطیہ ہے۔

(۲۵۳) انتخاب میر و شاہی [۳۴۳]

اوراق ۱۹۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ۔ ۸ × ۵ ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف ۔ شاہی ۔ میر ۔ آزردہ وغیرہ ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ ۔

کاتب ۔ سورج بھان میکش ۔ سنہ کتابت ۱۳۰۶ھ ۔

میر تقی میر کے منتخب کلام کے دو مجموعے شایع ہو چکے ہیں ۔ جن میں سے ایک مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اُردو کا مرتبہ ہے اور دوسرا جامعہ ملیہ نے مرتب کرا کے شایع کیا ہے ۔ زیر نظر منتخب کلام میر اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ آج سے ۵۶ سال قبل مرتب ہوا ہے اور اُردو کے ایک اچھے اور صاحب ذوق شاعر میکش تھانوی نے اس کو مرتب کیا ہے ۔

یہ مجموعہ غالباً ناقص الاول ہے تاہم اس میں میکش کے منتخب کئے ہوئے ۳۷۵ اشعار شامل ہیں ۔

میر کا ایک اہم دیوان جو ان کی زندگی میں دلّی میں نقل ہوا ہے ادارے کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (دیکھو تذکرۂ ہذا (صفحہ ۱۰۸)) ۔ اس منتخب کلام کا آغاز و اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے ۔

آغاز :۔

اے قیامت نہ آئیو جب تک وہ مری گور پر نہ ہو جائے
رشک دشمن کا فائدہ معلوم مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے (ورق ۱ الف)

اختتام :۔

جدائی سے تیری اے صندلی رنگ مجھے یہ زندگانی درد سر ہے
نہیں ہے غیر کے قصے کی کچھ ہم کو خبر یوسف
زباں پر رات دن اس یار کا افسانہ رکھتے ہیں

(ورق ۱۶ ب)

اس کے بعد جو ترقیمہ درج ہے وہ مخطوطہ نمبر ۲۵۲ کے ختم پر درج کیا جا چکا ہے ۔

—— ۲ ——

شاہی تخلص کے دو شاعر (علی عادل شاہ شاہی اور شاہ قلی خاں شاہی حیدر آبادی) بہت مشہور ہیں ۔ یہ شاہی بعد کے زمانہ کے شاعر ہیں ۔ حالات معلوم نہ ہو سکے ۔ کلام بہت اچھا ہے ۔ میکش نے اس مجموعے میں ان کی ۷ غزلیں (تقریباً ۶۰ شعر) منتخب کر کے نقل کی ہیں جن کا آغاز و اختتام یہ ہے ۔

آغاز :۔

غصہ میں جو ہو لال تو رنگ اس کا نکھر جائے
یہ دوسری خوبی ہے کہ بگڑے تو سنور جائے
کیا وصل کا ہو قصد کہ نازک ہے وہ اتنا
گردھیان پہ چڑھ جائے تو موتہہ اس کا اتر جائے

اختتام :۔

تو ہم ہے دونوں کو گھیرے ہوئے وہ پہلو میں ہیں اور خلوت نہیں
نہیں ہو نرالے کہ بیزار ہو کسے ورنہ شاہی کی چاہت نہیں

شاہی کی ان غزلوں اور دیوان ناظم کے درمیان کاتب نے آزردہ کی ایک اور معین کی ایک غزل نقل کی ہے ۔

آزردہ (مفتی صدرالدین خاں دہلوی) غالب کے دوست اور دہلی کے صدر الصدور تھے ۔ عالم و فاضل تھے اور شعر و سخن کا بھی اچھا ذوق تھا ۔ ان کی غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے :۔

مطلع ۔ آنکھ اٹھاتی نہیں وہ سامنے سو بار ہوئے
ہجر میں ایسے فراموش گرِ دیدار ہوئے

مقطع ۔ یہ ہیں آزردہ جو کہتے ہوئے شیئاً للّٰہ
آج دریوزہ گر خانۂ خمار ہوئے

معینؔ کی غزل کا مقطع و مطلع یہ ہے :-

مطلع - شب غم مرگیا میں دیکھ کر اپنی تباہی کو
قضا آئی مری بیت الحزن میں عذر خواہی کو

مقطع - معینؔ اللہ رے گرمی گدا کے داغ حسرت کی
ہما نے اپنے سایہ میں چھپایا بادشاہی کو

اس مخطوطے کے آخر میں باکمال فارسی شعرا کی دس بارہ غزلیں بھی شریک ہیں جن کا ذکر تذکرۂ مخطوطات فارسی میں درج رہے گا - یہ مجموعہ منتخباتِ دیوانِ ناظمؔ کے ساتھ ایک ہی جلد میں شریک ہے اور اس کو سورج بھان (منشی سجاد علی میکشؔ دیکھو مخطوطہ ۲۵۲) نے نقل کیا ہے - چنانچہ منتخب غزلیاتِ میرؔ کے آخر میں لکھتے ہیں -

" بقلم ناقص رقم بندہ سورج بھان سکنہ تھانہ بھون
حال وارد حیدر آباد دکن - حسب فرمائش جناب خاں صاحب
محمد صدیق خاں سلمہٗ اللہ تعالیٰ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ "

یہ مخطوطہ مولوی ضامن علی صاحب غازی رفیق ادارہ کا عطیہ ہے -

---

(۲۵۴) آبِ حیات [۷۱۲]

اوراق ۸ - سطور ۱۳ -

تقطیع - ۱/۴ ۵" × ۱/۲ ۸" خط نستعلیق -

مصنف - حیاتؔ (؟) زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ -

کاتب - غلام حسین - سنہ کتابت ۱۲۹۲ھ -

یہ ایک دکھنی مثنوی کا پہلا باب ہے جس میں دنیائے فانی سے بے تعلقی اور خود آگہی و عشقِ حقیقی کی طرف مختلف ذیلی عنوانوں کے تحت توجہ دلائی گئی ہے - معلوم نہ ہو سکا کہ پوری مثنوی کتنے ابواب پر مشتمل تھی اور مصنف کون تھا - ممکن ہے کہ اس کا تخلص حیاتؔ ہو - اس مخطوطے کے اختتامی اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے باب میں "سلوک" کے موضوع پر معلومات فراہم کی گئی تھیں - مصنف علم دین سے واقف اور علوم متداولہ کا فاضل ہے - زبان و انداز سے پتہ چلتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں تصنیف ہوئی ہے - کتاب کا نام آخری ابیات اور ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے -

آغاز :-

حمد حق کے بعد ہے نعت نبیؐ   دے ہدایت مومنوں کو یا ربی
باب اول ہے نصیحت کا حبیب   باخبر ہو موت آئے عنقریب

اختتام :-

باب اول ہو گیا یہاں ہو حیاتؔ   مصطفیٰ پر ہو درود اور صلوٰۃ
باب دوسرے میں ہے ذکر سلوک   سالکاں کو نیں خدا بن پیاس بھوک

ترقیمہ :-

" تمت تمام شد رسالۂ آبِ حیات باب اول غلام حسین
ولد لطیف صاحب لکھنے بند مقام شاہ پور بیت (؟)
عادل پور دوازدہم ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ "

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی کا عطیہ ہے -

---

(۲۵۵) کلام میرنؔ و سیدؔ [۷۱۱]

اوراق ۶ - سطور ۱۹ -

تقطیع ۱/۴ ۵" × ۱/۲ ۸" - خط نستعلیق شکستہ آمیز -

مصنف - میرنؔ و سیدؔ - زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ -

کاتب - غلام حسین - سنہ کتابت ۱۲۹۲ھ -

میاں میرنؔ سبزواری دلی کے شاعر تھے - زیادہ تر منقبت لکھتے اور ہر ہجری مہینے کی ۱۱ تاریخ تک ۵ منقبت تیار کر لیتے تھے -

کسی شخص نے مجروح کردیا تھا۔ بعد کو لکھنؤ چلے گئے اور وہیں مکان کی چھت سے گر کر فوت ہوئے۔ تذکرہ شورش و تذکرہ قاسم میں ان کا ذکر درج ہے۔ اور ادارے میں بھی ان کا اور کلام موجود ہے جس کا بیان اس تذکرہ کے مخطوطہ نمبر ۵۴ میں گزر چکا ہے۔ بقول قاسم ان کے کلام میں غلط صحیح اور رطب ویابس بہت ہے۔

میرن سبزواری کی جو منقبت اس مجموعہ میں شامل ہے وہ ناقص الاول ہے۔ یعنے ابتدا کے ۳ بند موجود نہیں ہیں۔ اس میں جملہ ۱۳ بند (ہر بند میں ۴ ہم قافیہ مصرعے) تھے۔ اس مخطوطہ میں صرف آخری ۱۰ بند ہیں۔

آغاز:۔

طوفانِ آبِ غارالہی جو تاب آ کشتی بتائے نوح اوس پر ہے گا ناخدا
اکر کہا جبرئیل نے اے نورخوش لقا کچھ پیر اگرچہ یاد ہو نبی الفور اے پڑا

اختتام:۔

میرن ہے سبزوار غلامِ امامِ دین کرتا ہے عرض تم ستے اللہ عالمیں
منکر نکیر پوچھیں قبر میں یہ سوال دیں میں اون کوں یہی جواب دونگا بہ دورِ آخریں
(یہ شعر غلط ہے۔ پہلا مصرع غالباً یوں ہوگا۔ منکر نکیر قبر میں پوچھیں سوال دیں)
وصفِ نبی و آلِ نبی بر زبانِ ما گویا زباں برائے ہمیں در دہانِ ما

سید تخلص کے کئی شاعر اردو میں گزرے ہیں۔ (دیکھو یادگار شعرا صفحات ۱۱۲ و ۱۱۳) لیکن اس مجموعے میں جس شاعر کی طویل مناجات درج ہے وہ کوئی قدیم دکنی شاعر تھے۔ یہ مناجات دراصل محبوب سبحانی غوث اعظم کی مدح و منقبت میں ایک مخمس ہے جس میں ۱۷ بند ہیں۔

آغاز:۔ حل کرو مشکل مری یا حضرت پیران پیر
ہے مرا احوال روشن تم کو اے روشن ضمیر
اس زمانے نے کیا ہے مجکو گردش سوں حقیر
تجہ سرِ لکا سر پہ میرے ہے وسیلہ بے نظیر
جلد میری کر مدد یا غوث اعظم دستگیر

اختتام:۔

سید اکے دل سیتی اے شاہ دیں تو نیں ہے دور
صدق دل سوں ہر گھڑی رہتا ہے در تیرے حضور
تیرے قدموں کی برکت سو سوار ہے اوس پو نور
بولنا تجکو پکار اب اوس کو ہے وقتِ ضرور
جلد میری کر مدد یا غوث اعظم دستگیر

اس کے بعد دو صفحے سادہ چھوڑ کر کتاب "آبِ حیات" نقل کی گئی ہے جس کا ذکر مخطوطہ ۲۵۴ میں گزر چکا ہے۔ اور اس کاتب کا ترقیمہ بھی اسی میں درج ہے۔

کلام میرن و سید سے قبل اس مخطوطے میں غالباً پشتو زبان کی کئی نظمیں بھی درج ہیں جن کا ذکر اس تذکرہ مخطوطات کی کسی اور جلد میں درج کیا جائے گا۔

---

(۲۵۶) کلیات کاظم [۳۴۱]

اوراق ۳۶۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۵ ۳/۴ × ۸۔ خط نستعلیق۔
عنوانات اور حاشیہ سرخی میں۔
معنف کاظم علی۔ سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ۔
کاتب " ۔ سنہ کتابت "

کاظم علی حیدرآباد کے ایک مرفہ الحال اور صاحبِ ذوق امیرزادے، حضرت اوجالا شاہ کے مرید، کنک گیری کے نواب ببر جنگ کے داماد اور فطرتی شاعر تھے۔ اون کے کلام کا یہ

ناقص الاول لیکن نادر مجموعہ مختلف اصنافِ سخن کے دلچسپ نمونوں پر مشتمل ہے۔ عام دواوین کی ترتیب کے خلاف اس میں زمانۂ تصنیف کی ترتیب سے نظمیں، غزلیں، مرثیے، مثنویاں وغیرہ درج ہیں۔ اس لئے ردیف وار ترتیب ہے اور نہ صنف وار۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خود مصنف نے نقل کیا ہے۔ اور بعد میں جگہ جگہ مصرعوں اور الفاظ میں خود ہی تبدیلی اور اصلاح کی ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی اور کتب خانہ میں دستیاب نہ ہوا۔

یہ اپنی نوعیت کا پہلا مجموعۂ کلام ہے کہ اس میں زمانہ تصنیف کے لحاظ سے نظمیں درج ہیں اور اس لئے بھی اہم ہے کہ مصنف نے رسمی شاعری نہیں کی بلکہ اس کی تمام تر نظمیں خود شاعر کی آپ بیتی ہیں۔ کلام میں آورد اور تصنع کا کہیں پتہ نہیں۔ آمد ہی آمد ہے اور اس لئے بعض شعر شاعرانہ محاسن سے معرا ہیں۔ چونکہ یہ ایک نادر مجموعہ ہے ہم اس کی خاص خاص نظموں کی تفصیل مخطوطہ کی ترتیب کے مطابق درج ذیل کرتے ہیں۔

اس مجموعے میں پہلی نظم ایک مخمس ہے جس میں حضرت علیؓ کی منقبت لکھی گئی ہے۔ یہ ناقص الاول ہے اس میں آخری ۱۳ بند موجود ہیں۔ آخری بند درج ذیل ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے مرشد کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

اب غم سے دل تاریک ہے یا صاحب حاجت روا
مرشد اوجالا شاہ ہے یا حضرت مشکل کشا
تم سا وسیلہ چھوڑ کر جاؤں کدھر ہو کر گدا
غرقاب ہے فکروں ستی ہر وقت نالایق ترا
کاظم کا اب کرنا بھلا یا حضرت مولا علی

اس کے بعد مسدس کی شکل میں ایک مرثیہ ہے جس میں ۱۵ بند ہیں ہر بند کا آخری شعر دوسری بحر میں ہے۔ اس کا آخری بند یہ ہے:۔

کاظم کے تیں کو مولا جلدی سے ہوے عنایت
خدمت چرن کی لینے رکھتا ہے وہ ارادت
بخشو چرن کی خدمت اور شاہ دیں شہادت
بندے کو اپنے صاحب رتبہ دے خادماں کا
کاظم گنہ سے مت ڈر مرشد ہیں اوجالا شاہ
جدھر ہیں شاہ کربلا چرن بھی ہیں ہمراہ

اس کے بعد ایک غزل نما نظم شامل ہے جس کی ردیف سجدہ ہے۔ اور ساتھ ہی شاعر نے مرشد اوجالا شاہ کی مدح میں ۹ بندوں کا ایک مخمس لکھا ہے۔ اوجالا شاہ اس عہد کے ایک مشہور بزرگ اور صوفی ہیں۔ ان کا مزار سرورنگر کے راستہ میں سیدآباد (حال سعیدآباد) کے قریب واقع ہے۔ حیدرآباد کے عوام اب بھی ان کے بے حد معتقد ہیں اور اپنی منت مرادوں میں کامیابی کے بعد وہاں جاکر نیاز کرتے ہیں۔ اس نیاز میں مرغ ضرور کاٹے جاتے ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ اوجالا شاہ سات دن میں صرف ایک بار مرغ کے گوشت کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔ کاظم کی "مدح اوجالا شاہ" کے چند منتخب بند درج ذیل ہیں:۔

مدح مرشد کامل ہادی آگاہ دل حضرت اوجالا شاہ

شفیع و حامیِ روزِ جزا اوجالا شاہ ولی و والی ہر دوسرا اوجالا شاہ
خدا کی راہ کے ہیں پیشوا اوجالا شاہ حبیب و عاشقِ حق بے ریا اوجالا شاہ
صحبت مرشد من بے ریا اوجالا شاہ

امین دین ہیں پانچوں کے رہبر کامل
صفا ہیں پاک ہیں فاضل ہیں حق ستی شاغل
مراد شاہ و گدا ہیں گی اون ستی حاصل
عجیب دو شاہِ قناعت ہے رب ستی واصل
صحبت مرشد من با خدا اوجالا شاہ

مجھے بلانے طائے تھے دشت میں یاشاہ
گرا تھا چاہ میں جا کر پھنسا تھا اسپ ہمراہ
تمہارے نام کے لیتے ہی آگئے دو چاہ
نکالے غار سے مجھ کو دیئے ہو اپنی پناہ
صحبت مرشد من باخدا او جالا شاہ

تمہارے پاس جو آیا ہے التجائے کر کئے علاج ہو ہر درد کا دغا دے کر
روا کئے ہو اس حاجت کو دعا دے کر مرا سو مردہ اوٹھا ہے گا وو دعا لے کر
صحبت مرشد من باخدا او جالا شاہ

تمہارے فیض کے لائق ہے یہ اگر کاظم تو اس کی شرم رکھو دو جہاں میں کر نام
تمہارے پاس وو آنے کو رہتا ہے عازم نہیں بھی رکھنا شفقت ہے آپ پر لازم
صحبت مرشد من باخدا او جالا شاہ

مثنوی سوز و ساز عشق :-

یہ ۲۲۱ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں کاظم نے اپنے عنفوان شباب کی آپ بیتی بیان کی ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت وہ جوان تھا چنانچہ کہتا ہے :-

اگر زندگی ہے ضعیفی تلک ضعیفی ابی سے دیا کیوں فلک

چند ابیات کے بعد پھر کہتا ہے کہ :-

جو معلوم ہوتا جوانی میں دکھ نہیں ہے گا قسمت میں میرے دو سکھ
تو میں کس سے ہرگز نہ ملتا خدا عبث دل کے ناحق نہ جلتا سدا

اصل واقعہ یہ ہے کہ اوجالا شاہ کی اس تلقین کی بنا پر کہ عشق حقیقی کے لئے عشق مجازی لازم ہے شاعر نے اپنے عزیزوں میں ایک لڑکی سے محبت شروع کی اور اس محبت میں جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں اس کی کئی نظموں میں بہت اچھی تفصیل لکھی ہے آخر کار ۱۸ سال کی عمر میں اس کی آرزو پوری ہوئی اور غالباً اسی محبوب کا تقرب نصیب ہوا جس کے بعد پھر جدائی کے صدمے اٹھانے پڑے۔ اسی مایوسی کے عالم میں اس کو نوید ملی کہ ۱۱۹۹ھ ختم ہو کر بارھویں صدی پوری ہو جائے تو شادی ہو جائے گی۔

مثنوی احوال عشق :-

یہ ۱۲۷ ابیات کی مثنوی ہے جس میں فراق محبوب کا عالم بیان کیا ہے۔ آخری حصہ میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے :-

کر اب ختم قصے کو کاظم علی کریں عشق میں تجھ کو عازم علیؑ

اسی سلسلہ میں مرشد کا بھی ذکر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھے۔

ترے پیر کا تجھ پہ سایہ رہے دو عالم کا تجھ پاس مایہ رہے

مثنوی روزگار :-

یہ مثنوی بہت اہم ہے۔ اس میں شاعر نے اپنے زمانہ کی معاشرت اور اخلاق و عادات کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں ۴۷ ابیات ہیں۔ یہ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کا زمانہ تھا اور ارسطو جاہ مدار المہام تھے۔ اول الذکر ضعیف ہو چکے تھے اس لئے طبیعت میں نرمی اور درگزر کا مادہ بڑھ گیا تھا اور دربار میں شریر النفس لوگ حاوی تھے۔ اور کسی کو بادشاہ کے یہاں باریاب نہ ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ ان امور کی طرف اشارہ کرتا ہے :-

ظلم بیدادی ہمیشہ گرم ہے بادشاہ مملکت کیا نرم ہے
ایسے ظالم جو طرف پھیلے ہیں یار اون کے یہاں جانے کسی کو نیں ہے بار
ہاں مگر پاجی غلاماں پیش ہیں مال وزر سے سب طرح دو بیش ہیں
جنگ و دولہ ہو گئے پاجی سبھی اون کے باباموش نا مارے کبھی

نواب ارسطو جاہ کی مطلق العنانی اور سخت مزاجی کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے :-

خلق عالم اوس کے ہاتھوں سے ہوا تائب دجال خر پیدا ہوا
بارھویں صدی کے سب آثار ہیں سید و اشراف سارے خوار ہیں

اسی سلسلے میں عام حیدرآبادیوں کے اخلاق و عادات کی جو خرابیاں بیان کی ہیں تعجب ہے کہ اُن میں سے اکثر اب بھی (یعنے چودھویں صدی میں) موجود ہیں۔ حالانکہ شاعر کو یہ توقع تھی کہ بارھویں صدی کے خاتمہ کے ساتھ یہ خرابیاں بھی ختم ہوجائیں گی۔ وہ کہتا ہے :-

بارہیں صدی بھی اب آخر ہے یار جس کا تم نے سب سنے سارا بہ کار
پھر تو یا جی صدیہ ابھی آرہیں سید و اشراف اپنی جا رہیں

اس مثنوی کے خاتمے پر ۲۰ غزلیں درج ہیں جو مختلف ردیفوں میں کہی گئی ہے۔ اور جن میں سے اکثر مسلسل کسی نہ کسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ پھر ایک مخمس شروع ہوتا ہے جس میں راہبند ہیں۔ اس طرح کئی مثنویاں اور غزلیں یکے بعد دیگرے لکھی گئی ہیں، اسی سلسلہ میں وہ مثنوی بھی شریک ہے جس میں شاعر نے اپنی بیوی کی تعریف تکلیبند کی ہے اور جس میں اپنے خسر اور خوشدامن کی خوبیاں بھی بیان کردی ہیں۔ یہ مثنوی بہت دلچسپ ہے اور اس لئے ایک نادر نظم ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کے بعد شاید ہی کسی شاعر نے اپنی بیوی کی ایسی تفصیلی مدح لکھی ہو۔ اس کی چند آخری ابیات یہ ہیں :-

قیامت تک ہے تیرا ساتھ پیارا عجب ہے باوفا دلبر ہمارا
خدا اوس کو رکھے نت آبرو سے حیا و خوش دلی اور سرخرو سے
ہے کاظم جان و دل سوں اس کا عاشق وو پیاری کا دی تھا خوب لایق

یہ دلچسپ مجموعہ جن اشعار پر شروع اور ختم ہوتا ہے وہ درج ذیل ہے :-

آغاز :-

برزخ تمہارے نام کی سب پر دسے یا پنجتن
پانچوں کا سارا نور ہے جو کچھ دسے یا پنجتن

تم سب میں ہو نور الہدیٰ یا حضرت مولا علیؑ

اختتام :- میں نے پایا ہوں خدا تم سے تجلا نور کا
مجھ کو لایق کر جہاں میں محرم سبحاں کرو

ہینگے تم دونوں جہاں کے آفتاب محویت
ذرۂ کاظم کے تئیں اب داخل شاہاں کرو

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی غازی لکھنوی رفیق ادارۂ ادبیات اُردو کا عطیہ ہے۔

---

(۲۵۷) گلزار السالکین [۸۰۱]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۱۔
تقطیع ۵½ × ۳½۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ عابد شاہ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۶ھ۔
زمانۂ کتابت قبل ۱۲۷۵ھ۔

یہ قدیم اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جس میں سالکوں کے لئے تصوف و عرفاں کے مضامین بیان کئے گئے ہیں مصنف نے حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد کی مدح اس طرح شروع کی ہے۔

منقبت حضرت پیر دستگیر مظہر انوار نورانی محرم اسرار سبحانی
کعبۂ دین و ایماں حضرت شاہ یوسف روحانی العرف
حضرت پیر دستگیر شاہ راجو حسینی الحسنی طال اللہ عمرہٗ

راپیر مجہ تن کوں بتلا دیا اسی تن میں احمد کوں دیکھلا دیا
اوسی نور کوں لے پھر اتن منے یو پایا خدا تن کے گلشن منے
الٰہی بحق شفیع الامم ! یوں رکھ شاہ راجو پو اپنا کرم
الٰہی بحق وصی مصطفےٰ توں رکھ تندرست اس کے تن کا بقا
الٰہی بحق حسین و حسن توں رکھ اُن کوں آفات سے نیت جتن
الٰہی مرے پیر کوں دے اماں اناہات کرتا ہوں مطلب پو اُن

اس کے بعد کتاب کا اور اپنا نام اس طرح لکھا ہے :-

"ایں کتاب گلزار السالکین از تصنیف فقیر حقیر عابد شاہ از فقیران کمترین خاکسار حضرت شاہ راجو حسینی الحسنی طال اللہ عمرہ"

مصنف نے دونوں مقامات پر شاہ راجو کا ذکر جس طرح کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت زندہ تھے۔ اور چونکہ انھوں نے ۱۰۹۲ھ میں وفات پائی اس لئے یہ کتاب اس سے قبل لکھی گئی ہے۔ شاہ راجو ابوالحسن قطب شاہ کے مرشد تھے اور اس کی تخت نشینی میں انہی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عبداللہ قطب شاہ بھی ان کا معتقد تھا چنانچہ ابوالحسن کو دامادی کے لئے منتخب کرنے میں اسی اعتقاد نے کام کیا ہے۔ شاہ راجو نے اپنے دوسرے مریدوں کی طرح ابوالحسن کو تاناشاہ کا لقب عطا کیا تھا اور یہ بادشاہ اسی لقب سے اب تک مشہور ہے۔

شاہ راجو کی زندگی ہی میں حیدرآباد کے ایک اور شاعر طبعی نے بھی (اپنی مثنوی "بہرام وگل اندام" کے دیباچہ میں) اُن کی مدح لکھی تھی۔ دیکھو اردو شہ پارے ص۱۱۔ شاہ راجو کے حالات تذکرۂ اولیائے دکن جلد اول کے ص۲۴۳ تا ۲۴۴ پر درج ہیں۔ اور اُن کا کچھ اُردو کلام ادارے میں بھی محفوظ ہے۔ دیکھو تذکرۂ ہذا صفحہ ۲۶۳۔

اس کتاب کا کوئی اور نسخہ کسی اور کتب خانہ میں نظر سے نہ گزرا اور نہ ہی اس کے مصنف عابد شاہ کی نسبت کچھ معلومات حاصل ہوسکیں۔ یہ مصنف اپنی زبان کو دکھنی کہتا ہے۔ اس کی مناجات کا آخری شعر ہے :۔

شروع جو کیا ہوں یہ دکھنی کتاب یو اتمام جلدی سوں ہوئے شتاب

آغاز:۔

"اول ثنا صفت کرنا اللہ تعالیٰ کا کہ او قادر ہے۔ تمام چیز اوپر قدرت رکھتا ہے اور ہر شئے میں حاضر اور ناظر ہے۔ جیسا کہ شکر میٹھائی اور پھول میں باس اسی طرح سب میں صنعت گری رکھتا ہے ؎

دیکھ توں آدم میں کیا صنعت دھریا اس کا صانع ہے خدائے کبریا

ہور تمام شئے پر اس کی ذات بالاتر ہے۔"

اختتام:۔

"اگر کوئی پوچھا کہ اے مالک تیرے وجود کہتے ہیں اور راہ اور منزلاں اور نفس اور شہادت اور مقام اور حال اور روح اور توحید اور نظر اور بادل اور زبان اور درجہ اور عناصر اور رنگ اور مزہ اور بھل اور مثال اور خاندان یہ سب چیزیں آپس میں کہتے ہیں۔ جواب دے۔ اس واسطے اس کی پچھانت کوں تحمل (؟) بنایا ہوں۔"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب کم سواد ہے اور اس نے جگہ جگہ اپنے زمانہ کی زبان اور املا داخل کردیا ہے۔ اس کتاب کے بعد اسی کاتب نے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے معالجات اور نسخے نقل کئے ہیں۔ چونکہ وہ بجائے خود ایک علٰحدہ کتاب ہے۔ اس لئے اس کا ذکر علٰحدہ درج ہے۔

یہ کتاب محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسواں ادارۂ ادبیات اُردو کا عطیہ ہے۔

---

(۳۵۸) معالجات خواجہ بندہ نوازؒ [۸۰۲]

اوراق ۸۔ سطور ۱۱۔
تقطیع ½۵" × ½۷"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ عابد شاہ (؟) زمانۂ تصنیف قبل ۱۰۹۲ھ۔

یہ قدیم اُردو نثر میں ایک طبی رسالہ ہے جو عابد شاہ کی "گلزار السالکین" کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے مختلف بیماریوں کے علاج بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد نسخۂ گھوڑا جری (یا گھوڑا جیری) اور اس کے ۶۳ فوائد درج ہیں۔ پہلا حصہ ناقص الاول ہے اس کا آغاز و اختتام یہ ہے :۔

آغاز:-

"جو طالب پر کچھ آزار آیا تو اپنا علاج اپنے تن میں کرنا باہر کی چیز کچھ لینا درکار نہیں ہے۔ بہور آزمودہ ہے یہی علاج"

اختتام:-

"یہجو کا نام تو اوس جگو کوں کپاکر کر کان کا میل لگانا ہور اوس جگو کوں موں کی بھاپ سے سینکنا۔"

دوسرے حصے کا آغاز و اختتام یہ ہے:-

آغاز:-

"مختصروں سے قطب الاقطاب کے حضرت خواجہ صدر الدین بن محمد مخدوم حسینی یعنے گیسو دراز رحمت اللہ علیہ جو کہ فرماتے ہیں۔ باب میں تجربات ہر ہر مرض کے مفصل تحقیق مجرب ہے"

اختتام:-

"خواجہ بندے نواز کے نام سے فاتحہ دے کر بعد از دعا دینا۔ اور تمام سات سو مرضوں کو فائدہ ہے۔ اور گولیاں بناتے وقت یہ یہ آیت پڑھنا "فاوآمنا باللہ علے رسول تعلون"۔ وقت شروع کرنے کے یہ نسخہ دو رکعت نماز پڑکر ہر رکعت سورۂ فاتحہ و اخلاص یک بار پڑنا۔ نسخہ پینے کے وقت وضو سے رہنا۔ نسخہ گھوڑا جری تمت تمام"

اس کتاب کے مصنف کا نام یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ چونکہ عابد شاہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے بیرے شاہ راجو کے مرید تھے اور انہی کی کتاب گلزار السالکین کے ساتھ یہ کتاب معالجات بھی نقل کی گئی ہے اور اس کی زبان بھی ویسی ہی ہے اس لئے قیاس غالب یہی ہے کہ عابد شاہ ہی نے خواجہ بندہ نوازؒ کی فارسی تحریروں سے اس کو اُردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ نسخہ بھی محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیرؔ کا عطیہ ہے۔

---

(۲۵۹) کسب عروج [۸۰۳]

اوراق - ۹ - سطور ۱۱ -

تقطیع ۳/۴ ۵ × ۸ - خط نستعلیق شکستہ آمیز۔

مصنف شاہ صدر الدین۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۷۶ھ

کاتب - باپالعل - سنہ کتابت ۱۲۹۰ھ -

شاہ صدر الدین کے ایک اور منظوم رسالے کسب محویت کا ذکر اس تذکرے کے مخطوطہ نمبر ۱م (۲۶) میں گزر چکا ہے۔ یہ بھی انہی شاہ صدر الدین کا رسالہ ہے۔ زبان و انداز و بیان بھی وہی ہے۔

شاہ محمد صدر الدین ولد شاہ میراں حسین متوطن نونگل سلطان حیدر علی خاں کے عہد حکومت میں علاقہ میسور میں گزرے ہیں۔ ان کا تذکرہ میسور میں اُردو ص۵ پر درج ہے جہاں لکھا ہے کہ ان کی تین کتابیں (مرج لگن۔ مراۃ الاذکار اور مصباح النور) قلمی خط میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ لیکن ان کا ایک ہی شعر بطور نمونہ دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ دیوان کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ ادارے میں شاہ صدر الدین کی جو دو کتابیں (کسب محویت اور کسب عروج) محفوظ ہیں وہ انہی میسوری بزرگ کی ہوں لیکن ان دونوں نظموں کی زبان و انداز بیان بہت قدیم ہے۔ اس لئے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زمانۂ حیدر علی کے شاہ صدر الدین کی تصنیفات ہیں۔

زیر نظر مثنوی میں ۴۹ ابیات ہیں اور خود مصنف نے تعداد ابیات اس آخری بیت میں ظاہر کی ہے:-

اٹھتالیس ابیات سکل یو یاد رکھوا ے دوست
یہ جب دیکھ کرے گا پیدا اوسے تجھے ہمہ اوست

اس کتاب کا موضوع عرفان باری تعالیٰ ہے اور اس میں دھیان اور گیان کے متعلق تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔

زبان میں برج بھاشا کا اثر غالب ہے ۔ اس مثنوی کی کئی ابیات میں مصنف نے اپنا نام صدرالدین شامل کیا ہے ۔

ادارے کے اس نسخے میں اگرچہ ۴۹ ابیات کے بعد اصل مثنوی ختم ہوگئی ہے لیکن پھر دوسرے صفحہ پر مزید ۵ ابیات اسی بحر میں درج ہیں اور ان میں اصل کتاب کے موضوع اور ۴۸ ابیات کی طرف دوبارہ اشارہ کیا گیا ہے ۔ اور ترقیمہ بھی انہی کے آخر میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اصل کتاب کا ایک حصہ ہیں ۔ اصل کتاب کا آغاز و اختتام یہ ہے :۔

آغاز :۔

اول نام اللہ کا لے کر بعد سے رسول
کاسب کے تیئں کسب دکھایا صدرالدین انول
کسب جینا سب ابوج ہے ابوج نہ بوجے سوج
سوج بوج کی توج بوجھاوے اوہے بوج عروج

اختتام :۔

عروجیت کا کسب جو تھا سو ہے اے اظہار
شاہ صدرالدین بول نکو کچھ پھیر پھیر کیا تکرار
اٹھائیس ابیات سکل یو یاد رکھو اے دوست
یہ جب دیکھ کرے گا پیدا اوسے تجھے ہمہ اوست

بعد کے صفحے پر جو مزید ابیات ہیں ان کی پہلی اور آخری بیت یہ ہے ۔

ابتدا ۔ دیکھ بوج میں جو ہو قائم اوسے ملے یو راہ
ذکر شغل جو کرے برادر ہوئے اوہی تباہ
اختتام :۔ جس پر ہوئے فضل کرم سو پاوے دیکھ اور بوج
دیکھ بوج کوں جو کوئی پاوے اوہی صاف سوج

ترقیمہ :۔

"برائے مطالعہ برخوردار چھوٹے لعل طول عمرہ ۔ مرقوم ۲۷ شعبان ۱۲۹۶ھ"

ترقیمے کے بعد آخری ورق پر حسب ذیل شعر لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف سنسکرت اور ہندومت سے بخوبی واقف تھا ۔

درو، اوپاسن، ہری بھجن، اور کارمنی بھوگ
پیسہ خواہش ذکر صحبت عورت
ظاہر باطن دیکھئے یہی تینوں روگ

اس نسخے کے کاتب نے اگرچہ اپنا نام نہیں لکھا لیکن کتاب کے پہلے اور آخری اوراق پر ایک مستطیل مہر (جس کے گوشے کٹے ہوئے ہیں) ثبت ہے جس پر "پاپا لعل ۱۲۹۳ھ" کندہ ہے ۔ یہ غالباً کاتب ہی کی مہر ہے جس نے اپنے فرزند چھوٹے لعل کے لئے یہ نسخہ نقل کیا تھا ۔

یہ مخطوطہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسوان ادارۂ ادبیات اردو کا عطیہ ہے ۔

---

(۲۶۰) طلسم اعظم [۳۴۰]

اوراق ۴۰ ۔ سطور ۱۵ متن میں اور ۲۸ حاشیہ پر
تقطیع ۶½" × ۱۰" ۔ خط نستعلیق ۔ عنوانات سرخی میں
مصنف فضل حسین لکھنوی ۔ سنہ تصنیف ۱۲۶۳ھ
کاتب غالباً مصنف ۔

یہ ۲۲۵۰ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں لیلیٰ مجنوں کے قصے کو منظوم کیا گیا ہے ۔ مصنف فضل حسین ہیں جنھوں نے اپنا نام اور وطن سببِ تالیف کے عنوان میں اس طرح ظاہر کیا ہے ۔

ہے فضل حسین نام میرا ہے لکھنؤ میں مقام میرا

کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے اپنا سلسلۂ نسب بھی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ۔

فضل حسین ولد شاہ ابوالمعالی ولد شاہ محمد اجمل ولد شاہ ناصرالدین

ولد شاہ خوب اللہ ولد شیخ محمد افضل۔

مصنف کا تخلص تفضل تھا وہ شیخ امام بخش ناسخ (۱۱۷۰ - ۱۲۵۴ھ) کے شاگرد تھے۔ ناسخ ان کے والد شاہ ابو المعالی کے دوست تھے اور جب وہ لکھنؤ سے سیاسی انقلاب اور مخالفت کی باعث دو بار نکلے تو الہ آباد میں انہی کے یہاں آکر دائرے میں پناہ لی تھی۔

اسی زمانے میں تفضل نے شاعری کا ذوق حاصل کیا اور ناسخ سے مشورۂ سخن کرنے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:۔

اوستاد کی میں نے جستجو کی — اس فنِ عجب کی آرزو کی
طالع جو تھے ارجمند میرے — مطلب فوراً گری پہ آئے
اک شیخ امام بخش ناسخ — جن کا ہے کلام سب کا ناسخ
سرِ دفترِ شاعرانِ عالم — استاد (ہ) ماہرانِ عالم
لائے تشریف دائرے میں — تشریف شریف دائرے میں
میرے ہی مکاں میں آئے اترے — کی جی سے ملازمت جو اون سے
آخر درخواست میں نے یہ کی — شاگردی ہو قبول میری
کی عرض انہوں نے میری منظور — تعلیم ہوئی پھر ایسی منظور
تھوڑے ہی دنوں میں بڑھ گئی طبع — لائی خبر آسمان کی طبع

اسی سلسلہ میں ختم کتاب سے قریب مصنف نے جو مناجات لکھی ہے اس سے بھی ان کے کچھ خانگی حالات کا پتہ چلتا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت بہت مقروض تھے۔ اور بہت لوگ ان سے حسد کرتے تھے۔ ان کو اولاد نرینہ کی آرزو تھی کیونکہ اس وقت تک ان کے سات اولادیں ہوئی تھیں جن میں سے صرف ایک لڑکی بقید حیات تھی۔

سبب تالیف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ کٹڑے کی سرائے میں ایک تاجر آیا اور قصہ کہانیوں کی بہت سی کتابیں اپنے ساتھ لایا۔ دوست احباب نے دلچسپی اور وقت گزاری کی خاطر اس کے یہاں سے کتابیں لانے کی ٹھانی چنانچہ اس طرح ایک قصۂ لیلیٰ مجنوں ہاتھ لگا جو ہوس کی تصنیف تھا۔ دوستوں نے اس کو پسند کیا اور تفضل حسین کو مجبور کیا کہ اس کو نظم میں لکھ دیں۔ چنانچہ دوستوں کے اصرار پر یہ مثنوی قلمبند کی گئی ہے۔

مصنف نے جس ہوس کا ذکر کیا ہے وہ مرزا تقی ہوس ابن مرزا علی خاں لکھنوی تھے جو نواب آصف الدولہ اور سالار جنگ کے ایک ذی علم رشتہ دار تھے۔ ہوس نے مصحفی سے مشورۂ سخن کیا اور قصۂ "مجنوں و لیلیٰ" تالیف کیا (دیکھو تذکرۂ عشقی اور طبقات سخن اور اسپرنگر کی فہرست کتب خانہ جات شاہان اودھ)

کتاب کی ابتدا حمد و نعت و معراج کے طویل حصوں سے کی گئی ہے جس کے بعد سبب تالیف لکھ کر داستان کا آغاز کیا ہے۔

مثنوی کا نام آخر کتاب میں اس طرح درج ہے:۔

نام اس کا رکھ طلسم اعظم — اور آگے نہ بول بند کر دم

اسی طرح آخری ابیات میں تاریخ تصنیف بھی لکھ دی گئی ہے۔

آغاز:۔

کیا خامہ ہے صرف حمد باری — کی جس نے ہزار نقش کاری
پیدا کئے خاک سے گل تر — عاشق کیا بلبلوں کو اوس پر

اختتام:۔

ہاں ہو تاریخ کی جو خواہش — کچھ کر یہیں ضرور کاوش
کہنا سرِ آہ جو ہو سائل — شور نمک جراحت دل
۱۲۶۳ھ

ترقیمہ:۔

"الحمد للہ علی احسانہ کہ یہ مثنوی مسمی بہ طلسم اعظم چودہ (۱۴) گھنٹے میں آغاز ہو کر انجام کو پہونچی۔ اس مثنوی کے ناظرین سے یہ امید ہے کہ جب اس مثنوی کو پڑھیں تو مصنف کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔"

اس ترقیمے کے انداز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ غالباً مصنف ہی کا مکتوبہ ہے۔ اس کا مصنف شاعر کی حیثیت سے مشہور نہیں ہے اور یہ مثنوی طبع ہوئی ہے یا نہیں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہ نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر کا عطیہ ہے۔

---

(۲۶۱) مذہب عشق [۷۱۳]

اوراق ۹۲۔ سطور ۱۸۔
تقطیع ½۶" × ½۱۰"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ نہال چند لاہوری۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ۔
کاتب۔ محمد عمر۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔
بمقام مچھلی بندر۔

یہ نہال چند لاہوری کے ترجمۂ قصہ گل بکاولی کا ایک مکمل نسخہ ہے اردو نثر کی یہ کتاب فورٹ ولیم کالج میں لکھوائی گئی تھی اور اس کے دو اور نسخے (المکتوبہ ۱۲۵۱ھ و ۱۲۷۴ھ) ادارے میں محفوظ ہیں۔ جن کا ذکر اس تذکرے کے صفحات ۱۱۵ و ۱۱۶ پر درج ہو چکا ہے اس لئے مزید تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ اس نسخے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف سے چالیس پچاس سال بعد بھی اس کتاب کو انگریزوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

آغاز:۔

"الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول
گلستان حمد و ثنا کی ہمیشہ بہار کا باغبانِ حقیقی کو سزاوار ہے
کہ اس طرفہ بوستانِ جہاں نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و
طراوت بے اندازہ اُس کے روضۂ رضواں سے پائی"

اختتام:۔

"والا اتنا فرق نہ ہوتا۔ جس کو مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو شاہ جہاں نامے کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے"

ترقیمہ:۔

"یہ کتاب ترجمۂ بکاولی مذہب عشق نام، ہفتے کے روز تین پہر کے وقت اٹھتیسویں جمادی الاول کی ۱۲۵۸ھ ہجری مطابق گیارھویں جولائی کی ۱۸۴۲ء عیسوی میں عاصی کمتر خاکپائے منشیانِ قدیم و جدید منشی محمد عمر ولد عبدالرحمٰن دلس ڈیوٹی کے ہاتھ سے شہر مچھلی بندر کے درمیان انگریز پالم کے بیچ تحریر پائی"

اس نسخے کے ابتدائی اور آخری اوراق پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر "منور علی ۱۲۵۶ھ" کندہ ہے۔ اور سرورق پر ایک انگریز "جورج فلپ منرو" نے اردو میں سرخ روشنائی میں دستخط کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اس کی ملک تھا اور غالباً اسی کی تعلیم کی خاطر نقل کیا گیا ہے۔

سرورق پر جو عبارت درج کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں کلکتے کے ہندوستانی چھاپے خانے میں چھاپی گئی تھی۔

یہ نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبہ نسواں ادارہ کا عطیہ ہے۔

---

(۲۶۲) مجموعۂ مناجات [۸۰۴]

اوراق ۱۰ - ۲۰ اشعار فی صفحہ -
تقطیع ½۵ × ۹ - خط نستعلیق -
مصنف - فقیر و ناقص - زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۷۵ھ
کاتب محمد اسد علی - سنہ کتابت ۱۳۰۵ھ -

اس مجموعے میں ۵ مناجاتیں ہیں جن کو دکن کے شریف خاندانوں کی خواتین محفل میلاد میں خاص اعتقاد سے پڑھا کرتی تھیں - ہر مناجات کسی خاص تقریب یا موقع پر پڑھی جاتی تھی - ان کی تفصیل یہ ہے -

مناجات اول - از فقیر - مثنوی کی شکل میں نعتیہ نظم ہے - جس میں جملہ ۲۵ ابیات ہیں - اس کے مصنف غالباً میر شمس الدین فقیر تھے جنھوں نے دکن میں بھی قیام کیا تھا اور حج سے واپس ہوتے وقت ۱۱۸۱ھ میں جہاز کی تباہی کے باعث غرقاب ہو گئے - (تفصیل کے لئے دیکھو یادگار شعرا ص۱۵۸)

آغاز:-

رسول اللہ جدائی سے تمہاری — ہوئی ہے بیکسوں پر بے قراری
حبیب حق شفیع المذنبیں ہو — مقرر رحمۃ للعالمیں ہو

اختتام:-

وہاں تب امتی کہتے ہو آؤ — گناہوں کو گنہ گاروں سے بخشاؤ
فقیر بے سروساماں کو للہ — وہاں سے لے چلو قدموں کے ہمراہ

مناجات دوم - ۲۱ اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - ممکن ہے کہ یہ بھی فقیر ہی کا کلام ہو -

آغاز:-

ہو تم شفیع محشر یا مصطفےٰ محمد — جن و بشر کے سرور یا مصطفےٰ محمد
تم سا نہ کوئی ہوا ہے اور حشر تک نہ ہوگا — دونوں جہاں کے اوپر یا مصطفےٰ محمد

اختتام:-

جو بندگی کریں گے ان کی خوشی سے گزرے
ہم عاصیوں کی کیونکر یا مصطفےٰ محمد
ابر کرم سے تیرے یک قطرہ ہے کفایت
دھوئیں گے سب کے دفتر یا مصطفےٰ محمد

مناجات سوم - از ناقص - یہ ۱۷ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ سے اعمال نیک کی ہدایت چاہی گئی ہے - خواجہ محمد ناقص ولد خواجہ مظفر ملکاپوری (۱۲۱۸ھ - ۱۲۹۳ھ) ملکاپور (برار) کے قاضی تھے - فارسی و اردو دونوں میں شعر کہتے تھے - (تفصیل کے لئے دیکھو محبوب الزمن جلد دوم ص۱۰۵۶ - ص۱۱۰۱) - ممکن ہے یہ نظم ناقص ملکاپوری ہی کی ہو کیونکہ یہ بیاض جن خاتون کے لئے مرتب کی گئی تھی وہ برار ہی میں بیاہی گئی تھیں -

آغاز:-

اے مومنو یہ دنیا دو دن کی زندگانی
یا کھیل یا تماشہ یا خواب یا کہانی

اختتام:-

ناقص خموش ہو جا کب تک یہ شور و غوغا
رکھ دل میں یاد مولا بس کر یہ قصہ خوانی

مناجات چہارم - از ناقص - یہ ایک طویل مسدس ہے جس میں ۷ بند ہیں اور جس کے ہر بند کا آخری شعر وہی ہے جو پہلے بند کے آخر میں درج ہے - اس مسدس میں رمضان کی برکتوں کو بیان کیا گیا ہے - اس کا مصنف بھی وہی ہے جس کا ذکر مناجات سوم کے بیان میں کیا گیا ہے -

آغاز - بزرگی سے اس ماہ رمضان کے — کھلا باب احسان رحمان کے
ہوئے قافلے قید شیطان کے — کئے سر سجدے سے ملک آن کے

الٰہی تو برکت سے قرآن کے گنہ بخش سب اہلِ ایمان کے

اختتام:۔

جو ناقص گنہ گار ہے بے نوا نہیں آسرا اس کو تیرے سوا
گنہ بخش سب اوس کے اے کبریا دو عالم کی آفت سے اوس کو بچا
الٰہی تو برکت سے قرآن کے
گنہ بخش سب اہلِ ایمان کے

مناجات پنجم ۔ از ناقص (؟) یہ بھی ایک مسدس ہے جس میں ۶ بند ہیں ۔ ہر بند میں مناجات نمبر ۴ کی طرح آخری مصرع مشترک ہے ۔ مصنف کا تخلص درج نہیں غالباً یہ بھی ناقص ہی کی تصنیف ہے ۔ اس نظم میں تراویح کے فوائد درج ہیں اور غالباً رمضان کی آخری رات "ختم" کے وقت پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہے ۔

آغاز:۔

تراویح موج ہے دریا دلوں کی تراویح فوج ہے سب مومنوں کی
تراویح حل ہے سارے مشکلوں کی تراویح شب (؟) ہے سب غافلوں کی
ہوا آخر یہ اتمام تراویح
چلے راحت لیے ایام تراویح

اختتام:۔

برکت سے تراویح کے الٰہی دفع کر اہلِ ایماں کی تباہی
دلوں سے دھو گناہوں کی سیاہی دے رحمت دین و دنیا کی کمائی
ہوا آخر یہ اتمام تراویح
چلے راحت لے ایام تراویح

ترقیمہ:۔

"فقط المرقوم ۱۲ ماہ شوال ۱۳۰۳ھ ۔ این مناجات برائے حضرت پھپو صاحبہ قبلہ نوشتہ دادہ شد ۔ کمترین محمد اسد علی"۔

اس نسخے کے کاتب محمد اسد علی محمد ..... ولد عبدالسلام کہ فرزند تھے اور حضرت قادر بی بی صاحبہ کے حقیقی بھتیجے ۔ موصوفہ کے کتب خانہ کی جملہ کتابوں کی طرح راقم الحروف نے یہ مخطوطہ بھی ادارے میں بطور تحفہ داخل کیا ہے ۔

---

(۲۶۳) مجموعۂ مولود شریف [۸۰۵]

اوراق ۵ ۔ ۸ ا شعر فی صفحہ ۔
تقطیع ½۵ × ۹ ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف ۔ ندا، مسعود، دستگیر، مسکین ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۷۵ھ
کاتب ۔ محمد صدرالدین خطیب ۔ سنہ کتابت ۱۳۱۶ھ ۔

اس مجموعے میں ۷ قصائد، منقبت اور نعتیہ غزلیں محفوظ ہیں جن کو نصف صدی قبل دکن کی خواتین محفل میلاد میں پڑھا کرتی تھیں اور بعض خاندانوں میں یہ رواج اب بھی باقی ہے ۔

ان سب نظموں کی تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ قصیدہ ندا ۔ یہ ایک دکنی شاعر ندا کا ۱۵ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں نعتیہ مضامین درج ہیں ۔ ندا دکنی کا ذکر خوب چند ذکا دہلوی نے اپنے تذکرۂ عیار الشعرا (۱۲۰۸ھ ۔ ۱۲۴۷ھ) میں کیا ہے ۔

مطلع ۔ یارو مدینہ پاک کو اب جائیں گے چلو
روضے کو ہاں رسول کے اب جائیں گے چلو
مقطع ۔ راضی نہیں ہوں ہند کی مٹی سے اے ندا
یثرب میں رہ کے بس وہیں مر جائیں گے چلو

۲ ۔ غزل مسعود ۔ یہ ۹ اشعار کی ایک غزل ہے جس میں محفل میلاد کی برکتوں کو واضح کیا گیا ہے ۔ مسعود کوئی دکنی شاعر ہیں حالات معلوم نہ ہو سکے ۔

مطلع ۔ نور خدا محفل میلاد ہے صل علیٰ محفل میلاد ہے
مقطع ۔ اس غزل نعت کو مسعود پھر پڑھ کے کہو محفل میلاد ہے

۳ ۔ غزل حبیب ۔ یہ ۶ اشعار کی ایک غزل ہے جس میں عاشقانہ

مضامین بھی اس میں درج ہیں۔ غالباً یہ غزل حبیب علی شاہ کی ہے جن کی کتاب حبیب العاشقین کیلئے دیکھو ص ۲۲۹

مطلع ۔ پیر بن مدعا نہیں ملتا خضر بن راستہ نہیں ملتا

مقطع میں خود اپنے کو ڈھونڈھتا ہوں حبیب

مجھ کو میرا پتہ نہیں ملتا

۴ ۔ غزل مسکین ۔ حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی کی منقبت میں ۸ اشعار کی ایک غزل ہے ۔ اس کے مصنف محمد نعیم مسکین شاہ حیدرآباد کے ایک بڑے صوفی اور شاعر و ادیب تھے ۔ ان کی ایک کتاب مراقبات سلوک (۱۲۷۶ھ) کا مخطوطہ ادارے میں محفوظ ہے ۔ (دیکھو نمبر ۲۱۰)

مطلع یا غوث اعظم امداد کیجیے

ہم عاجزوں کا دل شاد کیجیے

مقطع ۔ بے راہ توشہ میں ہوں مسافر

مسکین کو ۔ ۔ ۔ ۔ امداد کیجیے

۵ ۔ غزل مسکین ۔ یہ ایک نعتیہ غزل ہے جس میں ۹ شعر ہیں ۔ مسکین کے حالات کے لئے دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۷۳ ۔

مطلع ۔ غریبوں سے مل جاؤ معراج والے

تمنا یہ برلاؤ معراج والے

مقطع جدا ہو نہ خواجہ سے مسکین بندہ

تمنا یہ برلاؤ معراج والے

۶ ۔ غزل دستگیر ۔ ۸ اشعار کی ایک نعتیہ غزل ہے جس کے مصنف غیر معروف ہیں ۔

مطلع کیا بیاں وصف کرے بندۂ ادنی تیرا

نہ ہوا حال فرشتوں پہ ہویدا تیرا

مقطع ۔ واسطہ دے کے محمدؐ کا دعا کر حق سے

دستگیر آج ہی حل ہوتا ہے عقدہ تیرا

۷ ۔ غزل نعتیہ ۔ یہ ۱۰ اشعار کی ایک نعتیہ غزل ہے مصنف کا تخلص معلوم نہ ہو سکا ممکن ہے کہ بندہ تخلص ہو ۔

مطلع ۔ قاصدے چل مجھے نبیؐ تک

لے دیتا ہوں تجھے میں جی تک

مقطع بندۂ خواجہ جدا نہ رہنا

قاصدے چل مجھے نبیؐ تک

ترقیمہ ۔ (مخطوطے کے سرورق پر درج ہے نہ کہ آخر میں)

"ایں کتاب حضرت جناب قادر بی بی صاحبہ است ۔ المرقوم ۲۹ شعبان ۱۲۱۶ھ بقلم محمد صدر الدین خطیب"

قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانے کے جملہ قلمی نسخے ادارے میں بطور عطیہ داخل کئے گئے ہیں جن میں سے کئی اس تذکرے میں بھی شامل ہیں

---

(۲۶۴) مسدس اکبر [۱۶۷

اوراق ۔ ۷ ۔ سطور ۱۶

تقطیع ۔ ۸½ × ۸½ ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف میر کاظم علی خاں شعلہ ۔ سنہ تصنیف ۱۲۸۷

کاتب مصنف ۔ سنہ کتابت ۱۲۸۷

یہ ایک طویل و جیہہ مسدس ہے جس میں ۵۲ بند یعنی ۱۵۶ اشعار ہیں ۔ یہ نسخہ مصنف کا مسودہ ہونے کی وجہ سے بہت اہم ہے ۔ اس کے مصنف میر کاظم علی خاں شعلہ (۱۲۵۲ھ ۔ ۱۳۰۸ھ) میر احمد علی خاں شہید دہلوی (متوفی ۱۲۹۲ھ) کے فرزند تھے جو حضرت سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے عہد میں حیدرآباد آئے اور حضرت ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کے عہد میں خلعت و خطاب میر الشعرا سے سرفراز ہوئے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھو محبوب الزمن جلد اول ص ۵۰۲)

شعلہ کا سلسلۂ نسب سربلند خاں دلاور جنگ مبارز الدولہ مبارز الملک صوبہ دار گجرات تک پہنچتا ہے ۔ حیدرآباد میں پیدا ہو

دارالعلوم میں تعلیم و تربیت پائی اور مختلف محکموں میں ملازمت کی۔ ان کے دو فرزند (نوازش علی لمعہ اور نادر علی رعد) بھی دکن کے اچھے شاعروں میں شامل رہے ہیں ان کے پوتے حکیم میر کاظم علی برق ایک نوجوان خوش ذوق شاعر آج کل موجود ہیں اور یہ مخطوطہ انہی کا عطیہ ہے۔ شعلہ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو محبوب الزمن جلد اول صفحہ ۵۹۲ اور تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر ہفتم ط۸۹

شعلہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ اس مسدس میں انہوں نے میر اکبر علی خاں (اکبر جنگ اکبر الدولہ اکبر الملک کوتوال بلدۂ حیدرآباد) کی مدح لکھی ہے اور غالباً عید الضحیٰ کے موقع پر یہ مسدس ممدوح کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ میر اکبر علی خاں انگریزوں کی طرف سے افریقہ کی لڑائی میں کارہائے نمایاں انجام دے کر اسی زمانہ میں واپس ہوئے تھے اور برطانوی حکومت سے ستارۂ ہند یعنے سی آئی ای کا اور حکومت نظام سے خاں بہادر کا خطاب حاصل کیا تھا۔

اس مسدس میں ان تمام امور کا تذکرہ ہے۔ شاید اس زمانے میں یہ خبر بھی مشہور تھی کہ اکبر علی خاں کو حکومت برطانیہ ان کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں کوئی ریاست بھی دے گی۔ چنانچہ اس کی طرف بھی اس مسدس میں واضح اشارے ملتے ہیں۔ اور بعض جگہ شاعر اپنے ممدوح کو ایک فرماں روا کی طرح مخاطب کرتا ہے۔ اکبر علی خاں کو ریاست تو نہ ملی البتہ ۱۴ سال بعد ۱۳۱۰ھ میں وہ حیدرآباد کے کوتوال مقرر ہوئے اور اکبر جنگ کا خطاب ملا۔

اس کے ۱۵ سال بعد ۱۳۲۶ھ میں شاعر کی یہ آرزو بھی پوری ہوئی کہ ممدوح کو دولہ اور ملک کے خطاب ملیں۔ چنانچہ وہ اکبر الدولہ اور اکبر الملک بنائے گئے۔ اکبر جنگ کے تفصیلی حالات ان کی مطبوعہ سوانح عمری میں درج ہیں اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

یہ مسدس خود مصنف کا مسودہ ہے۔ جگہ جگہ حاشیہ پر مصرعوں اور الفاظ میں تبدیلی کی گئی ہے اور کاٹ چھانٹ نمایاں ہے۔ بطور ترکیب بند لکھا گیا ہے یعنے ہر بند کا آخری شعر پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

آغاز:۔

بیاں جمشید کا جب تک شکوہ و شوکت و فر ہو
مکاں تا شمعِ اوصافِ فریدوں سے منور ہو
چراغِ بزمِ جاں تا ذکرِ اقبالِ سکندر ہو
جہاں تا اسمِ اعظم کا سلیماں کے مسخر ہو
شریکِ مہر تو فرمانروائے ہفت کشور ہو
اطاعت کا بھی حلقہ زیبِ گوشِ چرخِ چنبر ہو

اختتام:۔

اثر جب تک دعا میں اور دعا جب تک رہے دل میں۔

ہو دل پہلو میں اور پہلو تنِ آرام مائل میں
تنِ آرام مائل تا رہے دنیا کی منزل میں
بنائے منزلِ دنیا طلسم الصار عاقل ہو
الٰہی دولتِ دنیا و دیں تم کو میسر ہو
توجہ کی نظر مبذول ہو شعلہ ثنا گر ہو

اس کے بعد دوسرے صفحے سے اور نئے بند شروع کئے گئے ہیں جن کے آخر میں اکبر علی خاں کی افریقہ سے کامیاب واپسی کی مبارکباد دی ہے اور تاریخ نکالی ہے۔ اس حصہ کا آخری بند یہ ہے:۔

ہوا ذکر سخا سرکار کا مشہور حاتم سا
رہا نام دلاور شہرۂ آفاق رستم سا
طلوعِ کوکبِ اجلال ہو یارب کے وجم سا
مبارک دورۂ ملک آپ کو ہو مہر عالم سا
یہ سال بازگشت اس طرح دل بولا ثنا گر ہو
سفر سے تازہ آنا آپ کا یہ سعد اکبر ہو
۱۳۰۷ھ

یہ نسخہ شعلہ کے نمبرے میر کاظم علی برق موسوی کا عطیہ ہے جو شعبان ۱۳۵۹ھ میں ادارے میں داخل ہوا۔

(۲۶۵) ریختہ ہندی کی صرف نحو [۲۳]

اوراق ۳۰۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ۶" × ۸½"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔

زمانہ تصنیف قبل ۱۲۲۵ھ۔

کاتب۔ عبدالکریم۔ سنہ کتابت ۱۲۳۸ء۔

یہ اردو نثر میں صرف و نحو پر ایک رسالہ ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ غالباً ۱۲۲۵ھ سے قبل کی تالیف ہے اور چونکہ اس موضوع کی ابتدائی اردو کتابوں میں سے ہے اس لئے نہایت اہم ہے۔ مولف نے نہایت باضابطہ اور اصولی ترتیب پر یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

مقالہ اول۔ مفردات۔

بحث اول۔ اسم کا بیان۔

باب اول۔ تقسیم اسم۔ نوع اول جامد۔ نوع دوم مصدر نوع سیوم مشتق۔ (قسم اول اسم فاعل۔ قسم دوم اسم مفعول قسم سیوم اسم حالیہ۔ قسم چہارم اسم تفضیل)

باب دوم۔ اسم باعتبار تعین تقسیم۔ نوع اول علم۔ نوع دوم ضمیر۔ (قسم اول ضمیر فاعل۔ قسم دوم ضمیر مفعول قسم سیوم ضمیر مضاف الیہ) نوع سیوم اشارہ۔ نوع چہارم اسماء موصول۔

باب سیوم۔ تقسیم اسم باعتبار دلالت کرنے اوپر معنی کے۔ قسم اول زوائد آخر قسم دوم زوائد اول۔

باب چہارم۔ تذکیر و تانیث واحد و جمع فصل اول عدم تبدیل۔ فصل دوم جمع کا عام قاعدہ فصل سوم اقسام تذکیر و تانیث۔ فصل چہارم۔ حالت اسم۔ فصل پنجم وحدت و جمع اسماء غیر متبدلہ

بحث دوم۔ فعل کا بیان۔

باب اول۔ فعل بناء ماضی۔

باب دوم۔ اقسام فعل۔ نوع اول متعدی بنفسہ (چار فصلیں اور کئی نوع ہیں)

باب سوم۔ فعل مجازی۔ (کئی ذیلی عنوان ہیں)

بحث سوم۔ حروف کا بیان (کئی ذیلی عنوان ہیں)

مقالہ دوم۔ مرکبات۔

بحث اول۔ مرکب غیر کلامی۔

نوع اول توصیفی نوع دوم اضافی۔ نوع سیوم تعدادی۔ نوع چہارم امتزاجی۔

بحث دوم۔ کلام و جملہ۔

قسم اول اسمیہ۔ قسم دوم فعلیہ۔

خاتمہ

فصل اول حال۔ فصل دوم تمیز۔ فصل سوم توابع (نوع اول کی چار قسمیں اور نوع دوم میں توابع کا بیان)۔ فصل چہارم بعضے فوائد کا بیان۔

اس طرح پوری کتاب دو مقالوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اور جملہ مباحث نہایت سادہ زبان میں پوری وضاحت کے ساتھ درج کئے گئے ہیں

آغاز:۔

"یہ رسالہ زبان ریختہ ہندی کی صرف نحو میں مشتمل ہے دو مقالہ پر۔

مقالۂ اول مفردات ۔ کلمہ وہ لفظ کہ موضوع ہووے واسطے
ایک معنی مفرد کے ۔ یہ شامل ہے تین بحث پر ۔"

اختتام :۔

"حال بغیر ماضی بعید وقریب کے اور ماضی ملحق کہ سوائے ہم
کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور ماضی استمراری کو حال نہیں گردانتے
ہیں۔"

ترقیمہ :۔

"تمت بالخیر والعافیت بالصورت عون الملک الوہاب الغفور
تمت تمام شد شہر ربیع ۱۲۳۸ھ"

یہ کتاب دو فارسی مخطوطوں (زائشہ امان اللہ حسینی اور جامع القوانین) کے درمیان درج ہے ۔ سب کا کاتب ایک ہی عبدالکریم ہے جس نے ہر کتاب کے آخر میں کچھ نہ کچھ ترقیمہ لکھا ہے ۔ ان تینوں ترقیموں سے پتہ چلتا ہے کہ کاتب نے چند ماہ کے اندر ہی یہ تینوں کتابیں نقل کی ہیں ۔ پہلی کتاب کے ترقیمے کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے کاتب کا نام اور جس دوست کی خاطر یہ کتابیں نقل کی گئی ہیں اس کا نام بھی معلوم ہوتا ہے ۔

"بتاریخ بیست و پنجم شہر ذیقعدہ روز دوشنبہ وقت عصر سنہ
یک ہزار و دو صد و سی و ہشت ہجری بہ پاس خاطر برخوردار
نورالابصار سعادت یار کامگار، گل روضۂ مروت، ثمرۂ دوحۂ
فتوت، خال رخسارۂ خوبی، غازۂ عارض محبی، محب واثق،
دوست صادق، عزت آثار فضیلت دثار، مرزا دلدار علی
طال اللہ عمرہ و اعز قدرہ از دست عاصی عبدالکریم صورت
اتمام پذیرفت"

---

(۲۶۶) ترجمۂ آمدنامہ [۸۰۸]

اوراق ۴۸ ۔ سطور ۱۲ ۔
تقطیع ۔ ۶½ × ۱۱ ۔ خط نستعلیق ۔
اردو ترجمہ سرخ روشنائی میں ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ ۔
کاتب ۔ سید عارف ۔ سنہ کتابت ۱۲۳۱ھ ۔
بمقام قلعۂ کڑپہ ۔

یہ فارسی کی مشہور درسی کتاب "آمدنامہ" کا اردو ترجمہ ہے جس کے مصنف اور زمانۂ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ اگرچہ ۱۲۳۱ھ میں یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے لیکن زبان کے لحاظ سے غالباً وسط بارھویں صدی ہجری کی تالیف ہے ۔ فارسی عبارت اوپر کی سطروں میں سیاہی سے لکھی گئی ہے اور نیچے کی سطر میں (سرخ روشنائی میں) اردو ترجمہ درج ہے ۔ لیکن یہ التزام آخر تک باقی نہیں ہے ۔ صرف ابتدائی پانچ فصلوں کا (یعنے ابتدائی ۶۶ صفحات) ترجمہ ہے ۔ بقیہ صفحات میں صرف فارسی ہے اردو کی جگہ خالی رہ گئی ہے ۔ آغازی و اختتامی حصے (صرف اردو کی حد تک) یہاں درج ہیں ۔

آغاز :۔

آنا ۔ آیا ۔ آوے ۔ آتا ہے ۔ آیا تھا ۔
آتا تھا ۔ آوے گا ۔ چاہتا ہے آوے ، سکتا ہے آوے ۔
آیا ۔ کیوں آیا ۔ کس واسطے آیا ۔ آیا ہے ۔ آ ۔ مت آ ۔
آنے ہارا ۔ آنے ہارے ۔ آئے ہیں ۔ آیا تو ں ۔ آئے تم ۔

اختتام :۔

سوکنا ۔ سوکے ۔ سوکنہارا ۔ درد ۔ کر ۔ سکتا ۔ سکانا ۔
درس دینا ۔ خلل ۔ کرم ۔ خیال ۔ علاقہ ۔ فصل ششم ۔

سکنا۔ سکے۔ سکنہارا۔"

اس نسخے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس جلد میں اسی کاتب کی جو دیگر فارسی کتب (طوطی نامہ سید محمد قادری اور انشائے صبیان) شامل ہیں ان کے ترقیمے موجود ہیں۔ یہ ترجمۂ آمد نامہ درمیان میں درج ہے۔ طوطی نامہ کے ترقیمہ کا اقتباس یہ ہے:۔

"تاریخ پانزدہم شہر جمادی الاول بوقت سہ پاس روز جمعہ کہ شہر کڑپہ اندرون قلعہ بحویلی رندی نواب معلی القاب نوشتہ شد کہ کاتب این کتاب سید عارف ولد سید محمد ولد سید قاضی عبداللہ ولد سید مصطفیٰ ۱۲۳۱ھ ہجری"

(۲۶۷) کشف الخلاصہ [۸۰۹]

اوراق ۲۳۔ سطور ۱۰۔

تقطیع ½۴ × ۸ خط نستعلیق۔

مصنف۔ حافظ شجاع الدین۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۲ھ

کاتب۔ خان محمد۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔

حافظ میر شجاع الدین حسین کی اس اردو مثنوی کا ایک اور نسخہ ادارے میں محفوظ ہے۔ اس کے متعلق تفصیل کے لئے دیکھو تذکرۂ ہذا مخطوطہ ۱۳۹ (ج ۱/۴)۔ یہ نسخہ اس کتاب کے مذکورہ مخطوطے سے چار سال قبل نقل ہوا ہے اور زیادہ صحیح اور مکمل ہے۔ اس میں تقریباً ۴۲۵ ابیات ہیں۔ کشف الخلاصہ مسائل فقہ میں ایک معتبر کتاب ہے جس کی اکثر ابیات اب تک حیدر آباد کی شریف خواتین کو یاد ہیں۔

آغاز:۔

ستایش ہے حضرت رحمان کو جان و عقل و دین دیا انسان کو
فضل سے اپنے ہمیں قرآن دیا اس میں امر و نہی سب روشن کیا

اختتام:۔

آل اہل بیت اصحاب اجمعین تابعین اور بعد تبع التابعین
بعد ازاں سب مومنات و مومنین استجب مولائے رب العالمین

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد کار من نظام شد کتاب کشف الخلاصہ تصنیف میر شجاع دین کتاب رسالۂ خلاصہ تمام بوقت برآمدن چہار گھڑی روز، بروز پنجشنبہ و بتاریخ نوزدہم شہر ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ ہجری۔ بمکان سید علی مستاجر ولد سید پیر در موضع چیکٹ مامڑی۔ کاتب الحروف خان محمد ولد محمد مولانا صاحب ساکن بیجاپور عرف قصبۂ اندول جوگی پیٹھ"

آخری ورق پر حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی ایک فارسی غزل بھی درج ہے جس کا مقطع یہ ہے:۔

نعمت اللہ فقیہ حضرت او چاکر خواجہ ام خفی و جلی

یہ نسخہ مخدوم صاحب کی ملک رہ چکا ہے جنھوں نے ۲۵ ربیع الاول ۱۲۶۵ھ کو اس کے مطالعہ کی تکمیل کی تھی اور ورق ۲۲ ل پر بطور یادداشت اپنے مطالعہ کا دن اور تاریخ درج کی ہے۔ یہ مخدوم صاحب غالباً وہی قاضی محمد مخدوم ہیں جو حضرت قادر بی بی بنت عبد السلام کے بڑے بھائی تھے اور عام طور پر مخدوم صاحب کے عرف سے مشہور تھے اور جن کی ہمشیرہ قادر بی بی مرحومہ کے متعدد قلمی نسخے ادارے میں راقم الحروف نے بطور عطیہ داخل کئے ہیں۔

(۲۶۸) قصۂ شہیداں [۸۱۰]

اوراق ۴۷ ۔ سطر ۱۱ ۔
تقطیع ۶ × ۹ ۔ خط نستعلیق معمولی ۔
مصنف ۔ ناطق ۔ سنہ تصنیف تقریب ۱۲۴۰ھ ۔
کاتب ۔ " " سنہ کتابت " "

یہ تقریباً ایک ہزار ابیات کی مثنوی ہے جو خود مصنف کا مسودہ ہے ۔ اس میں عہد سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے ایک مشہور تاریخی واقعے کی تفصیل بیان کی گئی ہے ۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اواخر ذالحجہ ۱۲۳۶ھ و اوائل محرم ۱۲۳۷ھ میں حیدرآباد کے مہدوی افاغنہ اور دوسرے مسلمانوں کے آپس میں کشمکش پیدا ہوگئی ۔ چنانچہ اول الذکر نے میر عالم کے جلوخانہ کی مسجد میں مولوی عبدالکریم اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ۔ اور شہر کے دوسرے مسلمانوں نے بدلہ لینے کی خاطر مہدویوں کے صدر مقام چنچل گوڑے پر حملہ کیا ۔ اس لڑائی میں چندو لال اور منیرالملک کے بیچ بچاؤ کے باوجود طرفین کے بہت سے آدمی ہلاک ہوئے اور کئی روز تک حیدرآباد میں ہلچل مچی رہی ۔

اس کتاب کا مصنف غالباً اس ہنگامۂ کارزار میں شریک تھا وہ خود ایک پرجوش مہدوی ہے اور اپنے ہم مذہبوں کی سرفروشیوں اور ذوق شہادت کو اس نے خاص اعتقاد اور گرمجوشی سے قلمبند کیا ہے ۔ چونکہ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے اس لئے سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ یہ خود مصنف کا مسودہ ہے کیونکہ تقریباً ہر صفحے پر اصلاح اور تبدیلی الفاظ و اشعار موجود ہے ۔ اصل کتاب سے قبل ایک دیباچہ لکھا ہے جو حمد و نعت و مدح صحابہ سے شروع ہوتا ہے جس کے بعد مصنف نے حسب ذیل مہدوی بزرگوں کی مدح الگ الگ عنوان کے تحت لکھی ہے ۔

حضرت مہدی موعود اور ان کے پانچ اصحاب
حضرت بندگی میاں سید قاسم
حضرت میاں سید نجم الدین
حضرت میاں سید ابراہیم عرف بڑے میاں صاحب
شان فقرائے گروہ حضرت مہدی موعود ۔
حضرت روشن میاں صاحب عرف شہید اکبر ۔

چونکہ موخرالذکر بزرگ اسی معرکے میں شہید ہوئے تھے اس لئے ان کے تذکرے کے بعد ہی اصل قصہ نئے صفحے سے شروع کیا ہے ۔ دیباچہ بھی کافی طویل ہے ۔ یعنے ۱۴ صفحات اور تقریباً ۱۵۰ ابیات پر مشتمل ہے ۔

مصنف نے اپنا تخلص حسب ذیل ابیات میں لکھا ہے :۔

اوسی گھر کا ہے خانہ زاد ناطق رہے گا قبر میں بھی شاد ناطق (ورق ۵ ا)

یہ بیت حضرت میاں سید ابراہیم کی مدح کے آخر میں درج ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو ان کے خاندان سے نسلی یا بیعتی تعلق تھا ۔

یہاں موقوف یہ ناطق بیاں کر تو ذکر مہدویاں اب عیاں کر (ورق ۲۱ ا)

یہ بیت اس موقع پر لکھی ہے جب کہ حیدرآباد کے مسلمان مہدویوں کے مقابلے کے لئے بڑی دھوم دھام سے نکل کر یاقوت پورہ کے دروازے کے باہر پہنچے تھے اور شیو پرشاد نے انور خاں کو اس کی اطلاع دی تھی ۔

یہ کتاب تاریخی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں اس معرکے کی اتنی تفصیل درج ہے کہ شاید ہی کسی اور کتاب یا تاریخ میں موجود ہو ۔ مناقشے کی ابتداء مولوی عبدالکریم کی شہادت ، منیرالملک ، چندو لال اور سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی مفاہمت کی کوششیں ، مسجد کے جلسے ،

قاضی بلدہ کی صلح کی کوشش اور پھر معرکے کا بیان نہایت شرح و بسط سے درج ہے۔ مہدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں جو جو لوگ منذرِ اجل ہوئے ان کی نام بنام تفصیل اور کون کس کے ہاتھ سے مارا گیا اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنے ہم مذہبوں کی دلیری، اور جوش و خروش کی خاص طور پر نمایندگی کی ہے۔

یہ کتاب صرف اس لئے اہم نہیں ہے کہ اس میں ایک خاص معرکہ کا (غالباً چشم دید) بیان محفوظ ہے بلکہ اس لئے بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے مطالعہ سے آج سے ٹھیک دو سو سال قبل کے حیدرآباد کی معاشرت اور تمدنی خصوصیات پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ اس زمانے کے ہتیار، لباس، جنگ کے طریقے، اخلاق و عادات، سیاسی حالات، مذہبی جوش اور ذہنی کمزوریاں، غرض جملہ اچھے اور برے پہلو اس کتاب کے مطالعہ سے روشنی میں آجاتے ہیں۔ خاص کر مہدوی فرقے کے اکثر جوانمردوں اور بزرگوں کے حالات کا تو یہ ایک بہترین مخزن ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ کے آغاز و اختتام کی ابیات یہ ہیں۔

آغاز :—

گر حمد خدا میں دو جہاں ہے ادا کوئی کرسکے ہمت کہاں ہے
اندیشہ اڑسکے عرش بریں تک نہ جیٹی جاسکے ہفتم زمیں تک

اختتام : —

نہیں تو یہاں نہیں چارہ کسی کا ہے یہ فضل و کرم صاحب اسی کا
یہاں سے ہے شروع قصۂ شہیداں بیاں کرتا ہوں میں از فضل سبحاں

اصل قصہ کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے : —

تھا ایک صوفی میاں بے دین یارو بھتیجا قاضی دھارور کا او
مصدق قاضی دھارور کے تیں جہنم میں گر پونچا دیئے ہیں
سدا اس بات کا صوفی رکھا تھا پچا جس روز سے اس کا موا تھا

او ظاہر مہدیوں سے آشنا ہو تھا رہتا راز دار خاں پیٹھ میں او
کہا یک روز اوس نے لعل خاں کو مراد خاں بوڑے اویسن خاں کو

اس مخطوطے کی آخری ابیات یہ ہیں

لگے تھے زخم جو مسجد میں اوس کو سوا و دو روز کے کچے تھے سمجھو
سو اس پر گھاؤ یہ ایسے لگے ہیں میاں محمود خاں غازی ہوئے ہیں

اس کے بعد بھی اس ورق کے حاشیہ پر اور پانچ چھے ابیات ہیں جو برابر پڑھی نہیں گئیں۔ یہ پورا مخطوطہ نہایت ناقص اور شکستہ حالت میں حاصل ہوا ہے۔

---

(۲۶۹) بوستانِ خیال [۳۳۹]

اوراق ۱۰۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ۵″×۹½″۔ خط نستعلیق۔
حاشیہ اور عنوانات سرخی میں۔

مصنف سراج اورنگ آبادی۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۷۸ھ

یہ شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی (دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطات نمبر ۴۷، ۱۷۷، ۲۲۰) کی مثنوی بوستان خیال کا ایک ناقص الطرفین نسخہ ہے لیکن نہایت احتیاط اور خاص اہتمام سے خوش خط نقل کرایا گیا ہے درمیان میں رنگین بیل بوٹے ہیں۔ اور کاغذ اور نہج کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو سراج کی زندگی کی یا اواخر بارھویں صدی ہجری کی کتابت ہے۔ اس مخطوطے میں ۲۰۰ ابیات محفوظ ہیں۔ سراج نے اس مثنوی میں زیادہ تر آپ بیتی لکھی ہے۔

آغاز :—

وہی بے خودی نے کیا تھا ہجوم وہی کشور دل میں تھی غم کی دھوم
وہی آہ و زاری مرا کام تھا وہی حال کیا صبح کیا شام تھا

اختتام :-

کیا جب شروع اپنے غم کا بیاں   بغیر آگ جلنے لگی سب زباں
بھر آئے مرے چشم آنسو سنی   اٹھا شعلۂ دود ہر موستی

اس کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۱۹۵ھ کا مکتوبہ ہے کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں بھی موجود ہے۔ پروفیسر سروری نے "کلیات سراج" میں اس کو بھی شایع کر دیا ہے۔ یہ نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسواں کا عطیہ ہے۔

(۲۷۰)   لیلیٰ مجنوں   [۷۱۴]

اوراق ۲۰۷۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ۶ × ۹½۔ خط نستعلیق۔
حاشیہ اور عنوانات سرخی میں۔
مصنف۔ میر تجلی۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۹۰ھ۔
کاتب۔ عبدالمجید خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۳۶ھ۔

یہ تقریباً دو ہزار ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں لیلیٰ مجنوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف میر محمد حسن عرف میاں حاجی ولد میر محمد حسین کلیم اردو کے مشہور شاعر میر تقی میر کے بھانجے اور دہلی کے معروف شعرا میں سے تھے۔ سنہ ۱۲۰۹ھ میں ان کی عمر چالیس سال کے قریب تھی لیکن اس وقت تک اس مثنوی لیلیٰ مجنوں کے علاوہ ایک ضخیم دیوان مرتب ہو چکا تھا وہ غزلوں اور مثنویوں کے ساتھ ساتھ مخمس اور مسدس بھی لکھتے تھے۔ ان کا کلام دہلی میں بہت مقبول تھا۔ مصحفی کے دوست تھے چنانچہ انھوں نے اپنے تذکرۂ ہندی (۱۲۰۹ھ) میں ان کا ذکر اور نمونۂ کلام درج کیا ہے۔

مثنوی کے اس نسخے میں حمد و نعت کے عنوانات شامل نہیں ہیں۔ بلکہ اصل قصے سے مثنوی کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مصنف ہی نے اسی طرح مثنوی کا آغاز کیا تھا یا کاتب نے ابتدائی حصہ نقل نہیں کیا۔ اس کا کاتب کم سواد ہے اکثر الفاظ کا املا غلط لکھا ہے۔ چنانچہ آخری بیت کا آخری لفظ بھی غلط معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے کتاب کے سنہ تصنیف کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے یہ بیت یوں لکھی ہے:-

یہ تاریخ تب پائی میں ہم نشیں   کہ کل دیکھی جنت میں ہے آسطیں

جس سے سنہ ۱۱۹۰ھ برآمد ہوتا ہے جو غلط ہے۔ اگر آخری لفظ کو آستین پڑھیں تو سنہ تصنیف ۱۱۸۸ھ ہوتا ہے جو ایک حد تک قرین قیاس ہے کیونکہ مصحفی نے اپنے جس تذکرۂ ہندی میں اس کا ذکر کیا ہے وہ سنہ ۱۲۰۹ھ میں شروع کیا گیا تھا۔ لیکن آستین پڑھنے کے بعد بھی شعر کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔

بہر حال یہ شمالی ہند اور خاص کر دلی کی قدیم ترین طویل مثنویوں میں سے ہے اور میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" (سنہ ۱۱۹۹ھ) سے قبل لکھی گئی ہے۔ اس لئے خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اثنائے مثنوی میں مصنف نے اپنا تخلص بہت کم استعمال کیا ہے۔ البتہ آخری عنوان سے قبل مجنوں کی وفات کا بیان لکھ کر ایک جگہ لکھتا ہے:-

خموش اب تجلی آتش بہ جاں   زبانہ ہے آتش کا تیری زباں

اس کے بعد چار ابیات لکھ کر آخری عنوان یہ قائم کیا ہے:

"داستان دربیان باز درخواب دیدن مجنون و لیلیٰ را میر تجلی"

اس عنوان میں مصنف نے اپنے ایک خواب کا واقعہ لکھا ہے کہ کس طرح اس نے لیلیٰ اور مجنوں کو جنت میں اپنی کتاب پڑھتا ہوا دیکھا تھا۔ ان سے جو سوال و جواب ہوا تھا اس کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

آغاز :-

عرب کی ولایت میں تھا ایک شاہ   سکندر حشم اور دارا سپاہ

عدالت میں مانند نوشیرواں رہ جود میں جیسے حاتم رواں

اختتام :-

بہت مختصر کرکے بعد از دو سال لکھا میں نے اب یہ جواب و سوال
یہ تاریخ تب پائی ہیں ہم نشیں! کہ کل دیکھی جنت میں ہے سطیں (؟)

ترقیمہ :-

" تمام شد قصۂ مجنوں و لیلیٰ من تصنیف میر تجلی بخط بے ربط
ہیچ مداں عبدالمجید خاں افغان قوم اگوڈائی ساکن رام پور
بپاس خاطر قمرالدین خاں افغان قوم مندوزئی ساکن
عنبر سر دشہر جے پور در عہد راجہ جے سنگھ بہ نیابت راول جیو
در بادشاہی اکبر بادشاہ غازی بتاریخ بست ہفتم صفر المظفر
۱۲۳۶ ہجری مطابق سنہ ۱۴ جلوسی در مسجد لنگامیاں
تحریر یافت "

یہ نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر کا عطیہ ہے۔

---

(۲۷۱) شمائل اتقیا [۸۱۱]

اوراق ۱۵۹ - سطور - ۱۵ -
تقطیع ۶½" × ۱۰" - خط نستعلیق -
عنوانات سرخی ہیں۔
مصنف میراں یعقوب۔ سنہ تصنیف قریب ۱۰۷۸ھ۔

یہ ضخیم کتاب عہد قطب شاہیہ کی اردو نثر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس کے مصنف میراں یعقوب حیدر آباد کے مشہور صوفی سید میراں حسینی چشتی المعروف خدانما کے مرید تھے۔ خدانما کی اردو تصنیفات ادارے میں موجود ہیں اور ان کے بیان میں خود خدانما کا ذکر اس فہرست کے صفحات ۴۹، ۲۵۰، اور ۱۵۲ پر گزر چکا ہے۔ میراں یعقوب نے اپنے مرشد کا سنہ وفات ۱۰۷۸ھ بیان کیا ہے حالانکہ عام طور پر ۱۰۸۰ھ مشہور ہے۔ لیکن میراں یعقوب کا بیان زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ان کے مرید تھے اور اس کتاب میں انھوں نے خدانما کے فرزند اور نواسے کا بھی (دیباچہ میں) تفصیلی ذکر کیا ہے۔ خدانما کی تعلیم و شفقت کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

مدح سید میراں چشتی خدانما

سید السادات، عارف ذات و صفات، محققاں کے قطب، موحداں کے پیشوا، مریداں کے دستگیر، طالباں کے رہنما، پوشیدہ سے علم لدنی کے سوجھنہارے حقیقتاں دین و دنیا کے، پیر میراں، سید میراں چشتی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں پایا۔ ہور باطن کے عالم تھے ظاہر کے عالم میں لیایا۔ ہمیشہ انو کی عنایت کی نظر سوں پرورش پاتا تھا۔ ہور دن دن اس شعور ہور اس ہوش میں آتا تھا۔ جب بلوغیت میں آکر ست بیعت نعمت پایا تب ارشاد تلقین کی لذت سوں اگھایا۔ شریعت طریقت کے وزا وزا (وضع) اک مرسے بجھائے ہور حقیقت، معرفت جیسا جیس کے تماشے دکھائے۔

. . . .

عالم تیں دوراں کے مٹے میں انو اپنا حق کو نہیں بھلایا تو ہجرت کے یک ہزار سنہ پر چوتھے برس میں اس گھر تے اس گھر کوں لجایا۔

دوستاں کو دوست سوں اپنے حضوری خوب ہیں
دشمناں تھے دوست کے سیں ان کوں دوری خوب ہیں

سید میراں حسینی چشتی کے تذکرے کے بعد ان کے فرزند امین الدین ثانی کی خلافت کا حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بعض لوگ ان کی خلافت و سجادگی سے ناراض تھے۔ لیکن

آخر کار سب قائل ہوگئے اور ان کی ذات سے خلق خدا کو بہت فیض پہنچا۔ اس حصہ کا اقتباس یہ ہے :۔

ملیؔ امین الدین

"عارف واصل، اولیا کے یقین، انبیاء کے جانشین، محمد کے دیں کے امین، علی امین الدین رحمتہ اللہ کے جلوس سوں سجادہ شریف منور ہوا، ہور مجلس کوں زیب و رونق زیادہ تر ہوا کی۔ منکراں ہور مخالفاں انکار ہور خلاف سنت دیئے۔ ہور موناں ہور معتقداں ایمان ہور اعتقاد گھٹ کئے۔ نظم

جکوی منکراں تھے سو ایمان لیائے جو گمراہ تھے سو سیدھی راہ پائے

جو ناقص ہنے تھے سو کامل ہوئے جو کامل اتھے سو مکمل ہوئے

معما اتھے سو محقق ہوئے جے کوئی اتھے عارف سو عاشق ہوئے

برس بیار کینے خلافت ولی ابدلک ایس ناؤں کر کر علی

اپنی حیات کے وقت میں منجے بشارت کئے تھے جو شمائل التقیا کتاب کوں ہندی زبان میں لیاوے تا ہر کسی کوں سمجھ آوے۔ اس وقت مجھے بھایا نیں تا آنکہ اُنو یک ہزار ستر پر آٹھویں سال کوں رحلت کئے۔"

مذکورۂ بالا عبارت سے سبب تالیف بھی ظاہر ہوگیا کہ امین الدین ثانی کی فرمایش پر شمایل التقیا کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ اب خود امین الدین سے متعلق اتنا بیان کر دینا ضرور ہے کہ وہ میرانجی خدانما کے اکلوتے فرزند تھے اور کسر نفسی اور درویشی میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اپنے والد کا گنبد (جو حیدرآباد میں محلۂ کاروان کے قریب "کرخی گنبد" کے نام سے مشہور ہے)۔ تیار کرایا اور صرف چار سال کے بعد ۸ جمادی الاول ۱۰۷۸ھ میں لاولد فوت اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ تذکرہ محبوب ذی المنن میں لکھا ہے کہ :۔

"ہمدردی میں یگانہ، کیا دوست کیا بیگانہ آپ کے نزدیک سب مساوی تھے۔ بھوکوں کو کھانا ننگوں کو کپڑا دیتے تھے۔ یتیموں کی سرپرستی غریبوں کی دستگیری فرماتے تھے .... مدۃ العمر زبان سے لفظ میں نہیں نکالا... بجائے میں لفظ فقیر استعمال کرتے رہے۔ اپنے کو سب سے ذلیل سمجھتے رہے فرماتے تھے کہ فقیر محض ناچیز مطلق ہے" (جلد اول ص ۱۳۲)

میراں یعقوب نے امین الدین ثانی کے تذکرے کے بعد ان کے بھانجے (یعنے میراں جی خدانما کے نواسے) شاہ میراں ثانی ابن سید حسین کا ذکر کیا ہے کہ وہ جب اپنے ماموں کی جگہ خلیفہ ہوئے تو میراں یعقوب نے یہ کتاب لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کی شاہ میراں ثانی کا نام اس طرح لیا ہے :۔

عارف حق رسیدے، عارفاں کے نور دیدے، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلیجے، مرتضیٰ کے نین شاہ میراں ابن سید حسین سلم اللہ تعالیٰ۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ میراں ثانی اس وقت کم عمر تھے۔ وہ بڑے شاہ حسینی کے لقب سے مشہور ہوئے اس لئے کہ خدانما کے بڑے نواسے تھے۔ اور اپنے مرشد اور ماموں کی اجازت سے دھول پیٹھ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے دوسرے بھائی کو باہر (غالباً شہر سے) جانے کی اجازت دی گئی۔ ذیحجہ ۱۱۱۴ھ میں وفات پائی (محبوب ذی المنن جلد دوم صفحہ ۸۶۰)

شاہ میراں ثانی کے بعد میراں یعقوب نے ایک اور بزرگ بابا ابراہیم خلیل کا ذکر کیا ہے کہ کتاب مکمل کرکے جب ان کے روبرو پیش کی تو وہ اس کے مطالعہ سے بہت خوش ہوئے۔ میراں یعقوب شاید میراں جی خدانما کے بعد ان کے معتقد ہوگئے تھے

اس کے بعد ہی سبب تالیف اور موضوع کتاب کی
نسبت میراں یعقوب نے یہ عبارت لکھی ہے : ۔

یو کتاب پہلیں فارسی تھا۔ رکن عماد، پیر معنوی حضرت
سلطان العارفین خواجہ برہان الدین غریب کے مرید تھے۔
انو بہوت مدت تک بزرگاں کے بہوت کتاباں ہور رسالے
مطالعہ کئے تھے۔ اس کتاباں تھے ہر یک بیان علاحدہ کر کر
یو کتاب فارسی لکھے ہیں۔ ہور اس کا ناؤں شمایل الاتقیا
کر رکھے ہیں۔ یعنے پرہیزگاراں کے خصلتاں۔ ہور اس
تمام کتاباں میں جو کچھ ولیاں کا اقوال و احوال ہور
خصلتاں ہور خارج کشف اپنے پیر کی زبان مبارک تھے
سنے ہیں ہور تلقین پائے ہیں سو بھی تمام اس کتاب میں
لیائے ہیں۔ جو طالب کوں اتنے کتاباں مطالعہ کرنا نا
پڑے ہور آسانی سوں مطلب کوں انپڑے۔ نظم

سکل جوہراں علم ناسوت کے — سکل موتیاں بحر ملکوت کے
لطیفے اچنبھے اچنبھے ذہن — کئی اوصاف اسرار جبروت کے
کئی درج اس درج میں ایک ٹھار — جو آساں ہوے قرب لاہوت کے" (ورق ۳ و)

اسی سلسلہ میں اصل کتاب کے ماخذوں کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ شیخ رکن الدین بن عماد
کاشانی مصنف نفائس الانفاس و شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیا
ایک مشہور مصنف اور شیخ برہان الدین غریب کے مرید تھے۔ چنانچہ
اول الذکر کتاب میں تو اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں
اور موخر الذکر میں ان کے بہت سے مقولات اور احوال محفوظ
کر دئے ہیں۔ یہ کتاب ایک وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ
اس کے ماخذوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے جن کی فہرست
اس دکنی ترجمے میں بھی میراں یعقوب نے تفصیل سے (کئی
صفحات میں) لکھی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قدیم
زمانے میں بھی کیسے کیسے لائق مصنف اور محقق گزرے ہیں اور
ان کے کتب خانے کیسے کیسے نوادر علم و فضل سے معمور رہا کرتے تھے۔
رکن الدین عماد کی فارسی شمایل الاتقیا کا ایک قدیم قلمی نسخہ
بھی ادارے میں محفوظ ہے اس کا ذکر تذکرہ فارسی مخطوطات
میں درج رہے گا۔

اردو ترجمے کے نام اور کتاب کے موضوع اور ترتیب
کی نسبت خود مصنف نے یوں وضاحت کی ہے : ۔

اس کتاب کا ناؤں شمایل اتقیا کر رکھا گیا ہے۔ ہور
اس میں طریقت حقیقت کے علم ہور مقاماں کے چہار قسم ہو
نود بریک بیان کیا گیا ہے۔

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال کے بیان میں ہے
دو اگلے پچاس بیان سوں۔

دوسرا قسم۔ حقیقت کے لوگاں کے احوال کے بیاں
میں۔ دو اگلے تیس بیان سوں۔

تیسرا قسم۔ خدائے تعالی کے وجود ہور ذات کے صفات
کے بیان میں، ہور ازل ہور ابد کے بیان میں،
ہور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے
یک ذات کے صفت ہور نبوت میں ہے۔ چہار
بیان سوں۔

چوتھا قسم۔ نہایت نہایت کے اچنبھے ہور نازکیاں کے بیان
میں ہور رزا وزا (وضع) کی حقیقت۔ ان کے
رموزاں ہور باریکیاں کے بیان میں۔ ہور بہتر
آدم کی پیدائش کی صفت میں، ہور آدمیاں کی
بڑائیاں ہور انسان کیاں خصلتاں، ہور اینو کیاں
امیدواریاں، ہور اینو کے حق میں خدا کیاں عنایتاں
کے بیان میں ہے۔ تین بیان سوں۔

افسوس ہے کہ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ سنہ کتابت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ غالباً اوائل تیرھویں صدی کی کتابت ہے۔ اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۱۶۳ھ) کتب خانہ آصفیہ (فن تصوف نمبر ۶۶۳) میں موجود ہے۔ اور اس کا مختصر تذکرہ اردو شہ پارے (ص۱۰۰) دکن میں اردو (ص۱۰۰) اور اردوئے قدیم (ص۸۵) میں شائع ہو چکا ہے۔

آغاز:—

"حمد و ثنا انقیا و اصفیا کی کنا ہور نسلیاں کے نمن بےعد و بے پایاں ہور سرنا لکھانا اولیا و انبیا کی نیکیاں ہور صفتاں ہور صفتاں کی بھانت بے گنت ہور بےانت اس ایک پاک ذات کوں واجب ہور سزاوار ہے کہ جنے پر یہ بگاراں کی ٹولی کوں اپنی نزدیکی کی بڑائی دیا"

اختتام:—

"یہنے تحقیق میں خدا ہوں۔ منجہ باج کوئی خدا نہیں۔ جو کوئی راضی نا اچھے میری قضا سوں ہور صبوری نہ کرے میری بلا پر ہور شکر"

یہ قلمی نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبہ نسوان ادارۂ ادبیات اردو کا عطیہ ہے۔

---

(۲۷۲) عشق نامہ (یوسف زلیخا) [۷۱۶]

اوراق ۱۲۷ - سطور ۱۲ -
تقطیع ½۵×½۸ - خط نستعلیق -
عنوانات - سرخی میں -
مصنف - نگار - سنہ تصنیف ۱۲۱۲ھ -
کاتب - حسین خاں - سنہ کتابت ۱۲۴۰ھ -

یہ ۳۰۲۰ (تین ہزار بیس) ابیات کی ایک ضخیم مثنوی ہے جس کو ایک غیر معروف شاعر نگار نے صرف دو ہفتوں میں منظوم کیا ہے۔ نگار تخلص کے ایک شاعر مرزا قطب علی بیگ تھے جن کا ذکر تذکرۂ "مجموعہ نغز" میں قاسم نے کیا لیکن لکھا ہے کہ وہ دوسروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے تھے اور سنہ ۱۲۲۰ھ سے قبل وفات پائی۔ لیکن اس مثنوی کے مصنف تو خود ایک قادر الکلام شاعر معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ایسی طویل مثنوی انہوں نے صرف دو ہفتوں میں ختم کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں -

بہت خوبی سے دی انجام اس کو   دو ہفتہ میں کیا اتمام اس کو (ورق ۱۲۶)

مثنوی کا آغاز حمد و نعت سے کیا ہے اور صحابہ کا ذکر نہیں ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مصنف شیعی المذہب ہوں۔ انہوں نے نعت کے حصہ کو اس بیت پر ختم کیا ہے: —

نبی کی آل اوپر وار جانا   اسی بارہ درے سے پار جانا (ورق ۴ ب)

نعت کے بعد سبب تالیف میں لکھا ہے کہ میں تنہائی سے بیزار تھا کہ جامی کی یوسف زلیخا نظر پڑی۔ یہ مثنوی بہت پسند آئی (اس کی بڑی تعریف لکھی ہے)۔ اور خیال آیا کہ تنہائی کا رفیق قلم سے بہتر کوئی نہیں ہے چنانچہ اردو میں اس کا ترجمہ شروع کردیا۔

مصنف نے اپنی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ البتہ حسب ذیل ابیات میں اپنا تخلص استعمال کیا ہے: —

کیا تو نے نگار اب لطف ہے نام　　تو اپنے لطف سے اب دے مرا کام

نگار اب داستاں کو ایک باری　　سنا جلدی کہ ہے گی انتظاری (عنوان حمد۔ ورق ۲ ب)

نگار اب خاموشی ہے تجھ کو بہتر　　بھلا ہے اب یہ قصہ مختصر کر (ورق ۵ الف) (ورق ۱۲۷)

اصل قصہ ورق ۵ سے شروع ہوتا ہے اور اس کے جملہ عنوانات اردو نثر ہی میں لکھے گئے ہیں۔ ورق ۱۲۶ سے خاتمۂ کتاب کا عنوان شروع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اور آخر میں سنہ تصنیف اور تعداد ابیات اور مثنوی کا نام بھی ان مسلسل ابیات میں لکھ دیا ہے۔

ہزار اور دوسو اور دس اور تھے دو　　کیا انجام جب یہ داستاں کو

گنے ابیات جو میں اس کے ایک بار　　ہوے تب تین ہزار اور بیس اشعار

لکھی تھا عشق سے جو اس کو خامہ　　رکھا تب نام اس کا عشق نامہ

جامی کی "یوسف زلیخا" کا دکنی شعرا نے بھی اس ترجمہ سے ڈیڑھ دو سو سال قبل اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ مثنوی فارسی ادب کی مقبول ترین کتب میں سے ہے۔ نگار کا یہ ترجمہ زبان و انداز بیان کی وجہ سے میر حسن کی مثنویوں کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کا مصنف کوئی مشہور یا پیشہ ور شاعر نہیں ہے حالانکہ وہ اتنا قادر الکلام ہے کہ دو ہفتوں میں تین ہزار سے زیادہ ابیات لکھ ڈالیں۔

آغاز:۔

الٰہی عشق سے اپنے تو کر شاد　　مرا دل کر تو اپنا عشق آباد

عناصر کی یہ میری ہے جو ہستی　　بسا تو عشق کی اس بیچ بستی

اختتام:۔

نگار اب خاموشی ہے تجھ کو بہتر　　بھلا ہے اب یہ قصہ مختصر کر

گئی آنکھوں سے نیند اب ناگہانی　　زباں کر بند بس کر یہ کہانی

ترقیمہ:۔

"تمام شد قصۂ یوسف زلیخا بوقت سہ پہر روز یکشنبہ در ماہ رمضان المبارک تاریخ بیست و پنجم کاتب الحروف حسین خاں فراش پیر محمد دفعدار آوردہ کوتوالی در حاضری جانی صاحب فرنگی در اجرائی پیشتر گشتی کام کرد حکم سالار جنگ بہادر سنہ ۱۲۸۰ ہجری"

کتاب کے پہلے اور آخری اوراق پر عبد الرحیم خاں ۱۳۰۳ھ پرورش علی ولد سلیمن خاں ۱۲۹۶ھ پیر محمد خاں ۱۲۷۸ھ۔ اور عبد الرحیم ولد عبد الکریم خاں ۱۳۱۰ھ کی مہریں ثبت ہیں۔

---

(۲۷۳) طوطا کہانی [۷۱۶]

اوراق ۸۷۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ½۵ × ½۸۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔

زمانۂ تصنیف قریب سنہ ۱۲۲۰ھ

کاتب حسین خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۸۰ھ۔

طوطا کہانی ایک مشہور داستان ہے جو اصل میں سنسکرت میں لکھی گئی تھی اور بعد کو دنیا کی اکثر بڑی بڑی زبانوں (مثلاً انگریزی، جرمن، ترکی، فارسی اور اردو) میں منتقل کی گئی اور بہت مقبول ہوئی۔ یہ اصل میں ۷۰ کہانیوں کا مجموعہ ہے جس کا غالباً پہلا ترجمہ ضیاء الدین نخشبی نے سنہ ۷۳۰ھ میں فارسی میں کیا۔ لیکن اس کی زبان بہت مغلق تھی اس لئے کئی اور مصنفین نے اس کو آسان فارسی میں مرتب کیا جن میں ابو الفضل اور سید محمد قادری کے ترجمے معروف ہیں۔ موخر الذکر نے نخشبی کی ۵۲ حکایات ہی میں سے صرف ۳۵ کو سلیس فارسی میں منتقل کیا تھا۔

فارسی کے علاوہ اردو میں بھی کئی مصنفین نے اس کتاب یا

اس کی بعض کہانیوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں کئے ہیں جن میں غواصی (۱۰۴۹) ابن نشاطی (۱۰۷۶) اور حیدر بخش حیدری (۱۲۱۶ھ) بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور دکنی مصنفین نے بھی اس کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ لیکن دونوں کے نام معلوم نہ ہوسکے۔ کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں ایک ترجمہ (اردو نثر میں) محفوظ ہے جو ۱۲۲۲ھ میں کیا گیا تھا اور جس کا ذکر پروفیسر سروری نے فہرست اردو مخطوطات (ص ۱۸۱۔ ۱۸۳) میں تفصیل سے کیا ہے۔ اردوے قدیم میں بھی طوطا کہانی کی نسبت تفصیلی معلومات درج ہیں (ص ۱۲۴)۔

ادارے کا زیرِ نظر مخطوطہ طوطا کہانی بھی دکھنی نثر میں ہے۔ لیکن اس کی زبان نسبتاً بعد کی ہے اور اس کا مصنف جامعہ کے مخطوطے کے مصنف سے غالباً سو سال بعد کا ادیب ہے۔ افسوس ہے کہ اس مخطوطے سے مصنف کے نام کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ زمانۂ تصنیف کا۔

ادارے کی زیرِ نظر "طوطا کہانی" بھی سید محمد قادری کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے چنانچہ اس میں بھی (۳۵) کہانیاں ہیں۔ لیکن ابتدا میں مصنف نے نہ حمد و نعت کی سرخیاں قایم کی ہیں اور نہ سبب تالیف ہی بیان کیا ہے۔ بلکہ بسم اللہ کے ساتھ ہی پہلی کہانی شروع کردی ہے۔ یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ کاتب نے نقل کرتے وقت ابتدائی حصے چھوڑ دئے یا مصنف ہی نے ان کا خیال نہ رکھا۔ کاتب چونکہ کم سواد ہے اس لئے کتابت میں کئی غلطیاں ہیں۔

آغاز:۔

"پہلی کہانی یہ کیفیت میمون اور خجستہ کی اور خرید کرنے میں میمون ایک طوطی کے۔ اور ایک تاجر کی طوطی کی کیفیت اور مینا کی حکایت یوں ہے۔ دانایاں اور عقلمند اس طور سے بیان کئے ہیں کہ آگے کے زمانے میں ہند کے شہروں میں سے ایک شہر میں کوئی سوداگر تھا صاحب مال اور ہمت۔ اور نام اوس کا مبارک تھا۔"

اختتام:۔

"میمون کہا کیا کیفیت ہے تو ہی بول۔ طوطا تمام احوال ہوا سو خجستہ کا کہا ایک جوان پر ادرمارے جانے میں شارک کے اول سے آخر تک میمون سے کہا۔ میمون اوس وقت خجستہ کو نصیحت کیا۔"

ترقیمہ:۔

"کاتب الحروف حسین خاں برائے پیر محمد دفعدار علاقہ کوتوالی آوردۂ علاقۂ جانی صاحب فرنگی است۔ تمت تمام شد۔ بوقت دوپہر روز سہ شنبہ بتاریخ بست نہم ربیع الثانی ۱۲۰۸ھ"

اسی کاتب نے اور دو مخطوطے (عشق نامہ اور واسوخت آباد) بھی نقل کئے ہیں جن کا ذکر مخطوطہ ۲۷۲ و ۲۷۴ میں درج ہے۔

اس کتاب کے سرورق کی پیشانی پر "پرورش علی ولد یلسین خاں ۱۲۹۶ھ" اور "عبدالرحیم ولد عبدالکریم خاں ۱۳۱۰ھ" کی مہریں ثبت ہیں۔

==:: ==:: ==:: ==:: ==::

(۲۷۴) واسوخت آباد [۷۱۷]

اوراق ۳۵ - سطور ۱۲۔
تقطیع ½۵ × ½۸ - خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی میں۔
مصنف - مہدی حسین خاں آباد - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۶۸ھ۔
کاتب حسین خاں - سنہ کتابت ۱۲۸۰ھ۔

یہ ۲۶۹ بندوں کا ایک طویل مسدس ہے جو بطور واسوخت قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف مرزا مہدی حسین خاں آباد (متولد ۱۲۰۷ھ) خلف مرزا جعفر خاں لکھنوی ناسخ کے شاگرد تھے۔ دو دیوان، تین واسوخت اور ایک مثنوی ان کی یادگار ہے۔ ایک دیوان نگارستان عشق ۱۲۶۲ھ میں مطبع مرتضوی لکھنو سے شائع ہوا تھا۔ بہارستان عشق میں ان کی وہ غزلیں شامل ہیں جو آتش و ناسخ کی ہم طرح ہیں۔ واسوخت نگار کی حیثیت سے بھی انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

یہ واسوخت معاملہ بندی اور لطف زبان کے لحاظ سے بہت دلچسپ اور قابل قدر ہے۔

آغاز:-

عشق وہ آئینہ ہے جس کی صفا طینت ہے
عشق ہر دیدۂ خود بیں کے لئے حیرت ہے
عشق سے خانہ خرابوں کے لئے زینت ہے
عشق کا روپ نرالا ہے نئی صورت ہے
عشق کا میل ہر اک دل کے لئے صیقل ہے
آخر کار صفائی ہے غبار اول ہے

اختتام:-

مثل آباد رہا پاس سخن کا تا زیست
آنکھ اٹھا کر نہ کسی اور کو دیکھا تا زیست
فرق الفت میں نہ لایا دل شیدا تا زیست
دولت حسن کو دل کھول کے لوٹا تا زیست
حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد کار من نظام شد بوقت دو گھڑی دن ماندہ ایں کتاب "واسوخت" تمام گردید۔ نوشتۂ حسین خاں غریب حقیر روز سہ شنبہ خواند پیر محمد دفعدار در نوکری کوتوالی علاقۂ از طرف جانی صاحب فرنگی آوردہ در تیاری سڑکان تیار گردیدہ است نوختہ شد۔ تحریر فی التاریخ دوازدہم جمادی الاول ۱۲۸۰ھ"

ترقیمہ کے اوپر حسب ذیل عبارت درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واسوخت مطبع مصطفائی کانپور میں ۱۲۶۸ھ میں چھپ بھی چکا ہے۔

"الحمد للہ والمنہ کہ واسوخت دلچسپ رنگین از تصنیفات سردفتر اشعرائے متاخرین، مطلع دیوان خوش بیانی، مقطع سخن سنجی و سخندانی، آشنائے بحر مضامین استناد، مرزا مہدی حسین خاں متخلص بہ آباد، بتاریخ دہم ربیع الاول ۱۲۶۸ھ ہجری در مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خاں خلف حاجی محمد روشن خاں مرحوم در شہر کانپور محلہ پٹکاپور حلۂ طبع پوشید۔"

کتاب کے آخری ورق کے نیچے پیر محمد ولد خان محمد اور عبدالرحیم ولد عبدالکریم کی مہریں ثبت ہیں۔ اسی کاتب کی لکھی ہوئی دو کتابوں (مخطوطات ۲۷۲ و ۲۷۳) کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

---

(۲۷۵) کلیات سلطان [۳۳۸]

اوراق۔ ۱۱۳۔ سطور ۱۷۔
تقطیع ۲/۱ ۶ × ۹۔ خط نستعلیق۔
مصنف سلطان۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ۔
سنہ کتابت۔ ۱۲۳۷ھ۔

یہ ایک مشہور صوفی شاعر سلطان کا ضخیم کلیات ہے جس میں ۳۸۰۰ تین ہزار آٹھ سو سے زیادہ اشعار ہیں۔ لیکن تعجب اس کا ہے کہ اتنے ضخیم کلام میں بھی کہیں شاعر نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے ان کے وطن، نام اور زمانے کا پتہ چل سکتا۔ ان کا کچھ اور کلام بھی ادارے میں موجود ہے جس کا ذکر اس تذکرے کے مخطوطہ نمبر ۲۰۶ (ص ۲۴۹) کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سلطان ایک بہت بڑے صوفی اور اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ان کے مریدوں اور معتقدوں کی بعض کتابوں کے قلمی نسخے بھی ادارے میں موجود ہیں۔ چنانچہ "درالاسرار" (دیکھو مخطوطات نمبر ۲۰۷ و ۲۱۸) کا مصنف بھی ان کا مرید تھا۔ اور سبب تالیف کے بیان میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"اے بھائی حق کی توفیق سوں ہور اس
ہادی شاہ سلطان کی مدد سوں سالکاں ہور
طالباں کے واسطے اوس سبق کے موتیاں چن کر
لیایا ہوں" (دیکھو تذکرۂ ہذا ص ۲۶۱)

ان کے ایک اور مرید افضل (مصنف محی الدین نامہ) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان، میراں شاہ معروف کے خلیفہ تھے۔ (دیکھو تذکرۂ ہذا ص ۲۴۷)۔

اسی طرح مرتضیٰ (مصنف وصل نامہ) بھی سلطان ہی کے مرید تھے چنانچہ اپنی مثنوی میں ان کی مدح لکھی ہے۔ (دیکھو تذکرۂ ہذا ص ۲۵۲)۔

ان معلومات کے علاوہ افسوس ہے کہ سلطان کی نسبت اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے کلام کے ذکر میں اس تذکرہ کے صفحہ ۲۴۷ پر جو لکھا گیا ہے کہ راقم الحروف کی نظر سے ان کا دیوان مملوکہ ڈاکٹر عبداللطیف گزرا ہے وہ غالباً یہی دیوان ہے جو پروفیسر لطیف احمد صاحب فاروقی کی ملک تھا اور شاید انہی کے یہاں راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا تھا۔

اس دیوان میں جو غزلیں ہیں ان کے مضامین مجازی اور حقیقی دونوں قسم کے عشق و عاشقی پر مشتمل ہیں۔ اکثر غزلوں کی زمینیں وہی ہیں جو کلیات محمد قلی قطب شاہ میں نظر سے گزرتی ہیں۔ اور زبان بھی قریب قریب اسی زمانے کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی کا دیوان اس صوفی سلطان کے مطالعے میں رہا ہے۔ اور یہ کہ وہ بھی عہد قطب شاہیہ کے شاعر تھے۔

سلطان کے کلام میں پختگی، مضامین میں تنوع، اور زبان پر قدرت ہے۔ وہ شاید صوفی اور شاعر ساتھ ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ اس کلام کے پیش نظر تو وہ صوفی سے زیادہ شاعر ہی تھے۔ ادارے کے مخطوطۂ نمبر ۲۰۶ میں ان کا جو کلام درج ہے وہ سب کا سب اس کلیات میں اپنی اپنی جگہ پر

موجود ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام اتنا مقبول تھا کہ
لوگوں نے اپنی بیاضوں میں ان کی منتخب غزلیں نقل کرلی تھیں ۔

محمد قلی قطب شاہ کی طرح سلطان نے بھی ہر ردیف میں
کئی کئی غزلیں لکھی ہیں ۔ اور بعض غزلیں اس بادشاہ شاعر
کی غزلوں کی طرح اتنی طویل ہیں کہ قصیدہ سمجھی جا سکتی ہیں ۔
مثلاً ورق ۴۹ پر تصوف میں ایک مسلسل غزل لکھی ہے جس میں
۳۰ شعر ہیں ۔

سلطان خود بھی اپنے شاعرانہ محاسن سے واقف تھے ۔
چنانچہ بعض مطلعوں میں خود ستائی بھی نظر آتی ہے ۔ مثلاً ۔

اشعار کو تاتوں تجہ سلطان بن محمد نظم کوں
ہر حرف میں باریک ہے معنیٔ اسرار عشق (ورق ۶۵)

مجہ غزل سن تو تجہ یک سلطان بھیجیا ہوگیا
نظم میرا سن کہے سب شعر گویا ہے لذیذ (ورق ۳۷ ب)

سخن معروف نرلو جیوں جنے سلطان مسکیں میں
اپن خصلت موافق ہر کسے ہم یار خوش لگنا (ورق ۱۱ ب)

بعض غزلیں قطعہ بند ہیں اور کسی خاص موضوع پر لکھی گئی ہیں ۔
چنانچہ اس کلیات کے آخری حصے میں قصیدہ کے طور پر ۱۴ شعر کی
ایک غزل درج ہے جس کا مطلع ہے : ـــ

عزیزاں مجھ نصیحت سن نہ ہو غافل ہے تن فانی
جو دل لگ ہے سمجھ اس کوں نہ سمجھیا ہے تو حیرانی (ورق ۱۱۱)

غزلیات کے آخر میں ایک نظم بھی شامل ہے جس کے ہر بند میں
چار مصرعے ہیں ۔ اور اس نظم میں حروف تہجی کے عارفانہ بھید
سمجھائے گئے ہیں ۔ اس نظم کے حسب ذیل پہلے شعر میں اپنے
نام کے ساتھ "صفی" اس طرح لکھا ہے ۔ کہ شاید یہ لفظ شاعر
کے نام کا جز ہو ۔

از الف اول اتھا ہو نکتہ سلطان صفی
ابتدا ہور انتہا کا اسم آیا کر خفی (ورق ۱۱۲)

لیکن یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لفظ صفی نام کی مناسبت
سے لکھا ہے یا صوفی صافی کی صفت ظاہر کرنے کے لیے ۔

آغاز : ـــ

اوس پاک عشق بازکوں جب نہہ کا اثر ہوا
تب نور ذات جوش ہوا نہ گنج بر ہوا
نس نور ذات نام رکھیا احمد و صفات
سو وصف کی زبان سنتی کن کا اچھر ہوا

اختتام : ـــ

ایہہ بھید باطن کر بظاہر عشق کا سلطان ہو
سین میں آ خود کوں رکھیا ناؤں اپنا نخری
ایہہ صفت اپنی اب لکھن سلطان آپنیہ محل آ
چڑا کر چھپا خوش طرز کا بیٹھا صدر کر محمدی

ترقیمہ : ـــ

"در تمت الکتاب بعون الملک الوہاب بتاریخ
بیست ششم ربیع الاول بروز سہ شنبہ ۱۲۳۷ ہجری
مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۲۱ عیسوی در قصبہ جیولیتور
درحالہ منصفی قصبہ دیور"

سلطان کا کلیات کمیاب ہے اس کا نسخہ کسی اور
کتب خانے میں اب تک دستیاب نہیں ہوا اور نہ کسی
کتاب میں اس شاعر کے حالات اس وقت تک شایع
ہوئے ہیں ۔ اس لئے یہ ایک نادر نسخہ ہے ۔ یہ نسخہ
مولوی لطیف احمد صاحب فاروقی ایم اے ۔ ایل ایل بی
لکچرار فارسی و پراکٹر جامعہ عثمانیہ کی ملک تھا جس کو

انھوں نے ۱۹۳۶ء میں بمقام اوٹی کمنڈ (کوہ نیلگری) ادارے میں بطور عطیہ داخل کرنے کے لئے خریدا تھا۔ چنانچہ اس کے ابتدائی اور آخری اوراق پر موصوف کے دستخط ثبت ہیں۔ اس مخطوطے کے سرورق پر لکھا ہے:۔

"تحفہ بخدمت مشفقی ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ برائے کتب خانۂ مخطوطات ادبیات اردو
لطیف احمد فاروقی ۲۵ آذر ۱۳۵۳ف"

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اوّل

ضمیمے

۴۔ مُعطِئین مخطوطات

ادارۂ ادبیات اُردو کے قلمی نسخوں کا کتب خانہ زیادہ تر علم دوست اصحاب کے ذاتی ایثار اور عطیوں پر مشتمل ہے۔ یوں تو ایسے معطئین کی فہرست نہایت طویل ہے لیکن یہاں صرف اُن اصحاب کے نام درج ہیں جن کی معطیہ قلمی کتب کا بیان تذکرۂ اُردو مخطوطات کی اِس پہلی جلد میں شایع ہو رہا ہے۔ اِسی طرح دوسرے اصحاب کے نام معہ صراحت مخطوطات آئندہ جلدوں میں شریک رہیں گے۔

مرتب تذکرۂ ہذا پھر ایک بار حسب ذیل معطئین کا منجانب ادارہ شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان کی دلچسپیوں کی وجہ سے جہاں کتب خانۂ ادارہ اکثر و بیشتر نادر مخطوطات کا گنجینہ بنتا جائے گا۔ خود ان معطئین کا نام نیک زندگانی جاوید حاصل کرکے دوسروں کو بھی اسی قسم کے خلوص و ایثار کی ترغیب دلاتا رہے گا۔

(۱) محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسواں

۲۵۷۔ گلزار السالکین
۲۵۸۔ معالجات بندہ نوازؒ
۲۵۹۔ کسب عروج
۲۶۰۔ طلسم اعظم
۲۶۱۔ مذہب عشق
۲۶۹۔ بوستانِ خیال
۲۷۰۔ لیلیٰ مجنوں
۲۷۱۔ شمائل اَلَتقیا

۲۰۷۔ مناظرۂ عقل و عشق
۲۰۸۔ کلام اسمٰعیل
۲۰۹۔ رسالۂ وجودیہ
۲۱۰۔ وصل نامہ
۲۱۱۔ مراثی مرزا
۲۱۲۔ محی الدین نامہ
۲۱۳۔ بیاض مراثی
۲۱۴۔ مراثی قادر
۲۱۵۔ دکنی منظومات
۲۱۶۔ وصایائے نبیؐ
۲۱۷۔ حکمت سلیمانی
۲۱۸۔ درالاسرار
۲۱۹۔ مرات المصلی

(۲) مولوی سید حمید اللہ حسینی صاحب بی اے۔

۲۰۰۔ مثنوی علی
۲۰۲۔ قصہ ہرنی کا
۲۰۳۔ مناجات غفار
۲۰۴۔ کشف المعراج
۲۰۵۔ کلام شغلی
۲۰۶۔ کلام سلطان

(۳) مولوی خواجہ حمید الدین صاحب شاہد بی اے مدیر سب رس

۱۷۵۔ دیوان عاجز
۱۷۶۔ قصۂ سیہ پوش
۱۷۷۔ بیاض اشعار
۱۷۸۔ منتخب دیوان مدینہ
۱۷۹۔ قصۂ رسیا

(۴) مولوی میر سعادت علی صاحب رضوی ایم اے معتمد شعبۂ تنقید

۶۷۔ نوبہار عشق
۶۸۔ سحر البیان

(۵) مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی صفوی رفیق ادارہ

۲۲۶۔ تفسیر سورۂ اذا جاء
۲۲۷۔ سحر البیان
۲۵۲۔ دیوان ناظم
۲۵۳۔ انتخاب کلام بیروشانی
۲۵۴۔ آب حیات
۲۵۵۔ کلام بیرن و سید
۲۵۶۔ کلیات ناظم۔

(۶) مولوی سید محمد صاحب ایم اے لکچرار سٹی کالج و شریک معتمد امتحانات

۸۵۔ دیوان انشار

(۷) مولوی محمد عبدالحق صاحب محتسب بنولہ

۱۵۱۔ رسالۂ اصلاح مسلماناں
۱۵۲۔ رسالہ شرک و عت

(۸) پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ایل ایل بی معتمد شعبۂ امتحانات

۲۲۳۔ بچولین

(۹) نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز معاون ادارہ

۱۹۳۔ چشمۂ فیض
۱۹۵۔ دیوان عصر
۱۹۶۔ دیوان اول مزاج
۱۹۷۔ دیوان دوم مزاج
۱۹۸۔ دیوان سوم مزاج

(۱۰) نواب عنایت جنگ بہادر معاون ادارہ

۸۔ سیف الملوک
۱۷۔ چندربدن و ماہیار
۲۳۔ نادرعلی
۳۱۔ روضۃ الشہدا
۴۳۔ پنچھی باچھا
۴۰۔ روضۃ الاطہار
۶۱۔ محبوب القلوب
۶۹ سحرالبیان
۷۹۔ کلیات سودا
۸۳۔ دیوان یقین
۸۴۔ قصیدۂ صاحب
۸۷۔ دیوان میر
۸۸۔ کلیات ایمان
۹۴۔ چار درویش
۹۵۔ چار درویش
۹۷ مذہب عشق
۱۰۰۔ روضۃ الشہدا
۱۰۱۔ چار درویش منظوم
۱۲۱۔ دین دیپک
۱۲۲۔ ایمان درپن
۱۲۵۔ تناولی
۱۲۶۔ نظم انور
۱۲۷۔ مرغوب الطبع
۱۲۸۔ مرغوب الطبع
۱۲۹۔ چار درویش
۱۳۰۔ ہمیشہ بہار
۱۵۴ حملۂ حیدری
۱۵۶۔ آناولی

۱۵۷۔ لاڑو کپور اور قاضی ۔۔۔ ۱۷۳۔ اگر گل
۱۹۰۔ مناقب عادل ۔۔۔ ۲۲۵۔ ترجمہ شرح چغمنی
۲۴۲۔ تاریخ بدر ۔۔۔ ۲۴۳۔ وفات نامۂ زہرا
۲۴۳۔ بیاض اشعار ۔۔۔ ۲۴۴۔ کلام برہان
۲۴۵۔ کلام میراں ۔۔۔ ۲۴۶۔ بیاض نظم و نثر
۲۴۸۔ بہار گلشن

(۱۱) مولوی میر کاظم علی صاحب برق موسوی

۲۶۴۔ مسدس اکبر

(۱۲) مولوی لطیف احمد صاحب فاروقی ایم اے ایل ایل بی لکچرار جامعہ عثمانیہ

۲۷۵۔ کلیات سلطان

(۱۳) مولوی محبوب علی خاں صاحب۔

۱۹۱۔ دیوان اول ناسخ ۔۔۔ ۱۹۲۔ دیوان دوم ناسخ

(۱۴) مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن) سابق ناظم تعلیمات

۳۷۔ دیوان ولی

(۱۵) صاحبزادہ میر محمد علی خاں صاحب میکش سابق مدیر سب رس

۴۴۔ دعائے داؤد

(۱۶) مولوی سید محمد نقی صاحب رضوی بی اے

۹۳۔ طوطی نامہ ۔۔۔ ۹۶۔ مذہب عشق
۹۸۔ گل با صنوبر ۔۔۔ ۱۵۵۔ پدماوت

(۱۷) ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور معتمد عمومی ادارہ

۴۶۔ دیوان داؤد ۔۔۔ ۱۱۹۔ وفات نامہ
۱۲۰۔ وفات نامہ ۔۔۔ ۱۲۳۔ پند نامہ
۱۳۸۔ تنبیہ النساء ۔۔۔ ۱۴۰۔ وفات نامۂ خاتون جنت
۱۴۱۔ وفات نامۂ خاتون جنت ۔۔۔ ۱۴۳۔ گلزار نامۂ خاتون جنت
۱۴۸۔ باز و فاختہ ۔۔۔ ۱۶۲۔ رسالۂ بے نماز
۱۸۰۔ چہار کرسی ۔۔۔ ۱۹۹۔ قصۂ ابوشحمہ
۲۲۱۔ ابراہیم نامہ ۔۔۔ ۲۲۲۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ
۲۴۰۔ اسرار غوثیہ ۔۔۔ ۲۵۹۔ روضۃ الاقطاب
۲۵۱۔ چار گلزار ۔۔۔ ۲۶۲۔ مجموعۂ مناجات
۲۶۳۔ مجموعۂ مولود شریف

(۱۸) مولوی نصیر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی لکچرار گلبرگہ کالج

۱۰۷- دہ مجلس

(۱۹) مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی موسس ادارہ

۳۰-جنگ نامہ
۳۲- روضۃ الشہدا
۵۴-سرو شمشاد
۶۴- دیوان داوٗد
۸۹-حاشیہ من درپن
۱۰۶- مثنوی نادر
۲۰۰- روپ سنگار

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اوّل

مخطوطات کی فہرست بلحاظ زمانۂ تصنیف

(۱) درمیان سنہ ۸۲۵ھ / ۱۴۲۰ء و سنہ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۰ء

نام مصنف	نام تصنیف	سنہ تصنیف	موضوع	صنف	نمبر تذکرہ	نمبر کتب خانہ	صفحہ
خواجہ بندہ نواز	چکی نامہ	قبل ۸۲۵	تصوف	نظم	۴۲	۱۲۰	۶۸
شاہ صدر الدین	کسب محویت	" ۸۷۶ (؟)	"	"	۴۱	۱۲۰	۶۶
"	کسب عروج	" " "	"	"	۲۵۹	۸۰۳	۳۱۵
اشرف	نوسرہار	۹۰۹	سیر	"	۱	۱۲۳	۱۷
"	واحد باری	قریب " "	لغت	"	۲۳۷	۱۲۹	۲۸۴
فیروز	توصیف نامہ	قبل ۹۷۲	سیر	"	۱۱۰	۹۵۳	۱۴۴
برہان الدین جانم	ارشاد نامہ	۹۹۰	تصوف	"	۲	۱۲۴	۱۹
" "	کلمۃ الحقائق	قریب "	"	نثر	۲۷	۱۰۴	۵۳
" " (؟)	مقصود ابتدائی	" " (؟)	"	"	۲۸	۱۰۴	۵۴

(۲) درمیان سنہ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۰ء و سنہ ۱۰۵۰ھ / ۱۶۳۹ء

نام مصنف	نام تصنیف	سنہ تصنیف	موضوع	صنف	نمبر تذکرہ	نمبر کتب خانہ	صفحہ
عبد الملک	مولود نامہ	۱۰۰۹	سیر	نظم	۶	۱۲۷	۲۳

عبدالملک	نامۂ سلطان	قریب	۱۰۰۹	سیر	نظم	۱۰۸	۶۵۱	۱۴۳
عبدل	ابراہیم نامہ		۱۰۱۲	”	”	۲۲۱	۱۸۱	۲۶۷
محمد قلی	کلیاتِ قطب شاہ	قبل	۱۰۲۰	کلام	”	۲۲۲	۱۸۲	۲۶۸
غواصی	سیف الملوک		۱۰۳۵	قصہ	”	۸	۸۳	۲۵
قطب رازی	تحفۃ النصائح		۱۰۴۵	موعظت	”	۱۶	۱۵۷	۳۵
”	”		”	”	”	۴۷	۵۱۵	۷۵
مقیمی	چندر بدن		۱۰۴۸	قصہ	”	۱۷	۸۷	۳۷
کریم	مدحِ میراں جی	”	۱۰۵۰	سیر	”	۱۰۹	۶۵۲	۱۴۴
(؟)	حکمتِ بزرجمہر	”	”	حکمت	”	۲۳۵	۳۳۶	۲۸۳

(۳) درمیان ۱۰۵۰ھ و ۱۱۰۰ھ (۱۶۳۹ء و ۱۶۸۸ء)

علی (؟)	پند دلپند	درمیان	۱۰۲۰ / ۱۰۶۷	پند و موعظت	نظم	۲۰۲	۵۰۹	۴۵
ملک خوشنود	مرثیہ	قریب	۱۰۶۰	سیر	”	۲۲۰(۸)	۳۷۰	۲۶۴
میراں جی خدانما	چکی نامہ	قبل	۱۰۷۰	تصوف	”	۳۸	۹۳ب	۶۴
” ”	رسالۂ وجودیہ	”	”	”	نثر	۲۰۹	۳۵۹	۲۵۰
” ” (؟)	غزل	”	”	”	نظم	۱۱۶(۵)	۶۵۹	۱۵۲
عبدی	فقۂ ہندی		۱۰۶۴	فقہ	”	۹	۶۰	۴۶
ابن نشاطی	پھولبن		۱۰۶۶	قصہ	”	۲۴	۱۱۷	۴۹
” ”	”		”	”	”	۲۲۳	۱۸۰	۲۶۹
میراں یعقوب	شمائل الاتقیا	قریب	۱۰۶۸	تصوف و سیر	نثر	۲۷۱	۵۱۱	۳۲۹
سید بلاقی	معراج نامہ		۱۰۸۰	سیر	نظم	۱۰	۹۸	۲۷
عبداللہ قطب شاہ	غزل	درمیان	۱۰۳۵ / ۱۰۸۳	کلام	”	۲۱۵(۷)	۳۶۵	۲۵۹
علی عادل شاہ شاہی	مراثی	”	۱۰۶۷ / ۱۰۸۳	سیر	”	۲۱۳ ۲۲۰(۷)	۳۶۳ ۳۷۰	۲۵۷ ۲۶۴
مرزا	”	قریب	۱۰۸۲	”	”	۲۱۱	۳۶۱	۲۵۲

مرزا	مراثی	قریب ۱۰۸۲	سیر	نظم	۲۲۰ (۱-۱۳-۱۵-۱۶-۲۰-۲۳-۲۶-۲۹)	۳۷۰	۲۶۳/۲۶۶
ایاغی	نجات نامہ	۱۰۸۳	پند و موعظت	〃	۱۹	۵۰۷	۴۱
؟	پند نامہ	۱۰۸۹	پند	〃	۱۲۳	۴۱۴	۱۵۸
شاہ راجو	مرثیہ	قبل ۱۰۹۲	سیر	〃	۲۲۰(۵)	۳۷۰	۲۶۳
عابد شاہ	گلزار السالکین	〃 〃	تصوف	نثر	۲۵۷	۸۰۱	۳۱۳
〃 (؟)	معالجات بندہ نواز	〃 〃	طب	〃	۲۵۸	۸۰۲	۳۱۴
سیوک	جنگ نامہ	۱۰۹۴	تاریخ	نظم	۳۰	۶۶	۵۰
فائز (فائض)	رضوان شاہ	۱۰۹۴	قصہ	〃	۳۶	۱۲۳	۵۱
شغلی	کلام	قریب ۱۰۹۷	تصوف	〃	۲۰۵	۳۵۵	۲۴۵
معظم	گنج مخفی	〃 〃	〃	〃	۱۱۴	۶۵۵	۱۴۸
〃	مناظرۂ عقل و عشق	〃 〃	〃	〃	۲۲۰(۱۹)	۳۷۰	۲۶۵
〃 (؟)	〃	〃 〃	〃	〃	۲۰۷	۳۵۷	۲۴۸
علی	مناجات	قبل ۱۱۰۰	مناجات	〃	۷	۱۲۶ب	۲۴
〃	مثنوی	〃 〃	تصوف	〃	۲۰۱	۳۵۱	۲۴۳
سید	دعائے داؤد	〃 〃	مناجات	〃	۴۴	۱۰۱	۶۰
فاروقی	چکی نامہ	〃 〃	تصوف	〃	۱۱۴	۶۵۷	۱۵۰
مواہب	کشف المعراج	〃 〃	〃	〃	۲۰۴	۳۵۴	۲۴۵
سلطان	کلیات	〃 〃	〃	〃	۲۷۵	۳۳۸	۳۳۶
〃	کلام	〃 〃	〃	〃	۲۰۶	۳۵۶	۲۴۷
مرتضیٰ	وصل نامہ	〃 〃	〃	〃	۲۱۰	۳۶۰	۲۵۱
افضل	محی الدین نامہ	〃 〃	سیر	〃	۲۱۲	۳۶۲	۲۵۳
غفار	مناجات	〃 〃	مناجات	〃	۲۰۳	۳۵۳	۲۴۴
قادر	معجزۂ خاتون جنت	〃 〃	سیر	〃	۱۴۳	۸۱	۱۶۶
〃	مراثی	〃 〃	〃	〃	۲۱۴	۳۶۴	۲۵۷

بلبل	چندر بدن و ماہیار	قبل	۱۱۰۰	قصہ	نظم	۱۸	۸۴	۳۹
شہ میر	مدح میراں	〃	〃	سیر	〃	۱۱۵	۹۵۸	۱۵۱
محمود	کلام	〃	〃	تصوف	〃	۱۱۶(اوّل)	۹۵۹	〃
جعفر	〃	〃	〃	〃	〃	〃 (۲)	〃	〃
محرمی	〃	〃	〃	〃	〃	〃 (۳)	〃	۱۵۲
روحی	مرثیہ	〃	〃	سیر	〃	(۹)۲۲۰	۳۷۰	۲۶۴
گوہری	رباعی	〃	〃	پند	〃	〃 (۲۱)	〃	۲۶۵
شرف	مراثی	〃	〃	سیر	〃	(۱۰)۲۱۳	۳۶۳	۲۵۶
〃	〃	〃	〃	〃	〃	(۳۹)۲۲۰	۳۷۰	۲۶۹
مراد	مرثیہ	〃	〃	〃	〃	〃 (۲)	〃	۲۶۳
قربان علی	〃	〃	〃	〃	〃	〃 (۹)	〃	〃
نسیم احمد	〃	〃	〃	〃	〃	۲۱۳	۳۶۳	۲۵۵ و ۲۵۶
شفیع	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
قلندر	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
حیرت	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
مشہور	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
اشرف	〃	〃	〃	〃	〃	(۹)۲۱۳	۳۶۳	۲۵۵
حسین	〃	〃	〃	〃	〃	۲۲۰	۳۷۰	۲۶۴ تا ۲۶۶
صادق	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
محبت	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
مرید سلطان	درّ الاسرار	〃	〃	تصوف	نثر	۱۷۰	۱۹۰	۲۰۱
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۱۸	۳۶۸	۲۶۱
؟	ہدایت المومنین	〃	〃			۱۷۱	۹۷۳	۲۰۲
؟	وصایائے نبی	〃	〃	پند	〃	۲۱۶	۳۶۶	۲۵۹
؟	باز و فاختہ	〃	〃	سیر	نظم	۱۴۸	۹۷	۱۸۱

؟	قصہ ہرنی کا	قبل	۱۱۰۰	سیر	نظم	۲۰۲	۳۵۲	۲۴۴
؟	ترجمۂ آمدنامہ	″	″	قواعد	نثر	۲۶۶	۸۰۸	۳۲۴

(۴) درمیان سنہ ۱۱۰۰ھ و سنہ ۱۱۵۰ھ (۱۶۸۸ء و ۱۷۳۷ء)

ضعیفی	ہدایات ہندی		۱۱۰۱	فقہ	نظم	۱۱	۳۰۱	۲۸
″	″		″	″	″	۱۳	۵۹	۳۳
جنونی	قصیدۂ معجزہ		۱۱۰۲	سیر	″	۴	۱۲۶ الف	۲۱
″	″ ″ (دیگر)		″	″	″	۵	″ ب	۲۲
عبدالعلی	نامۂ علی		۱۱۱۰	″	″	۲۳	۹۸	۴۸
دریا	وفات نامہ		۱۱۱۱	″	″	۱۵	۹۸ ب	۳۴
″	″		″	″	″	۱۱۹	۹۱	۱۵۴
″	″		″	″	″	۱۲۰	۲۱۷	۱۵۵
عبدالحمد	شمائل النبی		″ (؟)	″	″	۱۴	۱۰۹	۳۳
عنایت	نورنامہ		″	″	″	۲۰	۵۰۸	۴۳
″	″		″	″	″	۲۱	۸۰	۴۴
بحری	من لگن		۱۱۱۴	تصوف	″	۲۹	۵۱۰	۵۵
ولی	دیوان	قریب	۱۱۱۵	کلام	″	۳۶	۹۳	۶۲
″	″	″	″	″	″	۳۷	۱۱۲	۶۳
″	غزلیات	″	″	″	″	۱۷۷	۱۲۰ (ج)	۲۱۰
″	مخمس	″	″	سیر	″	۱۷۴	۶۸۱	۲۰۶
منور بیگم	توشۂ عاقبت	″	۱۱۱۷ (؟)	فقہ	نثر	۴۸	۵۱۵ (ج)	۷۶
فتح شریف	پندنامۂ لقمان		۱۱۳۰	پند	نظم	۱۲	۳۰۲	۳۱
ولی ویلوری	روضۃ الشہدا		۱۱۳۰/۱۱۳۷	سیر	″	۳۱	۱۴۰	۵۸
″	″		″	″	″	۳۲	۸	۵۹

ولی ویلوری	روضۃ الشہداء		۱۱۳۰/۱۱۳۷	سیر	نظم	۹۲	۴۰۲	۱۱۳
آگاہی	وفات نامہ	قبل	۱۱۴۰	″	″	۳	۱۲۵	۲۰
عاشق	اشارت الغافلین	″	۱۱۴۳	تصوف	″	۴۳	۵۱۳	۶۸
وجدی	پنچھی باچھا		۱۱۴۶	″	″	۳۳	۱۵۸	۹۰
″	″		″	″	″	۳۴	۵۸	۹۱
″	″		″	″	″	۳۵	۵۱۱	۹۳
″	″		″	″	″	۹۱	۴۰۱	۱۱۲
امام الدین عارف	گنج عرفاں	قبل	۱۱۵۰	″	″	۲۳۷	۷۰۳	۲۸۶
شیخ اسمٰعیل	کلام	″	″	″	″	۲۰۸	۳۵۸	۲۴۹
محی الدین	نظم	″	″	″	″	۲۱۵	۳۶۵	۲۵۸
حیات	غزل	″	″	″	″	۱۷۷(۱۴)	۱۳۸(ج)	۲۱۰
؟	تفسیر اذا جاء	″	″	تفسیر	نثر	۲۲۶	۳۷۱	۲۷۴
؟	حکمت سلیمان	″	″	طب	″	۲۱۷	۳۶۷	۲۶۰

(۵) درمیان ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء و ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء

یقین	دیوان	قبل	۱۱۶۱	کلام	نظم	۷۱	۵۱۹	۹۷
″	″	″	″	″	″	۷۵	۵۲۱	۱۰۰
″	″	″	″	″	″	۸۳	۱۳۶(ز)	۱۰۶
″	″	″	″	″	″	۲۴۹	۷۰۸	۳۰۴
″	غزلیات	″	″	″	″	۲۳۹	۷۰۴	۲۸۷
″	″	″	″	″	″	۱۷۷(۳۴)	۱۲۸(ج)	۲۱۵
عاشق	منتخب دیوان	″	۱۱۶۵	″	″	۱۳۳	۲۱۰	۱۶۹
دائم	دیوان	″	۱۱۶۸	″	″	۴۶	۵۱۵	۷۳
″	غزل	″	″	″	″	۱۷۷(۱۹)	۱۲۸(ج)	۲۱۳

شیدا	روضۃ الاطہار		۱۱۰۳	سیر	نظم	۳۹	۱۲۲	۹۵
〃	〃		〃	〃	〃	۴۰	۵۱۲	۹۶
سامی	سرو و شمشاد	قبل	۱۱۷۵	قصہ	〃	۴۵	۵۱۴	۷۲
؟	مرات المصلی	قریب	۱۱۷۵	قصہ	〃	۲۱۹	۳۶۹	۲۶۲
سراج	بوستان خیال	قبل	۱۱۷۷	قصہ	〃	۲۶۹	۳۳۹	۳۲۰
〃	سوز و گداز	〃	〃	〃	〃	۷۴	۵۲۰(ب)	۹۹
〃	غزلیات	〃	〃	کلام	〃	۱۷۷ (۷-۲۰-۳۰)	۱۲۸(ج)	۲۱۱ ۲۱۲
〃	غزل	〃	〃	〃	〃	۲۲۰(۳)	۳۷۰	۲۶۳
اخلاص	غزلیات	〃	۱۱۷۸	〃	〃	۱۷۷(۱۸-۱۹)	۱۲۸(ج)	۲۱۳
عاجز	دیوان	〃	〃	〃	〃	۱۷۵	〃 (ب)	۲۰۶
〃	غزل	〃	〃	〃	〃	۱۷۷(۱۰)	〃 (ج)	۲۱۲
قاسم	مخمس	قریب	۱۱۸۰	〃	〃	۱۷۷(۱۵)	〃 (〃)	〃
فغاں	قصیدہ	قبل	۱۱۸۵	منقبت	〃	۷۲	۵۱۹(ب)	۹۸
آگاہ	عقاید نامہ		〃	عقاید	〃	۴۹	۹۰	۷۶
〃	تحفۃ النساء		〃	سیر	〃	۵۰	۹۱	۷۸
〃	من دیپک		〃	〃	〃	۵۲	۹۳(۱)	۸۰
〃	من ہرن		〃	〃	〃	۵۳	۹۳(۲)	۸۱
〃	جگ سوہن		〃	〃	〃	۵۵	۹۳(۴)	۸۲
〃	آرام دل		〃	〃	〃	۶۵	۹۳(۵)	۸۳
〃	من موہن		۱۱۸۶	〃	〃	۵۴	۹۳(۳)	۸۲
〃	راحت جاں		〃	〃	〃	۵۷	۹۳(۶)	۸۳
تجلی	لیلیٰ مجنوں	قریب	۱۱۹۰	قصہ	〃	۲۷۰	۷۱۴	۳۲۸
میرن	کلام	قبل	〃	منقبت	〃	۲۴۵	۷۰۶	۲۹۴
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۱۵۵	۷۱۱	۳۰۹

سید	کلام	قبل	۱۱۹۰	منقبت	نظم	۲۵۵	۷۱۱	۳۱۰
غوثی	قصص الانبیا		۱۱۹۱	سیر	〃	۲۵	۱۳۲	۴۹
〃	ضیافت نامہ		〃	〃	〃	۶۴	۱۳۸	۹۱
آبرو	غزل	〃	۱۱۹۲	کلام	〃	(۱۷)۲۳۹	۶۰۴	۲۸۸
میر	دیوان اول	〃	〃	〃	〃	۸۷	۴۴	۱۰۸
〃	غزلیات		〃	〃	〃	(۱۰-۱۱)۳۰۹	۶۰۴	۲۸۸
〃	منتخب دیوان		〃	〃	〃	۲۵۳	۳۴۳	۳۰۸
درد	دیوان	درمیان	۱۱۲۸/۱۱۹۹	〃	〃	۷۷	۵۲۳	۱۰۱
شاداں	غزل	قبل	۱۱۹۳	〃	〃	(۱۲)۲۳۹	۶۰۴	۲۸۸
سودا	دیوان	〃	۱۱۹۴	〃	〃	۷۳	۵۲۰	۹۹
〃	کلیات	〃	〃	〃	〃	۷۸	۶۱۶	۱۰۲
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۷۹	۱۴۸	۱۰۳
〃	غزلیات	〃	〃	〃	〃	۱۷۷ (۲۷-۲۸)	(ج)۱۲۸	۲۱۵
〃	منتخب دیوان	〃	〃	〃	〃	۸۰	(ب)۱۳۶	۱۰۴
رحمت اللہ	تنبیہ النساء	〃	۱۱۹۵	پند و موعظت	〃	۱۳۴	۱۳۰	۱۷۰
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۱۳۵	۶۶۳	۱۷۲
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۱۳۶	۸۶	〃
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۱۳۷	۶۶۴	۱۷۳
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۱۳۸	(ب)۱۹۱	〃
کامل	فقر نامہ		〃	تصوف	〃	۱۱۱	۶۵۴	۱۴۷
ہدایت؟	تاریخ ہندوستان	〃	۱۱۹۶	تاریخ	نثر	۲۲۴	۶۵	۲۷۰
	قصائد		۱۱۹۸	〃	نظم	۱۰۲	۹۹	۱۲۱
کاظم	کلیات		۱۱۹۹	کلام	〃	۲۵۶	۳۲۱	۳۱۰
میر حسن	سحر البیان		〃	قصہ	〃	۶۸	۵۱۶	۹۵
〃	〃		〃	〃	〃	۶۹	۱۴۷	۹۶

میرحسن	سحرالبیان		۱۱۹۹	قصہ	نظم	۷۰	۵۱۸	۹۷
〃	〃		〃	〃	〃	۹۹	۴۰۴	۱۱۸
〃	〃		〃	〃	〃	۲۲۷	۳۷۳	۲۷۵
مولائی	غزل	قبل	۱۲۰۰	〃	〃	۲۴۶(۱۴)	۷۰۷	۲۹۸
غلامی	مناجات	〃	〃	〃	〃	۲۴۶(۱۵)	۷۰۷	۲۹۸
عادل	مناقب	〃	〃	منقبت	〃	۱۹۰	۲۰۳	۲۳۰
ذوقی	مخمس	〃	〃	تصوف	〃	۱۷۷(۳۱)	۱۲۸(ج)	۲۱۵
برہان	منتخب کلام	〃	〃	کلام	〃	۲۴۴	۷۰۵	۲۹۳
〃	مرثیہ	〃	〃	سیر	〃	۲۱۳	۳۹۳	۲۵۹
ہدایت	منظومات ہجویہ	〃	〃	تاریخ	〃	۱۰۳	۱۹۴	۱۳۰
صاحب قراں	منتخب دیوان	〃	〃	ہزل	〃	۸۴	۱۳۶(د)	۱۰۵
حسینی	غزل	〃	〃	کلام	〃	۲۳۹(۶)	۷۰۴	۲۸۷
منور	منتخب کلام	〃	〃	〃	〃	۷۹	۵۲۲	۱۰۰
لطف	غزل	〃	〃	نعت	〃	۲۴۳(۵)	۳۴۴	۲۹۳
مدینہ	منتخب دیوان	〃	〃	کلام	〃	۱۷۸	۱۲۸(د)	۲۱۶
شکوہ	منقبت غوث اعظم	〃	〃	منقبت	〃	۲۴۳	۳۴۴	۲۹۲
شمس	رسالہ احوال میت	〃	〃	قصہ	〃	۱۳۴	۶۶۱	۱۵۹
سکندر	مناقب	〃	〃	منقبت	〃	۲۴۶(۹)	۷۰۷	۲۹۷
صفی	مطبوع صبیان	〃	〃	لغت	〃	۲۳۱	۷۰۱	۲۷۸
حیدر	غزل	〃	〃	کلام	〃	۲۳۹(۴)	۷۰۴	۲۸۷
حیرت	ترجیع بند	〃	〃	〃	〃	۱۷۷(۱)	۱۲۸(ج)	۲۱۰
مکھن	〃	〃	〃	〃	〃	〃(۲)	〃 〃	۲۱۱
حسامی	غزل	〃	〃	〃	〃	〃(۱۳)	〃 〃	۲۱۲
صاحب	〃	〃	〃	〃	〃	〃(۳۳)	〃 〃	۲۱۵
〃	قصیدہ	〃	〃	نعت	〃	۸۴	۱۳۶(ہ)	۱۰۶

؟	کفایت الاسلام	قبل	۱۲۰۰	فقه	نظم	۱۱۷	۶۶۰	۱۵۲
؟	رسالۂ اعمال بد	″	″	پند و موعظت	نثر	۱۴۷	۶۶۸	۱۸۰
؟	قصۂ رسیا	″	″	قصه	نظم	۱۶۹	(۵)۱۲۸	۲۱۷
؟	قصۂ ابوشحمه	″	″	″	″	۱۹۹	۶۱۱	۲۴۰
مختلف شعرا	بیاض نظم و نثر	″	″	کلام و انشا	نظم و نثر	۲۲۶	۷۰۷	۲۹۵

(۶) درمیان سنه ۱۲۰۰ھ و سنه ۱۲۵۰ھ
۱۷۸۶ء ۱۸۳۵ء

افسق (ہدایت)	ہجویہ نظمیں		۱۲۰۱	تاریخ	نظم	۱۰۴	۱۶۲	۱۳۵
″ (″)	دیوانچہ	قبل	۱۲۰۳	″	″	۱۰۵	۱۰۴	۱۳۸
محمود	ظفرنامه		۱۲۰۴	سیر	″	۶۵	۱۳۹	۹۱
مصطفیٰ	وصیت نامه	قریب	″	موعظت	″	۱۱۳	۶۵۶	۱۴۹
عظیم الدین	شادی	قبل	۱۲۰۶	تصوف	″	۲۴۱	۷	۲۹۱
آگاه	من جیون		″	سیر	″	۵۹	(۸)۶۲	۸۵
″	من درپن		″	″	″	۵۸	(۷)۶۲	۸۴
″	ہشت بہشت		۱۲۰۷	″	″	۵۱	۶۲	۷۸
″	محبوب القلوب		″	″	″	۶۱	۱۳۷	۸۷
″	ریاض الجنان		″	″	″	۶۲	۲۱۸	۸۸
″	″		″	″	″	۶۳	۱۰۲	۹۰
″	مراثی		″	″	″	۹۰	۱۳۴	۱۱۲
″	حاشیہ من درپن	″	۱۲۰۹	″	″	۶۰	(۹)۶۲	۸۶
″	″	″	″	″	″	۸۹	۱۱۰	۱۱۱
نامی	نو بہار عشق		۱۲۱۱	قصه	″	۶۷	۵۱۷	۹۳
عزت / عشرت	پدماوت		۱۲۱۱ / ۱۲۵۱	″	″	۱۵۵	۱۷۲	۱۸۸
فگار	عشق نامه		۱۲۱۲	″	″	۲۷۲	۷۱۵	۳۳۲
سوز	غزل	″	۱۲۱۳	کلام	″	۲۳۹	۷۰۴	۲۸۷

آگاہ	روپ سنگھار		۱۲۱۵	فن شعر	نظم	۲۰۰	۱۰۷	۲۴۱
حیدر بخش حیدری	طوطی نامہ		〃	قصہ	نثر	۹۳	۱۶۹	۱۱۳
میرامن	چہار درویش		〃	〃	〃	۹۴	۱۵۳	۱۱۴
〃	〃		〃	〃	〃	۹۵	۴۰۳	۱۱۴
نہال چند	مذہب عشق		〃	〃	〃	۹۶	۱۲۱	۱۱۵
〃	〃		〃	〃	〃	۹۷	۱۵۱	۱۱۶
〃	〃		〃	〃	〃	۲۶۱	۷۱۳	۳۱۸
نعمت اللہ (؟)	خوان نعمت		۱۲۱۷	طب	نظم	۱۱۸	۷۱	۱۵۳
؟	طوطا کہانی	قریب	۱۲۲۰	قصہ	نثر	۲۷۳	۷۱۶	۳۳۳
آیمان	کلیات	قبل	〃	کلام	نظم	۸۴	۱۴۱	۱۱۰
انشا	دیوان	〃	۱۲۲۳	〃	〃	۸۵	۲۱۵	۱۰۷
〃	کلیات	〃	〃	〃	〃	۸۶	۵۲۴	۱۰۸
؟	وفات نامہ خاتون جنت		۱۲۲۴	سیر	〃	۱۴۰	۸۸	۱۷۵
؟	〃		〃	〃	〃	۱۴۱	۷۹	۱۷۶
نکتہ شاہ	کلام	〃	۱۲۲۵	کلام	〃	۲۱۳ (۱۱)	۳۹۳	۲۵۹
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۳۹ (۳)	۷۰۴	۲۸۷
؟	ریختہ ہندی کی صرف ونحو	〃	〃	قواعد	نثر	۲۶۵	۲۳	۳۲۳
شوق	چہار درویش	قریب	〃	قصہ	نظم	۱۰۱	۸۵	۱۱۹
معجز	ریختی	قبل	۱۲۲۹	کلام	〃	۲۱۵ (۶)	۳۶۵	۲۵۹
سید امین	مجذوب السالکین	〃	۱۲۳۰	تصوف	نثر	۱۸۱	۶۸۰	۲۱۸
شجاع الدین	کشف الخلاصہ		۱۲۳۲	فقہ	نظم	۱۳۹	۱۳۱	۱۷۴
〃	〃		〃	〃	〃	۲۹۷	۸۰۹	۳۲۵
محمد اسمٰعیل	تقویۃ الایمان		۱۲۳۵	عقاید	نثر	۱۸۴	۹۷۲	۲۲۳
سید احمد	حقیقت الصلوٰۃ	قریب	〃	〃	〃	۱۸۲	۹۷۰	۲۲۰
؟	رسالۂ جہاد	〃	〃	〃	〃	۱۸۳	۹۷۱	۲۲۲

ظہور علی	ردوہابیہ	قریب	۱۲۳۵	عقاید	نثر	۱۸۵	۹۰۴	۲۲۵
مؤدب	کہانی وقصہ	قبل	۱۲۳۶	کلام	نظم	۱۰۹	۹۸۷	۲۲۹
؟	رسالۂ بے نماز	〃	〃	فقہ	〃	۱۶۲	۹۴	۱۹۶
نادر	مثنوی نادر		۱۲۳۸	تاریخ	〃	۱۰۶	۸۴	۱۴۱
فیض	چشمۂ فیض		〃	کلام	〃	۱۹۳	۱۱۴	۲۳۳
خرم علی	نصیحت المسلمین		〃	عقاید	نثر	۱۴۴	۹۶۵	۱۷۷
〃	شرک وبدعت	قریب	〃	〃	〃	۱۵۲	۱۶۶	۱۸۴
محمد عبداللہ	قیامت نامہ		۱۲۳۹	موعظت	〃	۱۴۵	۹۶۶	۱۷۸
ناطق	قصۂ شہیداں	〃	۱۲۴۰	تاریخ	نظم	۲۶۸	۸۱۰	۳۳۶
الفت	دین دیپک	قبل	۱۲۴۲	فقہ	〃	۱۲۱	۱۴۴	۱۵۵
〃	ایمان درپن	〃	〃	عقاید	〃	۱۳۲	۱۰۳	۱۵۷
فاضل	دہ مجلس		〃	سیر	〃	۱۰۷	۷۲	۱۳۲
محمد ہادی (؟)	سوالات گذوین		〃	عقاید	نثر	۱۴۹	۹۳	۱۸۲
؟	ترجمۂ چہل حدیث	〃	〃	حدیث	〃	۲۳۳	۳۴۸	۲۸۰
حسن قنوجی	ہدایت المومنین		۱۲۴۳	عقاید	〃	۱۴۶	۹۹۷	۱۷۹
مستان	غزل	〃	۱۲۴۴	کلام	نظم	۲۳۹(۱۵)	۷۰۴	۲۸۸
رحمن شاہ	قصۂ سیہ پوش	〃	〃	قصہ	〃	۱۷۶	۱۲۸(د)	۲۰۸
فقیر اللہ شاہ حیدر	تناولی	〃	〃	〃	نثر	۱۲۵	۱۵۶	۱۶۰
〃	نظم انور	قریب	۱۲۴۷	〃	نظم	۱۲۶	۱۵۵	۱۹۳
〃	مخمس	〃	〃	منقبت	〃	۲۰۶	۷۰۷	۲۹۵
؟	اصلاح مسلماناں	قبل	۱۲۴۵	عقاید	نثر	۱۵۱	۱۶۵	۱۸۳
ملنگ شاہ	غزل	〃	〃	کلام	نظم	۲۳۹(۲)	۷۰۴	۲۸۷
نیم چند	گل باصنوبر	〃	۱۲۴۸	قصہ	نثر	۹۸	۱۶۹ ب	۱۱۷
حسین علیخاں	مرغوب الطبع		〃	〃	〃	۱۲۷	۴۰۶	۱۶۴
〃	〃		〃	〃	〃	۱۲۸	۱۴۶	۱۶۵

حسین علیخاں	چار درویش	قریب	۱۲۴۸	قصہ	نثر	۱۲۹	۱۴۹	۱۶۵
〃	ہمیشہ بہار	〃	〃	〃	〃	۱۳۰	۱۴۳	۱۶۶
؟	کتاب ادویات	قبل	۱۲۴۹	طب	〃	۲۲۸	۳۴۹	۲۷۵
؟	مسائل طبیعی	〃	〃	سائنس	〃	۲۲۹	۳۴۸	۲۷۷
؟	بیان تخمہ کا	〃	〃	طب	〃	۲۳۰	۳۴۷	〃
شمس	ترتیب النکاح		۱۲۵۰	فقہ	〃	۱۳۱	۹۶۲	۱۶۸
〃	ترتیب نماز		〃	〃	〃	۱۳۲	〃(ب)	〃
غلام دستگیر	احوال قیامت	〃	〃	موعظت	نظم	۹۶	۱۳۸(ب)	۹۳
مشتاق	کتاب ہدیٰ	〃	〃	〃	〃	۱۵۰	۹۶۹	۱۸۲
؟	قیامت نامہ	〃	〃	〃	نثر	۱۵۳	۵۷	۱۸۵
فقیر اللہ شاہ حیدر	چار کرسی طریقت	〃	〃	تصوف	نظم	۱۵۸	۴۰۸(ب)	۱۹۳
نصیر	منتخب دیوان	〃	〃	کلام	〃	۸۸	۱۳۶ و	۱۰۵
؟	دہ مجلس	〃	〃	سیر	نثر	۱۵۹	۱۶۱	۱۹۴
رونق	غزلیات	〃	〃	کلام	نظم	۲۳۹(۱۴، ۱۹)	۷۰۴	۲۸۸
؟	اربع عناصر الوجود	〃	〃	تصوف	نثر	۱۶۳	۱۷۵	۱۹۷
〃	رمز محل	〃	〃	〃	〃	۱۶۴	۱۷۶	۱۹۸
〃	معرفت حق	〃	〃	〃	〃	۱۶۵	۱۷۷	〃
〃	رسالہ وجودیہ	〃	〃	〃	〃	۱۶۶	۱۷۸	۱۹۹
〃	رسالہ چہل تن	〃	〃	〃	〃	۱۶۷	۱۷۹	〃
〃	قصہ دائی حلیمہ	〃	〃	سیر	نظم	۲۳۶	۲۰۰	۲۸۴
〃	اگر گل	〃	〃	قصہ	〃	۱۷۳	۱۷۳	۲۰۵
〃	نور نامہ	〃	〃	تصوف	نثر	۲۴۶(۲۲)	۷۰۷	۲۹۹
اشرف الدین	چہار کرسی	〃	〃	فقہ	〃	۱۸۰	۴۴	۲۱۷
گوہر	غزل	〃	〃	کلام	نظم	۲۴۶(۱۶)	۷۰۷	۲۹۸
محمدی	محرمات شرعی	〃	〃	فقہ	〃	۱۸۸	۶۸۵	۲۲۹

نظیر	بوڑھاپا	قبل	۱۲۵۰	کلام	نظم	۲۴۶(۶)	۷۰۷	۲۹۶
ناسخ	دیوان اول	قریب	〃	〃	〃	۱۹۱	۱۴۲(ب)	۲۳۲
〃	〃 دوم	〃	〃	〃	〃	۱۹۲	〃 (ا)	〃
〃	غزل	〃	〃	〃	〃	۲۴۶(۵)	۷۰۷	۲۹۶
وقار (؟)	مجرا	〃	〃	منقبت	〃	۲۴۶	〃	〃
؟	ترجمۂ کریما	قبل	〃	موعظت	〃	۲۳۲	۷۰۹و۱۹۱ا	۲۷۹
نثار	مناقب	〃	〃	منقبت	〃	۲۴۶(۷)	۷۰۰	۲۹۷
شوق	بہار گلشن	〃	〃	قصہ	〃	۲۴۸	۷۸	۳۰۱
رسا	غزل	〃	〃	کلام	〃	۲۴۶(۱۷)	۷۰۷	۲۹۸
حیات (؟)	آب حیات	〃	〃	قصہ	〃	۲۵۴	۷۱۲	۳۰۹
شاہی	انتخاب کلام	〃	〃	کلام	〃	۲۵۳	۳۴۳	۳۰۸
امیر	مناقب	〃	〃	منقبت	〃	۲۴۶(۱۲)	۲۹۷	۲۹۵
〃	مرثیہ	〃	〃	〃	〃	۲۴۴(۴)	۳۴۴	۲۹۲

(۷) درمیان سنہ ۱۲۵۰ھ و سنہ ۱۳۱۹ھ
۱۸۳۵ء ۱۹۰۰ء

شاہ علی	ترجمۂ شرح چغمینی	قریب	۱۲۵۰	ہیئت	نثر	۲۲۵	۱۵۴	۲۷۴
فیض	فیض جاری		۱۲۵۶	لغت	نظم	۱۹۴	۱۳۵	۲۳۴
〃	غزل		〃	کلام	〃	۲۴۶(۱۸)	۷۰۷	۲۹۸
حسن	〃	قبل	۱۲۵۸	〃	〃	۲۳۹(۹)	۷۰۳	۲۸۸
سید حسینی بادشاہ (؟)	آتاؤلی	〃	۱۲۶۰	قصہ	〃	۱۵۶	۴۰۷	۱۹۱
〃	لاڑو کپور	〃	〃	〃	نثر	۱۵۷	۴۰۹	۱۹۲
مرزا	حملۂ حیدری		〃	سیر	نظم	۱۵۴	۱۵۰	۱۸۹
؟	اسرار غوثیہ	〃	〃	〃	نثر	۲۴۰	۷۳	۲۸۹
مزاج	دیوان اول	قریب	۱۲۶۱	کلام	نظم	۱۹۵	۱۰۰	۲۳۵

نورالدین	کشف الحاجتہ		۱۲۶۲	قصہ	نثر	۱۸۰	۶۸۳	۲۲۸
فضل	طلسم اعظم		۱۲۶۳	قصہ	نظم	۲۶۰	۳۴۰	۳۱۶
آباد	واسوخت	قبل	۱۲۶۸	مسدس	”	۲۷۴	۷۱۷	۳۳۵
آدم	قصہ بادشاہ روم	”	۱۲۶۹	قصہ	”	۱۶۸	۲۰۲	۲۰۰
رمضان شاہ	قطعہ	”	”	تصوف	”	۱۶۹	۲۰۲ ب	۲۰۱
فقیر و ناقص	مجموعہ مناجات	”	۱۲۷۵	”	”	۲۹۲	۸۰۴	۳۱۹
کثیر	وفات نامۂ زہرا	قریب	”	کلام	”	۲۴۲	۳۴۵	۲۹۱
ندا، مسعود، دستگیر	مجموعہ مولود شریف	”	”	”	”	۲۹۳	۸۰۵	۳۲۰
	گلستہ نامۂ خاتون جنت	قبل	۱۲۷۶	سیر	”	۱۴۳	۱۱۸	۱۷۷
محمد نعیم مسکین شاہ	واقفیات سلوک		”	تصوف	نثر	۱۷۲	۷۵	۲۰۴
”	کلام	قریب	”	”	نظم	۲۹۳	۸۰۵	۳۲۰
واجد علی شاہ	تاریخ بدر		”	انشا و تاریخ	نثر	۲۳۴	۱۴۵	۲۸۱
مزاج	دیوان دوم	”	”	کلام	نظم	۱۹۷	۱۷۱(ج)	۲۳۹
سید سلطان محی الدین	نکات الواصلین		۱۲۷۹	تصوف	نثر	۱۹۰	۲۰۶	۱۹۴
”	وجدان الحق	قبل	۱۲۸۱	”	نظم	۱۹۱	۲۰۸	۱۹۹
ناظم	دیوان	”	”	کلام	”	۲۵۲	۳۴۲	۳۰۵
فضل الرحمن	چہار گلزار		۱۲۸۰	تاریخ	نثر	۲۵۱	۷۱۰	۳۰۴
حبیب علی شاہ	حبیب المریدین	”	۱۲۸۱	تصوف	”	۱۸۹	۶۸۴	۲۲۹
شعلہ	مسدس اکبر		۱۲۸۷	تاریخ	نظم	۲۹۴	۱۶۸	۳۲۱
لطیف	غزلیات	”	۱۲۸۸	کلام	”	{۲۳۹(۷) ۲۴۹(۲۰)}	۷۰۳ ۷۰۷	{۲۸۷ ۲۹۹}
مزاج	دیوان سوم	”	۱۲۹۱	”	”	۱۹۸	۱۷۱(ب)	۲۳۹
دبیر	سلام	”	۱۲۹۲	منقبت	”	۲۴۹	۷۰۷	۲۹۶
رضا	غزل	”	”	کلام	”	۲۳۹	۷۰۴	۲۸۸
شرف النساء	دیوان	قریب	۱۳۰۰	”	”	۲۴۷	۸۰۰	۲۹۹
بلہار	مناقب	”	”	منقبت	”	۲۴۶(۴)	۷۰۷	۲۹۶

آدب	غزل	قریب ۱۳۰۰	کلام	نظم	۲۴۳ (۲)	۳۴۴	۲۹۲
عصر	دیوان رباعیات	۱۳۱۳	"	"	۱۹۵	۱۰۰	۱۳۵
رونق علی	روضۃ الاقطاب	۱۳۱۹	تاریخ	نثر	۲۵۰	۷۰۹	۳۰۳

۶- تصریحات

اس تذکرے کی طباعت کے اثناء میں معلوم ہوا کہ بعض امور مزید تشریح طلب ہیں یا بعض معلومات یا تاریخ کا اندراج غلط ہوگیا ہے اس لئے ان کی مختصر سی وضاحت درج ذیل ہے :-

(۱) تحفتہ النصائح (مخطوطہ نمبر ۱۶ صفحہ ۳۵) کے مصنف قطب الدین رازی کے حالات میں ان کے مرشد شاہ ابوالحسن کی نسبت جو معلومات درج ہیں اُن میں شاہ ابوالحسن قربی قادری کا نام بھی قابل ذکر ہے یہ جنوبی ہند کے ایک بڑے صوفی اور بافیض بزرگ تھے اور محمد باقر آگاہؔ (دیکھو مخطوطات ۱۵ تا ۲۳) ان کے خاص معتقد تھے اور اپنی کتابوں میں ان کی مدح لکھی ہے۔

---

(۲) روضتہ الاطہار (مخطوطہ نمبر ۳۹ صفحہ ۶۵) کے مصنف میر نوازش علی خاں شیداؔ کی ایک دوسری مثنوی اعجاز احمدی کے بیان میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ یہ ضخیم کتاب مطبع کریمی بمبئی سے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں خاص اہتمام کے ساتھ (۸۱۴ صفحات میں) چھپ چکی ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔

---

(۳) کسب محویت (مخطوطہ نمبر ۴۱ صفحہ ۶۶) کے مصنف شاہ صدرالدین کی تحقیق کے سلسلہ میں میسور کے اِسی نام کے ایک مشہور مصنف کا تذکرہ ضروری ہے۔ اِن کی بھی کئی کتابیں موجود ہیں اور پروفیسر سروری ان کی تحقیق و ترتیب میں مصروف ہیں۔

---

(۴) عقاید نامہ (مخطوطہ نمبر ۹۴ صفحہ ۷۶) کے مصنف آگاہ کا سنہ ولادت سہو کتابت سے ۱۱۵۴ھ چھپ گیا ہے۔ صحیح ۱۱۵۸ھ ہے۔

---

(۵) ظفرنامہ (مخطوطہ نمبر ۶۵ صفحہ ۹۱) کے تذکرے میں اس کے مطبوعہ نسخے کا بیان چھوٹ گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں مطبع قیومی کانپور سے ۱۵۶ صفحات میں چھپ چکی ہے۔ اس کا ایک نسخہ میرے یہاں موجود ہے۔ اس میں تقریباً چار ہزار ابیات ہیں۔ اور اس کے مرتب محمد قمرالدین نے طبع کے وقت قدیم زبان و محاورہ کو غلط سمجھ کر اس میں نامناسب رد و بدل کردیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں یہ نوٹ درج ہے :-

"بعض جا بضرورت اصلاح کردی۔ اور اکثر جا مطابق اصل اور محاورۂ زبان مصنف کے رہنے دیا۔ اور بعض اشعار ناموزوں تھے اور بعض میں قافیہ نہ تھا۔ اس کو بنا دیا۔"

---

(۶) مدح میراں (مخطوطہ نمبر ۱۱۵ صفحہ ۱۵۰) کے مصنف شاہ میر کے حالات میں میسور کے شہ میر کا تذکرہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

---

(۷) تنبیہہ النساء (مخطوطات نمبر ۱۳۴ تا ۱۳۸ صفحات ۱۷۰ تا ۱۷۳) کے مصنف خواجہ رحمت اللہ کے حالات زندگی ان کے ایک معتقد محمد نظام الدین قادری نے ۱۳۱۱ھ میں ایک فارسی کتاب عقیدۃ الطالبین میں قلمبند کئے تھے جو ۱۳۲۵ھ میں مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ مرحوم کی فرمایش پر مطبع یوسفی حیدرآباد سے ۸۰ صفحات میں شایع ہوچکی ہے۔

اسی سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ خواجہ رحمت اللہ نے جس اودگیر میں قیام کیا تھا وہ بیدر کے قریب کا قلعہ اودگیر نہیں ہے ۔۔۔ یہ جنوبی ہند کا ایک دوسرا مقام ہے جہاں کی لڑائی انگریزی تاریخوں میں مشہور ہے۔

---

(۸) تنبیہہ النساء (مخطوطہ نمبر ۱۳۸ صفحہ ۱۷۳) کا یہ نسخہ ناقص الآخر نہیں بلکہ ناقص الاول ہے۔

---

(۹) وفات نامۂ زہرا (مخطوطات نمبر ۱۴۰، ۱۴۱ صفحات ۱۷۵-۱۷۶) بمبئی میں ۱۲۶۱ھ میں دوسری مثنویوں لعل و گوہر، قصۂ تمیم انصاری، لیلیٰ مجنوں وغیرہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ بھی ادارے میں موجود ہے۔ اس میں (۱۹۰) ابیات ہیں۔ لیکن ادارے کے مذکورہ مخطوطات میں ابیات کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔

---

(۱۰) دُرِ اسرار (مخطوطہ نمبر ۱۷۰، صفحہ ۲۰۱) خواجہ بندہ نوازؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ایک صوفی شاعر سلطان کی کتاب ہے اس کی کچھ وضاحت مخطوطہ نمبر ۲۱۸ میں درج ہے۔

---

(۱۱) چہار کرسی (مخطوطہ نمبر ۱۸۰ صفحہ ۲۱۷) کے مصنف اشرف الدین عرف دامومیاں کی نسبت یہ واقعہ غلط ہے کہ انہوں نے خطابت بودھن کی معاش منشی وقارالدین کو عطا کردی تھی۔ وہ منشی صاحب موصوف کے ماموں تھے نہ کہ بھائی۔ وقارالدین مرحوم کو بودھن کی خطابت اپنے بڑے بھائی سے حاصل ہوئی تھی۔

---

(۱۲) مجذوب السالکین (مخطوطہ نمبر ۱۸۱ صفحہ ۲۱۸) کے تذکرے میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے سفر قندھار کا جو واقعہ درج ہے اس میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس وقت تک حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان کا وصال نہیں ہوا تھا۔

---

(۱۳) نظم شادی (مخطوطہ نمبر ۲۴۱ صفحہ ۲۹۱) کے مصنف شاہ عظیم الدین نے ۱۲۱۴ھ میں ایک مثنوی قصہ "بیرالعلم" لکھی تھی جس میں ۲۵۰ ابیات ہیں۔ اور یہ مثنوی ۱۲۶۱ھ میں چند اور قصوں کے ساتھ بمقام بمبئی طبع ہو چکی ہے اور یہ مطبوعہ نسخہ ادارے میں محفوظ ہے۔

---

(۱۴) واسوخت آباد (مخطوطہ نمبر ۲۷۴ صفحہ ۳۳۵) کے تذکرے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس مصنف کے دو اور واسوخت مجموعۂ شعلہ جوالہ کی جلد اول کے صفحات ۲۳۵ تا ۲۶۱ میں مطبع منشی نولکشور سے ۱۲۸۵ھ میں چھپ چکے ہیں۔ ان میں پہلا واسوخت بہت طویل ہے

کیونکہ اس میں ۹۸ بند ہیں۔ یہ مطبوعہ مجموعہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔

---

(۱۵) مخطوطات نمبر۱۷۰ تا ۱۷۹ مولوی خواجہ حمید الدین صاحب شاہد بی اے مدیر سب رس و مہتمم ادارہ کا عطیہ ہیں۔ افسوس ہے ان کتابوں کے تذکرے میں اس واقعہ کا اندراج سہواً نہ ہوگا۔ اگرچہ بعد کو معطیین کی فہرست میں ان کو شریک کرلیا گیا ہے۔

۷۔ اشاریہ

اس تذکرے میں اشخاص، کتب و رسائل اور مقامات کے نام اس کثرت سے آئے ہیں کہ ان کے اشاریہ کی ترتیب ایک مشکل کام تھا لیکن مولوی محی الدین احمد صاحب متعلم بی اے جامعہ عثمانیہ لائق مبارک باد ہیں کہ انھوں نے کئی ماہ کی محنت کے بعد اس کو مکمل کر لیا جس کے لئے منجانب ادارہ ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

(ا)

(ٹ)

(ث)

(ج)

(ص)

(غ)

Jamia
Nagar